حضرت مولانا خیر محمد جالندھری قدس سرہ

و دیگر مفتیان خیر المدارس کے تحقیقی فتاویٰ کا منتخب مجموعہ

باہتمام

حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہ

مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان

مرتب

حضرت مولانا مفتی محمد انور مدظلہ

ناشر

مکتبہ امدادیہ ملتان، پاکستان

پیشِ لفظ

از
حضرت مولانا محمد حنیف صاحب جالندھری زید مجدہم
مہتمم جامعہ خیر المدارس۔ ملتان شہر

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم ـــــــ اما بعد:

اسلام ایک جامع نظامِ حیات ہونے کے لحاظ سے دُنیا کے تمام مذاہب سے مُمتاز ہے اسکی تعلیمات "قرآن حکیم، حدیثِ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور فقہاء کرام کی اجتہادی کاوشوں کی شکل میں انشاء اللہ قیامت تک محفوظ رہیں گی۔ اس دعویٰ کی صداقت کے لئے ایک دو نہیں چودہ صدیوں کی شہادت موجود ہے۔ اس عرصہ میں دین کی سرحدوں پر عُلماء کرام نے ایک وفادار اور چوکس غلام کی طرح پہرہ دیا ہے۔ قرآن کریم کو (نعوذ باللہ) غیر محفوظ کہنے والے ہوں" یا حدیثِ رسولؐ کو بے وقعت ٹھہرانے والے، فقہ اسلام کو دورِ ملوکیت کی پیداوار قرار دینے والے ہوں یا احسان وسلوک کو افیون کا نام دینے والے، ان تمام گروہوں کی ستم کیشیوں چیرہ دستیوں کا بے جگری سے مقابلہ کرنے اور سرچشمۂ اسلام کا مردانہ وار دفاع کرنے کا شرف واعزاز اگر کسی کو حاصل ہے تو وہ انہی عُلماء ربانیین کی جماعت ہے۔ جس نے اپنی بے بضاعتی اور ابنائے زمانہ کی ناقدر شناسی کے باوجود اپنے فرضِ منصبی کو نہ صرف نبھایا بلکہ آنیوالی نسلوں کے لئے ایسی بُنیادیں فراہم کردیں کہ اسلام کی عمارت مخالفت کے تُند وتیز تھپیڑوں اور طوفانوں میں بھی پُوری قوت واستقامت سے برقرار رہے۔

عصرِ حاضر کے جدید تہذیب وتمدن سے جو نئے نئے مسائل اور اشکالات سر اُٹھاتے ہیں اسلام کی روشنی میں اُنکے حل اور قوم کی رہنمائی کے فریضہ سے عُلماء کرام نے کبھی کوتاہی اور غفلت نہیں کی۔ مغربی تعلیم یافتہ حلقوں کا یہ الزام کہ عُلماء عصرِ حاضر کے تقاضوں سے بے خبر ہیں صرف اس لئے ہے کہ علماء حق نے شریعت کو بازیچۂ اطفال بنانے کی اجازت

کبھی دَور میں نہیں دی اور نہ ہی دورِ جدید کے "مجتہدین" کے فتووں کا وحت سے مرعوب ہو کر اسلام کے ابدی اصولوں کو متزلزل اور محل ترمیم سمجھ لیا ہے۔ باقی انسانی زندگی کی بے شمار جزئیات میں پیش آنے والے ہزاروں مسائل ایسے ہیں کہ عامۃ المسلمین نے ان کے حل کے لئے ملک کے مستند دینی اداروں سے رجوع کیا اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ انہیں جواب نہ دیا گیا ہو یا ان کی تشفی نہ کرائی گئی ہو۔ جامعات کے "دار الافتاء" کے ریکارڈ سے یہ شہادت لی جاسکتی ہے کہ اب تک ہزاروں اشکالات واستفسارات کے شافی و مدلل جوابات لاکھوں قلوب کو سکون و طمانیت عطا کر چکے ہیں۔

علماء کرام اور مفتیانِ عظام کی انہی علمی و دینی کاوشوں کا ایک حسین ثمر "خیر الفتاوی" کی شکل میں آپکے سامنے ہے۔ جو ملک کی معروف دینی درسگاہ جامعہ خیر المدارس کے بانی و مہتمم عارف باللہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ اور دیگر مفتیانِ خیر المدارس کی چالیس سالہ محنتوں کا نچوڑ ہے۔ اس قبل اس سلسلۃ الذہب کی دو کڑیاں منظرِ عام پر آ چکی ہیں جنہیں اہل علم سے خراجِ تحسین کے علاوہ ملک و بیرون ملک وسیع تعارفی حلقہ میسر آیا ہمارے لئے باعثِ صد برکت رہے۔ اب اسکی تیسری جلد پیش کی جا رہی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اہل نظر حسب سابق اس کا استقبال اور قدر افزائی شایانِ شان کریں گے۔

پہلی دو جلدوں کی طرح جلد ثالث کی ترتیب و مراجعت بھی فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبد الستار صاحب مد ظلہم صدر مفتی جامعہ ہذا کی نگرانی اور سرپرستی میں جامعہ کے مفتی و استاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب دامت برکاتہم نے فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کی مساعیٔ جمیلہ کو قبول فرمائیں ان شاء اللہ العزیز کچھ وقفہ کے بعد جلد رابع بھی منظرِ عام پر آ جائے گی۔ تمام ناظرین سے التماس ہے کہ وہ جامعہ مدارس کے کارکنان، اساتذہ کرام اور فتاویٰ کی ترتیب و تالیف کرنیوالوں کو اپنی دعاؤں میں یاد فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اس مبارک سلسلہ کو جملہ اہلِ اسلام کے لئے نفع اور ذریعہ ہدایت فرمائیں۔ آمین۔

والسلام۔

محمد حنیف جالندھری

مہتمم جامعہ خیر المدارس۔ ملتان

اجمالی فہرست خیر الفتاویٰ (جلد سوم)

فہرست مضامین خیر الفتاویٰ جلد سوم

نمبر شمار	باب الجمعۃ	صفحہ

بَابُ العِیدَین

قال الله تعالىٰ يا ايها الذين امنوا اذا نودى للصلوة من يوم الجمعة فاسعوا الى ذكر الله وذروا البيع ذٰلكم خير لكم ان كنتم تعلمون ٥

اے ایمان والو! جب اذان ہو نماز کی جمعہ کے دن تو دوڑو اللہ کی یاد کو اور چھوڑ دو خرید و فروخت یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم کو سمجھ ہے۔

(سورۂ جمعہ پ ۲۸) (ترجمہ شیخ الہند)

خیر الفتاویٰ

(جلد سوم)

مرتب:
محمد انور

جمعہ کیلئے دو خطبوں کا ثبوت

(۱) کیا خطبہ جمعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر کے زمانہ میں ایک پڑھا جاتا تھا؟

(۲) خطبہ جمعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کس زمانہ میں اجماع صحابہ سے دو حصوں میں شروع ہوا؟

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اذان جمعہ ایک دلوائی یا دو، اور پھر یہ دو اذانیں کس سے شروع ہوئیں؟

الجواب (۱، ۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب خطبتین کان یجلس اذا صعد المنبر حتی یفرغ اراہ المؤذن ثم یقوم فیخطب ثم یجلس فلا یتکلم ثم یقوم فیخطب۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۵۶)

(۳) اذان ثانی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگوں کی کثرت کی وجہ سے اجماع صحابہ سے شروع ہوئی۔

فلما کان خلافۃ عثمان وکثر الناس امر عثمان یوم الجمعۃ

بالاذان الثالث ینادی به علی الزوراء فثبت الامر علی ذلک

(ابوداؤد ج ۱ ص ۱۵۶) فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۵/۱/۹۲ھ

اذان ثالث کہنا بوجہ تکبیر کے ہے ورنہ بلحاظ اذان، اذان اول ہے۔ والجواب صحیح۔

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔

خطبہ جمعہ سے پہلے نعتیں وغیرہ پڑھنا

نمازِ جمعہ ادا کرنے سے پہلے سنتیں پڑھنے کا وقت ہوتا ہے۔ کیا مسجد میں نعت یا مدح صحابہ وغیرہ اس طرح گا کر پڑھنا کہ جس سے سنتیں پڑھنے والے کو خلل پڑ جائے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب نمازِ جمعہ میں جب تک کہ لوگ سنتیں پڑھ رہے ہوں نعت خوانی شروع کرنا جس سے نمازیوں کی نماز میں خلل آئے مکروہ ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفر لہ

خادم الافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ ۲۱/۱/۸۷ھ

خطبہ سنتے وقت کیسے بیٹھا جائے

جب امام خطبہ ادا کرتا ہے تو سامعین کے بیٹھنے کی شکل کیا ہونی چاہئے؟ بینوا توجروا

محمد اقبال عفا اللہ عنہ، گلشن آباد، گوجرانوالہ

الجواب جیسے سہولت ہو بیٹھ سکتے ہیں۔ البتہ مستحب یہ ہے کہ بحالت تشہد دو زانو بیٹھا جائے۔ مگر پہلے خطبہ میں ہاتھ باندھنا اور دوسرے میں گھٹنوں پر رکھنا محض عامیانہ فعل ہے شرعاً اس کی کوئی اصل نہیں، دھیان نہ کیا جائے۔

اذا شهد الرجل عند الخطبة ان شاء جلس محتبيا او

مستریبا او کما تیسر لانه لیس بصلوة جماعة حقیقة کذا فی المضمرات ویستحب ان یقصد فیها کما یتصدق الصلوة کما فی معراج الدرایة (عالمگیری، ج ١، ص ٤٧)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفی عنہ ، مفتی خیر المدارس ملتان

جمعہ کی نماز تین بجے درست ہے یا نہیں

اگر مورخہ تین دسمبر کو شہر لائل پور میں نماز جمعہ تین بجے پڑھائی جائے تو مذہب احناف کے مطابق نماز جمعہ کی ادائیگی وقت کے اعتبار سے صحیح ہے یا باطل؟ اگر صحیح ہے تو بلا کراہت یا کراہت کے ساتھ؟ کراہت کی صورت میں مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟

محمد فضل قیوم عفا اللہ عنہ ، طارق آباد ، لائل پور

الجواب جمعہ کے بارے میں تعجیل یعنی اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے۔ سردی ہو یا گرمی۔ کما فی الشامیہ ، ج ١ ، ص ٣٣ -

لکن جزم فی الاشباه من فن الاحکام انه لیس لها الابراد وفی جامع الفتاوی لقارئ الهدایة قیل انه مشروع لانها تؤدی فی وقت الظهر وتقوم مقامه وقال الجمهور لیس بمشروع لانها تقام بجمع عظیم فتأخیرها مفض الی الحرج ولا کذلک الظهر وموافقة الخلف لاصله من کل وجه لیس بشرط۔ اھ۔ شامی ص ج ١۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں جمعہ کی نماز ادا تو ہو گئی۔ البتہ وقت مکروہ میں پڑھنے کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہو گی۔ کما فی الطحطاوی ، ص ٩٨۔

وفی الخزانة الوقت المکروه فی الظهر ان یدخل فی حد الاختلاف واذا اخره حتی صار ظل کل شیء مثله فقد دخل فی حد الاختلاف حموی۔

فقط واللہ اعلم : بندہ محمد اسحاق غفرلہ

ظہر کا وقت مفتی بہ مذہب کے مطابق ایک مثل تک ہے اگر جمعہ ایک مثل کے اندر ہے تو صحیح ہے ورنہ باطل ہے ۔

خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان

جمعہ میں خطیب و امام ایک ہی ہونا چاہیئے

ایک خطیب کا گلا خراب ہے اس نے ایک اور خطیب کو دعوت دی ۔ اس نے صرف خطبہ پڑھا اور نماز کے لئے سائل کو آگے کر دیا ۔ بعد میں بتایا کہ میں جمعہ ادا کر چکا تھا بھول گیا یہ درست ہے ؟ اور وہ جمعہ میں نائب کر سکتے ہیں ؟

الجواب جمعہ میں امام و خطیب ایک ہی شخص ہونا چاہئے ۔ مذکورہ جمعہ ہو گیا ۔ آئندہ ایسا نہ کیا جاوے ۔ جو جمعہ ادا کر چکا ہے وہ بحیثیت نفل تو شریک جماعت ہو سکتا ہے امامت نہیں کر سکتا ۔

لا ینبغی ان یصلی غیر الخطیب لانھما کشیء واحد فان

فعل بان خطب صبی باذن السلطان وصلی بالغ جاز اھ

(در مختار علی ہامش الشامی ج ۱ ص ۷۶۲) فقط

واللہ اعلم

الجواب صحیح — محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — مفتی خیر المدارس ملتان ۲۳/۱۰/۹۹ھ

عورتوں کا جمعہ کے لئے مسجد میں آنا مکروہ ہے

زید کہتا ہے کہ عورتوں کے لئے نماز جمعہ کے لئے مسجد میں آنا جائز ہے ۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھتی تھیں ۔ دوسرے مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ پڑھتی تھیں مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع فرما دیا تھا ۔ تو عورتوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جا کر شکایت کی تو

انہوں نے فرمایا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوتے تو وہ بھی منع فرما دیتے۔ اگر یہ درست ہے تو عبارات مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

۲۔ کیا اب عورتیں نماز جمعہ کے لئے مسجد میں آئیں یا نہ آئیں؟

الجواب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ ارشاد ابوداؤد شریف (ج ۱ ص ۸۴) پر منقول ہے۔

عن عائشة رضي الله عنها قالت لو ادرك رسول الله صلى الله عليه وسلم ما احدث النساء لمنعهن ... الحديث

۲۔ اس وقت بھی عورتوں کا آنا مکروہ ہے۔

ويكره حضورهن الجماعة ولو لجمعة وعيد ووعظ مطلقا ولو عجوزا ليلا على المذهب المفتى به لفساد الزمان. اهـ

(در مختار مع الشامية ج ۱ ص ۵۲۹)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان
۲۹/ ۱۲/ ۱۴۰۱ھ

جمعہ کی اذان ثانی کے بعد دعا مانگنے کا حکم

جمعہ کی دوسری اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست ہے یا نہیں؟

محمد اقبال سیج سنٹر حرم گیٹ ملتان

الجواب ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست نہیں ہے، دل میں مانگ سکتے ہیں۔

لما نقله عليه ... الصدور. اذا خرج الامام فلا صلوة ولا كلام الى تمامها اى الخطبة اهـ

(در مختار مع الشامی ج ۱ ص ۵۵۲)۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۲/ ۲/ ۱۴۰۲ھ

اجتماع عید و جمعہ سے سقوط جمعہ نہیں

زید کہتا ہے کہ اگر عید اور جمعہ ایک دن جمع ہو جائیں اور مسلمان عید کی نماز پڑھ لیں تو ان پر جمعہ کی فرضیت باقی نہیں رہتی یعنی ظہر ادا کرنی چاہیے نہ کہ جمعہ۔ اگر جمعہ ادا کریں گے تو ان کے ذمہ ظہر کی نماز باقی رہے گی اور نہ پڑھنے پر ترک فرض کے مجرم ہوں گے۔

بکر کہتا ہے کہ ایسا نہیں، بلکہ جب مسلمان عید پڑھ چکیں گے تو اس دن جمعہ پڑھنے نہ پڑھنے میں ان کو اختیار ہوگا۔ یعنی اگر جمعہ نہ پڑھیں بلکہ ظہر با جماعت پڑھ لیں تو ترک فرض جمعہ کے مجرم نہ ہوں گے۔ اور اگر جمعہ پڑھیں گے تو اس دن کی ظہر سے بری الذمہ ہو جائیں گے جمعہ فرض بن کر ظہر کے قائم مقام ہو جائے گا جیسا کہ نابینا وغیرہ معذورین پر جمعہ فرض نہیں اور اگر جمعہ ادا کریں تو ان سے ظہر ساقط ہو جاتی ہے۔ دونوں کا منشا اختلاف جامع الرموز کی یہ عبارت ہے

"فلو اجتمعت له سنتان الاسقط احدهما قبل الاداء صلوٰة العيد وقبل صلوٰة الجمعة كما في المضمرات انتهى جامع عفيه :

عرض ہے کہ زید اور بکر میں سے کس کا قول صحیح ہے اور کس کا غلط۔ مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب زید اور بکر دونوں کا قول خلاف تحقیق اور غیر صحیح ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ عید اور جمعہ اگر ایک ہی دن میں جمع ہو جائیں تو عید پڑھ لینے سے وجوب جمعہ ساقط نہیں ہوتا بلکہ جمعہ بدستور فرض و واجب رہتا ہے۔ جمعہ چھوڑنے کی ایسی صورت میں اجازت نہیں۔ "جامع الرموز" کی جو عبارت سوال میں نقل کی گئی ہے یہ حنفیہ کا مذہب نہیں ہے بلکہ حضرت عطاء کا قول ہے۔ درمختار میں اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

قلت قد راجعت المضمرات فرأيته حكاه عن مذهب الغير وبصيغة التمريض فتنبه اھ وقال الشامية اى مذهب غيرنا اما مذهبنا فلزوم كل منهما قال في الهداية ناقلا عن الجامع الصغير عيدان اجتمعا في يوم واحد فالاول سنة والثاني فريضة ولا يترك واحد منهما اھ قال في المعراج احترز به

عن قول عطاء تجزی صلوۃ العید عن الجمعۃ ۔ اھ

(منتقیہ ج ۲ : صلا) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۰/۹/۱۳۸۶ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

اڑھائی ہزار کی آبادی میں جمعہ درست ہے

چک نمبر ۲۵۱ گ ب ، کاگی ضلع فیصل آباد برلب سڑک پختہ ہے آبادی اڑھائی ہزار ہے چک میں بجلی ، ڈاک خانہ ، مڈل سکول ، گرلز سکول ، پرائمری سکول مرولنہ ، دو کارخانے جس میں آٹا پیسنے کی مشین ، لکڑی چیرنے کی مشین ، روئی پینجنے والی مشین ، تیل والی مشین ، بسوں کا اڈہ ، گیارہ دوکانیں ، برف کا کارخانہ اور چک میں تو حد کانیں ہیں بسوں کا اڈہ چک مذکورہ سے دو فرلانگ پر ہے ، چوتھے مربع پر ہائی سکول اور کالج ہے ۔ تین مسجدیں ہیں ، نیز مدرسہ تعلیم القرآن و تعلیم البنات بھی ہے ۔ کیا یہاں جمعہ جائز ہے ؟

حکیم عبد الحمید لورنگ پوری

الجواب مذکورہ بستی کے بارے میں تقریباً بیس سال پہلے بھی استفتاء کیا گیا تھا جس کے جواب میں جواز جمعہ کا فتویٰ دیا گیا تھا ، اب تک بستی کی آبادی و مرکزیت میں مزید اضافہ ہوا ہے جیسا کہ زیر جواب استفتاء میں مذکور ہے ۔ لہٰذا یہاں صحت جمعہ میں تردد نہ کیا جائے ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ
۲۴/۱۰/۱۴۰۰ھ

۲ ہزار کی آبادی میں جمعہ کا حکم

ایک گاؤں جس کی آبادی ساڑھے تین سو خانہ کی ہے اور رقبہ آبادی کا ایک مربع نو ایکڑ ہے اور تقریباً دوکانات ہیں جن سے جملہ اشیاء ضرورت مل سکتی ہیں ۔ اور ایک کارخانہ آٹا پیسنے کا اور مدرسہ تعلیم القرآن ، ہاکنویں اور ۵ ملکے ، ایک پنچایتی عدالت جس کو مجسٹریٹی اختیارات حاصل ہیں

باشندگان کی تعداد تقریباً دو ہزار ہے۔ مٹی کے برتنوں کی دوکان اور ڈاکخانہ، موچی وغیرہ بھی موجود ہے۔ کیا یہاں جمعہ جائز ہے؟

الجواب بستی مذکورہ اپنی آبادی اور تجارتی دوکانوں کے اعتبار سے قریہ کبیرہ کی حد میں داخل ہے۔ بنظر احقر راقم الحروف نے خود بھی معائنہ کیا ہے۔ لہذا مذکورہ بستی میں فرض جمعہ ادا ہو جاتا ہے۔ شامی ج ۱ ص ۵۳۰ میں ہے۔

وتقع فرضاً فی القصبات والقری الکبیرۃ التی فیہا اسواق۔ اھ فقط واللہ اعلم۔

العبد محمد عطاء اللہ عفی عنہ

مستم خیر المدارس ملتان ۱۰ ربیع الاول ۱۳۹۸ھ

دوران خطبہ ہاتھ میں عصا لینا (۱) دوران خطبہ جمعہ ہاتھ میں عصا لینے کی تفصیل بیان فرمائیں۔ (۲) عام حالات میں ہاتھ میں عصا لینا کیسا ہے۔ اس کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب (۱) اس باب میں احادیث مختلف دیکھنے سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عصا پر ٹیک لگا کر خطبہ دیا۔ ابو داؤد شریف کے یہ الفاظ ہیں۔ فقام متوکئاً علی عصا او قوس۔ اھ مگر اس سے مواظبت ثابت نہیں ہوتی۔ مسلم کی حدیث میں یہ لفظ بھی موجود ہیں۔ ثم قام متوکئاً علی بلال اھ خلاصہ یہ ہے کہ بوقت خطبہ ہاتھ میں لینا سنت غیر مؤکدہ ہے۔

من دخل فقد احسن ومن لا فلا حرج علیہ۔ (امداد المفتین ج ۱ ص ۱۱۲)۔

(۲) مستحسن ہے اور تین ہاتھ میں لینا چاہئیے۔ وینبغی ان یأخذ السیف او العصا او غیرھا بید الیمنی اما انھا سنۃ فلاستعمال الطھارۃ انما یکون بالیمین والمستقذرات بالشمال۔ (المدخل ج ۲ ص ...) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ —○— محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۳۹۹/۶/۳ھ

القدرة على العربية عنده خلافا لهما حيث شرطاه
الا عند العجز كالخلاف في الشروع في الصلاة ——
——ص۳۴۵ ، قوله ويبدأ اى قبل الخطبة الاولى بالتعوذ سرا ثم بحمد الله
تعالى والثناء والشهادتين والصلوٰة على النبي عليه السلام و
العظة والتذكير والقراءة قال في التجنيس والثانية
كالاولى الا انه يدعو للمسلمين مكان الوعظ ——
——ص۵۴۲ ، في خطبة العيد بين حيث قال ويستفاد من
كلامهم ان الخطيب اذا رأى حاجة الى معرفة بعض
الاحكام فانه يعلمهم اياها في خطبة الجمعة خصوصا في
زمان كثرة الجهل وقلة العلم فينبغي ان يعلمهم
فيها احكام الصوم كما لا يخفى .

الجواب —— افسوس کہ فاضل معترض نے اتنی تکلیف گوارا نہیں فرمائی کہ علامہ ابن عابدین ص۳۴۵ میں جس باب صفۃ الصلوٰۃ کا حوالہ دے رہے ہیں اسے کھول کر دیکھ لیتے ، اس میں صراحۃ موجود ہے ۔

وصح شروعه ايضا مع الكراهة التحريمية بتسبيح و
تهليل الى قوله كما صح لو شرع بغير عربية .

اس صحت کے ساتھ بھی کراہت تحریمی پائی جاتی ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص نماز کو شروع کرتے وقت اللہ اکبر کی بجائے "خدائے بزرگ است" کہہ دے تو نماز میں شروع ہونا تو صحیح ہو جائے گا لیکن "مع الکراہۃ التحریمیۃ" ، اور آگے فرماتے ہیں۔ "شرطا عجزا" صاحبین نے فارسی میں تکبیر کی صحت کے لئے "عجز عن العربیۃ" کی شرط لگائی ہے۔ یعنی بغیر عجز عن العربیۃ کے شروع بالفارسی صحیح نہ ہوگا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ "وعلى هذا الخلاف الخطبة" یعنی خطبہ میں بھی یہی اختلاف ہے کہ امام صاحب کے نزدیک خطبہ فارسی میں صحیح ہو جائے گا بغیر عجز بھی مگر مع الکراہۃ التحریمیۃ اور صاحبین کے نزدیک غیر عربی میں صحیح ہی نہ ہوگا الا عند العجز ۔ خلاصہ یہ کہ اس عبارت کو عجب

سابق تحقیق کے ساتھ ملایا جائے تو امام صاحب کے نزدیک کراہت تحریم اور صاحبین کے نزدیک عدم جواز ثابت ہوتا ہے۔ لیکن صاحبین کا رجوع الی مذہب الامام ثابت ہے۔ لہٰذا جواز خطبہ مع الکراہت التحریمیہ عند الجمیع متفق علیہ ہوگا۔

دوسری اور تیسری عبارت میں کہیں بھی غیر عربی میں خطبہ پڑھنے کی اجازت نہیں صرف تذکیر اور تعلیم احکام کا ذکر ہے تو کیا یہ تذکیر اور تعلیم عربی میں نہیں ہو سکتی؟ اگر یہ کہیں کہ لوگ عربی نہیں سمجھتے تو لوگوں کا فرض ہے کہ وہ عربی سیکھیں۔ نہ یہ کہ علماء خلاف حکم شرع غیر عربی میں خطبہ پڑھیں۔ پھر تو نماز بھی اردو میں ہونی چاہئے۔ قرأت قرآن بھی اردو میں ہونی چاہئے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ
۸ ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ

تحدید فناءِ مصر بفرسخ راجح نیست

چہ فرمایند علماء دین ومفتیان شرع متین درین صورت ہائے مسئلہ۔

۱: فناء شہر از سور البلد شمار کردہ شود یا بعد از زیادتی کردن قراء بیرون سور بلد شروع میشود۔

۲: حدود مسافت فناء چہ مقدار میرسد ودر فرسخ در کتب فقہ چہ مراد میدارد۔

۳: مقدار فناء شہر مسلمانان چیست بعوض پانزدہ وشش نزدہ کنند وعلم بنا کردہ مقیم اند۔ یا محض مسجد شریف مع چند حجرہ برائے درس طلبا است اگرچہ مسلمانان آنجا دیگر در آنجا نیز جمع آیند نماز جمعہ را ادا نمایند او اخواہد شد یا نہ؟

الجواب

وفی الدر المختار علی الشامی ویشترط لصحتہا المصر او فناءہ وھو ما حولہ اتصل بہ اولا کما حررہ ابن الکمال او غیرہ لاجل مصالحہ کدفن الموتی ورکض الخیل اھ۔ وفی الشامیۃ اعترفت احسن من التحدید لانہ لا یوجد ذالک فی کل مصر

وانما هو بحسب كبر المصر وصغره الى ان قال فالقول بالتحديد بمسافة يخالف التعريف المتفق على ما صدق عليه بانه المعد لمصالح المصر فقد نص الائمة على ان الفناء ما اعد لدفن الموتى وحوائج المصر كركض الخيل والدواب وجمع العساكر والخروج للرمي وغير ذلك (ج ۱ صفحہ ۵۳۷) —

حاصل عبارت مذکورہ بالا این است کہ تحدید کردن فناء بفرسخ یا بفرسخین یا میل ومیلین درست نیست زیراکہ فناء بلحاظ خوردی وکلانی شہر مختلف میشود۔ پس تعریف راجح است از تحدید بفرسخ وغیرہ وتعریف فناء متفق علیہ این است۔ ہر آں مقام کہ مستقل آبادی نیست بلکہ از توابع مصر است وبناء او برائے حوائج اہل بلد است۔ مثلاً مردمان در آنجا برائے تیراندازی جمع مے شوند یا مقابر مسلمین در آنجا میباشند یا عساکر مسلمین در آنجا بودہ باشش میدارند آں فناء مصر است۔ بعد ازیں تفصیل خاص جواب این است کہ فناء شہر از سور البلد ومحلات ومکانات بلد شروع شدہ تا آں مقام منتہی شود کہ برائے حوائج اہل بلد از اقسام مذکورہ بالا تیار کردہ شدہ است۔ اگرچہ از چند فرسخ منتہا وزیادہ گردد۔ اعتبار مصالح است نہ کہ مسافت۔ اما این سوال کہ مکانات یا خردہ باشند خود بخود بنا شدہ است اگر در حدود فناء واقع ہستند وتعریف فناء بر آنہا صادق آید در آں اقامت جمعہ جائز باشد ورنہ نے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ ۲۰ / ۱ / ۱۳۷۰ھ

الجواب صواب وحق والحق احق ان یتبع خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان

خطبہ جمعہ میں کفار کیلئے بد دعا کرنا کیسا ہے

خطبہ جمعہ میں مسلمانوں کے لئے دعائیہ کلمات کہنا اور کفار کے لئے بد دعا کرنا کیسا ہے؟

الجواب: خطبہ ثانیہ میں مسلمانوں کے لئے دعا خیر کرنا مستحب ہے۔ قال فی التجنیس والثانیۃ کالاولی الا انہ یدعو للمسلمین مکان الوعظ اھ (شامی ج۱ ص۷۶۱)۔ فی نفسہ کفار و مشرکین پر لعنت کرنا جائز ہے چنانچہ بعض مواقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ لیکن جزو خطبہ ہونے کی حیثیت سے اس کا استحباب منقول نہیں لہذا عام حالات میں ترک انسب ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

۱۵/۲/۱۳۹۶ھ

عورتوں کا جمعہ کیلئے آنا درست نہیں

سوال: مسجد کے ساتھ مخصوص جگہ میں عورتوں کے لئے نماز کی جگہ بنانا درست ہے یا نہیں؟ نیز ان کی جمعہ میں شرکت کا کیا مسئلہ ہے؟

الجواب: متعلقات مسجد میں نماز کے لئے جگہ بنانا درست ہے لیکن عورتوں کا جمعہ کے لئے آنا پسندیدہ نہیں۔ بالخصوص اس زمانہ میں مفسدہ کا باعث ہے۔ ویکرہ حضورہن الجماعۃ ولو لجمعۃ وعید ووعظ مطلقا اھ (درمختار علی الشامیۃ ج۱ ص۵۲۹)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۵/۱/۹۶ھ

بیع و شراء جمعہ کی کونسی اذان کے بعد حرام ہے

سوال: بیع و شراء جمعہ کی کونسی اذان کے بعد حرام ہے؟

الجواب: پہلی اذان کے بعد بیع و شراء حرام ہے۔ ووجب السعی الیہا وترک البیع بالاذان الاول فی الاصح اھ (درمختار علی الشامیۃ ج۱ ص۷۶۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۱/۵/۱۳۹۶ھ

جمعہ کی اذانِ ثانی کہاں دی جائے

جمعہ میں جو اذان خطبہ کے وقت دی جاتی ہے اس اذان کی جگہ کون سی ہونی چاہئے۔ دوسری یا تیسری یا آخری صف میں خطیب کے روبرو ہو کر دی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب مؤذن کو صف اول میں خطیب کے آگے اذان کہنا سنت ہے۔ درمختار میں ہے۔ ویؤذن ثانیا بین یدیہ ای الخطیب۔ اھ۔ ای علی سبیل السنیۃ اھ۔ (درمختار مع الشامی ج ۱ ص [illegible]) فقط واللہ اعلم

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان [illegible]ھ

جمعہ میں کم از کم تین مقتدیوں کا ہونا ضروری ہے

بہشتی زیور میں بتلایا گیا ہے کہ جمعہ مبارک میں تین آدمی ہوں تو جمعہ ادا ہو گا اس مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہے۔

الجواب آپ کو سمجھنے میں اشتباہ ہوا ہے۔ جمعہ ادا کرنے کے لیے امام کے علاوہ تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔ والسادس الجماعۃ واقلہا ثلاثۃ رجال سوی الامام۔ اھ درمختار مع الشامیہ ج [illegible] فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ۲۳ شوال [illegible]ھ

جمعہ کیلئے مسجد کا ہونا ضروری نہیں ہے

ہم فائر بریگیڈ میں ملازم ہیں وہ جگہ ہے تو شہر میں مگر وہاں کوئی مسجد نہیں ہے ڈیوٹی کے دوران تو جو نمازیں آتی ہیں وہ تو جماعت کے ساتھ ادا کر لیتے ہیں مگر دوسری رہ جاتی ہیں۔ ایسے ہی جمعہ کے لئے بھی دقت ہوتی ہے کہ اس وقت ڈیوٹی ہوتی ہے اور حاضر رہنا پڑتا ہے اس صورت میں ہمارے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب کوشش تو یہی کریں کہ جمعہ مسجد میں آکر پڑھیں۔ اذان جمعہ کے بعد وضو وغیرہ کر کے سنتیں پڑھ کے تیار بیٹھے رہیں اور وہاں سے ایسے وقت چلیں کہ خطبہ شروع ہونے والا ہو خطبہ اور فرض میں شرکت کر کے واپس آجائیں اور سنتیں اپنی جگہ پہنچ کر پڑھ لیں اگر اس میں بھی دشواری ہو تو دیگر نمازوں کی طرح جمعہ کا بھی وہیں بندوبست کر لیں جمعہ درست ہو جائے گا۔

کیونکہ جمعہ کے لئے مسجد کا ہونا شرط نہیں۔ وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرۃ مطلقا علی المذہب وعلیہ الفتوی۔ الخ درمختار علی الشامیۃ ج ۱ ص ۵۹۵۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

عدم جواز جمعہ فی القری کے بارے میں مجوزین کے شبہات اور ان کے مسکت جواب

سوال ۱۵: بعض اہل علم کہتے ہیں کہ جمعہ کی فرضیت "فاسعوا الی ذکر اللہ" الآیۃ سے ثابت ہوتی ہے اور اس آیت کے حکم سے جب نماز جمعہ ہر جگہ فرض ہے تو اب جمعہ کے گاؤں والے فقہاء کے قول سے اپنی بستی میں اگر جمعہ نہ پڑھیں گے تو گنہگار ہوں گے۔ اور بموجب حکم احادیث ان کے قلوب پر مہر لگائی جائے گی۔ اب عرض یہ ہے کہ کوئی نص اس آیت سے ہر جگہ جمعہ پڑھنے کا جواز نکلتا ہے یا نہ؟ اور آپ کے فتویٰ کے موجب چھوٹے گاؤں والے جمعہ کے چھوڑنے پر حنفی مذہب کے مطابق گنہگار اور آیت کے مخالف ہوں گے یا نہ؟ اور اس آیت کا تعلق ہر قریہ شہری اور گاؤں والے ہیں۔ حنفی مذہب کی اس بارہ میں کیا تحقیق ہے؟

الجواب: آیت مذکورہ بالا بالاجماع عام مخصوص منہ البعض ہے۔ کیونکہ جنگلات اور ایسی آبادیوں میں جن کے باشندے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے ہیں اتفاقاً جمعہ جائز نہیں۔ تو آیت شریفہ میں عموم الحکم کا مراد ہونا منتفی ہو گیا۔ پس وجوب جمعہ مخصوص مقامات پر ہوگا۔ جس کی تعیین حنفیہ نے حدیث علی رضی اللہ عنہ سے کی ہے جو کہ مرفوع حکمی ہے۔ پس آیت مذکورہ سے ہر مقام پر فرضیت جمعہ ثابت نہ ہوگی۔ لہٰذا احناف ترک جمعہ فی القری کی وجہ سے گنہگار نہیں۔ آیت کا خطاب صرف اہل مصر کو ہے۔ نیز آیت شریفہ کا مطلب یہ ہے کہ جہاں پر اذان جمعہ ہو جائے تو سنتے ہی ذکر اللہ کی طرف سعی کرو۔ لیکن محل اذان جمعہ کی تعیین سے آیت ساکت ہے کہ کس مقام

ہو مگر یہاں تو کسی مقام پر نہیں۔ لہٰذا آیت مذکورہ سے جمیع امکنہ میں وجوب جمعہ پر استدلال کرنا غلط ہے۔

سوال ۵ : بخاری شریف کی اس حدیث شریف سے (ج ۱، ص ۵۵۹ و ۵۶۰) معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بعد از ہجرت قبا میں چودہ دن رات گزار کر پھر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ چنانچہ

عن انس بن مالك قال لما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة نزل في علو المدينة في حي يقال لهم بنو عمرو بن عوف فاقام فيهم اربع عشرة ليلة۔ الحديث

اور اہل سیر لکھتے ہیں کہ آپ کا قیام وہاں صرف چار دن دو شنبہ سے پنجشنبہ تک رہا اور بعدہ جمعہ کے دن آپ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے اور قبیلہ بنو سالم میں پہنچے نماز جمعہ کا وقت ہوا۔ اور وہاں چار آدمیوں کے ساتھ نماز جمعہ ادا کی۔ اور اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکوٰۃ : ج ۱ ص ۲۹۹ - میں جناب مولانا عبدالحق دہلوی رقم ہیں۔

واگرچہ اول جمعہ کہ گزاردہ بعد از قدوم بمدینہ بود۔ الخ

کذا کتاب مسعودی ج ۱ ص ۱۱۰ پر لکھا ہے۔

واول جمعة جمع في الجمعة والعيدين الى قبلتها الاولى۔

اب عرض یہ ہے کہ بخاری و اشعۃ اللمعات دونوں معتبر کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جمعہ اول بعد از ہجرت مدینہ میں پڑھا اور اس سے پہلے کہیں جمعہ نہیں پڑھا۔ اور اہل سیر کی روایت اس کے خلاف ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اول جمعہ قباء میں پڑھا۔ اب عرض یہ ہے کہ مذکورہ بالا روایات و عبارات میں سے کون سی مستند اور قابل وثوق ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کہاں جمعہ پڑھا۔ قباء میں یا بنو سالم میں یا مدینہ میں جا کر جمعہ پڑھا۔ اور مذکورہ عبارات سے کون سی عبارت حق ہے؟ اور حضرات علماء کرام دیوبندی مذکورہ بالا روایت بخاری میں سے استفادت کر کے اپنی تصنیفات میں یوں رقم ہیں۔ چنانچہ مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب اوثق العریٰ اور مجموعہ رسائل "اوثق العریٰ" میں لکھ گئے ہیں کہ جناب سرور کریم ﷺ نے قباء میں دو ہفتہ سکونت فرمائی اور وہاں آپ کو دو جمعہ پیش آئے تھے مگر آپ نے وہاں دونوں جمعہ نہیں پڑھے۔ اھ کلامہ ملخصاً و

لہٰذا مذکورہ بالا حدیث بخاری سے استدلال لینا صحیح ہے یا نہ ۔ اگر ان کا یہ فرمانا صحیح ہے تو پھر یہ بتاؤ کہ وہ کون
مذکورہ حدیث سے یہ مضمون سمجھ لیا ہے ۔ اور مذکورہ بالا حدیث کے کون سے الفاظ اس مضمون پر دال ہیں
کیونکہ اس روایت میں تو صرف عیدایام کا ذکر ہے باقی مضمون زیادہ روایت سے معلوم نہیں ہوتا ہے ۔

الجواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا جمعہ جو سالم میں ادا فرمایا ہے ۔ جو سالم مدینہ منورہ کا ایک محلہ ہے (الحسن العیان) کی بہ کہ محدثین اور اہل سیر کا اتفاق ہے
جب جو سالم مدینہ منورہ کا ایک محلہ ہی ہے تو اشعۃ اللمعات ۔ مجموعہ اہل سیر کی عبارتوں میں کچھ
اختلاف نہ رہا ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قباء میں جمعہ پڑھنا ثابت نہیں ۔ دوسرا اول قضیہ انعیان (
اکابر دیوبند نے بخاری شریف کی حدیث (فاقام فیہم اربع عشرۃ لیلۃ) سے یہیں
استدلال کیا ہے ۔ کہ جمعہ کی فرضیت مکہ مکرمہ میں ہو چکی تھی اور بوقت ہجرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے قباء میں چودہ روز قیام کیا جس میں ایک جمعہ یقیناً آیا ہوگا لیکن قباء میں جمعہ پڑھنا کسی
روایت سے ثابت نہیں ۔ بلکہ اس کے برخلاف اہل سیر کا اتفاق اس امر پر موجود ہے کہ پہلا
جمعہ مدینہ منورہ اس کے محلہ بنی سالم میں پڑھا گیا ہے ۔ پس اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ قباء
جیسی بستیوں میں جمعہ جائز نہیں ۔ بلکہ اس کی صحت کے لئے شہر کا ہونا ضروری ہے ۔ ورنہ قباء میں
ترک جمعہ کی وجہ نہ آتی ۔

سوال ۳۲ : غیر مقلدین نے اس حدیث (لا جمعۃ ولا تشریق ... الحدیث)
پر تبصرہ کیا ہے اور اس کے انہوں نے چند ایک جواب دیئے ہیں ۔ اول جواب یہ ہے کہ یہ حدیث
ان الفاظ سے عند المحدثین ثابت نہیں ۔ اور اس کی سند ضعیف اور ناقابل احتجاج ہے ۔ البتہ
موقوفاً اس کو بعض لوگ صحیح کہتے ہیں ۔ اب عرض یہ ہے کہ ان کا یہ جواب صحیح ہے یا نہ ؟ اگر ان کا یہ
جواب صحیح ہے تو پھر ان کے جواب کا کون سا جواب ہے ؟

الجواب روایت بالا موقوفاً قطعاً صحیح ہے اور غیر مدرک بالرائے ہے ۔ لہٰذا حکماً
مرفوع ہوتی ہے جس سے بلاشبہ قابل احتجاج ہوگی

(فی عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۹۲) : ثم قال النووی
حدیث علی متفق علی ضعفہ وھو موقوف علیہ بسند ضعیف
منقطع قلت کأنہ لم یطلع الا علی الاثر الذی فیہ الحجاج

من رجاله ولم يطلع على طريق حبوسي عن منصور فانه سند صحيح ولو اطلع لم يقل بما قاله وأما قوله متفق على ضعفه فزيادة من عنده ولا يدرى عن من نقله من ذلك (بحوالہ اعلاء السنن)۔

علاوہ ازیں امام ابوزید دبوسی نے "الاسرار" میں نقل کیا ہے کہ ان محمد بن الحسن قال رواه مرفوعا معاذ وسراقة بن مالك رضي الله عنهما۔

تو امام محمد مجتہد ہیں ان کا قول رفع حدیث کے بارے میں حجت بن سکتا ہے۔ نیز امام خواہر زادہ نے مبسوط میں فرمایا کہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے ... میں حدیث ہذا کو مرفوعاً مسنداً بیان کیا ہے۔ پس بہر تقدیر حدیث علی رض قابل احتجاج ہے اور غیر مقلدین کا اسے ضعیف قرار دینا جہالت ہے۔

سوال ۱۳: غیر مقلدین مذکورہ بالا حدیث کا ثانی جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث طبقہ ثالثہ سے ہے جو قرآن اور دیگر احادیث کے معارض نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ طبقہ اولیٰ و ثانیہ کی حدیثیں ہیں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ "عجالہ نافعہ" میں لکھتے ہیں کہ

"وکتب آنہا در شہرت و قبول بدرجہ طبقہ اولیٰ و ثانیہ نرسیدہ"

یعنی طبقہ ثالثہ کی کتب مشہوری و مقبولیت میں طبقہ اولیٰ و ثانیہ کا مقابلہ نہیں کر سکتیں نیز یہ لکھا ہے کہ

"اکثر آں احادیث معمول بہ نزد فقہاء نشدہ اند بلکہ اجماع برخلاف آں منعقد گشتہ"

(ترجمہ ظاہر ہے) یہ قول ہمارے دلائل قطعیہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس کا جواب فرمایئے۔

الجواب روایت بالا (حدیث علی رض) قرآن یا دیگر احادیث کے خلاف ہی نہیں کہ معارضہ کا سوال پیدا ہو۔ شاہ صاحب کی عبارت کا مطلب اور صاف ترجمہ یہ ہے کہ طبقہ ثالثہ کی کتب شہرت اور قبولیت میں طبقہ اولیٰ و ثانیہ کو نہیں پہنچیں تو اس سے اور اسی طرح حضرت شاہ صاحب رح کی دوسری عبارت سے یہ کیسے معلوم ہو کہ ان کتب کی تمام احادیث مردود ہیں۔ اور ان کتب کی کسی حدیث سے احتجاج کرنا جائز نہیں ہے خواہ اس

کی سند صحیح ہی کیوں نہ ہو۔ خوب سمجھئے کہ احتجاج کا مدار صحت سند اور دیگر شرائط معتبرہ عند المحدثین پر ہے۔ خواہ کسی کتاب میں ہو۔ لہٰذا حدیث علی کو صحت سند کے باوجود صرف اس وجہ سے ناقابل احتجاج اور ساقط قرار دینا محض جہل اور ناانصافی ہے۔

سوال نمبر ۴: غیر مقلدین کا تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں ایک جریر نامی راوی ہے جس کو آخیر وقت میں وہم ہوگیا تھا۔ اب یہ تعین معلوم ہوسکا کہ یہ روایت اس شخص نے کس حالت میں بیان کی ہے۔ احتمال ہے کہ حالت وہم بیان کی ہو۔ تو پھر یہ درست نہیں۔ نیز اس سند میں طلحہ راوی ہے جس کی تصریح نہیں کہ کون ہے۔ کیونکہ بعض ثقہ اور صدوق ہیں اور بعض وہمی اور مجہول ہیں۔ جواب فرمائیے؟

الجواب: حدیث علی جو موقوفاً بلا شبہ صحیح اور قابل استناد ہے جیسا کہ محققین وماہرین فن نے اس کی تصریح کی ہے۔ چنانچہ علامہ عینی رح کی تصنیف عمدۃ القاری سے ہم جواب نمبر ۲ میں نقل کر چکے ہیں کہ طریق جریر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "فاسنادہ صحیح" اور حافظ الدنیا علامہ ابن حجر عسقلانی رح نے "درایہ" میں فرمایا ہے "اسنادہ صحیح" یہ حدیث مذکور کی دوسری سند کے بارے میں ہے جس کی سند یہ ہے۔

روی عبدالرزاق فی مصنفہ عن الثوری عن زبید الایامی عن
سعد بن عبیدۃ عن ابی عبد الرحمٰن السلمی عن علی
قال لا جمعۃ الخ

جس کی اس سند میں جریر اور طلحہ بھی نہیں جن کے بارے میں معترض کو تشویش ہے اور حافظ الدنیا اس کی تصحیح فرماتے ہیں۔ نیز علامہ ابن حزم رح نے بھی "المحلی ج ۵ ص ۵۳" میں حدیث ہذا کو صحیح تسلیم کیا۔

هذا نصه فقد صح عن علی رض لا جمعة ولا تشریق الخ

پس محققین کا حدیث مذکورہ کو صحیح تسلیم کرنا ہمارے لئے حجت ہے۔ اب اگر معترض کو طلحہ کی تعیین کے بارے میں خلجان ہوا ہے تو محض تعصب کی بنا پر ہے۔ ان علماء نے رواۃ کی معرفت اور پوری تحقیق و تفتیش کے بعد تصحیح فرمائی ہے۔

سوال نمبر ۵: حدیث بالا کا چوتھا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ قول آیت اور احادیث مرفوعہ

کے خلاف ہے جب قول صحابی حدیث کے خلاف ہو تو متروک ہوتا ہے ۔ ۔۔ فتح القدیر ؒ میں ہے کہ قول صحابی اس وقت لیا جاتا ہے کہ جب خلاف حدیث نہ ہو ۔

الجواب یہ حدیث علیؓ آیت اور احادیث مرفوعہ کے ہرگز خلاف نہیں ہے کما بینا ۔ ومن اراد فلیطالع البیان ۔ خلاف شدہ احادیث مرفوعہ کا مطالبہ غیر مقلدین سے ہونا چاہئے نہ کہ ہم سے ۔

سوال ۵ : حدیث مذکورہ کا پانچواں جواب یہ ہے کہ یہ قول متروک الظاہر ہے ۔ کیونکہ نفی جمعہ کی ہے حالانکہ مراد نماز ہے ۔

الجواب جب حدیث علیؓ میں بالاجماع قطعی طور پر نماز جمعہ ہی مراد ہے ۔ اور یوم جمعہ کی نفی کا تصور ممکن نہیں تو اس حدیث کے متروک الظاہر ہونے سے مسئلے پر کوئی منفی اثر نہیں پڑتا ۔

سوال ۶ : غیر مقلدین اس مذکورہ بالا حدیث کا جواب نمبر ۶ یہ دیتے ہیں کہ جمعہ فرض عین ہے جس کا ثبوت قطعی ہے ۔ اور شہر کی شرط اس قول سے ثابت نہیں ہوتی ۔ کیونکہ یہ ظنی ہے اور دلیل ظنی سے فرض کی شرط ثابت نہیں ہوتی ۔ کیونکہ شرط الفرض لا یثبت الا فرضاً اصول مسلمہ ہے ۔ اھ براہ کرم اس کا مسکت جواب لکھیں ۔

الجواب آیت شریفہ اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الخ بالاجماع مخصوص عنہ البعض ہے ۔ پس اس اعتبار سے اس میں ظنیت آگئی ۔ اب خبر واحد (حدیث علیؓ لا جمعۃ الخ) سے اس کی تخصیص درست ہوئی ۔ جیسا کہ پہلے استفتاء کے جواب میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے ۔

سوال ۷ : غیر مقلدین مذکورہ بالا حدیث کا جواب نمبر ۷ یہ دیتے ہیں کہ " قول علیؓ لا جمعۃ "
مجروح ہے اس کی تائید میں نبی علیہ السلام کی کوئی حدیث ثابت نہیں ہے بلکہ جمعہ کی فرضیت تمام مسلمانوں کے لئے احادیث نبویہ میں بکثرت وارد ہے اھ ۔ جواب مفصل لکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ

نکیر نہ کی ہے۔ الحاصل یہ قطعی غلط ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ فرمان سیاسی مصلحت پر مبنی تھا۔

سوال ۱۲: غیر مقلدین اس حدیث کے متعلق جواب نمبر ۹ یہ دیتے ہیں کہ پھر یہ قول بھی حنفیہ کے نزدیک متروک العمل ہے۔ بایں طور کہ ردالمحتار ج ۱ ص ۵۹۰ میں ہے کہ جب امام کے حکم سے گاؤں میں مسجد بنائی جائے تو تمام فقہاء کے نزدیک وہاں جمعہ درست ہے۔ اب یہ دلیل بے کار ہو گئی اور شہر کی شرط نہ رہی اھ اس کا محقق جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: جزئیہ مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ امام اگر کسی بستی کو مصر قرار دے دے تو وہ بستی حکماً مصر بن جائے گی اور اس میں ادائیگی جمعہ درست ہوگی۔ تو اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ مصر کی شرط باطل ہے۔ عجیب فہم ہے خدا ہدایت فرمائے۔ نیز اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اختلافی مسائل میں حاکم کا فیصلہ قطع اختلاف کا موجب ہے۔ تو حاکم نے جب بستی میں جمعہ پڑھنے کا حکم کیا تو یہ واجب العمل ہوگا۔ کما فی الشامیۃ، ج ۲، ص ۲۰۴۔

سوال ۱۳: غیر مقلدین جواب نمبر ۱۰ یہ دیتے ہیں کہ عینی شرح بخاری ۱ ص ۴۰۴ میں ہے کہ اگر خلیفۂ اسلام کسی گاؤں میں اپنا نائب بھیج دے کہ وہ حدود و قصاص جاری کرے تو وہ گاؤں شہر ہو جائے گا جس میں جمعہ جائز ہوگا۔ جب نائب کو معزول کرے گا تو وہ گاؤں بن جائے گا۔ یعنی اصل امام اور اس کے نائب ہونے کے سبب سے جمعہ ہوتا ہے شہر کی شرط لغو ہے۔ اھ ان کے اس جواب کا جواب الجواب بالتحقیق اور مسکت عنایت فرمائیں۔

الجواب: بشرط صحت نقل جزئیہ کا بھی وہی جواب ہے جو اس سے پہلے ہی مذکور ہو چکا ہے کہ خلیفہ کا کسی گاؤں میں حدود و قصاص کے اجراء کے لئے اپنے نائب کو بھیجنا حکماً اسے مصر قرار دے دینا ہے۔ پس اس گاؤں میں جمعہ بلاشبہ جائز ہوگا کیونکہ صحت جمعہ کی شرط (یعنی محل اقامت جمعہ کا مصر ہونا) یہاں متحقق ہے اگرچہ حکماً ہے۔

سوال ۱۴: غیر مقلدین حدیث مذکور کے متعلق جواب نمبر ۱۱ یہ دیتے ہیں کہ آپ کا قول ہے مصر جامع کی شرط ہے۔ مصر جامع کی تعریف مشتبہ ہے اس میں اس قدر اختلاف ہے کہ شاید ہی کسی مسئلہ میں ہوگا۔ قریب بیس اقوال کے درج ہیں جو سب متضاد ہیں۔ بعض تعریفیں ایسی ہیں کہ ان کی رو سے کلکتہ، بمبئی، دیوبند، سہارنپور، کراچی، لاہور، حیدر آباد، ملتان وغیرہ بھی

جمعہ جائز نہیں ہے گا۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے کہ مصر وہ ہے جہاں امام اور والیٔ ملک ہو جو احکام شرعیہ نافذ کرے۔ اور حدود قائم کرے۔ کیا خوب شرط ہے۔ گویا جس دن جامع مسجد میں مجرم گرفتار جمع ہوں گے جن پر مقدمات چلائے جائیں گے اور خطبہ میں فیصلے سنائے جائیں گے۔ بہر حال یہ شرط مفقود ہے تو ہدایہ والے کے نزدیک جمعہ ہندو پاک میں ناجائز ہے۔ اور کم درجہ کی یہ تعریف ہے کہ جہاں تین گھر آباد ہوں۔ دیکھو ہدایہ مع الکفایہ، فتح القدیر، عمدۃ الرعایہ، کبیری شرح منیۃ المصلی، ان میں سب تعریفیں درج ہیں۔ اس آخری تعریف کی رو سے ہر بستی میں جمعہ جائز ہو جائے گا کیونکہ اکثر دیہات کی آبادی تین گھر یا اس سے زائد ہے۔ "الا قلیل والقلیل کالمعدوم"۔ اس تعریف کو حنفی تو معتبر تصور کرتے ہیں۔ اور اس پر تمام ائمہ مذاہب متفق ہو سکتے ہیں ورنہ اختلاف رفع نہ ہوگا۔ ہمیشہ اس فرض پر یہ لوگ لڑتے جھگڑتے رہیں گے جن کا فیصلہ کوئی نہ کر سکے گا تو پھر یہ پیشین گوئی بھی پوری ہو جائے گی جو حدیث میں ہے کہ تظہر الفتن حتی یختلف اثنان فی فریضۃ لا یجدان احدا یفصل بینہما۔ تو یہ اختلاف ایسا ہے کہ جمعہ فرض عین بالاجماع ہے مگر یہ کہاں ادا کیا جائے گا، اس کا فیصلہ کرنے والا کوئی ثالث نہیں خواہ عرب ہو یا عجم، منصف نایاب۔ کیونکہ اختلاف ہر ملک میں قائم ہے۔ اگر شارع کا مقصد شہر میں جمعہ کا منحصر کرنا ہوتا تو شرعی حد پر اس کی تعریف کی جاتی مگر کسی حدیث یا قول میں اس کی تعریف وارد نہیں۔ لہذا یہ شرط بے کار ہے۔ میرے جناب عالی مہربانی فرما کر غیر مقلدین کی اس مذکورہ بالا [illegible] کا مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب مصر کے معنی لغت اور عرف عام میں مشہور ہیں۔ اور شہر و گاؤں کا فرق اور ان کے مصداق کا باہمی تفاوت ایک ایسی بدیہی چیز ہے جسے عوام و خواص عالم، جاہل، بچے، بوڑھے سب جانتے ہیں۔ چنانچہ سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

المصر الجامع ما یعدہ الناس مصرا عند ذکر الامصار المطلقۃ کبخارا و سمرقند الخ (عمدۃ الرعایہ ج ۱ ص [illegible] حاشیہ شرح وقایہ)۔

تو ایسی بدیہی چیز کے بارے میں معترض مذکور کا یہ کہنا کہ اس کی تعیین اور اس کا فیصلہ کرنے والا عرب میں مل سکتا ہے نہ عجم میں۔ بالکل بیہودہ اور لغو ہے۔ رہ گیا مصر کی تعریفات

کا تعدد اور اختلافات ۔ سو ہمیں یہ کچھ مضر نہیں ۔ اوّلاً اس وجہ سے کہ صاحب مذہب ۔ ابو حنیفہ رہ سے صرف ایک ہی تعریف منقول ہے اگرچہ بعض الفاظ میں تم سے اختلاف ہے ۔ وہ تعریف یہ ہے ۔

انہ بلدۃ کبیرۃ فیہا سکک واسواق ولہا رساتیق وفیہا وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمتہ وعلمہ او علم غیرہ یرجع الناس الیہ فیما یقع من الحوادث وہذا ہو الاصح الخ تقریرات الرافعی التکملۃ ج ۱ ص ۳۳۳

یہی ظاہر مذہب ہے ۔

وبہ اخذ ابو یوسف واختارہ الکرخی والقدوری وعلیہ اکثر الفقہاء الخ ھکذا فی الطحطاوی علی المراقی :

صاحب ہدایہ وغیرہ نے اسی تعریف کو مختصراً نقل کیا ہے ۔ باقی تعریفات مصر اقوال مشائخ ہیں ۔ اگر تعریف مذکور کا ہر طرف راجح نہ کہیں تو مطلقاً قول صاحب مذہب مرجح قرار پائیں گی پس تعدد و اختلاف مضر نہیں ۔

ثانیاً ۔ اس وجہ سے کہ اکثر تعریفات کے اختلاف کی حیثیت محض عنوان اور تعبیر کے اختلاف کی سی ہے ۔ درجہ مضمون میں کوئی اختلاف نہیں پس تعدد مضر نہیں ۔ صاحب ہدایہ کی تعریف پر جو اعتراض کیا گیا ہے ۔ اس کا منشا جہالت اور تعصب ہے ۔ کیونکہ تنفیذ احکام سے مراد بالفعل تنفیذ نہیں بلکہ قدرت علی التنفیذ ہے ۔ کما فی الطحطاوی والشامی وغیرہ ذلک ۔ پس یہ اعتراض ساقط ہے ۔ اور جو تعریف ہم نے نقل کی ہے اس میں ھو یقدر ۔ کی تصریح ہے ۔ پس تعریف مصر میں کوئی اشکال نہیں ۔ معترض کا اعتراض محض تعصب اور جہالت پر مبنی ہے ۔

سوال نمبر ۱۵: غیر مقلدین حدیث مذکور کا جواب نمبر ۲ یہ دیتے ہیں کہ اس قول میں نماز عید پڑھنے کی بھی نفی ہے ۔ حالانکہ وہ متفقاً بسنداد ہے جو دیہات کے مسلمانوں کے لئے بھی ثابت ہونا منقول ہے ۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے ۔ ج ۱ ص ۱۳۳

ومن کان فی البیوت والقری لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھذا عیدنا یا اھل الاسلام ۔

اور ایک باب یوں منعقد کیا ہے: "باب العید لاھل الاسلام" اس کے تحت
یہ حدیث مذکور ہے "یا ابا بکر ان لکل قوم عیدا و ھذا عیدنا"
پھر لکھا ہے "باب اذا فاتہ العید" یعنی کہ انس بن مالکؓ نے اپنے غلام ابن
ابی عتبہ کو حکم دیا کہ زاویہ میں کہ سب گھر والوں کو اور ان کی اولاد کو جمع کرے۔ اس نے جمع کیا تو حضرت
انس رضی اللہ عنہ نے شہر والوں کی طرح عید کی نماز پڑھی اور اسی طرح تکبیریں کہیں۔ حضرت عکرمہ نے
کہا دیہات والے عید کے دن جمع ہوں اور شہر والوں کی طرح نماز عید پڑھیں جیسے امام پڑھاتے
حضرت عطاء نے کہا کہ اگر عید فوت ہو جائے تو دو رکعت پڑھ لیں۔ یہ فتوے حنفیہ کا کہ جو شرط
اور حکم جمعہ کا ہے وہی عید کا ہے یہ غلط ہے۔ جمعہ کی قضا نہیں اور وہ بغیر جماعت کے جائز
نہیں۔ لیکن عید کی نماز صحرا میں جائز ہے اور اس کی قضا ہے اور وہ اکیلے بھی پڑھی جا سکتی
ہے۔ فتدبر!

جناب عالی! مہربانی فرما کر اس جواب نمبر ۲ پر بھی غور فرما کر اس کے ہر ایک فقرہ کا مکمل تحقیقی
اور مسکت جواب دیں۔

الجواب مسائل عید اور جمعہ کے تماثل کلی اور تمام شرائط کے اتحاد کے قائل نہیں۔ مثلاً
عید اور جمعہ ہر دو کا وقت الگ الگ ہے۔ خطبہ جمعہ کے لئے شرط ہے۔
نماز عید کے لئے نہیں۔ ہاں مصر جامع کا ہونا عید و جمعہ ہر دو کے لئے شرط ہے۔ دلیل اس کی وہی حدیث
حضرت علی رضی اللہ عنہ ہے۔ جس کی قبل ازیں تحقیق ہو چکی اور مطلوب اس میں مصرح ہے
سائل جوابات میں یہ بتلایا گیا کہ "حدیث لا جمعة" مرفوع حکمی ہے۔ تو اس کے منطوق اور
عبارت النص کے مقابلہ میں "ھذا عیدنا یا اھل الاسلام" یا نیز "یا ابابکر ان
لکل قوم عیدا" الخ سے وجوب عید فی القری کا استنباط اور اجتہاد قابل قبول نہیں۔
کیونکہ یہ اجتہاد نہایت کمزور ہے۔ عید کی اضافت قوم کی طرف جس سے عید کا وجوب قوم پر مجموعی
حیثیت سے تو کسی درجہ میں مفہوم ہو سکتا ہے۔ لیکن ہر ہر فرد پر وجوب عید یہ اس سے ہرگز
نہیں نکلتا۔ نیز حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے قول کو بھی حدیث صریح مرفوع حکمی کے مقابلہ میں قابل
استناد نہیں گردانا جائے گا۔ لظهور ترجیح المرفوع علی الاثر المقطوع
اور حضرت عطاء کا فرمانا ما نحن فیہ سے خارج ہے۔ کما ہو الظاہر۔ رہا حضرت

انس رضی اللہ عنہ کا زاویہ میں عید پڑھنا۔ سو اولاً تو یہ مفید وجوب نہیں۔ ممکن ہے بطور نفل عید کے طریقہ پر یہ دو رکعت ادا کی ہوں۔ جیسا کہ بعض سلف فاتت العید یا عاجز کے لئے دو رکعت یا چار رکعت کے استحباب کے قائل ہیں۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو ابھی گزرا ہے۔

ثانیاً: یہ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ فعل موافق قیاس اور مدرک بالرائے ہے تو یہ موقوف ہے۔ اور حدیث علی رضی اللہ عنہ مدرک بالرائے نہیں وہ حکماً مرفوع ہے۔ پس بوقت تعارض ترجیح مرفوع حکمی ہی کو ہوگی۔ پس اس پوری تفصیل سے یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ عید کے لئے بھی مصر جامع کا ہونا ضروری ہے۔

سوال نمبر۲: غیر مقلدین حدیث مذکور کا جواب نمبر ۳ یہ دیتے ہیں کہ اس قول " لا جمعۃ" میں جیسے جمعہ کی نفی ہے ایسے ہی قربانی کی بھی نفی ہے حالانکہ قربانی سب دیہاتی حنفی کرتے ہیں۔ قربانی کی نفی دو طرح سے ہے ایک یہ کہ تشریق کا معنی دھوپ میں گوشت سکھانا۔ چونکہ مسلمان چند دنوں میں قربانی کے جانوروں کا گوشت دھوپ میں خشک کرتے ہیں۔ اس لئے عید کو بھی تشریق کہتے ہیں اور قربانی کو بھی تشریق کہتے ہیں۔ اور تشریق میں دونوں کی نفی ہے۔ اگر تشریق سے مراد نماز عید ہے تب بھی قربانی کی نفی ہے۔ کیونکہ قربانی نماز عید کے تابع ہے۔ نماز سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔

ان اول ما نبدأ من يومنا هذا ان نصلي ثم نرجع فننحر
فمن فعل ذالك فقد اصاب سنتنا۔ (بخاری)

دوسری حدیث بخاری کتاب العیدین میں ہے۔

قال النبي صلى الله عليه وسلم من ذبح قبل الصلوة فليعد۔

اس سے ظاہر ہے کہ قربانی نماز کے تابع ہے جبکہ نماز عید پڑھے بغیر کھانا بھی نہ کھاتے۔ حدیث میں ہے ولا یاکل یوم النحر حتی یصلی جب نماز نہ پڑھی گئی تو قربانی کا ہے کی کرنی ہے اور قرآن سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ سورۃ کوثر میں ہے فصل لربک وانحر پس جو لوگ بغیر عید کی نماز کے قربانی کرتے ہیں ان کی قربانیاں قبول نہیں ہوتیں۔ یہ تینوں جوابات حنفیہ کی اس قوی دلیل کے ہیں لہذا یہ قابل استدلال نہیں۔ اہل اسلام کو چاہئے کہ شخصیت پرستی چھوڑ کر خدا پرستی اختیار

کریں۔ اور عید وغیرہ جیسے شعائر اسلام کو ضائع کر کے اپنے اسلام کو نقصان نہ پہنچائیں۔

جناب عالی! حضرات غیر مقلدین، جناب حضرت امیر المؤمنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قول لا جمعۃ ولا تشریق ولا فطر ولا اضحیٰ الا فی مصر جامع او مدینۃ عظیمۃ کے یہ تیرہ جوابات گویا تیرہ سوالات کر کے اکٹھے ہیں۔ ہمارے پاس چونکہ اتنی کتابیں نہیں کہ ان سوالات کے جوابات دیکھ کر لکھ دیتے۔ اس لئے آپ کی طرف روانہ کرتے ہیں۔ آپ ہر فقرہ کو جزو جزو کر کے صحیح جواب تحریر فرمائیں نہایت مہربانی ہوگی۔

الجواب

حدیث "لا جمعۃ الخ" میں لفظ تشریق سے مراد تکبیر تشریق کی نفی ہے نہ کہ قربانی یا نماز عید کی نفی۔ کیونکہ عید الاضحیٰ کی نفی بعد میں صراحۃً ہے "ولا اضحیٰ" پس اس حدیث سے نفی قربانی کا الزام محض جہالت اور تعصب ہے۔ حدیث "ان اول ما نبدأ بہ فی یومنا ھذا ان نصلی" اور حدیث "من ذبح قبل الصلوٰۃ" الخ وغیرہ احادیث سے یہ استدلال کرنا کہ جن پر نماز عید واجب ہے ان کے ذمہ قربانی بھی واجب ہے بالکل باطل اور غلط ہے۔ احادیث کا مطلب تو یہ ہے کہ جن لوگوں پر عید و قربانی دونوں واجب ہیں ان پر لازم ہے کہ ان کو مرتب ادا کریں یعنی پہلے نماز عید بعد میں قربانی کریں۔ اس ترتیب کے خلاف کرنے پر ان لوگوں کی قربانی ادا نہ ہوگی۔ پس معترض کا حنفیہ پر الزام مذکور کی تائید میں احادیث بالا سے تشبث کرنا بھی درست نہیں۔ پس متعصب معترض کا حنفیہ پر الزام مذکور دینا مردود ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ خواہش پرستی سے نکال کر اتباع شریعت کی توفیق بخشیں۔ فقط واللہ اعلم

الاجوبۃ صحیحۃ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۱۷/۴/۱۴۰۰ھ

عبد اللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس
ملتان ۱۸/۴/۱۴۰۰ھ

حجۃ الوداع میں عرفات میں جمعہ پڑھنے کی وجہ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مندرجہ ذیل سوالات میں۔

۱۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع ادا فرمایا وہ کون سا دن تھا۔ جمعہ کا دن تھا

یا کوئی دوسرا دن ؟ اگر جمعہ کا دن تھا تو پھر آپ نے اس دن جمعہ کی نماز پڑھی تھی یا ظہر کی نماز باجماعت ادا فرمائی تھی ؟

الجواب — یہ دن جمعہ کا تھا لیکن جمعہ نہیں پڑھا گیا بلکہ نماز ظہر ادا کی گئی تھی۔ امر اول کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو بخاری شریف ج ۱ ص ۱۱ میں مذکور ہے۔ اور امر دوم کی دلیل مشکوٰۃ شریف میں موجود ہے (ج ۱ ص ۲۲۵)۔

سوال ۵ : اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع والے موقعہ میں جمعہ کے دن جمعہ نہ پڑھا تھا اور فرض ظہر باجماعت پڑھی تھی تو اس کا کیا باعث تھا اور کس وجہ سے آنحضرت کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن جمعہ چھوڑ کر ظہر کے فرض پڑھے۔ مہربانی فرما کر جواب مدلل لکھیں۔ یعنی یا تو آنحضرت کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کی وجہ سے جمعہ چھوڑا تھا یا اس وجہ سے اس کو چھوڑا تھا کہ عرفات محل اقامت جمعہ کے نہ تھا۔ نیز حجۃ الوداع والے واقعہ میں حجاج کی کتنی مردم شماری تھی۔ بینوا توجروا۔

الجواب — حنفیہ اسی کے قائل ہیں کہ عرفات محل اقامت جمعہ نہیں، اسی لئے جمعہ نہیں پڑھا گیا۔ نہ کہ ترک جمعہ کا سبب مسافر ہونا تھا۔ کیونکہ حجاج میں سے بہت سے مکی بھی ہوں گے تو ان پر جمعہ کا وجوب یقینی ہوگا۔ لیکن کسی سے بھی پڑھنا ثابت نہیں، نہ مسافرین سے اور نہ مقیمین سے۔ ومن ادعی فعلیہ البیان۔ نیز اہل ظاہر تو مسافر پر بھی وجوب جمعہ کے قائل ہیں۔ (کبیری) تو ان کے نزدیک ترک جمعہ بوجہ سفر کا قول کرنا ممکن نہیں۔ لہٰذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جمعہ نہ پڑھنے کی وجہ یہی تھی کہ عرفات محل اقامت جمعہ نہیں۔ نہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسافر تھے۔ حجاج کی تعداد چالیس ہزار سے لے کر ایک لاکھ تک مروی ہے روایات مختلف ہیں۔

سوال ۶ : بعض علماء کرام کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حجۃ الوداع میں جمعہ چھوڑا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ مسافر تھے نہ اس وجہ سے کہ عرفات محل اقامت جمعہ نہ تھا۔ یہ وجہ ہرگز نہ تھی۔ بلکہ وہ محل اقامت جمعہ تھا۔ اب مطلوب امر یہ ہے کہ ان علماء کا مذکورہ بالا کہنا بالکل صحیح ہے یا وہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں ؟ —

الجواب — اس کا جواب سوال نمبر ۵ کے جواب میں گزر چکا ہے۔

سوال نمبر ۴: اوپر والے بعض علماء بعض یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ جمعہ مسافر آدمی پر فرض نہیں ہے لیکن اگر مسافر آدمی جمعہ پڑھے گا تو اس کا جمعہ سب کے نزدیک صحیح ہو جاتا ہے۔ پھر جب ایسا بھی ہے کہ مسافر اگر جمعہ پڑھے گا تو اس کا جمعہ ادا ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ جمعہ پڑھنے میں ثواب بھی بہت ملتا ہے۔ اور جبکہ سب کے ہاں مسلّم ہے کہ جیسے سفر کی وجہ سے ظہر کو دو رکعت کر کے پڑھنا واجب ہے تو جمعہ کی نماز بھی دو رکعت ہی پڑھی جاتی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کو صرف سفر کی وجہ سے چھوڑا جب کہ سفر میں بھی جمعہ پڑھنے سے ادا ہو جاتا ہے؟ تو پھر حضور کریم نے سفر کی وجہ سے جمعہ کو کیسے چھوڑا۔ وجہ بیان کیجئے تو اس سے صاف صاف یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ حضور اکرم نے اس دن جمعہ کو سفر کی وجہ سے ہرگز نہ چھوڑا تھا۔ بلکہ اس کے چھوڑنے کی صرف یہ وجہ تھی کہ عرفات محل اقامت جمعہ نہیں۔ اب عرض یہ ہے کہ قول بعض علماء احناف کا یہ اعتراض غیر مقلدین پر کرنا صحیح ہے یا نہ؟

الجواب

حنفیہ کے نزدیک ترک جمعہ کی وجہ یہ ہے کہ عرفات محل اقامت جمعہ نہیں۔ اور یہی صحیح ہے۔

سوال نمبر ۵: اگر کسی مسئلہ میں اہل سیر اور بخاری شریف کا اختلاف ہو جائے تو اس صورت میں عمل کس پر کرنا واجب ہے۔ اگر کوئی آدمی بخاری شریف پر عمل نہیں کرتا اور بخاری شریف کی روایت کو چھوڑ کر اہل سیر کی روایت پر عمل کرتا ہے تو کیا اس کے لیے جائز ہے؟ اور بخاری شریف کی روایت چھوڑنے پر گنہگار ہوگا یا نہ؟

الجواب

جب تک روایات مسئولہ اور ان کے اختلاف کی نوعیت سامنے نہ آ جائے حتمی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن عام حالات میں قابل اعتماد بخاری کی روایت ہوگی۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کے بارے میں کہ آپ نے کتنے دن قبا میں قیام فرمایا؟ بخاری شریف اور سیر کی بعض روایات کا اختلاف ہے۔ بخاری شریف کی روایت سے مدت قیام کا دس دن سے زیادہ ہونا ثابت ہے اور محمد بن اسحٰق کی روایت سے تین روز قیام فرمانا ظاہر ہوتا ہے تو اس میں یقیناً بخاری کی روایت زیادہ صحیح متصور ہوگی۔ اور سیر کی روایت ناقابل اعتبار۔

سوال ۶: جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ کی طرف تشریف لے گئے، تو آپ کو مدینہ عالیہ پہنچنے تک کتنے جمعے پیش آئے اور آپ وہ جمعہ پڑھتے گئے یا جمعہ کو چھوڑ کر ظہر پڑھتے گئے۔ اگر راستہ میں جمعہ قائم کیا ہے تو وہ کون کون سی جگہ ہیں جہاں جمعہ قائم کیا اور وہ محل اقامت تھے یا نہ۔ بینوا توجروا۔

الجواب: سفر ہجرت میں کسی مقام پر جمعہ پڑھنا ثابت نہیں۔ بلا شبہ کہا جا سکتا ہے کہ کم از کم ایک جمعہ راستہ میں ضرور آیا ہوگا۔

سفر ہجرت میں مدینہ منورہ کے محلہ بنو سالم میں جمعہ پڑھنے کی تحقیق

۷: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت بنی سالم قریہ مستقل تھا یا وہ محلہ مدینہ عالیہ کا تھا یا میدان جنگل تھا۔ اگر قریہ مستقل تھا تو وہ قریہ صغیرہ تھا یا کبیرہ، اور اس وقت اس کی مردم شماری کتنی تھی؟

الجواب: بنی سالم مدینہ منورہ کا محلہ تھا۔ کذا فی اعلاء السنن ناقلاً عن خلاصۃ الوفاء

سوال ۸: بعض غیر مقلدین کہتے ہیں کہ بنی سالم قریہ صغیرہ تھا، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی سالم میں جمعہ تین آدمیوں کے ساتھ پڑھا تھا۔ اس سے معلوم ہوا جمعہ چھوٹے قریوں میں بھی صحیح ہوجاتا ہے ورنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی سالم میں جو کہ قریہ صغیرہ تھا جمعہ کیوں پڑھا۔ جب آپ نے قریہ صغیرہ میں جمعہ قائم کیا تو یہ قوی دلیل ہے کہ چھوٹے گاؤں میں بھی جمعہ ادا ہوجاتا ہے۔ اب عرض یہ ہے کہ یہ غیر مقلدین کا دعوے بالکل صحیح ہے یا وہ اس دعوے میں جھوٹے ہیں؟

الجواب: بنی سالم مدینہ منورہ کا محلہ تھا لہذا اس میں ادائیگی جمعہ سے غیر مقلدین کا استدلال کرنا درست نہیں غلط ہے۔

سوال ۹: اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی بنی سالم میں جمعہ تین آدمیوں کے ساتھ قائم کیا ہے۔ پھر میری عرض یہ ہے کہ آپ نے وہ جمعہ مبارک جمعہ کی فرضیت ہونے سے قبل پڑھا تھا یا جمعہ فرض ہوچکا تھا۔ اگر جمعہ کی فرضیت آچکنے کے بعد پڑھا تھا تو پھر یہ عرض ہے کہ وہ مدینہ عالیہ پہنچ کر اور بنی سالم ہوکر جمعہ پڑھا تھا یا مدینہ پہنچنے سے پہلے پڑھا تھا اگر مدینہ پہنچ کر جمعہ کو

بنی سالم میں جمعہ پڑھا ۔ تو پھر عرض یہ ہے کہ آپ جو مدینہ عالیہ کو چھوڑ کر بنی سالم میں جمعہ قائم کیا تو اس کی کیا وجہ تھی اور کس وجہ سے بنی سالم میں آئے تھے ؟

الجواب جب بنی سالم مدینہ منورہ کا محلہ تھا تو جب بھی وہاں پر جمعہ ادا کیا گیا یہ مخالفین کے لئے مفید نہیں ـــ جمعہ کی فرضیت بنا بر قول محقق ہجرت سے پہلے ہو چکی تھی ۔ لہذا یہ جمعہ فرضیت کے بعد پڑھا گیا ہے ۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ، عبد اللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳/۳/۹۱ھ

بندہ محمد عبد الستار عفا اللہ عنہ
معین مفتی مدرسہ خیر المدارس ملتان

دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کی مقدار

جمعہ یا عیدین کے دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا سنت ہے یا واجب ؟ اور کتنی دیر بیٹھا جائے ؟ المستفتی محمد حسین ، منڈی واربرٹن ، شیخوپورہ

الجواب دونوں خطبوں کے درمیان ایک دفعہ اس طرح اطمینان سے بیٹھنا کہ ہر عضو اپنی جگہ پر آجائے مستحب ہے ۔ عالمگیری میں مسنون خطبہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

والخامس عشر الجلوس بين الخطبتين هكذا في البحر الرائق ومقدار الجلوس بينهما مقدار ثلاث آيات في ظاهر الرواية هكذا في السراج الوهاج ناقلا عن الفتاوى قال الامام السرخسي في تقدير الجلسة بين الخطبتين انه اذا تمكن في موضع جلوسه واستقر كل عضو منه في موضعه قام من غير لبث و مكث كذا في التتارخانية والمختار ما قاله شمس الائمة السرخسي كذا في الغياثية (عالمگیری ج ۱ ص ۱۴۷) فقط

واللہ اعلم ۔ محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۹/۹/۱۴۰۵ھ

عید اور جمعہ اکٹھے ہو جائیں تو ایک ہی غسل کافی ہے

مشہور ہے کہ عید کی نماز کے لئے نہانا سنت ہے اور ایسے ہی جمعہ کے لئے نہانا بھی سنت ہے۔ اگر دونوں ایک ہی دن جمع ہو جائیں تو ہر ایک نماز کے لئے الگ غسل کیا جائے یا ایک ہی غسل کافی ہے؟

الجواب

ایک ہی غسل کافی ہے ہر دو کے لئے الگ الگ غسل کا تکلف نہ کریں۔ ویکفی غسل واحد لعید وجمعۃ اجتمعا۔ (رد المحتار علی الشامیۃ ج ۱ ص [illegible])۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

غسل جمعہ یوم جمعہ کیلئے ہے یا نماز جمعہ کیلئے

غسل جمعہ کے بارے میں احادیث مختلف ہیں۔ کیا جمعہ کے دن غسل کرنا یہ صلوٰۃ جمعہ کے لئے سنت ہے۔ یا مطلقاً یوم جمعہ کے لئے سنت ہے۔ ائمہ کا کیا اختلاف ہے۔

الجواب

صحیح یہ ہے کہ یہ غسل جمعہ کے لئے ہے۔

قال فی العنایۃ وھو الصحیح عند الجمھور وھو قول ابی یوسف کما فی النھایۃ وغیرھا انہ للصلوٰۃ لا للیوم۔ ثم قال ابن رشد [illegible] عنہ ان الغسل لیوم الجمعۃ لا ومذھب مالک والشافعی وابی حنیفۃ وغیرھم انہ للجمعۃ لا للیوم انتھی۔

علامہ شامی نے نقل کیا ہے کہ اگر غسل کے ساتھ نماز جمعہ ادا کی تو یقیناً سنت حاصل ہوگئی۔ اور اگر وضوء ٹوٹ گیا جدید وضوء کرکے نماز ادا کی تو بھی یہ غسل کافی سمجھا جائے گا۔

فلا ینبغی عندی الاجتزاء وان تخلل الحدث۔ (ج ۱ ص [illegible])

فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

رئیس الافتاء خیر المدارس ملتان
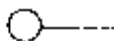
جمعہ کے دوسرے خطبہ میں اردو یا پنجابی میں مسائل بتلانا

ہماری مسجد کے خطیب جمعہ کے دوسرے خطبہ میں دوران خطبہ پنجابی یا اردو میں طہارت و وضو وغیرہ سے متعلق مسئلے بیان کرنے لگ جاتے ہیں۔ اس سے خطبہ میں کچھ کراہت تو نہیں آتی ہے؟

الجواب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اب تک کے زمانہ میں یہی تعامل و توارث رہا ہے کہ خطبہ عربی میں کسی دوسری چیز کو خلط نہیں کیا گیا لہٰذا بوقت خطبہ صرف خطبہ ہی پر اکتفا کرنا چاہئے۔ اور مسائل پہلے بیان کرلیں۔ البتہ اگر بین خطبہ کے وقت کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے تو مسئلہ جتلانے میں حرج نہیں۔

ویکرہ للخطیب ان یتکلم فی حال الخطبۃ الا اذا یکون امرا بمعروف اھ۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۴۷)۔

فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

امام صاحب نے گھر میں ظہر ادا کی اور مسجد میں آکر جمعہ پڑھایا تو جمعہ صحیح ہوا یا نہیں؟

ایک امام مسجد شہر یا قصبہ میں جہاں جمعہ فرض ہے۔ جمعہ کے دن ظہر کی نماز گھر میں پڑھ لیتا ہے اور ظہر پڑھنے کے بعد مسجد میں جاکر لوگوں کو دو رکعت جمعہ پڑھا تا ہے کیا سعی الی الجمعہ سے اس کی ظہر باطل ہوجائے گی جیسا کہ کتب فقہ میں مرقوم ہے بعض امر بھی اسی ذیل میں آتا ہے یا نہ؟ یا اس کی ظہر باقی رہے گی اور جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ جو بھی صورت ہو تحریر فرمائیں۔

(علامہ) غلام رسول، مدرسہ جامعہ رشیدیہ منٹگمری

الجواب باوجود تتبع و تلاش کے اس کے متعلق کوئی خاص جزئیہ تو نہیں ملا۔ لیکن فقہاء کے طرز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بھی اسی ذیل میں آجاتا ہے

کیونکہ فقہاء نے اس مسئلہ کو کلی حیثیت سے بیان فرمایا ہے اور کسی خاص جزئی کا استثناء بھی نہیں فرمایا۔ نیز بطلان ظہر کی علت بعض حضرات ادراک سمجھتے ہیں تو یہ بھی امام میں پائی جاتی ہے بلکہ مقتدی سے بڑھ کر۔ لہذا خیال یہی ہے کہ اس صورت میں امام کی ظہر بھی الجمعۃ سے باطل ہو جائے گی۔ اور جمعہ صحیح ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی غفرلہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۶/۵/۱۳۷۹ھ

۔ اگر احیاناً ایسا فعل امام سے سرزد ہو تو حرج نہیں اور امید یہی ہے کہ ظہر باطل ہو گئی اور جمعہ صحیح ہو گیا۔ والجواب صحیح

محمد عبداللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۷/۵/۷۹ھ

ضرورت ہو تو جمعہ کی نماز میں بھی قنوت نازلہ پڑھ سکتے ہیں

"قنوت نازلہ" کا پڑھنا حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صبح کے علاوہ کسی دوسری نماز میں بھی جائز ہے یا نہیں۔ جمعہ کی نماز میں پڑھ سکتے یا نہ۔ اور پڑھتے وقت ہاتھ اٹھانا اور آمین بالجہر کہنا کیسا ہے؟

الجواب "قنوت نازلہ" صبح کے علاوہ دوسری جہری نمازوں میں حتی کہ جمعہ میں بھی پڑھنا جائز ہے۔ کما فی الدر المختار و یقنت فی ۔ صیرہ

اذا اتت نازلۃ فیقنت الامام فی الجہریۃ وضبطہ فی الخ ج ۱۔ ص ۶۲۸

البتہ امام کا ہاتھ اٹھانا اور لوگوں سے اٹھوانا اور زور سے آمین کہلوانا ٹھیک نہیں۔ امام جہر سے پڑھے اور مقتدی آہستہ آمین کہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد عبداللہ غفرلہ خادم دار الافتاء خیر المدارس ملتان ۳/۷/۹۰ھ

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ

خطبہ شروع ہو جائے تو سنتیں نہ پڑھی جائیں

مسجد میں اگر ایسے وقت پہنچیں کہ خطبہ شروع ہو تو سنتیں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: اس وقت سنتیں پڑھنا درست نہیں خطبہ سننا چاہئے۔ درمختار میں ہے۔

اذا خرج الامام من الحجرة ان کان والا فقیامه للصعود فلا صلوٰة ولا کلام الی تمامها اهـ۔ قوله فلا صلوٰة شمل السنة وتحية المسجد بحر اهـ (شامی ج ۱ ص ۷۶۰)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۴ / ۲ / ۱۴۰۱ھ

مصر کی مفتیٰ بہ تعریف

صحتِ جمعہ کی شرط "شہر" کا ہونا ہے۔ البتہ "شہر" کی تعریف میں اقوال ائمہ دین کے مختلف ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ جہاں پر حدود جاری ہوں اور بادشاہ اور قاضی موجود ہوں۔

۲۔ کہ وہاں کے نمازی و غیر نمازی بڑی مسجد میں نہ سما سکیں۔

ان دونوں میں کون سی تعریف مفتیٰ بہ ہے؟ پہلی تعریف کے لحاظ سے تو لاہور وغیرہ میں بھی جمعہ درست نہیں ہے۔ اور دوسری کے لحاظ سے جس چک (گاؤں) کے آدمی جامع مسجد میں نہ سما سکیں اس جگہ جمعہ درست ہو۔ اور اسی قول پر اکثر فقہاء کا فتویٰ ہے۔ (شرح وقایہ) نیز اسی قول کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے چک مذکور میں جمعہ قائم کر رکھا ہے۔ تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

الجواب: شامی جلد اوّل میں ہے۔

وظاهر المذهب الخ قال فی شرح المنیة والحد الصحیح ما اختاره صاحب الهدایة انه الذی له امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود وقال فیه لیس المراد تنفیذ جمیع الاحکام ...... بل المراد واللہ اعلم اقتداره علی ذالک وقال فیه عن ابی حنیفة انه بلدة کبیرة

فیھا سکک واسواق ولھا رساتیق وفیھا وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمتہ وعلمہ او علم غیرہ یرجع الناس الیہ فیما یقع من الحوادث وھذا ھو الاصح الا ان صاحب الھدایۃ ترک ذکر السکک والرساتیق لان الغالب ان الامیر والمفتی الذی شأنہ القدرۃ علی تنفیذ الاحکام واقامۃ الحدود لا یکون الا فی بلد کذا فی البحر اھ (شامی، ج ۱ ص ۵۳۶)۔

اسی قول کو ظاہر مذہب کہا گیا ہے۔ شارح وقایہ کے قول کی تضعیف کی ہے۔ بڑے قصبات اور شہروں میں امیر وغیرہ حکومت کی طرف سے مقرر ہیں اس لئے جو شہر بیان کئے ہیں اس میں یہ سوال پیدا نہیں ہوتا۔ ہر جگہ بادشاہ کا ہونا ضروری نہیں۔ آپ نے جس عبارت کا حوالہ دیا ہے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ اس میں کبیر مساجد کا ذکر ہے جس میں کثرت مساجد کی طرف اشارہ ہے۔ چھوٹے گاؤں میں یہ باتیں نہیں پائی جاتیں۔ ورنہ ہر گاؤں اور بستی پر یہ تعریف صادق ہے جو حنفیہ میں سے کسی کا بھی قول نہیں ہے۔

دوسرے شارح وقایہ وغیرہ کا قول مجمل ہے جس کی تفصیل ان سے منقول نہیں۔ صاحب مذہب کے قول کی موجودگی میں دوسرے قول کو ترجیح نہیں ہو سکتی۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب "حجۃ اللہ البالغۃ" میں تحریر فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے ہمارے اس زمانہ تک تواتر معنوی سے جس کو انہوں نے تعامل معنوی سے تعبیر کیا۔ یہ ثابت ہے کہ جمعہ کے واسطے ایک قسم کا تمدن ہونا ضروری ہے۔ جس جگہ تمدن نہیں جمعہ نہ ہوگا۔ ہمارے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ موجود ہے کہ مدینہ طیبہ سے قبا تین میل کے فاصلے پر تھا۔ وہاں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور اس کے مابعد کبھی جمعہ نہیں پڑھا گیا۔ نہ ان کو مدینہ بلایا گیا۔ لہذا ایسے چھوٹے گاؤں میں حنفیہ کے مذہب کے مطابق جمعہ فرض نہیں بلکہ ادائے ظہر ضروری ہے۔

جن لوگوں نے احتیاط الظہر نہیں پڑھی ان پر قضاء ظہر ضروری ہے۔ اور جو صاحبان احتیاط الظہر پڑھتے رہے ہوں ان کی ظہر ادا ہو گئی۔

فاروق احمد مفتی قاسم العلوم فقیر والی : وصدر مدرس ، و اسابق مفتی دارالعلوم دیوبند ۔ ہند ،

الجواب صحیح : بندہ مفتی محمد عفا اللہ عنہ ۲۴ ؍ ذی قعدہ ۔ ۱۴۰۳ھ

الجواب

بڑے گاؤں اور قصبات جن میں گلی کوچے ، بازار ہوں اور ضروریات زندگی عمومی طور پر مل جاتی ہوں اور عرف میں انہیں قصبہ کا لقب دیا جاتا ہو ۔ تو وہاں جمعہ جائز ہے ورنہ نہیں ۔ کما ہو المفتی بہ ۔ اور شہر کی تعریف جن حضرات نے یہ کی ہے کہ اس کی بڑی مسجد میں لوگوں کی سمائی نہ ہو تعریف جامع مانع نہیں اور رجوع اس تعریف کا بھی اسی طرف ہے ۔ والجواب صحیح

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ خادم الافتاء خیرالمدارس ملتان

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم مدرسہ ۱۹ ؍ ۱۲ ؍ ۱۴۰۰ھ

فوجی جوانوں کی مشقوں کیلئے ویران جگہ منتخب کیے ہوں تو وہاں جمعہ نہ پڑھیں !

فوج کی چند یونٹیں ہر سال مشق کے لئے اپنی چھاؤنی سے ساٹھ ستر میل کے فاصلے پر جاتی ہیں ۔ ان کی تعداد تقریباً پانچسو یا اس سے زائد ہوتی ہے ۔ مشق کے لئے علاقے بالکل ویران اختیار کئے جاتے ہیں ۔ مشق کے دوران ایک جگہ خیمہ لگایا جاتا ہے جسے ہیڈ کوارٹر کہا جاتا ہے ۔ جہاں پر یونٹ کا کمانڈر ۔ اور دوسرے افسران رہتے ہیں جب کہ باقی خیمے پانچ پانچ دس دس میل کے فاصلے پر لگائے جاتے ہیں اور سپاہیوں کو مشق کے لئے کچھ مزید فاصلہ بھی طے کرنا پڑتا ہے اور مشق کے لئے کچھ علاقہ منتخب کیا جاتا ہے جس کی لمبائی چوڑائی پندرہ میل یا اس سے کچھ زائد ہوتی ہے اور خیمے ایک جگہ سے دوسری جگہ بدلتے رہتے ہیں ۔ اور مشق کے لئے مدت پندرہ دن سے زائد ایک یا دو ماہ ہوتی ہے ۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسی حالت میں نماز جمعہ واجب ہے یا نہیں ۔ جب کہ ضروریات زندگی فوجی لنگر وغیرہ سے مل جاتی ہیں اور افسران اور عدالت بھی ہوتی ہے ۔ مصلحت کی بنا پر اذن عام نہیں ہوتا ذرا وضاحت سے بیان فرمائیں کہ جمعہ کے اس دوران کیا احکام ہوں گے ؟

الجواب — مذکورہ صورت میں جمعہ کی بجائے ظہر با جماعت ادا کیا جائے ۔ کیوں کہ جمعہ کے لئے مصر یا قریہ کبیرہ کا ہونا ضروری ہے ۔ قاضی خان میں شہر

پابستی کے حکم میں نہیں۔

ویشترط لصحتها سبعة اشیاء الاول المصر الخ او فناءه بکسر الفاء وهو ما حوله اتصل به او لا لاجل مصالحه کدفن الموتی ورکض الخیل۔ (درمختار علی الشامیة ج ۱ ص)

قال شمس الائمة الحلوانی ان بعض المسلمین اذا قصدوا موضعا من مواضع اخبیتهم وخیامهم وفساطیطهم فنزلوا مفازة فی الطریق ونصبوا الاخبیة والفساطیط وعزموا فیها علی اقامة خمسة عشر یوما لم یصیروا مقیمین لانها حولة ولیست بمساکن کذا فی المحیط۔

(عالمگیریہ ج ۱ ص) ۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۔ ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ

خطبہ مسنون کی مقدار

ایک شخص امام مسجد ہے جمعہ پڑھاتا ہے اور خطبہ یہ پڑھتا ہے تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں۔ خطبہ یہ ہے۔

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصا علیٰ افضل الرسل وخاتم الانبیاء۔ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم وما ارسلناک الا رحمة للعالمین انہ جواد کریم ملک برّ رحیم۔ دوسرا خطبہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ ـ اما بعد ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی

يعظكم لعلكم تذكرون اذكروا الله يذكركم ولذكر الله تعالى اعلى واولى واتم واحكم ؟

کیا اس خطبہ سے نماز جمعہ ہو جاتی ہے ؟ حالانکہ نماز جمعہ دو رکعت نماز اور خطبہ دو رکعت کے قائم مقام ہے ۔

الجواب ——— خطبہ جمعہ میں مقدار مسنون طوال المفصل سورت کی مقدار ہے ۔ مراقی میں ہے — ويسن تخفيف الخطبتين بقدر سورة من طوال المفصل كذا في معراج الدراية ولكن يراعي الحال بما هو دون ذالك فانه اذا جاء بذكر ونحوه يكون خطبة (ص۲۸۲) ۔

تشہد کی مقدار خطبہ پڑھنے سے خطبہ کی ادائیگی بلا کسی کراہت کے ہو جائے گی ۔

* واقله قدر التشهد الى قوله عبده ورسوله ۔ (مراقی الفلاح ص۲۸۲)

مذکورہ خطبہ پڑھنے سے بھی نماز جمعہ کی ادائیگی ہو گئی ہے ۔ آئندہ مقدار مسنون کی رعایت رکھی جائے ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء ۔	محمد عبد اللہ عفی عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۰/۹/۱۳۹۰ھ

خطبہ جمعہ سننا واجب ہے

کیا جمعۃ المبارک، عیدین اور نکاح کا خطبہ پڑھنا واجب ہے یا سنت یا فرض ۔ نیز ان خطبوں کو سننا کیسا ہے ؟

الجواب ——— جمعہ کا خطبہ ادائے جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے ۔ عیدین اور نکاح میں خطبہ پڑھنا سنت ہے بلکہ سننا سب کا واجب ہے ۔ [illegible]

* سوى الخطبة فانها سنة بعدها اھ وفي الشامية قوله فانها سنة بعدها بيان للفرق وهو انها فيها سنة لا شرط وانها بعدها وفيها بخلاف الجمعة (رد المحتار ص...) ۔

وهكذا يجب الاستماع لسائر الخطب كخطبة نكاح وعيد اھ

(در مختار مع الشامیہ ج ۱ ص ۷۶۹)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء	مفتی خیر المدارس ملتان ۱۷/۱۱/۱۴۰۶ھ

شہر سے ڈیڑھ میل دور رہنے والوں پر جمعہ فرض نہیں

ہماری جماعت کے مکمل ساتھی گیارہ ہیں۔ ایک امیر صاحب اور دس مامورین۔ بستی سے شہر جہاں جمعہ ہوتا ہے ڈیڑھ میل ہے لیکن امیر صاحب نے اجازت نہیں فرمائی۔ ایسی صورت میں کیا کریں ؟

الجواب صورت مسئولہ میں آپ حضرات مذکورہ بستی کے رہنے والوں پر جمعہ فرض نہیں ہے۔

" ومن كان مقيما بموضع بينه وبين المصر فرجة من المزارع والمراعي نحو القلع ببخارا لاجمعة على اهل ذالك الموضع وان كان النداء يبلغهم ۔ (هنديه ج ۱ ص ۱۴۵) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء	نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۹/۳/۱۴۰۴ھ

جمعہ کے دونوں خطبے برابر ہونے چاہئیں

سوال ۔ جمعۃ المبارک کے دونوں خطبے برابر ہوں یا کوئی چھوٹا بڑا ہو سکتا ہے ؟

الجواب مراقی میں ہے۔ ويسن تخفيف الخطبتين بقدر سورة من طوال المفصل ۔ (ص ۲۸۱) ۔ اس عبارت سے بظاہر دونوں خطبوں کی برابری معلوم ہوتی ہے کمی بیشی بھی جائز ہے لیکن خلاف اولیٰ ہے۔ فقط واللہ اعلم

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی ۱۳/۱/۱۴۰۲ھ

قائلین جمعہ فی القریٰ کے دو مغالطوں کا جواب

کیا فرماتے ہیں آپ کہ "قائلین جمعہ فی القریٰ" کے اعتراض ہذا کے جواب میں کہ صحت جمعہ کے لئے چند شرائط ہیں۔ جن کی فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے۔ اگر یہ تمام شرائط پائی جائیں تو وہاں جمعہ ادا کرنا افضل اور اولیٰ ہے۔ اور ان میں سے اگر ایک یا دو شرطیں نہیں پائی جاتیں تو بھی جماعت و جمعہ جائز ہے۔ کیونکہ ایک یا دو شرائط کے فقدان سے جمعہ کی فرضیت ساقط نہیں ہوتی ہے۔ اس کی استشہادیت مل سکتی ہیں۔ مثلاً قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا شرط ہے۔ اگر کسی نے تحری کر کے نماز ادا کر لی تو نماز ہو جائے گی۔ حالانکہ فقدان شرط ہے۔ اور حکم یہ ہے کہ نماز ادا کرے قضاء نہ کرے۔ اور اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً جمعہ کی صحت کے لئے تنفیذ حدود شرط ہے۔ اور دور حاضرہ میں کہیں ایسا نظر نہیں آرہا ہے کہ حدود شرعیہ جاری ہوں۔ باوجود اس کے عدم قائلین جمعہ فی القریٰ بھی فتویٰ دیتے ہیں کہ مصر میں جمعہ پڑھو اور اس پر عمل ہو رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرط کے فقدان سے فرضیت ساقط نہیں ہوتی ہے۔ اور یہ بھی دیکھا گیا ہے "اذا فات الشرط فات المشروط" کا قانون عام نہیں ہے۔

۲۔ بیہقی شریف میں ایک حدیث آئی ہے "الجمعۃ حق واجب علیٰ کل مسلم" مرفوع ہے۔ اور "لا جمعۃ ولا تشریق الخ" یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور حدیث مرفوع اور قول صحابی کا اگر تعارض ہو تو حدیث مرفوع کو ترجیح ہوتی ہے۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے۔

قول الصحابی حجۃ فیجب تقلیدہ عندنا اذا لم ینفہ
شیء من السنۃ الخ

الجواب افسوس اس بات پر ہے کہ ہر صاحب مدعی اجتہاد ہو کر اپنے قیاس کے ساتھ محکم احکام شریعت کو رد کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ واضح رہے کہ جمعہ کے شرائط دو قسم ہیں۔ بعض شرائط وجوب ہیں اور بعض شرائط صحت۔ جب شرائط وجوب فوت ہو جائیں تو جمعہ واجب نہ ہوگا۔ مگر ادا کرنے سے جمعہ ادا ہو کر اس کا ذمہ فارغ ہو جائے

گا۔ مثلاً اعمیٰ، اعرج، مسافر پر جمعہ واجب نہیں۔ لیکن اگر یہ حضرات جمعہ ادا کریں تو جائز ہو جائے گا۔ دوسرے شرائط صحت ہیں۔ ان کے فوت ہونے پر یہ حکم ہے۔ اذا فات الشرط فات المشروط۔ اسی طرح یہ حکم "فات الشرط" عام ہے۔ پہلی قسم میں بھی کہہ سکتے ہیں اذا فات شرط الوجوب فات الوجوب دون الصحة۔ بہرحال مصر ہونا شرائط صحت میں سے ہے۔ اگر مصریت نہ ہوگی تو جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ اور جناب نے فرمایا کہ جمعہ کی صحت کے لئے تنفیذ حدود بھی شرط ہے۔ یہ کہاں لکھا ہے کہ تنفیذ حدود بالفعل ہونا ضروری ہے۔ فقہاء نے تو یہ لکھا ہے کہ

المصر عند ابی حنیفة کل موضع له مفت وامیر وقاضی ینفذ الاحکام ویقیم الحدود - یہ مصر کی تعریف ہے (فوائد البھیۃ)
وفی الشروح المراد به القدرة علی ذالک کما صرح به فی التحفة۔

"واقامة الحدود" سے مراد اقامت بالقوۃ ہے نہ بالفعل۔ پس مصر کی تعریف کرنا اقامت حدود پر صحیح نہیں۔

۲: یہ روایت "الجمعة حق علی کل مسلم الخ" مخالف روایت "لاجمعة ولا تشریق" والی کے نہیں ہے کہ ہم اس کو مرفوع اور اس کو موقوف سمجھ کر ترجیح دیں۔ اولاً آپ دونوں حدیثوں میں تعارض ثابت کریں تب ترجیح کا سوال پیدا ہوگا۔ ہمارے نزدیک دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ "الجمعة حق علی کل مسلم" میں مسلمانوں پر جمعہ کا فرض ہونا بتلایا گیا ہے۔ حدیث "لاجمعة ولا تشریق" میں ایک شرط صحت جمعہ بیان کی گئی ہے۔ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ بلکہ ایک حدیث کا مفہوم جدا ہے۔ کیا "الجمعة حق علی کل مسلم" سے کوئی یہ نکال سکتا ہے کہ جمعہ کے لئے جماعت بھی ضروری نہیں کیونکہ "علی کل مسلم" میں کہیں جماعت اور خطبہ کا بھی ذکر نہیں ہے۔ تو کیا اس حدیث کی بناء پر کوئی صاحب یہ کہنے لگیں کہ ہر مسلمان سفر و حضر میں تنہا جمعہ قائم کر سکتا ہے۔ خطبہ و جماعت کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ تو کیا اس کا یہ دعویٰ صحیح ہوگا؟

تعجب یہ ہے کہ آپ نے دونوں روایتوں میں تعارض بھی قائم کر لیا اور پھر اپنی طرف سے ترجیح بھی دے دی۔ حالانکہ یہاں تعارض کا سوال ہی نہیں ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفی عنہ خادم الافتاء خیر المدارس ملتان ۲۴/۱۱/۱۳۷۱ھ

الجواب صحیح ہے :-

استفتاء میں جواز جمعہ فی القریٰ کی تائید میں چند اشیاء ذکر کرنا سراسر جہالت پر مبنی ہے۔ دیکھئے نماز میں علم قبلہ کی صورت میں توجہ الی القبلہ شرط ہے اور عدم قبلہ کی صورت میں اس کے نائب یعنی جہت تحری پر عمل واجب ہے۔ اسی طرح جواز جمعہ کے لئے مصر شرط ہے۔ اور اس کے فقدان کی صورت میں ظہر کی طرف رجوع فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو فہم سلیم عطا فرمائے اور وہ موقوف ہے فنا ر دعوتی پر۔ فقط

خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان ۲۴/۱۱/۱۳۷۱ھ

دیہات کے ایسے بازاروں میں جہاں مستقل سکونتی آبادی نہ ہو وہاں جمعہ جائز نہیں

بعض دیہاتی علاقوں میں باقاعدہ بازار ہیں مگر یہاں سکونت کسی کی نہیں۔ چند دیہاتوں کے درمیان بازار ہے۔ دن کو کھلا رہتا ہے اور رات کو سب لوگ دیہات میں چلے جاتے ہیں اس مقام پر جمعہ صحیح ہے یا نہیں؟ اگر بازار والی جگہ میں لوگوں کی سکونت ضروری ہو تو کتنے افراد کی؟

حضرت مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ دار الافتاء والارشاد
ناظم آباد — کراچی

الجواب صورت مسئولہ میں اس مقام پر جمعہ صحیح نہیں۔ البتہ اگر یہاں پر بازار کے علاوہ مستقل لوگ مستقل طور پر رہائش پذیر ہوں جن کی آبادی و مکانات کو عرفاً بستی و قریہ کہا جا سکے۔ اور ان کی تعداد اتنی ہو کہ جتنی اہل منیٰ کی تھی تو جمعہ جائز ہو گا۔ مصر کی تعریف کرتے ہوئے علامہ شامی رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے۔ وبلغت ابنیتہ قدر ابنیۃ منی۔ اھ معلوم ہوا کہ دیگر شرائط کے باوجود اتنی آبادی کا ہونا ضروری ہے جیسے جیسے حضرات شیخین رحمہما اللہ نے منیٰ میں ایام حج کے اندر جمعہ کو صحیح کہا ہے۔ اسی طرح اس مقام میں بھی بوجہ

بازار و مستقل آبادی جائز کہا جائے گا، جب کہ اتنی آبادی پائی جائے۔ مستقل آبادی نہ ہونے کی صورت میں اس مقام کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسا کہ بعض سرحدی علاقوں میں کوئی دریا یا کنواں یا چشمہ ہوتا ہے۔ اردگرد کے لوگ پانی بھرنے آتے ہیں اور دن بھر خوب بھیڑ بھاڑ رہتی ہے۔ رات کو سب چلے جاتے ہیں، ایسے چشموں پر جمعہ بالاجماع جائز نہیں۔ احکام القرآن میں ہے

فانهم مجمعون على ان الجمعة لا تجوز في البوادي ومناهل الاعراب اھ۔

نیز صحت جمعہ کے لئے استیطان اقامت بالاتفاق ائمہ اربعہ شرط ہے۔ "کما فی الوجیز"۔ اور اس مقام پر ایسی اقامت مفقود ہے۔ کیونکہ اقامت شب باشی سے متحقق ہوتی ہے۔ کما فی حاشیۃ الرائق۔

ان موضع الاقامة حيث يبيت فيه الا ترى انه اذا قلت لشخص اين تسكن فيقول في محلة كذا وهو بالنهار يكون بالسوق نقله السيد عن العلامة مسكين اھ۔

مسئلہ زیر بحث میں شامی جزئیہ ذیل سے بھی تمسک ہو سکتا ہے۔

عسكر المسلمين اذا قصدوا موضعا ومعهم اخبيتهم وفساطيطهم فنزلوا مفازة في الطريق ونصبوا الاخبية وعزموا فيها على اقامة خمسة عشر يوما لم يصيروا مقيمين لانها متحولة وليست بمساكن هكذا في المحيط (عالمگیری ج ۱)

کیونکہ محل اقامت جمعہ خاص ہے اور محل توطن عام ہے۔ ایسے مقامات کے بارے میں جب عام منتفی ہے تو خاص بھی منتفی ہوگا۔ اور لیست بمساکن کی علت مقام زیر بحث کو بھی شامل ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۲/۲/۱۳۹۹ھ بروز منگل۔

○

تتمہ —— بندہ کے خیال میں ما فيه اسواق وسكك کی قید واضح دلیل ہے۔ لان السكك تكون بين المنازل المسكونة.

لا يظعنون عنها ... وفي الاقتناع لتحقق الثانية شرائط فصلها ثلاثة الاول البلد مصر كانت او قرية ... وفي مختصر الخليل للمالكية شرط الجمعة وقوع كلها بالخطبة وقت الظهر باستيطان بلد او اخصاص اھ

عبارات بالا سے ظاہر ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک محل اقامت جمعہ کا قریہ متصلۃ البیوت والمنازل ہونا ضروری ہے اور استیطان (اقامت) بھی لازم ہے۔ پس احناف کے نزدیک بطریق اولیٰ یہ ضروری ہوگا۔ کیونکہ عند الاحناف محل جمعہ اخص ہے۔ بلاشبہ احناف کے نزدیک صحت جمعہ کے لئے مصر یا کم از کم قریہ کبیرہ ہونا شرط ہے۔ اور مصر یا قریہ شہر یا گاؤں پختہ ہوتے ہیں اور ریکیت جگہ کو نا وزن تو کہہ سکتے ہیں شہر گاؤں، ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ "مجمع البحر" میں ہے۔ القرية المساكن والابنية ايضا ۔ اور مصر کی تعریف میں "سکک" کا لفظ بھی اس کی واضح دلیل ہے۔ مصر کی تعریف میں ابنیہ منتشرہ سے مراد بھی بیوت ومساکن ہی ہیں محض تعریف نہیں۔ كما نص عليه تعريف الفقهاء ۔

بہرحال انتفاء اقامت واستیطان اور انتفاء بیوت ومنازل وسکک کی بنا پر یہ جگہ نہ تو شہر ہے نہ عرفاً قریہ ہے نہ مصر لہٰذا اس میں جمعہ جائز نہیں۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

جمعہ کے بعد سنت مؤکدہ کتنی ہیں

جمعہ کے فرضوں کے بعد سنت مؤکدہ کتنی ہیں دو یا چار یا چھ ؟ حدیث وفقہ سے مفصل ثبوت دیں۔ ہمارے ہاں بعض لوگوں کا اصرار ہے کہ جمعہ کے بعد سنت مؤکدہ دو ہیں ؟

الجواب امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک جمعہ کے بعد سنت مؤکدہ چار ہیں۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک چھ ہیں۔ پہلے چار پڑھے اور پھر دو۔

۱ : عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ

عليه وسلم اذا صلى احدكم الجمعة فليصل بعدها اربعا۔
(مسلم ج ۱ ص ۲۸۸)۔

۲ : عن علي رضي الله عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي قبل الجمعة اربعا وبعدها اربعا يجعل التسليم في آخرهن ركعة (اخرجه الطبراني في الاوسط)۔

۳ : عن ابن عباس رضي الله عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يركع قبل الجمعة اربعا وبعدها اربعا الخ
(رواه الطبراني في الكبير)۔

۴ : عن ابي عبد الرحمن عن علي رضي الله عنه انه قال من كان مصليا بعد الجمعة فليصل ستا اخرجه الطحاوي وفي آثار السنن اسناده صحيح (اعلاء السنن ج ۷ ص ۱۲)

۵ : وعند ابي يوسف السنة بعد الجمعة ست ركعات وهو مروي عن علي رضي الله عنه والافضل ان يصلي اربعا ثم ركعتين للخروج عن الخلاف
(حلبي كبير ص ۳۸۸)۔

۶ : وعلى استنان الاربع بعدها ما في صحيح مسلم عن ابي هريرة رضي الله عنه مرفوعا اذا صلى احدكم الجمعة فليصل بعدها اربعا .... وذكر في البدائع انه ظاهر الرواية وعن ابي يوسف انه ينبغي ان يصلي اربعا ثم ركعتين واختاره في الذخيرة والتجنيس وكثير من مشايخنا على قول ابي يوسف (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۶۳)۔

روایات بالا سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے بعد صرف دو پڑھنے والا تارک سنت ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴۰۴/۲/۴

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء خیر المدارس ملتان۔

جمعہ سرد موسم میں اوّل وقت میں ادا کیا جائے

نماز جمعہ کا اوّل ترین وقت کون سا ہے۔ نماز جمعہ ظہر کے وقت یا نماز ظہر سے قبل کس طرح پڑھا جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً جمعہ سرد موسم میں اوّل وقت میں ادا کرنا مستحب ہے۔ احادیث سے بھی جمعہ کی تعجیل ہی ثابت ہوتی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ سرد موسم میں ایک بجے جمعہ ادا کر لیا جائے۔

وجمعة كظهر أصلا واستحبابا في الزمانين لأنها خلفه (درمختار) وفي الشامية تحت قوله واستحبابا في الزمانين أي الشتاء والصيف لكن جزم في الأشباه من فن الأحكام أنه لا يسن لها الإبراد وفي جامع الفتاوى لقارئ الهداية قيل إنه مشروع لأنها تؤدى في وقت الظهر وتقوم مقامه وقال الجمهور ليس بمشروع لأنها تقام بجمع عظيم فتأخيرها مفض إلى الحرج وكذلك الظهر وموافقة الخلف لأصله من كل وجه ليس بشرط اهـ (ج ۱ ص ۳۶۷)۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۱۹/۵/۱۴۰۲ھ

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

مصر وہی ہے جو مصر سمجھا جاتا ہو

ایک گاؤں کی آبادی تین سو گھر ہیں اور اہل سنت کی دو مسجدیں ہیں۔ آبادی مرد و زن مردم شماری کے حساب سے دو ہزار کے قریب ہے۔ ایک مسجد میں عرصہ دراز سے جمعہ جاری ہے۔ چار، پانچ دکانیں بھی ہیں، روز مرہ کی اشیاء خوردنی میسر ہیں۔ گاؤں میں دو حکیم صاحبان بھی ہیں۔ لوگوں کا اصرار ہے کہ محلے کی مسجد میں قریب ہی جمعہ پڑھنا چاہئے۔ کیا جائز ہو سکتا ہے؟

الجواب مذکورہ تعریف کے مطابق مذکورہ گاؤں قریہ صغیرہ ہے اس میں جمعہ جائز نہیں ۔ سوال میں جو مصر کی تعریف کی گئی ہے ۔ اس کے بارے میں علامہ سبکی لکھتے ہیں کہ یہ منقوض ہے ۔ لہٰذا اس کی رو سے تو مکہ اور مدینہ بھی مصر نہیں بنتے کیونکہ مسجد حرام اور مسجد نبوی میں وہاں کے باشندوں سے زیادہ افراد کی گنجائش تھی حالانکہ یہاں عہد نبوی سے جمعہ ہو رہا ہے ۔ نیز اس کی رو سے بعض وہ چھوٹی بستیاں جو بالاتفاق قریہ صغیرہ ہیں وہ مصر بن جائیں گی ۔ لہٰذا مصر کی ہر تعریف میں یہ بات ملحوظ رکھی جاتی ہے کہ تعریف کے صادق آنے کے ساتھ ساتھ وہ جگہ عرفاً بھی مصر و قریہ کبیرہ کہلاتی ہو ۔

والفصل فی ذالک ان مکۃ والمدینۃ مصران تقام بہا الجمعۃ من زمنہ علیہ السلام الی الیوم وکل موضع کان مثل احدہما فہو مصر الخ .... حتی التعریف الذی اختارہ جماعۃ من المتاخرین کصاحب المختار والوقایۃ وہو ما اجتمع فی اکبر مساجدہ لا یسعہم فانہ منقوض بہما اذ کل مسجد منہما یسع اہلہ و زیادۃ اھ (غنیۃ ص۵۵۱) ۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس دار الافتاء	مفتی خیر المدارس ملتان

دوران خطبہ پنکھا کرنا :

دوران خطبہ گرمی کی وجہ سے پنکھا کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب ایسی حالت میں پنکھا کرنا جائز نہیں ہے ۔ یہ استماع خطبہ کے خلاف ہے ۔ فقط واللہ اعلم ۔ محمد انور عفا اللہ عنہ ۔

جمعہ کی نیت کر کے اقتدا کی اور امام ظہر پڑھ رہا تھا

ایک آدمی جمعہ کے روز دیہات پہنچا وہ کثرت مجمع کی وجہ سے یہ سمجھ کر کہ جمعہ پڑھا

جا رہا ہے جمعہ کی نیت کر کے امام کے ساتھ شریک ہو گیا بعد میں علم ہوا کہ امام نے ظہر پڑھی ہے کیا اس آدمی کا جمعہ ادا ہوا یا ظہر ؟

الجواب باسم ملہم الصواب اس آدمی کی نہ ظہر صحیح ہے نہ جمعہ یہ دوبارہ ظہر ادا کرے۔

وان نوی عند التکبیر انہ یصلی الجمعۃ مع الامام فاذا کان الامام یصلی الظهر لا یجزیہ ظہرہ مع الامام ..... الیٰ قولہ) لانہ نوی ان یصلی الجمعۃ مع الامام فاذا تبین ان الامام کان یصلی الظہر انہ لم یصح اقتداءہ لمکان المغایرۃ

(قاضی خان ص ۳۰۶ ج ۱)

الجواب صحیح،

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ کے دن دکان کھولنے پر حکومت کا چالان کرنا

اگر گورنمنٹ کا آدمی جمعہ کے دن دکان کھولنے پر چالان کرے تو کیا چالان کرنا جائز ہے یا کہ نہیں ؟

الجواب امور مباحہ میں حکام و اولی الامر کی اطاعت واجب ہے۔ شامیہ میں ہے ان صاحب البحر ذکر ناقلا عن ائمتنا ان طاعۃ الامام فی غیر معصیۃ واجبۃ فلو امر بصوم یوم وجب۔ (ص ۴۲۲ ج ۲)

اس لئے حکومت کے کہنے پر ترک تجارت ضروری ہے۔ مالی جرمانہ طرفین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں۔ صرف امام ابو یوسف جواز کے اس حد تک قائل ہیں کہ حصول زجر کے بعد مالک کو واپس کر دیا جائے گا۔ حاکم بیت المال یا اپنی جیب میں رکھنے کا مجاز نہیں۔ (کذا فی الہندیۃ ص ۲۲۱ ج ۲) فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۱۰ - ۲ - ۱۳۹۸ھ

زبانی خطبہ بہتر ہے یا دیکھ کر :

بعض خطیب حضرات جمعہ و عیدین کا خطبہ زبانی پڑھتے ہیں اور بعض کتاب دیکھ کر۔ ان میں سے کون سا بہتر ہے ؟

الجواب: دونوں طرح خطبہ پڑھنا درست ہے۔ شریعت میں کسی خاص طریقے کا نہ حکم دیا گیا ہے نہ کسی خاص طریقے کو ترجیح دی گئی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ — الجواب صحیح

۱۲/۴/۱۴۰۰ھ — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

دیہاتی جمعہ کے دن شہر آجائے تو اس کے لئے جمعہ کا حکم

دیہاتی آدمی شہر میں آیا۔ اشیاء ضرورت خریدنے کے لئے اور جمعہ کا وقت ہوگیا۔ کیا اس پر بھی جمعہ فرض ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر پورا دن شہر ٹھہرنے کی نیت تھی تو وہ شہری کے حکم میں ہوگیا اور اس پر جمعہ فرض ہوگا لیکن اگر ذہن میں ہو کہ کام ہوتے ہی شہر سے چلا جاؤں گا۔ جمعہ سے پہلے ہوگیا یا بعد میں تو جمعہ واجب تو نہیں ہے مگر جمعہ بھی پڑھ لے تو بہت ثواب ملے گا۔

القروي اذا دخل المصر ونوى ان يمكث يوم الجمعة لزمته الجمعة لانه صار في اهل المصر في حق هذا اليوم وان نوى ان يخرج في يومه ذلك قبل دخول الوقت او بعد الدخول لا جمعة عليه ولو صلى مع ذلك كان ماجوراً اھ (فتاویٰ عالمگیری ص ۱۴۵ ج ۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

ناخن وغیرہ کاٹنے کے لئے جمعہ کا دن افضل ہے

ناخن کاٹنا ایسے ہی جسم کے دیگر غیر ضروری بال صاف کرنے کے لئے کونسا دن افضل ہے؟

الجواب: یہ تمام امور ہفتہ میں کسی ایک دن مستحب ہیں البتہ ان کے لئے جمعہ کا دن افضل ہے پھر تاخیر کی بھی گنجائش ہے لیکن چالیس دن سے تجاوز کرنا

گناہ ہے۔ وفی امتحان الفقہاء عن الزاھدی یستحب أن یقلم أظفارہ ویقص شاربہ ویحلق عانتہ وینظف بدنہ فی کل اسبوع مرۃ یوم الجمعۃ أحسن ثم فی خمسۃ عشر یوما أو الزائد علی الأربعین آثم اھ احسن الفتاوی صـ۲۲۶۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح ۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ   محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ کے دن سورۃ کہف پڑھنے کا فائدہ

اکثر لوگوں کا معمول ہے کہ جمعہ کے دن سورۃ کہف کا اہتمام کرتے ہیں کیا شریعت میں اسکا ثبوت ہے؟

الجواب : حدیث پاک میں ہے جو جمعہ کے دن سورۃ کہف پڑھے گا تو دو نوں جمعوں کے درمیان اس کے لئے نور چمکتا رہے گا۔ علامہ طیبی نے اسکی شرح میں لکھا ہے کہ یہ چمک دل میں ہوگی یا قبر میں یا حشر میں عن ابی سعید ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من قرأ سورۃ الکھف فی یوم الجمعۃ اضاء لہ النور ما بین الجمعتین رواہ البیہقی قولہ اضاء لہ فی قلبہ او فی قبرہ او یوم حشرہ اھ

(حاشیہ مشکوٰۃ ۱۸۹/۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ   ۱۸/ ۳/ ۱۴۰۴ھ

جمعہ کے دن کافر کو عذاب قبر ہوتا ہے یا نہیں

کیا جیسے مسلمانوں کو جمعہ کے دن اور رات قبر کا عذاب نہیں ہوتا کیا ایسے ہی کافر کو بھی جمعہ کے دن قبر میں عذاب نہیں ہوتا۔؟

الجواب : کافر کو باقی ایام میں عذاب قبر ہوگا البتہ جمعہ کے دن اور رمضان میں اس سے عذاب قبر اٹھا لیا جاتا ہے:

قال اھل السنۃ والجماعۃ عذاب القبر حق وسؤال منکر ونکیر وضغطۃ القبر حق لکن ان کان کافرا فعذابہ یدوم الی یوم

المبادرة ويرجع عنه يوم الجمعة وشهر رمضان. (شامی ص… ج۱)

۲ / ۲ / ۱۴۰۶ فقط واللہ اعلم ۔ محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ کے دونوں خطبوں کے درمیان طویل دعا کرنا

ہمارے ہاں ایک خطیب صاحب نے جمعۃ المبارک کو پہلا خطبہ پڑھنے کے بعد بیٹھ کر ۵ یا ۷ منٹ تک مشرقی پاکستان میں شہید ہونے والوں پر تعزیت فرمائی اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی اپیل کی۔ اسی دوران ایک شخص نے کہا کہ مولانا یہ آپ خطبہ سے فارغ ہو کر ہی کر لیتے تو کہنے لگے کہ یہ پوری قوم کا مسئلہ ہے تمہارے نزدیک اگر مسئلہ نہیں تو نہ سہی۔ وضاحت فرمائی جائے۔

الجواب

خطبہ کے درمیان وعظ و نصیحت کو فقہاء کرام نے بدعت و خلاف سنت لکھا ہے۔ کمافی فتاویٰ دارالعلوم ص… ج… کیونکہ حدیث شریف میں خطبہ کو نماز کا جزو ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ خطبہ دو رکعتوں کے قائم مقام ہے۔ شامی میں ہے (قولہ بل کشطرها) في الثواب هذا تاويل لما ورد به الاثر من ان الخطبة كشطر الصلوٰة فان مقتضاه انها قامت مقام [illegible] الظهر كما قامت الجمعة مقام الركعتين۔ اس لئے اس نمازی کا مطالبہ صحیح تھا مولوی صاحب کو اس پر ناراض نہیں ہونا چاہئے۔ اور آئندہ کے لئے احتیاط کرتے رہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ — محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

دوران خطبہ کسی کو اشارہ سے خاموش کرانا

جب خطیب خطبہ دے رہا ہو اس دوران بچے شور کریں یا کوئی سنتیں پڑھے تو ان کو روکنا کیسا ہے؟

الجواب

اشارہ سے منع کر سکتے ہیں۔ وكذا لو اشار برأسه او بعينه او بيده عند رؤيته المنكر ولم يتكلم بلسانه الصحيح انه لا يكره (کبیری ص…)
فقط واللہ اعلم۔ محمد انور عفی عنہ

تیمار دار مریض کے پاس رہے یا جمعہ کے لئے چلا جائے

زید اچانک سخت بیمار ہو گیا ڈاکٹر نے اس کو لوٹ لگا دی اور دوائیں تجویز کر دیں لیکن جمعہ کی نماز کا وقت قریب ہو گیا جو اس کی تیمار داری کر رہا ہے وہ اس کے پاس رہے یا جمعہ پڑھنے چلا جائے؟

الجواب اگر مریض کی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو اس کے پاس رہے اور ظہر پڑھ لے۔ والحق بالمریض الممرض إن بقی المریض ضائعاً بخروجہ علی الاصح۔ (الطحاوی ص۲۸۲) فقط واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ

پہلے سلام کے بعد شرکت کرنے والے کا حکم

ایک آدمی ایسے وقت آیا کہ خطیب نے ایک طرف سلام پھیر دیا تھا۔ وہ شریک ہو گیا کیا جمعہ ادا ہو گیا یا نہیں؟

الجواب امام کے پہلے السلام علیکم کے بعد اقتداء صحیح نہیں یہ شخص اب جمعہ نہ پڑھے۔ وتنقضی قدوۃ بالاول قبل علیکم علی المشہور عندنا خلافاً للتکملۃ اھ فلا یصح الاقتداء بہ بعدھا لانقضاء حکم الصلوٰۃ۔

(شامی ص $\frac{۳۲۰}{۱}$) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ

جو جمعہ کا خطبہ نہ سن سکا اس کے جمعہ کا حکم

جمعۃ المبارک کا خطبہ فرض ہے۔ ایک آدمی نہ سن سکا۔ نماز جمعہ ادا ہو گئی یا نہیں؟

الجواب خطبہ سننا بھی بہت اہم اور موجب ثواب ہے۔ مع ھذا نہ سننے کے باوجود نماز ادا ہو گئی۔ فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح۔ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس۔ ملتان

خطبۂ جمعہ کے شروع میں دو دفعہ الحمد للہ کہنا

جمعہ و عیدین کے خطبہ میں جو طریقہ ہے کہ پہلے صرف الحمد للہ کہتے ہیں پھر دوبارہ الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ الخ کہہ کر شروع کرتے ہیں۔ اس طرح یہ طریقہ حدیث سے ثابت ہے ؟ اور خطبہ کو اس طرح شروع کرنا سنت ہے یا مستحب ؟

الجواب یہ مخصوص طریقہ کسی صحیح حدیث میں وارد نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۷/۱۲/۹۲ھ

دونوں خطبوں کے درمیان دعاء کیسے کریں ؟

جمعہ کے روز دونوں خطبوں کے درمیان ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا شرعاً کیسا ہے ؟

الجواب ایسے وقت ہاتھ اٹھا کر دعا نہ مانگیں بلکہ زبان سے بھی نہ مانگیں، دل سے مانگیں۔ وسئل علیہ الصلوٰۃ والسلام عن ساعۃ الاجابۃ فقال ما بین جلوس الامام الی ان یتم الصلوٰۃ وھو الصحیح قولہ وسئل علیہ السلام ثبت فی الصحیحین وغیرہ جماعۃ عنہ صلی اللہ علیہ وسلم فیہ ساعۃ لا یوافقھا عبد مسلم وھو قائم یصلی یسئل اللہ تعالیٰ شیئاً الا اعطاہ ایاہ الخ۔ قولہ فیسن الدعاء بقلبہ لا بلسانہ لانہ مامور بالسکوت۔ اھ

فقط واللہ اعلم (شامی ص ج ۱) احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ کی بعد یہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعاء

عام مساجد میں معمول ہے کہ جمعہ کے بعد سنتیں پڑھ کر امام صاحب کی فراغت کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں امام صاحب فارغ ہو کر اونچی آواز میں دعاء مانگتے ہیں

اور مقتدی آمین کہتے ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب: سُنن و نوافل کے بعد اجتماعی دُعا قرآن و حدیث اور خیر القرون سے کہیں ثابت نہیں اس کا اہتمام و التزام بدعت ہے۔ سنتیں پڑھنے کے بعد ہر شخص اپنی اپنی دُعا مانگ کر فارغ ہو جائے۔ (کذا فی فتاویٰ دار العلوم ج ۴ ص ۱۶۷)

فقط واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ ۶/۲/۱۴۰۷ھ

جمعہ کے خطبہ میں "منکرینِ ختمِ نبوت" کی تردید کرنا

اس موجودہ پُرفتن دور میں عام طور پر مسلمانوں کو حضور علیہ السلام کی ختمِ نبوت کی اہمیت جتلانے اور صحیح اعتقاد پر قائم رہنے کی خاطر کیا اس وقت خطباء اپنے خطبات میں جمعہ کے روز فقط عربی زبان میں مندرجہ ذیل الفاظ پڑھ سکتے ہیں تاکہ مذہب اہلِ سنت والجماعت کی پوری ترجمانی ہو سکے جو درحقیقت اسلام اور دینِ حق ہے۔ خطبہ معروفہ کے اول خطبہ میں: ونشهد أن من ادعى النبوة بعد سيدنا صلى الله عليه وسلم سواء كان تشريعيا أو غير تشريعي كمسيلمة الكذاب وغلام أحمد القادياني كذاب دجال وهو ممن هو خارج عن الاسلام لا نبي بعد سيدنا صلى الله عليه وسلم تسليما كثيرا كثيرا

اور دوسرے خطبہ میں بھی مندرجہ ذیل الفاظ قابلِ اضافہ ہیں۔

اللهم [illegible] عذابك على المرزائيين ومن يتولهم من المنافقين والكافرين أعدائك أعداء الدين اللهم إنا نجعلك في نحورهم ونعوذ بك من شرورهم.

الجواب: خطبۂ جمعہ کے اندر ایسے الفاظ مندرجہ بالا جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کا تذکرہ ہو۔ اور دیگر مدعیانِ نبوت کی تردید ہو پڑھنا جائز ہے بلکہ جس ملک یا علاقہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کے خلاف کوششیں ہو رہی ہوں وہاں اس قسم کے الفاظ ضرور پڑھنے چاہئیں۔ اور مسلمانوں کو خصوصاً حکامِ اسلام کو ان الفاظ پر اعتراض نہ کرنا چاہیے، ورنہ ان کے ایمان کے سخت ضعف کا خطرہ ہے۔ رہا خطبوں میں دعاؤں میں اللہ سے موجودہ دور کے فتنوں سے پناہ مانگنا عین عبادت ہے۔ اور عبادت

سے روکنا کسی مسلمان کے لئے لائق نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ خادم الافتاء خیر المدارس، ملتان

نیت جمعہ میں اسقاط ظہر کو ضروری قرار دینا

ایک عالم فاضل جو فن حدیث و دین کا ماہر ہے وہ لوگوں کے مجمع میں اعلان کرتا ہے کہ جو نیت جمعہ تم کرتے رہے ہو وہ بہت غلط ہے جس کی وجہ سے تمہارے سب جمعے غلط ہو گئے۔ اصل نیت جمعہ کی یہ ہے کہ:-

نویت ان اصلی رکعتی الجمعۃ للہ تعالیٰ لاسقاط عنی فرض الظہر متوجہا الی الکعبۃ الشریفۃ اقتدیت بہذا الامام۔ دوسرا فریق کہتا ہے کہ:-

نویت ان اصلی رکعتی الجمعۃ فرض للہ تعالیٰ اقتدیت بہذا الامام متوجہا الی الکعبۃ الشریفۃ — آیا فریق اول کی نیت صحیح ہے یا ثانی کی

الجواب جس جگہ جمعہ واجب ہے وہاں صرف اصلی رکعتی الجمعۃ فرضا الخ کہنا کافی ہے لاسقاط عنی فرض الظہر کی کوئی ضرورت نہیں جس جگہ جمعہ فرض ہے تو اسقاط ظہر کہنے کی ضرورت ہی کیا ہے اور جہاں جمعہ فرض نہیں وہاں ظہر ہی پڑھی جائے گی۔

فقط واللہ اعلم: بندہ اصغر علی غفرلہ معین مفتی خیر المدارس ملتان ۱۹

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

دوران خطبہ کوئی اعتراض کرے تو اس کو جواب دینا

ایک خطیب نے خطبہ کی ابتداء میں خطبہ پڑھتے ہوئے یہ کہا:

مسجد میں تکرارِ جمعہ کا حکم

پندرہ بیس آدمی ایک مسجد میں جمعہ کے روز اس وقت پہنچے جبکہ جمعہ ہوچکا تھا کیا یہ لوگ اس مسجد میں جمعہ بمع خطبہ جماعت سے پڑھیں یا باجماعت ظہر ادا کریں ؟

الجواب: چونکہ تعدد جمعہ بمذہب صحیح جائز ہے اور بروز جمعہ جس شخص پر جمعہ فرض ہے اس کو ظہر پڑھنا درست نہیں اس لئے ان لوگوں کو چاہیئے کہ جمعہ بجماعت مع خطبہ ادا کریں اگر اسی مسجد میں ہو تو بھی کوئی حرج نہیں، البتہ اولیٰ یہ ہے کہ دوسری مسجد میں ہو ___ (فتاویٰ عبدالحیٔ صفحہ ۲۱۱)

فقط واللہ اعلم : محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۱/۰/۱۴۱۰ھ

کیا جمعہ کے دن قبرستان جانا درست ہے ؟

بعض لوگوں کا معمول یہ ہے کہ جمعہ کے دن قبرستان جانے کا اہتمام کرتے ہیں کیا یہ درست ہے اور اس کی شرعی حیثیت کیا ہے ___ ؟

الجواب: بہ نیتِ عبرت جمعہ کے دن قبرستان جانا مندوب ہے۔

ای لا بأس بها بل تندب كما في البحر عن المجتبى فكان ينبغي التصريح به لأن فيها في الحديث المذكور كما في الامداد و تزار في كل اسبوع كما في مختارات النوازل قال في شرح لباب المناسك إلا ان الافضل يوم الجمعة والسبت والاثنين والخميس فقد قال محمد بن واسع الموتى يعلمون بزوارهم يوم الجمعة ويوما قبله ويوما بعده فتحصل ان يوم الجمعة افضل اه (شامی ص ۶۲۶ ج ۱)

فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۱/۳/۱۴۰۹ھ

بلا خطبہ نمازِ جمعہ کا حکم

کیا بغیر خطبہ کے نماز جمعہ درست ہے یا نہیں ؟

الجواب: خطبہ جمعہ کی شرائط سے ہے اس کے بغیر پڑھیں گے تو جمعہ ادا نہیں ہوگا ___ ومنها الخطبة قبلها حتى لو صلوا بلا خطبة او خطب قبل الوقت لم يجز اھ (عالمگیری ص ۱۴۶ ج ۱)

فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

اللّٰھم اغفر للعباس و ولدہٖ کی تحقیق!

جمعہ کے دوسرے خطبے میں اللّٰھم اغفر للعباس و ولدہٖ مغفرۃ ظاھرۃ و باطنۃ پڑھا جاتا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عباسؓ ظاہری و باطنی گناہ کیا کرتے تھے۔ نعوذ باللہ۔ جس لئے ان کیلئے دعا مغفرت کی جاتی ہے جبکہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔ تو پھر حضرت عباسؓ کے ظاہری و باطنی گناہ کا اقرار کیوں کیا جا رہا ہے ——

۱۔ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت عباسؓ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شامل نہیں تھے؟ نعوذ باللہ

۲۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی صحابیؓ کا نام لے کر وہ نہیں کیا جاتا کہ کوئی رضی اللہ عنہ پڑھا جاتا ہے۔ صرف حضرت عباسؓ کے لئے دعا کیوں مخصوص ہے۔ خطبہ میں جب حضرت عباسؓ کے ظاہری و باطنی گناہ کا اقرار کیا جاتا ہے اور خطیب سے کا کہنا درست ہے کہ حضرت عباسؓ گناہگار تھے اور گناہ کرتے رہے۔ اس لئے قیامت کے روز اسے اٹھائے جائیں گے نعوذ باللہ۔

الجواب

حضرت عباسؓ کی بابت ان الفاظ کے ساتھ دعا حدیث کے کلمات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں مشکوٰۃ شریف ص ۵۴۹

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للعباس اذا کان غداۃ الاثنین فأتنی انت و ولدک حتی ادعو لھم بدعوۃ ینفعک اللہ بھا و ولدک فغدا و غدونا معہ فالبسنا کساءہ ثم قال اللّٰھم اغفر للعباس و ولدہٖ مغفرۃ ظاھرۃ و باطنۃ لا تغادر ذنبا ۔الخ ——

جس کسی نے اس حدیث سے یہ سمجھا ہے کہ حضرت عباسؓ ظاہری و باطنی گناہوں میں ملوث تھے یا صحابہ میں شامل نہیں تھے۔ یہ اس قائل کے سوء فہم کا نتیجہ ہے حقیقت سے اس کا دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ صحیح بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ فقط واللہ اعلم ——

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

جمعہ کی سنتیں گھر آکر پڑھنا

جمعہ کی سنتیں گھر میں پڑھنے کی شرعی کیا حیثیت ہے۔ گھر میں پڑھنا افضل ہے یا مسجد میں۔ بینوا توجروا

الجواب: سنتوں کے بارے میں اصل ضابطہ تو یہ ہے کہ جہاں خشوع زیادہ ہو وہاں پڑھی جائیں لیکن آج کل ایک جماعت ایسی پیدا ہوگئی ہے جو قبلیہ و بعدیہ سنتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتی ہو بلکہ بعض تو سرے سے منکر ہیں اس لئے آج کل مناسب یہی ہے کہ تمام سنتیں قبلیہ و بعدیہ مسجد میں ادا کی جائیں۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۳/۹/۱۴۱۲ھ

شدید بارش ہورہی ہو تو جمعہ کے لئے جانے کا حکم

جمعہ کے دن شروع ہی سے جمعہ کے وقت تک موسلا دھار بارش ہو رہی تھی تو کیا ایسے حالات میں بھی جمعہ کے لئے جانا ضروری تھا۔

الجواب: ایسی صورت میں نہ جانے کی گنجائش ہے —

اذا اصاب الناس مطر شديد يوم الجمعة فهم في سعة من التخلف۔ (عالمگیری ص ۱۴۵ ج ۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

خطیب کو وضو کی حاجت پیش آجائے تو کیا کرے؟

بندہ جمعہ کا خطبہ دے رہا تھا کہ خطبہ کے بعد خروج ریح کا احساس ہوا۔ چنانچہ احتیاطاً وضو کر لیا گیا۔

کیا وہ سابقہ خطبہ کافی ہے یا نماز سے قبل دوبارہ خطبہ پڑھنا چاہئے تھا؟

الجواب: وہی خطبہ کافی ہے۔ اس فصل کی وجہ سے خطبہ کا اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

فان استوفيت ويكره الفصل بامر اجنبي الخ

(قوله بامر اجنبي) اما بغير اجنبي فلا كأ كذا بوضوء او غسل لو ظهر انه محدث او جنب كما مر و كذا كأكل و شرب حتى لو طال الفصل استأنف الخطبة كما مر فافهم۔ (شامی ص ۱۵۱ ج ۱)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

خطبہ دیتے وقت دائیں بائیں حاضرین کی طرف نظر کرنا کیسا ہے؟

بعض خطباء کی عادت ہوتی ہے کہ دائیں بائیں حاضرین کی طرف متوجہ ہوتے رہتے ہیں۔ کبھی اس طرف رخ کر لیا کبھی اس طرف کیا یہ درست ہے یا سیدھا ہی رخ رکھنا چاہئے ـــــ

الجواب

سنت یہی ہے کہ سامنے کی طرف متوجہ رہیں۔ ادھر ادھر متوجہ نہ ہوں۔

ما يفعله بعض الخطباء من تحويل الوجه جهة اليمين وجهة اليسار عند الصلاة على النبي عليه الصلوة والسلام في الخطبة الثانية لم أر من ذكره والظاهر انه بدعة ينبغي تركه لئلا يتوهم انه سنة ثم رأيت في منهج النووي قال ولا يلتفت يمينا وشمالا في شيء منها قال ابن حجر في شرحه لان ذلك بدعة ۔ (شامی ص [illegible])

فقط واللہ اعلم ۔ محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۰/۱۱/۱۴۰۲ھ

تقریر جمعہ سے پہلے ہو یا بعد میں؟

جمعہ کی نماز سے پہلے یعنی خطبہ سے پہلے تقریر کرنا اور نماز جمعہ کے بعد وعظ کرنا ان دونوں میں سے کون سا سنت کے مطابق ہے ـــــ

الجواب

یہ تقریر نماز جمعہ کے آداب و سنن میں سے نہیں۔ مستقل چیز ہے جس وقت لوگوں کے لئے انفع ہو اس وقت کا تعین کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

۶/۳/۱۴۰۲ھ

مسافر جمعہ کی اذان سننے کے بعد سفر نہ کرے

مسافر جمعہ کے روز شہر سے اذان سننے کے باوجود سفر کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

نعم ۔ ويجب ترك البيع وكذا ترك كل شيء يؤدي الى الاشتغال عن السعي اليها وعنه [illegible] عنده (كذا في المراقي مع حاشية الطحطاوي) فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۲/۳/۱۴۰۲ھ

مقتدی سارے نابالغ ہوں تو جمعہ کا حکم:

اگر صرف نابالغ بچے ہوں تو ان کی جماعت بنا کر جمعہ ادا کیا جا سکتا ہے یا نہیں ہے؟

الجواب: جب ایک یا دو بالغ ہوں تو امام کے پیچھے ان کی صف ہونی چاہئے اور نابالغوں کی صف ان کے پیچھے ہونی چاہیئے، اور صرف نابالغ ہونے کی صورت میں ان کی صف امام کے پیچھے ہو، امام کی نماز میں کوئی نقص نہیں آئے گا۔ لیکن جمعہ کی نماز میں صرف بچے ہوں تو جمعہ نہیں ہوگا۔

ویحصل فضیلۃ الجماعۃ بصلوتہ مع واحد (ای من الصبیان) الا فی الجمعۃ فلا تصح بثلاث صبیۃ لہ (الاشباہ والنظائر ص ۲۳۲)۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح — محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ محمد عبد الستار عفا اللہ عنہ — نائب مفتی خیر المدارس ملتان
مفتی خیر المدارس ملتان — ۱۳/۱۱/۱۳۹۸ھ

خطبہ جمعہ سے قبل حاضرین کو السلام علیکم کہنا

بعض خطباء کا معمول ہے کہ منبر پر چڑھتے وقت سامعین کو السلام علیکم کہتے ہیں کیا یہ شرعاً درست ہے؟

الجواب: خطبہ کے لئے منبر پر چڑھتے وقت السلام علیکم کہنا صحیح سند سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے منقول نہیں اس لئے یہ مکروہ ہے۔

ولا یسلم الخطیب علی القوم اذا استوی علی المنبر لانہ یلجئہم الی ما نھوا عنہ والمروی من سلامہ عندنا غیر مقبول وفی الکبیری قال الیسری یاتوی وقال عبد الحق فی الاحکام الکبری ھو مرسل قال وراویہ ابو الحسین بن عیسی ابن لھیعۃ وھو معروف فی الضعفاء ولا یحتج بہ (کبیری ص ۵۶۱)

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم،
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

ہوائی جہاز میں جمعہ پڑھنے کا حکم

ہماری تبلیغی جماعت نے بیرون ملک کا ایک طویل سفر کرنا ہے جس میں دن کا اکثر حصہ جہاز میں گذرے گا۔ جہاز میں تین چار آدمی مل کر جمعہ پڑھنے کی گنجائش ہے یا یہ کہ دوران سفر جمعہ پڑھیں یا ظہر کی نماز ادا کریں۔؟

الجواب جمعہ کے لئے مصر یا فناء مصر شرط ہے۔ فضاء مصر میں داخل ہے نہ فناء مصر میں لہٰذا وہاں ظہر ادا کریں۔ (الفتاوی خلیلیہ ص ۱۳۵)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ
۲/۲/۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

جمعہ کے دن بال نماز جمعہ سے پہلے ترشوائیں یا بعد میں

شامی میں ہے:۔

ویکرہ تقلیم الاظفار وقص الشارب فی یوم الجمعۃ قبل الصلوٰۃ

کیا مفتی بہ قول یہی ہے کہ نماز جمعہ سے قبل ناخن ترشنا اور حجامت بنوانا مکروہ ہے۔ ۔۔۔ ؟

مدلل تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب شامی ۵ و کتاب الحظر والاباحۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول مرجوح ہے۔ ناخن وغیرہ اور بال ترشوانا جمعہ سے پہلے ہو (قولہ وکونہ بعد الصلوٰۃ افضل) الا ای قال الخ بلکہ

الصلوٰۃ وهو مخالف لما نذکرہ قریبا فی الحدیث اھ ص ۲۶۰)

طحطاوی میں تصریح ہے کہ بال کٹوانا اور ناخن کاٹنا جمعہ سے پہلے مستحب ہے۔

وظاہر الاحادیث یدل علی ان القلم قبل الصلوٰۃ فما فی بعض الکتب انہ بعدها لیشهد له بالصلوٰۃ لا یعول علیه لانه تعلیل فی مقابلة النص (طحطاوی ص ۲۸۹)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ کی پہلی چار سنتوں میں قعدۂ اولیٰ میں تشہد پر اضافہ کا حکم

ایک آدمی جمعہ کی پہلی یا بعد والی سنتیں پڑھ رہا تھا کہ پہلے تشہد میں درود شریف پڑھ دیا ہے۔ کیا اس پر سجدۂ سہو ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: پہلے قعدہ میں تشہد پر اضافہ نہ کرے ورنہ سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

ولا يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم في القعدة الأولى في الأربع قبل الظهر والجمعة وبعدها ولو صلى ناسيا فعليه السهو وقيل لا شمني (در مختار)

(قوله وقيل لا) قال في البحر ولا يخفى ما فيه والظاهر الأول لأن زياده في المنح ومن ثم عولنا عليه وحكينا ما في القنية بقيل اهـ (شامی ص ۵۴۲ ج ۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۲/۳/۱۴۰۰ھ

جمعہ کی نماز میں مسنون قراءت

جمعہ کی نماز میں کون کون سی سورت کی قراءت مسنون ہے؟

الجواب: جمعہ کی دونوں رکعتوں میں وہی قراءت مسنون ہے جو ظہر کی رکعتوں میں مسنون ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سورۃ جمعہ، منافقون، سبح اسم ربک الاعلیٰ اور سورۃ غاشیہ پڑھنا بھی ثابت ہے۔ مگر اس کو مستقل معمول نہ بنائے تاکہ عام لوگ اسے واجب نہ سمجھیں۔

وفي الجمعة وغيرها يقرأ فيهما قدر ما يقرأ في الظهر لما بينا ولو قرأ بسورة الجمعة وإذا جاءك المنافقون أو سبح اسم ربك الأعلى وهل أتاك حديث الغاشية تبركا بالمأثور عنه عليه الصلوة والسلام على ما مر في صفة الصلوة كان حسنا لكن لا يواظب بل يترك أحيانا لئلا يتوهم العامة وجوبه (کبیری ص ۵۱۹)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ
۷/۳/۱۴۰۱ھ

تبلیغی جماعتوں کا زوال سے پہلے شہر سے جانا۔

تبلیغی جماعت والے جمعۃ المبارک کے دن شہر سے بستیوں میں جاتے ہیں۔ تین دن کے لئے تبلیغ کی غرض اور بارہ بجے کے قریب مسجد سے چلے جاتے ہیں جبکہ جمعہ کی اذان ہونے والی ہوتی ہے۔ جمعہ پڑھے بغیر چلے جانے میں کیا یہ شرعاً جائز ہے۔ جمعہ پڑھ کر جائیں یا پہلے چلے جائیں۔؟ شرعاً کیا حکم ہے۔

فقط والسلام۔ مولانا حاجی نور محمد صاحب خطیب مکی مسجد حسن آباد۔ ضلع بہاولنگر

الجواب

بہتر یہی ہے کہ جمعہ پڑھ کر جائیں ویسے اگر پہلے بھی چلے جائیں تو گنجائش ہے:

ولا یکرہ الخروج للسفر یوم الجمعۃ قبل الزوال وبعدہ وان کان یعلم انہ لا یخرج من مصرہ الا بعد مضی الوقت یلزمہ ان یشہد الجمعۃ ویکرہ لہ الخروج قبل ادائہا اھ ــــ (عالمگیری ص ۱۴۳ ج ۱)

فقط واللہ اعلم — محمد انور عفا اللہ عنہ

۲۰/۴/۱۴۱۰ھ

جمعۃ الوداع عیدگاہ میں ادا کرنا

ہمارے علاقہ میں یہ معمول ہے کہ جمعۃ الوداع عیدگاہ میں ادا کیا جاتا ہے کیا یہ شرعاً درست ہے!

الجواب

اگرچہ بہتر یہ تھا کہ جمعۃ الوداع کی نماز بھی حسب معمول جامع مسجد میں ادا کی جائے کیونکہ عیدگاہ میں جا کر پڑھنے کا استحباب عید ہی کے ساتھ خاص ہے۔ لیکن جمعہ بہرحال ادا ہو گیا۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ـــ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

جمعہ کے سلام کے بعد دعا مختصر ہو یا لمبی

بعض خطیبوں کی عادت ہوتی ہے کہ لمبی دعا مانگتے ہیں۔ کیا نماز جمعہ کے بعد مختصر دعا ہونی چاہیئے یا لمبی۔ شرعاً کیا حکم ہے۔؟

الجواب

جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں ان میں امام مختصر دعا مانگے۔ (امداد شامیہ ص ۲۹۵ ج ۱)

فقط واللہ اعلم — محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ کے دن کثرت درود کی مقدار

حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

ان اولی الناس بی یوم القیامۃ اکثرھم علی صلوۃ۔

کیا اس کثرت کی کوئی مقدار متعین ہے۔ یا کس کثرت سے کیا مراد ہے۔؟

الجواب یوں تو درود پاک ایسی بابرکت چیز ہے کہ جتنی بھی پڑھی جائے کم ہے۔ لیکن علامہ سخاوی نے قوت القلوب سے نقل کیا ہے کہ کثرت کی کم از کم مقدار تین سو مرتبہ ہے۔

(فضائل درود ص۱۹) فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۱/۷/۱۴۰۲ھ

امام کے لئے نماز جمعہ میں آیت سجدہ پڑھنے کا حکم

کیا نماز فجر دن کی طرح جمعہ کی نماز میں بھی امام ایسی آیت پڑھ سکتا ہے جس میں سجدہ تلاوت ہو۔۔؟

الجواب جمعہ میں نہ پڑھے۔ ویکرہ للامام ان یقرأھا فی مخافتۃ و فی جمعۃ و عید اھ

درمختار (قولہ ویکرہ للامام) لانہ ان ترک السجود لھا فقد ترک

واجبا وان سجد یشتبہ علی المقتدین شرح المنیۃ ۱ھ شامی ص۱۰۴ ج۲

فقط واللہ اعلم — محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۲/۲/۹۳ھ

ٹیپ سے نشر شدہ خطبہ کا حکم

خطبہ کے لئے کوئی آدمی نہیں ملا یا اگر ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے سے خطبہ پڑھوا دیا گیا کیا خطبہ ادا ہو گا یا نہیں۔۔؟

الجواب چونکہ ٹیپ آواز کی نقل ہوتی ہے جیسے کہ صدائے بازگشت لہذا اس طرح پڑھا ہوا خطبہ معتبر نہ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ میں شرکت سے معذور جمعہ کے بعد ظہر ادا کرے

معذور اور قیدی یا مسافر جن کے لئے جمعہ میں شرکت کسی بنا پر ممکن ہی نہیں۔ وہ ظہر کی نماز جمعہ ہو چکنے کے بعد پڑھیں یا پہلے بھی پڑھ سکتے ہیں ــــ ؟

الجواب ــــ مذکورہ لوگ جمعہ ہو چکنے کے بعد ظہر ادا کریں۔

ویستحب للمریض والمسافر واھل السجن تاخیر الظهر الی فراغ الامام من الجمعة وان لم یؤخر یکرہ فی الصحیح (ہندیہ ص ۱۴۵/۱)

فقط واللہ اعلم

محمد انور
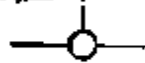
مختلف بستیاں مل کر جمعہ ادا نہیں کر سکتیں۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ۳ بستیاں مل کر ایک مسجد میں نماز جمعہ پڑھ سکتی ہیں یا نہیں۔ ہر ایک بستی کے گھر ۴۰، ۵۰ ہوں گے اور مجموعی گھر ۱۳۰ تا ۱۹۰ ہوتے ہیں۔ ان بستیوں کی مسجد الگ الگ ہے۔ نماز جمعہ کے دن ۳۰/۴۰ آدمی بھی ہو جاتے ہیں۔ ان بستیوں کا آپس میں ایک یا دو فرلانگ کا فاصلہ ہوگا۔ ان میں ایک ایک دکان کریانہ کی بھی ہے۔ اور ایک ایک دکان کپڑے کی بھی ہے۔ کیا ان بستیوں میں جمعہ ہو جائے گا یا نہیں ــــ

الجواب ــــ صورت مسئلہ میں بوجہ نہ پائے جانے شرائط جمعہ کے یہاں اقامت جمعہ جائز نہیں۔ ہر بستی والے ظہر کی نماز ادا کریں۔ جمعہ پڑھنے کی صورت میں ظہر ان پر باقی رہے گی۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

فقط واللہ اعلم، العبد الفقیر
محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

جمعہ فی القریٰ کے بارے میں مذہب غیر پر عمل کرنا

جمعہ فی القریٰ کے بارہ میں مالکیہ کے مذہب پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جیسا کہ مفقود الخبر کی زوجہ کے بارہ میں امام مالکؒ کے مذہب پر عمل کیا جاتا ہے۔

الجواب چھوٹی چھوٹی بستیوں میں نماز جمعہ امام مالکؒ کے مذہب کی بنا پر جائز قرار دینا درست نہیں کیونکہ اس میں کوئی ایسی ضرورت نہیں جو زوجہ مفقود الخبر میں ہے۔ لہٰذا اس کو زوجہ مفقود الخبر پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی غفر اللہ لہ

۲۹/۹/۱۳۹۸ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ

اذان اول کے بعد درس و تدریس

جمعہ کی اذان اول سے بعد نماز کی تیاری کرنے کے بجائے اپنی اپنی جگہ پر جو کہ مسجد کے بالکل قریب ہے صرف ایک دیوار مسجد اور ان کے مابین حائل ہے وہیں بیٹھ کر درس و تدریس اکل و شرب میں مشغول ہونا کیسا ہے۔ جبکہ پورا اطمینان ہے کہ اذان ثانی و خطبہ سے قبل مسجد میں پہنچ جائیں گے۔

مولانا احسان الحق۔ مدرسہ عربیہ [illegible]

الجواب گنجائش معلوم ہوتی ہے کیونکہ صورت مسئولہ میں یہ درس و تدریس مخل سعی نہیں۔ نیز ایسا مدرسہ فنائے مسجد میں داخل ہے۔ تو سعی متحقق ہو چکی ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۹/۲/۱۳۹۹ھ

جمعہ کے بعد بھی تکبیر تشریق پڑھی جائے گی

ایام تشریق میں جمعہ کی نماز کے بعد بھی تکبیرات تشریق پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب جمعہ کی نماز کے بعد تکبیرات تشریق پڑھی جائیں گی۔

ویکبرون عقیب الجمعۃ۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ص ۲۱۶ ج ۱)

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

جمعہ کے لئے "اول آنے" سے کونسا وقت مراد ہے۔

حدیث میں ہے کہ جو جمعہ کے لئے سب سے پہلے آئے گا۔ گویا اس نے اونٹ کی قربانی دی۔ دوم آنے والے نے گائے کی۔ پس اول اور دوم آنے سے کون سا وقت مراد ہے ؟

الجواب جمہور کے نزدیک صبح کی نماز کے بعد سے لے کر امام کے خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہونے تک جتنا وقت ہوگا اس کو پانچ حصوں پر برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ مثلاً صبح کی نماز کے بعد سے لے کر خروج الامام للخطبۃ تک پانچ گھنٹے ہوں تو ایک ایک گھنٹہ ہو جائے گا فالذاهب في الاولى كالمهدي بدنة الخ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر ساعات سے مراد یہ ہو جو آپ فرماتے ہیں تو کوئی بھی بدنہ حاصل نہ کر سکے گا اس لئے کہ ہم نے نہیں سنا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین صبح سے مسجد میں جا کر بیٹھ جاتے ہوں اور پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب کے باوجود چھوڑ دیتے۔ اور حضرت عثمانؓ کی حدیث سے بھی معلوم ہو گیا کہ وہ اذان کے وقت جبکہ خطبہ ہو گیا اس وقت آئے تو مہاجرین و انصار کا اگر یہ حال تھا تو پھر دوسروں کا کیا حال پوچھنا اس لئے یہ کہا جائے گا کہ یہ ساعات بعد الزوال شروع ہوں گی اور زوال کے بعد سے لے کر خروج الامام للخطبۃ تک جتنا وقت ہوگا اس کو پانچ حصوں پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اگر ایک گھنٹہ ہو تو بارہ بارہ منٹ کی ساعات ہو جائیں گی ———

جمہور فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زوال کے ہوتے ہی خطبہ کی اذان ہو جایا کرتی تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ وہ اس وقت اذان اول تو تھی ہی نہیں۔ یہ تو حضرت عثمانؓ کے زمانے میں زیادہ کی گئی پھر ساعات کہاں سے ہوں گی لہذا یہ ترغیب بیکار ہو جائے گی اور یہ کہنا کہ صحابہؓ سے منقول نہیں ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ عدم ذکر عدم کو مستلزم نہیں ہے اور یہاں جمہور اور مالکیہ کے درمیان بحث کا باب ہے اور جو اس کے موافق روایات تلاش کر کے تحقیق کریں وہاں دیکھو۔ اصل یہ ہے کہ ذہاب الی الجمعۃ کے بارے میں مختلف روایات ہیں بعض میں من غدا الی الجمعۃ ہے۔ غدو کے معنی ہیں صبح کو جانا اور بعض میں راح ہے اور رواح کے معنی ہیں زوال کے بعد جانا اور بعض میں ہجر ہے اور تبکیر و غدو ایک ہی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ تبکیر میں کچھ مبالغہ ہے اور بعض میں تہجیر کا لفظ ہے۔ میرے نزدیک ہجر والی روایت راجح ہے۔ کیونکہ تہجیر کے معنی ہیں دھوپ میں جانا اور اس کے مراد لینے میں ہر روایت میں جمع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ تبکیر و غدو کی روایات مجازاً قرب کی وجہ سے تہجیر والی روایات پر محمول ہو جائیں گی۔ اسی طرح رواح والی بھی مجازاً اس پر محمول ہو جائے گی تو اب مذہب مالکیہ کا اشکال رفع ہو جاتا ہے اور مذہب جمہور کا ——— (از تقریر بخاری حضرت شیخ الحدیث مدظلہ)

فجر کی نماز رہ جائے تو جمعہ کی نماز کا حکم

زید جمعہ کی نماز ادا کر رہا تھا کہ اس کو یاد آیا کہ میں نے فجر کی نماز نہیں پڑھی۔ اب زید کے لئے شرعاً کیا حکم ہے ـــ؟ ـــ بینوا توجروا:

الجواب: اگر وقت اتنا تنگ ہے کہ جمعہ کی نماز توڑ کر فجر پڑھے گا تو جمعہ کا وقت ہی نکل جائیگا تو جمعہ ہی پڑھے ورنہ شیخین کے نزدیک جمعہ توڑ کر پہلے فجر ادا کرے اور امام محمدؒ کے نزدیک جمعہ پڑھے پھر فوراً فجر ادا کرے۔

لو ذكر في الجمعة ان عليه الفجر فان كان لا يخاف فوت الجمعة يقطعها ويبدأ بالفجر وان خاف فوت الوقت يتم الجمعة لسقوط الترتيب بضيق الوقت اما لو خاف فوت الجمعة لا الوقت فعند صاحبيه يبدأ بالفجر وعند محمد يتم الجمعة اھ (ردالمحتار)

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ کی رات کو مرنے والے کی تدفین کو جمعہ تک مؤخر کرنا

کوئی شخص جمعہ کی رات کو فوت ہو گیا تو نماز جنازہ میں نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے جمعہ کے بعد تک مؤخر کرنا شرعاً کیسا ہے ؟

الجواب: سنت یہ ہے کہ تدفین میں جلدی کی جائے۔ اتنی دیر تک تدفین کو روکے رکھنا خلاف سنت ہے۔ لہذا جتنے مسلمان جمع ہوں مل کر جنازہ پڑھ لیں۔ ہاں اگر تدفین میں مشغولیت کی وجہ سے جمعہ فوت ہونے کا خطرہ ہو تو پھر جمعہ کے بعد جنازہ پڑھ لیں ـــ

وكره تأخير صلاته ودفنه ليصلي عليه جمع عظيم بعد صلوة الجمعة الا اذا خيف فوتها بسبب دفنه اھ (درمختار) ـــ

(قوله الا اذا خيف) اي فيؤخر الدفن وتقدم صلوة العيد على صلوة الجنازة والجنازة على الخطبة اھ (شامی)

فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۰/۶/۱۳۹۵ھ

جمعہ کے خطبہ میں حاکم وقت کے لئے عدل و انصاف کی دعا

کیا جمعہ کے خطبہ میں حاکم وقت کے لئے عدل و انصاف اور رعایا کے ساتھ حسن سلوک کی توفیق کی دعا کرنا درست ہے ؟

الجواب درست ہے مگر تعریف و القاب میں مبالغہ نہ کریں۔ دعا نیک ہی محمود ہے۔ وجاز الدعاء للسلطان بالعدل والاحسان اھ

(الدر المختار) فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

بوقت خطبہ سر پر عمامہ باندھنا

جب جمعہ کا خطبہ ہو رہا ہو تو اس دوران سر پر عمامہ باندھنا کیسا ہے ؟

الجواب استماع خطبہ کے دوران درست نہیں۔

ویحرم فی الخطبة ما یحرم فی الصلاة حتی لا ینبغی ان یأکل او یشرب والامام فی الخطبة اھ (عالمگیری)

فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

مالک مزدور کو جمعہ سے روک سکتا ہے یا نہیں ؟

مزدور یا ملازم کو مالک مکان جمعہ سے روک سکتا ہے یا نہیں ؟ اگر نہیں روک سکتا تو جتنا وقت جمعہ پڑھنے میں لگا اس کی وجہ سے مزدور کی تنخواہ میں کمی کی جائے گی ؟ بینوا توجروا۔

الجواب جمعہ کے لئے جانے سے روک تو نہیں سکتا اگر مسجد دور ہو اور وقت کافی صرف ہو تو اتنی اجرت کاٹ سکتا ہے۔

والمستأجر لا یمنع الاجیر عن حضور الجمعة وهذا قول الامام ابی حفص قال ابو علی الدقاق لیس له ان یمنعه فی المصر ولکن یسقط عنه الاجر بقدر اشتغاله بذلك ان کان بعیدا وان کان قریبا لا یحط عنه شیء اھ

(العالمگیری) فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

١٠ / ٩ / ١٤١٢ھ

شہر قریہ صغیرہ بن جائے تو وہاں جمعہ کا حکم

ایک شہر بہت بڑا دریا کے کنارے موجود تھا مگر دریا کی کٹائی کی وجہ سے اب چند گھر باقی رہ گئے کیا اس میں جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں ۔؟

الجواب صحت جمعہ کے لئے اقامت جمعہ کے وقت اس جگہ کا مصر یا قریہ کبیرہ ہونا شرط ہے ۔ ماضی میں شہر رہنے کا کوئی اعتبار نہیں لہذا اب مذکورہ جگہ ظہر باجماعت ادا کریں ۔

وتقع فرضا فی القصبات والقری الکبیرۃ التی فیہا اسواق ۔ (شامی ج... ص...)

فقط واللہ اعلم ۔ محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۰/۶/۱۳۹۹ھ

جہاں جمعہ درست نہیں وہاں ظہر باجماعت پڑھیں

جہاں جمعہ کی ادائیگی کی شرائط پوری طرح نہیں پائی جاتیں اور وہاں لوگ جمعہ پڑھتے ہیں وہ جمعہ ترک کریں یا پڑھتے رہیں اگر جمعہ ترک کریں تو سابقہ ظہر کی نمازوں کی قضا کریں یا نہ کریں ۔؟

الجواب جمعہ ترک کردیں اور ظہر باجماعت کا اہتمام کریں اور سابقہ ظہر کی نمازوں کا حساب کرکے ان کی بھی قضا کریں ۔

فی البحر لو صلوا فی القری لزمھم اداء الظہر اھ (شامی ج... ص...)

فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ کی ابتدائی سنتیں اگر رہ جائیں تو بعد میں ادا کی نیت سے پڑھیں۔

اگر جمعہ کی ابتدائی چار سنتیں رہ جائیں تو جمعہ کے بعد ان کو ادا کرتے وقت نیت ادا کی کریں یا قضا کی نیت سے پڑھیں ۔؟

الجواب ادا کی نیت کی جائے کیونکہ ظہر کا وقت باقی ہے ۔ صرف ترتیب بدل گئی ہے ۔

(امداد الفتاوی ص... ج...)

فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ | الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

کیا خطبہ کے لئے منبر ضروری ہے ؟

کیا خطبہ پڑھنے کے لئے منبر کا ہونا ضروری ہے یا بغیر منبر کے بھی خطبہ دیا جا سکتا ہے ؟

الجواب سنّت یہی ہے کہ خطبہ منبر پر دیا جائے :

ومن السنۃ ان یکون الخطیب علی منبر اقتداء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اھ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۴۷)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے مسجد کی چھت پر نماز کا حکم

اگر جمعہ کے دن نمازی زیادہ ہو جائیں تو کیا مسجد کی چھت پر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب اگر نمازی زیادہ ہوں اور جگہ نہ ہو تو مسجد کی چھت پر بلا کراہت نماز جمعہ ادا کر سکتے ہیں۔

الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ ولھذا اذا اشتد الحر یکرہ ان یصلوا بالجماعۃ فوقہ الا اذا ضاق المسجد فحینئذ لا یکرہ الصعود علی سطحہ للضرورۃ اھ (عالمگیری ج ۵ ص ۳۲۲)

واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

— ○ —

خطبہ کے لئے قیام فرض ہے یا سنّت

اگر کوئی خطیب بیٹھ کر خطبہ پڑھ لے تو کیا خطبہ ادا ہوگا یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب سنّت یہی ہے کہ کھڑے ہو کر دیا جائے۔ گو بیٹھ کر پڑھنے سے بھی ادا ہو جائے گا

واما سننہ فخمسۃ عشر ...... الی قولہ والقیام ولو خطب قاعدا او مضطجعا جاز اھ (عالمگیری ص ۱۴۶ ج ۱)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۴۰۱/۱۲/۷ ھ

— ○ —

بوقتِ خطبہ سامعین قبلہ رُخ ہو کر بیٹھیں یا خطیب کی طرف متوجہ ہوں

جب امام خطبہ دے رہے ہوں تو سامعین باادب قبلہ رُخ ہو کر بیٹھیں یا خطیب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھیں ـــــ ؟

الجواب جو امام کے سامنے ہوں اور جو دائیں اور بائیں آگے پیچھے ہوں ان کے لئے مستحب ہے کہ امام کی طرف رُخ کر کے بہ حسن گوش بن کر بیٹھیں ـــــ

یستحب للرجل ان یستقبل الخطیب بوجہہ ھذا اذا کان امام الامام فان کان عن یمین الامام ـــــ ـ ـــ ـ ـ ـــــ او عن یسارہ قریبا من الامام یتحرف الی الامام مستعدا للسماع (عالمگیری ص۱۴۸ ج۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

جہاں کثرتِ ازدحام کی وجہ سے سجدہ کی جگہ نہ ملے ......

جمعۂ و عیدین تو عمومی طور پر پڑھا جاتا ہے۔ بعض صفوں میں نمازی بے ترتیبی کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے سجدہ کرنے کی جگہ نہیں ملتی ایسی صورت میں کیا کیا جائے ـ ؟

الجواب ایسا شخص انتظار کرے جب لوگ سجدہ کر کے اٹھ جائیں اور زمین پر جگہ مل جائے پھر سجدہ کرے۔ اگر کسی کی پشت پر سجدہ کر لیا پھر بھی ادا ہو جائیگا۔

رجل لم یستطع یوم الجمعۃ ان یسجد علی الارض من الزحام فانہ ینتظر حتی یقوم الناس فاذا رای فرجۃ یسجد وان سجد علی ظھر الرجل اجزاہ ـ (قاضی خان ص۱۷۸ ج۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

خطبے کے بعد اقامت سے پہلے صفیں سیدھی کرنے کے بارے میں کہنا

بعض مساجد میں معمول ہے کہ جب امام خطبہ دے چکتا ہے تو اقامت سے پہلے کچھ لوگ بلند آواز سے پکار پکار کر کہتے ہیں صفیں سیدھی کر لیں۔ بچوں کو پیچھے نکال دیں۔ اس میں کوئی حرج تو نہیں ـــ ؟

الجواب درست ہے : (ویصف ای یصفھم الامام بان یامرھم

بذن یتراصوا و تیمموا لعذل و یسود من کہیم (درمختار علی ہامش ردالمحتار ص ... ج ۱)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

صرف جمعہ کے دن کا روزہ رکھنا

کیا جمعہ کے دن کا روزہ رکھنا افضل ہے۔ مندرجہ ذیل میں مندرجہ ذیل احادیث درج ہیں جن کی رو سے جمعہ کا روزہ رکھنا منع معلوم ہوتا ہے۔ احادیث یہ:

۱۔ عن ابی ہریرۃ قال سمعت رسول اللہ یقول لا یصومن احدکم یوم الجمعۃ الا یوما قبلہ وبعدہ ۔۔۔ وعن محمد بن عباد قال سألت جابرا نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن صوم الجمعۃ قال نعم۔ بخاری ومسلم

مولانا مفتی کفایت اللہ نے تعلیم الاسلام میں جمعہ کے دن کو افضل قرار دیا ہے۔ وہ ایک جگہ کو اگر جمعہ آجائے تو کیا مندرجہ بالا احادیث کی رو سے یہ روزہ رکھنا بھی ممنوع ہوگا؟

الجواب صرف ایک روزہ جمعہ کے دن کا رکھنا مکروہ ہے اور مذکورہ بالا حدیث میں نہی عن افراد صوم یوم جمعۃ تنزیہی ہے۔ کذا فی فتح الملہم ص ۱۵۰ ج ۳۔ وذہب الجمہور الی ان النہی فیہ للتنزیہ وعن مالک وابی حنیفۃ لا یکرہ ۔۔۔ البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ دو روزے رکھے جائیں۔

کما فی الخمیس عن ابی یوسف قال الاحتیاط ان یضم الیہ یوما آخر۔ فتح الملہم ص ۱۵۰ ج ۳۔ یوم جمعہ اگر اتفاقاً یوم عرفہ بھی ہو تو ان احادیث کی رو سے اس کو غیر حاجی کے لئے ممنوع یا مکروہ کہنا صحیح نہیں بلکہ اس دن بلا کراہت تنزیہی روزہ رکھنا جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ محمد ... غفر اللہ لہ

بندہ محمد ... عفا اللہ عنہ — ۲۶/۱۰/۱۳۸۹ھ

خطبہ کی جگہ قرآن مجید کا رکوع پڑھنا

چند ماہ قبل ایک گاؤں میں گئے جہاں کوئی باقاعدہ عالم نہیں تھا کہ خطبہ پڑھ سکتا۔ مگر چند رکوع قرآن شریف کے یاد تھے۔ ایک رکوع اگر پڑھ دیا جائے۔ جمعہ ادا ہو جائے گا یا نہیں۔۔؟

جنکی اکثریت کو بوقت نداء وذروا البیع کہہ کر ان کو مشاغل سے روکا جا سکے اور یہ خطاب از
کو صحیح ہو جو ما فیہ شرائط ہم ذکر کر چکے ہیں ۔ جنکی اکثریت کو عاقل وذروا البیع کا خطاب نہ کر سکے ۔

الجواب صحیح ۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۲/۵/۸۰ھ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۲/۵/۸۰ھ

جامع مسجد نئی بنائی جائے تو پرانی میں جمعہ ترک کر سکتے ہیں ۔۔؟

ایک جامع مسجد نئی زیر تعمیر ہے جس کا کام شروع ہو چکا ہے اس کی تکمیل کے بعد اگر ہم سابقہ مسجد کی جگہ نئی جامع مسجد میں جمعہ پڑھیں اور سابقہ مسجد میں جمعہ کی نماز ترک کر دیں تو کیا شرعاً اس میں کوئی حرج تو نہیں ۔؟

الجواب اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں در مختار میں ہے ۔
وافاد انہ لیس لمسجد تخلیق یوم الجمعۃ لا الجامع ۔

فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۹/۱۰/۱۳۸۸ھ

جمعہ سے پہلے ظہر ادا کر لی تو ظہر ادا ہوئی یا نہیں؟

زید کو کوئی عذر بھی نہیں اس نے بجائے مسجد جانے کے گھر میں ہی ظہر پڑھ لی تو ظہر ادا ہوئی یا نہیں ؟

الجواب جمعہ کے دن بلا عذر جمعہ چھوڑ کر ظہر پڑھنا گناہ اور قابل مواخذہ ہے ۔ بعض ائمہ کے نزدیک تو ظہر ادا ہی نہیں ہوتی اگرچہ مفتی بہ قول یہ ہے کہ ظہر ادا ہو گی ۔

ومن صلى الظهر يوم الجمعة قبل صلاة الامام الجمعة ولا عذر له صحت ظهره عندنا وان كان عاصيا وعند زفر لا تصح وهو قول الثلاثة (الى قوله) قلنا فرض الوقت في هذا اليوم ايضا هو الظهر كسائر الايام ولذا لو خرج الوقت لا يقضى الا الظهر بالاجماع الا انه مامور باسقاط الظهر بالجمعة فاذا لم يفعل كان عاصيا مخالفا وهو لا ينافى الصحة اھ (کبیری ص [illegible]) فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

باب العیدین
انّا اعطینٰک الکوثر ○ فصلّ لربّک
وانحر ○ انّ شانئک ھو الابتر ○
خیر الفتاوی
(جلد سوم)

تکبیراتِ عیدین واجب ہیں

نماز عید کی زائد تکبیرات واجب ہیں یا سنت، یا مستحب، اگر کوئی تکبیر چھوٹ جائے تو نماز عید ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب تکبیرات عیدین واجب ہیں۔ صاحب تنویر الابصار واجبات کو شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ولفظ السلام، وقنوت الوتر، وتکبیرات العیدین وکذا احد منها فان کل تکبیرة واجب مستقل۔ (شامی ج ۱ ص۳۲۹)۔

تکبیر چھوٹ جانا موجب سجدۂ سہو ہے۔ کذا فی الدر۔ لیکن چونکہ عیدین میں بوجہ اندیشۂ فتنہ، سجدۂ سہو نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا اگر سجدۂ سہو نہ کیا گیا تو نماز عید درست ہو جائے گی، اعادہ کی حاجت نہیں۔ کذا فی الدر المختار، ج ۱ ص ۵۲۸۔

وفی العالمگیریة: ویجب تکبیرات العیدین، هکذا فی الهدایة والکافی وغیرهما من المعتبرات۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس ملتان
مفتی خیر المدارس ملتان	۱۹/۱۰/۱۳۹۳ھ

نماز عید زوال تک پڑھ سکتے ہیں

یہاں لوگ نماز عید میں بہت تاخیر کر دیتے ہیں حتیٰ کہ ساڑھے گیارہ بجے پڑھتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ (محمد صدیق، تحصیل کمشنر دار، نواب شاہ سندھ)

الجواب وفی الدر المختار علی الشامیۃ ج ۱ ص ۵۸۵ (ووقتها من الارتفاع) قدر رمح فلا یصح قبلہ بل تکون نفلا محرما (الی الزوال) باسقاط الغایۃ۔ اھ

اگر نماز عید زوال سے پہلے پہلے پڑھ لی جاتی ہے تو درست ہے فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر لہ نائب مفتی	الجواب صحیح
۱ / ۱۱ / ۱۳۸۴ھ	خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم مدرسہ ہذا

جنازہ گاہ میں عید کی نماز پڑھنا

س جو جگہ تقریباً ساٹھ سال سے جنازہ گاہ بنی ہوئی ہے۔ اس جگہ عید کی نماز پڑھنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب جنازہ گاہ میں اگر عید کی نماز پڑھی جائے تو نماز ہو جائے گی۔ جنازہ گاہ میں عید کی نماز ناجائز نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر لہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح	الجواب صحیح
بندہ [illegible] غفر لہ	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

عیدگاہ آبادی کے اندر آجائے تو وہ جبانہ (صحرا) کے حکم میں نہیں

س عیدین کی نماز شہر کی مساجد میں کہ جن میں ہزار ہا نمازی بھی ہوتے ہیں بلا کراہت درست ہے؟ یا اس کے لئے بڑا اجتماع مطلوب ہے؟ نیز عیدگاہ کا شہر سے باہر ہونا مطلوب شرعی ہے یا نہیں؟ اگر مطلوب شرعی ہے تو اس صورت میں ملتان شہر کی غالباً کوئی عیدگاہ بھی شہر سے باہر نہیں؟

الجواب فی رد المحتار والخروج الیها ای الجبانۃ لصلوۃ العید سنۃ وان وسعهم المسجد الجامع هو الصحیح۔ ج ۱ ص ۵۵۸۔ نماز عیدین کے لئے مسنون طریقہ یہی ہے کہ صحرا

میں آبادی سے باہر پڑھیں - جو عیدگاہ آبادی بڑھنے کی وجہ سے شہر کے اندر آگئی ہے وہ بحکم جبانہ یعنی صحراء نہیں ہے ۔ مسجد محلہ میں اگر نماز عید پڑھی جائے تو ادا ہو جائے گی ۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفر لہٗ نائب مفتی
خیر محمد عفا اللہ عنہ	۲ / ۲ / ۱۳۹۹ھ

تکبیرات تشریق فرضوں کے بعد ایک دفعہ کہی جائیں یا تین دفعہ

تکبیر تشریق فرض نماز کے بعد کوئی دو یا تین دفعہ کہے تو یہ بھی جائز ہے یا صرف ایک ہی مرتبہ کہے ؟ المستفتی : محمد شفیع حیدر آباد سندھ

الجواب تکبیر تشریق فرضوں کے بعد ایک دفعہ سے زائد کہنا بھی درست ہے ۔

مرۃ وان زاد علیھا یکون فضلاً - (درمختار) -

بعض فقہاء نے زیادتی کو خلاف سنت قرار دیا ہے - (شامی ج ۱ ص ۵۵۶) -

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	بندہ محمد یوسف عفا اللہ عنہ

نماز عید واجب ہے اور اسے سنت سمجھنے والے کی اقتداء کا حکم

۱ ۔ کیا نماز عید واجب ہے یا سنت ؟ اگر واجب ہے تو جو شخص نماز عید کو سنت سمجھے تو کیا اس کے پیچھے ان مقتدیوں کی نماز جائز ہے جو عید کو واجب سمجھتے ہیں ؟

۲ ۔ نماز عید کے وجوب کی دلیل بھی بیان فرمائیں ؟

الجواب ۱ ۔ نماز عید واجب ہے ۔ صلوٰۃ العید واجبۃ (نور الایضاح)

۲ ۔ عید کو سنت سمجھنے والے امام کے پیچھے مقتدیوں کی نماز عید درست ہے یہ اجتہادی اختلاف مفسد اقتداء نہیں ۔

تکبیرات تشریق نماز عید کے بعد بھی کہی جائیں

فتاوی عالمگیری میں ہے کہ عید الاضحی کی تکبیرات جو کہ نویں تاریخ سے شروع ہوتی ہیں عید کی نماز کے بعد نہ کہے۔ جب کہ ہدایہ میں ہے کہ کہی جائیں۔ صحیح جواب کیا ہے؟

مولانا فقیر حسین صاحب

خطیب مسجد پیر کرم شاہ نوشہرہ صدر ضلع پشاور

الجواب عید کی نماز کے بعد بھی تکبیرات کہنا مستحب ہے۔ یہی راجح ہے۔ ولا بأس به عقب العيد لان المسلمين توارثوه فوجب اتباعهم وعليه البلخيون (درمختار) وفي الشامية تحت قوله مطلب لا بأس قد استعمل في المندوب كما في البحر من الجنائز والجهاد ومنه هذا الموضع لقوله فوجب اتباعهم بقوله فوجب الظاهر ان المراد بالوجوب الثبوت لا الوجوب المصطلح عليه وفي البدائع عن المجتبى والبلخيين يكبرون عقب صلوة العيد لانها تؤدى بجماعة فاشبهت الجمعة۔ (شامی ج ۱ ص ۱۹۸)۔ فقط واللہ اعلم

العبد محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔

چھوٹے دیہاتوں میں عید پڑھنے کا حکم

دیہات میں جہاں جمعہ کی نماز پڑھنا جائز نہیں وہاں عید کی نماز ہو جاتی ہے؟ اگر عید کی نماز پڑھنا چاہیں تو کس صورت میں ادا ہو سکتی ہے؟

الجواب چھوٹے دیہاتوں میں عیدین کی نماز پڑھنا درست نہیں۔ تجب صلاتهما في الاصح على من تجب عليه الجمعة بشرائطها المتقدمة وفي القنية صلوة العيد في القرى تكره تحريما ... اي لانه اشتغال بما لا يصح لان المصر شرط الصحة (درمختار على الشامية ج ۱

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ | الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۲/۱۲/۱۳۹۹ھ

عیدین کھلے میدان میں ادا کرنا سنت ہے

ہم پہلے ریلوے گراؤنڈ میں عید ادا کرتے تھے اب مسجد بھی تیار ہو گئی ہے۔ کیا مسجد میں عید ادا کی جا سکتی ہے؟ مولانا محمد اشرف، اشرف المدارس ہارون آباد

الجواب: عیدین کی نماز کھلے میدان میں ادا کرنا سنت ہے۔ گو مسجد میں تمام نمازی آسکتے ہوں۔ آنحضرت علیہ السلام نے سوائے ایک دفعہ کے، وہ بھی بارش کی وجہ سے، ہمیشہ عیدین کی نماز جنگل میں ادا فرمائی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ زیادہ ثواب اتباع سنت میں ہے۔ لہٰذا گراؤنڈ میں نماز پڑھنا بہتر ہے، معذرا مسجد میں پڑھنے سے بھی ادا ہو جائے گی۔

والخروج الیها ای الجبانة لصلوٰة العید سنة وان وسعهم المسجد الجامع هو الصحیح (شامی ج ۱ ص [illegible])

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس الافتاء

فقط واللہ اعلم
الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس
۲۰/۹/۱۳۹۹ھ

جو عید کا خطبہ پڑھے وہی نماز پڑھائے

اگر نماز عید ایک شخص پڑھا سکتا ہو لیکن خطبہ یاد نہ ہونے کی وجہ سے خطبہ دوسرا شخص پڑھے تو نماز عید ہو گئی یا نہیں؟

الجواب: اگرچہ ایسا کرنا نامناسب ہے تاہم نماز عید صحیح ہو گئی۔ اس کے جواز و ادائیگی میں کوئی شبہ نہیں۔ وما یسن فی الجمعة ویکره یسن فیها ویکره (در مختار علی الشامیة ج ۱ ص [illegible])۔ وفی باب الجمعة من شرح تنویر الابصار علی هامش رد المحتار ولا ینبغی ان یصلی غیر الخطیب لانهما کشیٔ واحد (ج ۱ ص [illegible])

فقط واللہ اعلم: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

یہ روافض کا شعار ہے۔ کذا فی امداد المفتیین۔ صفحہ ۹۵ ج ۱

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس
۶ / ۱۲ / ۱۴۰۴ھ

عیدین میں خطبہ کے بعد دعا کا کسی حدیث میں بھی ثبوت نہیں

نماز عید کے بعد دعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ صحیح بخاری و مسلم کی روایات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں خواتین کا عیدگاہ جانا اور مسلمانوں کی دعاؤں میں شریک ہونا بالتصریح موجود ہے۔ اگر یہ دعا اجتماعی نہ تھی تو شرکت کا کیا مطلب؟ نیز اگر دعا ہے تو اجتماعی بہتر ہے یا انفرادی؟

از عبدالمحسن عبدالقیوم بلاک نمبر ۱۳ گلشن اقبال کراچی

الجواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے منقول نہیں کہ نماز یا خطبہ کے بعد دعا کرتے تھے۔ اور کسی حدیث یا کتب فقہ میں بھی یہ دعا مذکور نہیں۔ اور اکابر علماء دیوبند کا طرز عمل بھی یہی رہا ہے کہ وہ خطبہ کے بعد دعا نہیں مانگتے تھے۔ اور حدیث شریف میں عورتوں کے بارے میں وارد ہے۔

ویشهدن الخیر و دعوة المؤمنین وفی روایة فیشهدن
جماعة المسلمین و دعوتهم الخ۔

لفظ "دعوتهم" سے بعض حضرات نے یہ سمجھا ہے کہ معروف طریقے پر اجتماعی دعا کرنا اس سے مراد ہے۔ حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو شروح حدیث اور کتب فقہ میں مستقلاً اس دعا کا ذکر ہوتا۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس دعوت سے مراد خطبہ ہے۔ یا نماز و خطبہ میں کی جانے والی دعائیں ہیں۔ سورۂ فاتحہ میں دعا ہے، نماز مقتدی آمین کہہ کر اس میں شریک ہوتے ہیں اور اللہ پاک کی بارگاہ سے نازل ہونے والی رحمت و اجابت اس پورے مجمع کو گھیر لیتی ہے۔ آخری تشہد میں دعائیں ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے

فاذا کان یوم عیدهم یعنی یوم فطرهم باهى بهم ملائکته

کہا تھا کہ "گنجائش ہے" سے اعمالِ عید کا مکمل ہو جانا ہی مستحبات دعا بعد از خطبہ کے لئے کافی نہیں بلکہ اس اجتماعی عمل کو مشروع و مستحب قرار دینے کے لئے نص جلی حدیث وغیرہ سے ثبوت چاہئے۔ بعد از نماز کے لئے تو کسی درجہ میں ثبوت موجود ہے۔ اور بعد از خطبہ کے لئے اس قابل نہیں ہے لہٰذا احتراز چاہئے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۹/۳/۱۴۰۴ھ

عند الاحناف عیدین میں تکبیرات زوائد چھ ہیں

عیدین کی تکبیروں کی تعداد کتنی ہے؟ ایک صاحب نے اعتراض کیا ہے کہ یہ تکبیریں بارہ ہیں اگر چھ کا کوئی ثبوت ہو تو پیش کیا جائے۔ براہ کرم مدلل جواب سے نوازیں۔؟

الجواب: عیدین میں تکبیرات زوائد عند الاحناف چھ ہیں۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے صحیح سند کے ساتھ متعدد اقوال منقول ہیں۔ احناف نے چھ والی روایت کو بچند وجوہ قوی ہونے کی بنا پر اختیار کیا ہے۔

— عن ابی عائشة ان سعید بن العاص سأل ابا موسیٰ رض و حذیفة رض کیف کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکبر فی الاضحی و الفطر فقال ابو موسیٰ کان یکبر اربعا تکبیرہ علی الجنائز فقال حذیفة رض صدق فقال ابو موسیٰ کذالک کنت اکبر فی البصرة حیث کنت علیهم اھ رواہ ابو داؤد بیهقی ، ابن ابی شیبة (از اوجز ج ۲ ص [illegible])۔ قال النیموی اسنادہ حسن۔

— عن کردوس قال قدم سعید بن العاص فی ذی الحجة فارسل الی عبد اللہ و حذیفة رض و ابی مسعود الانصاری رض و ابی موسیٰ الاشعری رض فسألهم عن التکبیر فاسندوا امرهم الی عبد اللہ فقال عبد اللہ یقوم فیکبر ثم یکبر ثم یکبر ثم یکبر

فيقرأ ثم يكبر ويركع ويقوم فيقرأ ثم يكبر ثم يكبر

ثم يكبر ثم يكبر الرابعة ثم يركع - (مصنف ابن أبي شيبة)۔

—— عن عبد الله بن الحارث قال صلى بنا ابن عباس رض يوم عيد فكبر تسع تكبيرات خمسا في الأولى وأربعا في الآخرة (رواه أبو بكر في مصنفه وقال الحافظ في التلخيص إسناده صحيح)۔

—— عن أبي عبد الرحمن قال حدثني بعض أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم قال صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم عيد فكبر أربعا أربعا ثم أقبل علينا بوجهه حين انصرف فقال لا تنسوا كتكبير الجنائز وأشار بأصابعه وقبض إبهامه - اهـ (قال الطحاوي فهذا حديث حسن الإسناد)۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے حضرت ابن مسعود رض، ابو موسیٰ اشعری رض، حذیفہ بن الیمان رض، عقبہ بن عامر رض، ابن زبیر رض، ابو مسعود بدری رض، ابو سعید خدری رض، براء بن عازب رض، عمر بن الخطاب رض، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی یہی منقول ہے۔ (اوجز ج ۲ ص ۳۵۰)۔

—— طبقۂ تابعین میں سے حضرت حسن بصری رح، ابن سیرین رح، سفیان ثوری رحمہم اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی مسلک تھا۔ لہٰذا چھ تکبیروں کو بلا ثبوت کہنا جہالت فاحشہ ہے یا دیدہ دانستہ مغالطہ دہی کرتا ہے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
رئیس الافتاء خیر المدارس ملتان

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان
۲۴ / ۵ / ۱۴۰۰ھ

اگر امام نے چھ سے زائد تکبیریں کہیں تو نماز ہوگئی یا نہیں

امام صاحب نے عید الفطر کی نماز پڑھاتے ہوئے ، دو رکعت نیت کرتے ہوئے بارہ تکبیروں کا اعلان کیا اور کہیں ۔ جب نماز ختم ہوئی تو لوگوں نے ان سے ذکر کیا تو کہنے لگے کہ " میں سلسلہ سلام کی گہرائی میں چلا گیا تھا " اور تم کو پتہ نہیں : کیا نماز صحیح ہوگئی یا نہ ؟

الجواب نماز ہوگئی ۔ مگر تکبیرات زوائد عند الاحناف چھ ہی ہیں ۔

ويصلي الامام بهم ركعتين مثنيا قبل الزوائد وهي ثلاث تكبيرات في كل ركعة ولو زاد تابعه الى ستة عشر لانه مأثور اهـ (در مختار على الشامية ج ۱ ص ۷۷۸) .

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۲۵ / ۱ / ۱۳۹۶ھ

تکبیراتِ زوائد کے بعد شامل ہونیوالا تکبیرات کب کہے ؟

نمازِ عید میں تکبیرات زوائد کے بعد کوئی شخص امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہوا تو یہ تکبیرات کس وقت کہے ؟ اور اگر کوئی دوسری رکعت یا تشہد میں شریک ہوا تو وہ تکبیرات کس وقت کہے ؟

الجواب ۱ ۔ اگر امام کے تکبیرات کہنے کے بعد ملا ہے تو شامل ہوتے ہی تکبیرات زوائد از خود کہہ لے ۔ ۲ ۔ اگر دوسری رکعت میں ملا ہے تو پھر جب اُٹھ کر پہلی رکعت ادا کرنے لگے تو قراءت کے بعد تکبیریں کہے ۔ ۳ ۔ اگر اس حالت میں پہنچا کہ امام رکوع میں ہے تو اگر غالب خیال یہ ہو کہ امام کے رکوع سے اُٹھنے سے پہلے تکبیرات کہہ لوں گا تو کہہ کر رکوع میں جائے ورنہ رکوع میں جا کر کہہ لے ۔

س ۔ اگر رکوع میں تکبیریں پوری ہونے سے پہلے امام رکوع سے اُٹھ جاتے تو پھر بھی اُٹھ جائے بقیہ تکبیرات ساقط ہوجائیں گی ۔ اگر امام کو رکوع کے قیام میں پایا ہے تو اب تکبیریں نہ کہے بلکہ جب یہ رکعت قضا کرے گا تو اس میں کہہ لے ۔ قال في الدر المختار ولو ادرک المؤتم الامام في القیام بعد ما کبر کبر في الحال برأي نفسه لانه مسبوق ولو سبق برکعة یقرأ ثم یکبر لئلا یتوالی التکبیرات (درمختار)

وفي الشامیه (قوله في القیام) ای الذي قبل الرکوع. اما لو ادرکه راکعاً فان غلب علی ظنه ادراکه في الرکوع کبر قائماً برأي نفسه ثم رکع والا رکع وکبر في رکوعه خلافاً لابي یوسف. ولا یرفع یدیه لان الوضع علی الرکبتین سنة في محله والرفع لا في محله. وان رفع الامام رأسه سقط عنه ما بقي من التکبیر لئلا تفوته المتابعة. ولو ادرکه في قیام الرکوع لا یقضیها فیه لانه یقضي الرکعة مع تکبیراتها. فتح وبدائع اھ

(شامی ص۱۷۳ ج۱) فقط واللہ اعلم ۔ محمد انور عفرلہٗ ۱۰ / ۳ / ۱۴۰۶

عید کا خطبہ پہلے پڑھ دیا تو عید کا حکم

ایک دیہاتی امام صاحب جو عید کے مسائل سے ناواقف تھا اُس نے جمعہ کی طرح عید کا خطبہ پہلے پڑھ دیا اور بعد میں نماز عید پڑھائی ؟

الجواب امام صاحب نے خلاف افضل کیا خطبہ بہرحال ہوگیا اعادہ کی حاجت نہیں لو خطب قبل الصلوٰۃ جاز وترک الفضیلة ولا تعاد ومثله في المسکین اھ (طحطاوی ص۲۹۵) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

محمد انور عفا اللہ عنہ

عیدگاہ جاتے ہوئے تکبیرات جہراً پڑھیں یا سراً

نماز عید الفطر کے لئے عید گاہ جاتے ہوئے تکبیرات تشریق آہستہ آواز سے پڑھی جائیں یا اونچی آواز سے۔

الجواب: امام صاحب سے منقول ہے کہ آہستہ پڑھیں اور علامہ شیخ قاسم نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے، یہی معمول بنایا جائے۔

ویوم الفطر لا یجھر به عنده وعندهما یجھر وهو روایة عنه والخلاف فی الافضلیة اما الکراھة فمنتفیة عن الطرفین اھ وقد ذکر الشیخ قاسم فی تصحیحه ان المعتمد قول الامام اھ شامی ص ۷۷۸ ج ۱۔ محمد انور عفی عنہ

پہلے دن عید الفطر نہ پڑھ سکیں تو دوسرے دن پڑھنے کا حکم

اگر نماز عید الفطر عید کے روز کسی عذر کی بنا پر ادا نہ کی جا سکے تو کب تک ادا کرنے کی گنجائش ہے؟

الجواب: اگر کوئی ایسا معقول عذر پیش آجائے کہ عید الفطر کی نماز عید کے دن ادا نہ کر سکیں مثلاً چاند کی گواہی زوال کے بعد ملی یا ایسے وقت میں ملی کہ لوگوں کا اجتماع مشکل ہو تو اگلے دن زوال تک پڑھ سکتے ہیں، دوسرے دن بھی نہ پڑھ سکیں تو پھر نہ پڑھیں۔

وتؤخر صلوٰة عید الفطر الی الغد اذا منعهم من اقامتها عذر بان غم علیهم الهلال او شهد عند الامام بعد الزوال او قبله بحیث لا یمکن جمع الناس قبل الزوال او صلاها فی یوم غیم فظهر انها وقعت بعد الزوال ولا تؤخر بلا عذر (عالمگیری ص ۱۵۲ ج ۱)

فقط واللہ اعلم، احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

خطبۂ عیدین کے درمیان چندہ کرنا:

بعض جگہ دستور ہے کہ جب امام عید کا خطبہ شروع کرتا ہے تو دو آدمی چادر لیکر صفوں کے آگے سے گزرتے ہوئے چندہ کرتے جاتے ہیں کیا یہ درست ہے؟

الجواب: منع ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۰/۱۰/۹۵ھ

عیدین میں مسنون قراءت:

س: عیدین میں کون سی سورتوں کی قراءت سنت ہے؟

الجواب: سورۃ اعلیٰ اور سورۃ غاشیہ کا پڑھنا سنت ہے مگر اس قدر معمول نہ بنا لیں کہ لوگ اس کو ضروری سمجھ لیں اور کسی اور سورت کو پڑھنا درست نہ سمجھیں۔ ویقرأ کالجمعۃ (درمختار)

(قولہ یقرأ کالجمعۃ) ای کالقراءۃ فی صلوٰۃ الجمعۃ لما روی ابوحنیفۃ انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ فی العیدین ویوم الجمعۃ الاعلیٰ والغاشیۃ کما فی الفتح، وقال فی البدائع فان تبرک بالاقتداء بہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قراءتہما فی اغلب الاوقات فحسن لکن یکرہ ان یتخذہما حتماً لا یقرأ فیہما غیرہما لما ذکرنا فی الجمعۃ اھ (شامی ص ج)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ

عید کے دن ہر ایک کے لئے نہانا مستحب ہے

اگر ایک آدمی عذر کی بناء پر عید کی نماز کے لئے نہیں جاسکتا کیا اس کے لئے بھی عید کے دن غسل کرنا مستحب ہے؟

الجواب: اس دن کے لئے بھی غسل کرنا مستحب ہے۔ وندب ان یغتسل وتقدم انہ للصلوۃ لانہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یغتسل یوم الفطر ویوم النحر (مراقی)

قولہ (وتقدم انہ للصلوۃ) ذکر السرخسی عن الجواھر اغتسل بعد الفجر فان فعل قبلہ اجزأ ویستوی فی ذلک الذاھب الی المصلوۃ والقاعد لانہ یوم زینۃ واجتماع بخلاف الجمعۃ قال السروجی وھذا صحیح وبہ قالت المالکیۃ والشافعیۃ کما فی الحلبی واختار فی الدر ایضاً کون الغسل والنظافۃ فیہ للیوم فقط وعللہ فی النہر بان السرور فیہ عام فیندب فیہ التنظیف لکل قادر علیہ مصلی ام لا اھ طحطاوی ص ۲۸۹۔

فقط واللہ اعلم۔ محمد انور ۱۹/۲/۱۳۹۸ھ

فاتحہ پڑھنے کے بعد تکبیرات یاد آئیں:

اگر امام نے نماز عید میں بجائے تکبیر کہہ کر قرأت شروع کردی اور سورہ فاتحہ پڑھ لی، اب اسکو یاد آیا کہ تکبیرات زوائد چھوٹ گئی ہیں تو اس صورت میں شرعاً کیا مسئلہ ہے؟

الجواب: اب ابتداء سے تکبیرات زوائد کہہ کر دوبارہ فاتحہ اور سورۃ پڑھیے۔ فی البحر عن المحیط بدأ الامام بالقرأۃ سھواً فتذکر بعد الفاتحۃ والسورۃ یمضی فی صلوتہ وان لم یقرأ الا الفاتحۃ کبر واعاد القرأۃ لزوماً لان القرأۃ اذا لم تتم کان امتناعاً عن الاتمام لا رفضاً للفرض اھ (شامی ص ۱۹۸/ج۲)۔ فقط واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ۔

کیا عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد گھر آکر نوافل پڑھنا مستحب ہے؟

بعض لوگوں سے سنا ہے عید الاضحیٰ کے بعد گھر آکر چار رکعت پڑھنا مستحب ہے کیا یہ درست ہے؟

الجواب بعون الوہاب: درست ہے۔ عالمگیری میں لکھا ہی ہے۔

المستحب ان یصلی اربعاً بعد الرجوع الی منزلہ کذا

فی الزاد اھ، عالمگیری ص۱۵۰ فقط واللہ اعلم۔ محمد نور عفی عنہ

عید کے چاند کے بارے میں ریڈیو کی خبر کا حکم

عید الفطر کے موقع پر بہت سے مقامات میں اختلاف ہو جاتا ہے اور جس کی اصل وجہ ریڈیو کی خبریں ہوتی ہیں اس سلسلے میں چند سوالات دریافت طلب ہیں

۱۔ کیا صرف ریڈیو پاکستان کے اعلان پر عید الفطر کا حکم دیا جا سکتا ہے خاص کر جبکہ خبر نشر کرنیوالی عقیلہ مسعود نامی عورت ہے۔

۲۔ موجودہ دور میں ٹیلیفون، تار وغیرہ اس سلسلہ میں کہاں تک معتبر ہیں۔

۳۔ ایک مقام پر متعدد اطراف سے فون کے ذریعے کسی عالم ثقہ کو عید الفطر کی اطلاع پہنچ جاتی ہے جس کی بناء پر عید کا اعلان کرتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟ اور اگر کسی دوسرے مقام سے بذریعہ فون اس عالم ثقہ سے رابطہ قائم کرکے اس ایک ہی قاضی یا عالم کی خبر سن لیتے ہیں تو کیا وہ اپنے شہر میں عید الفطر کا حکم دے سکتے ہیں؟ جبکہ ایک فون ہو خبر بتانے والا صرف وہی ایک قاضی ہو۔

۴۔ اگر ایک جگہ کے عالم دین آس پاس دوسری جگہ جناب فون کے ذریعہ اعلان کر چکا ہے چلا جائے تو شریعت کے مطابق کس طرح اس سے ثبوت حاصل کرے۔ کیا باقاعدہ شہادت لے کر یا صرف متعدد مقامات سے فون کی خبر سن کر نپٹنے لئے وہ عالم دین گنجائش پیدا کر سکتا ہے؟

۵۔ اگر کسی جگہ جگہ اس علاقے میں کہیں چاند نظر نہ آیا تو شریعت میں کہاں تک جائز ہے کہ ضرور ہی اس رات دوڑ دھوپ کرے اور عید کی خبر لے آئے اور کتنی دور جا سکتا ہے اور کتنی کوشش کرنی چاہیئے کیا یہ کوشش کرنا، رات کو بھاگنا وغیرہ ضروری ہیں تاکہ دوسرے دن ضرور ہی عید منائی جائے؟

الجواب عیدالفطر کے لئے حسب قاعدۂ فقہاء جبکہ مطلع صاف ہو تو جمِ غفیر کی رؤیت ضروری ہے ورنہ دو عادل ثقہ آدمیوں کی شہادت پر قاضی یا حاکم یا شہر کا مستند عالم اعتماد کرتے ہوئے فیصلۂ عیدالفطر دے سکتا ہے۔ اور اگر کسی شہر یا علاقہ میں مذکورۂ بالا طریق سے ثبوت بہم نہیں ہوا تو محض ریڈیو کے اعلان پر خصوصاً اِس دور میں جبکہ حکومت کی طرف سے بتوسط معتمد علماء رؤیتِ ہلال کا کوئی اہتمام نہیں بلکہ محض افواہوں کی بناء پر اعلان کا خطرہ لاحق ہے۔ عید کرنا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر کسی دوسری جگہ جہاں تک اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں ہے چاند نظر آیا اور وہاں سے شرعی قواعد کے مطابق اطلاع پہلی جگہ پہنچ گئی تو پھر یہاں کے لوگوں کو عید کرنا ضروری ہوگا۔ شرعی قواعد کا مطلب ہے کہ شہادت علی الشہادت یا استفاضہ اور تواترِ اخبار سے رؤیت کا علم شہر والوں کو ہو جائے ان خبروں کے ساتھ ریڈیو کی اطلاع کو تائیداً قبول کر لینے کی بھی گنجائش ہے۔

۲۔ ٹیلیفون اور تار خبر کے درجہ میں معتبر ہیں جہاں تک خبر معتبر ہے وہاں تک ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور شہادت کے باب میں غیر معتبر ہیں ہاں استفاضہ اور تواتر میں مفید ہو سکتی ہیں۔

۴۔ پہلے عالم کے لئے جائز ہے کہ جب اسے بطریقِ شرعی رؤیتِ ہلال حاصل ہو عیدالفطر کرے۔ لیکن دوسرے شہر کے لوگوں کو اِس عالم سے ایک فون کے ذریعہ پر اکتفا کرنا جائز نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ دوسرے شہر کا عالم دو عادل گواہوں کی شہادت یا پہلے عالم کے فیصلہ پر دو عادل گواہوں کی شہادت یا استفاضۂ اخبار پر اعتماد کرتے ہوئے عید منانے کا فیصلہ کرے۔

۵۔ عیدالفطر کا چاند ہو یا کوئی اور اِس کے لئے دوڑ دھوپ کرنا اور تحقیق کرنا ضروری ہے جہاں تک ہو سکے اِس میں کوئی حد بندی اور تحدید نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہٗ

مفتی خیرالمدارس، ملتان ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ

عید سے پہلے نوافل پڑھنے کا حکم

س: عیدین کی نماز سے پہلے نماز اشراق گھر اور عیدگاہ میں پڑھنا کیسے ہے؟

الجواب: عیدین کی نماز سے پہلے کوئی نوافل نہ پڑھیں نہ گھر میں نہ عیدگاہ میں حتیٰ کہ عورت کے لیے بھی اگر چاشت کی نماز پڑھنی ہو تو امام کے عید سے فارغ ہونے کے بعد پڑھے۔

ولا یتنفل قبلہا مطلقاً یتعلق بالتکبیر والتنفل (در مختار) یتعلق بالتکبیر والتنفل المراد التعلق المعنوی ای انہ قید لہما فمعنی الاطلاق فی التکبیر ای سواء کان سراً او جہراً وفی التنفل سواء کان فی المصلی اتفاقاً او فی البیت فی الاصح وسواء کان ممن یصلی العید اولا حتی ان المرأۃ اذا ارادت صلاۃ الضحی یوم العید تصلیہا بعد ما یصلی الامام فی الجبانۃ افادہ فی البحر شامی ص۲۵۲۱۔ فقط واللہ اعلم۔ احقر محمد انور

امام نے بے وضو عید پڑھا دی تو کیا کیا جائے

س: اگر امام نے نماز عید پڑھا دی، پڑھانے کے بعد پتہ چلا کہ امام کا وضو نہ تھا تو اس صورت میں شرعاً کیا مسئلہ ہے؟

الجواب: ایسی صورت میں اگر تو فوراً پتہ چل جائے اور لوگ ابھی موجود ہوں تو وضو کر کے دوبارہ نماز عید ادا کرلیں اور اگر اب ان کو واپس لانا مشکل ہو تو شرعاً یہ کہا جائے گا کہ نماز ہو گئی۔

امام صلی العید علی غیر وضوء ثم علم بذالک قبل ان یتفرق الناس توضأ واعید وان تفرق الناس لم یعد بہم وجازت صلوتہم صیانۃ للمسلمین واعمالہم اھ (شامی ص۱۴/۴۴۳)

فقط واللہ اعلم ۔

محمد انور عفا اللہ عنہ — [illegible] ھ

جو نماز کا عادی نہ ہو اس کا عیدین میں شریک ہونا

جو آدمی کبھی نماز پڑھنے کا عادی نہ ہو وہ عیدین میں شریک ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب: عیدین کی نماز جہاں واجب ہے وہاں اس کو بھی ضرور پڑھنی چاہئے البتہ فرائض کا ترک بہت بڑی معصیت ہے ان کی ادائیگی کا اہتمام ضروری ہے سابقہ نمازوں کا حساب لگا کر ان کا قضا کرنا ضروری ہے ۔

فقط واللہ اعلم ۔ محمد انور عفا اللہ عنہ

عیدگاہ میں حدث لاحق ہو جائے تو تیمم کا حکم

اگر کسی کو عیدگاہ میں نماز عید سے قبل حدث لاحق ہو گیا ، اب اگر وہ وضو کرتا ہے تو نماز عید فوت ہونے کا خطرہ ہے کیا یہ آدمی تیمم کر کے نماز عید میں شامل ہو سکتا ہے ؟

الجواب: اگر وضو میں مشغول ہونے سے نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم کرکے نماز میں شامل ہو جائے ۔

ورجل احدث فی الجبانۃ قبل الصلوۃ فان کان یخاف فوت الصلوۃ لو اشتغل بالوضوء کان لہ ان یصلی بالتیمم بالاتفاق اھ

(فتاوی قاضی خان [illegible])

فقط واللہ اعلم ۔ محمد انور عفا اللہ عنہ

عیدین کے لئے تیمم کر سکتا ہے یا نہیں ؟

پانی موجود ہے عید کی نماز ہو رہی ہے ۔ تیمم کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب اگر مطلقاً صلوۃ عید فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو بجائے وضوء کے تیمم سے ادا کرے۔ التیمم لصلوۃ العید ولا یجوز للمقتدی اذا لم یخف فوت الصلوۃ لو توضأ واذا یجوز الا (عالمگیری ج۱ ص۱۱)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ محمد انور، مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ — ۱۷ صفر ۱۴۰۲ھ

عید کے روز ایک دوسرے کو کہنا اللہ قبول کرے

عیدین کے روز ایک دوسرے کو یہ کہنا کہ اللہ پاک قبول کرے یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب ایسا کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ اختلف فی قول الرجل لغیرہ یوم العید تقبل اللہ منا ومنک ...... والاظهر انه لا بأس به لما فيه من الاثر اھ (کبیری ص۵۶۶)

فقط واللہ اعلم — محمد انور — ۱۳۔۴۔۱۳۹۸ھ

روزہ رکھوا کر عید پڑھانا:

۲۹ رمضان کے بعد چاند دیکھنے کی بہت کوشش کی گئی۔ مطلع بھی صاف تھا مگر چاند نظر نہیں آیا۔ تراویح وغیرہ کے بعد پتہ چلا کہ بعض مواضعات پر چاند نظر آیا ہے مگر ہمارے مولوی صاحب نے ان خبروں پر اعتبار نہ کیا اور روزہ رکھوا کر لوگوں کے مجبور کرنے سے عید بھی پڑھا دی تو کیا یہ درست ہے؟

الجواب صورت مسئولہ میں مولوی فرخ صاحب نے یہ تو درست کیا کہ بعض لوگوں کی خبروں پر اعتماد نہیں کیا بلکہ روزہ رکھا لیکن روزہ رکھا تھا تو مسئلہ یہ عید الفطر پڑھنی جائز نہ تھی نماز عید الفطر کا ادائی اور لا علمی پر مبنی ہے اس پر شرعاً

کرنی حد یا تعزیر نہیں ہے اور نہ ایسا امام قابلِ معزولی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح۔ بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ

بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ ۲۸ رشوال سنہ ھ

امام مردوں کو مسجد میں عید پڑھا کر گھر میں عورتوں کو عید نہیں پڑھا سکتا

دیہات کے امام مسجد نے مسجد میں عید کی نماز پڑھائی پھر گھر میں جو عورتیں آئی ہوئی تھیں پھر اُن کو پڑھائی کیا یہ شرعاً دُرست ہے یا نہیں؟

الجواب عورتوں پر عیدین واجب نہیں وہ اگر پڑھیں گی تو نفل ہونگے اور نفل جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہیں۔ ولا یصلی التطوع بالجماعۃ ما خلا قیام رمضان وکسوف الشمس الجوائح صحیح التطوع بالجماعۃ اذا کان علی سبیل التداعی یکرہ (ہندیہ ص) والتطوع بجماعۃ خارج رمضان ای یکرہ ذلک لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعۃ بواحد کما فی الدرر (ردمختار) قال شمس الائمۃ الحلوانی ان کان سوی الامام ثلثۃ لا یکرہ بالاتفاق وفی الاربع اختلف المشائخ والاصح انہ یکرہ ھکذا فی الخلاصۃ (عالمگیری) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ

عید الاضحیٰ بے وضو پڑھی گئی تو قربانی ہوگئی یا نہیں؟

امام نے نمازِ عید پڑھادی اس کے بعد بعض لوگوں نے قربانی کرلی۔ زوال کے بعد علم ہوا کہ امام صاحب نے نمازِ عید بغیر وضو کے پڑھادی ہے اس صورت میں جن لوگوں نے قربانی کرلی انکی قربانی دُرست ہوگئی یا نہیں؟

الجواب: قربانی درست ہو گئی مگر اگلے دن عید کی نماز حسب معمول ادا کریں۔

امام صلی بالناس صلوٰۃ العید یوم الفطر علی غیر وضوء ثم علم بذلک قبل الزوال اعاد الصلوٰۃ وان علم بعد الزوال خرج من الغد وصلی فان لم یعلم حتی زالت الشمس من الغد لم یخرج۔

وان کان ذلک فی عید الاضحیٰ ثم علم بعد الزوال وقد ذبح الناس جاز ذبح من ذبح ویخرج من الغد ویصلی اھ۔

(فتاویٰ عالمگیری [illegible]) فقط واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ

جو نماز ہو چکنے کے بعد عیدگاہ پہنچا وہ بطریق ذیل چار نفل پڑھے۔

نیند ہی وغیرہ کی وجہ سے عیدگاہ پہنچا تو لوگ نماز عید پڑھ کر لوٹ رہے تھے۔ آیا وہ بھی لوٹ آئے یا کوئی نفل وغیرہ پڑھے۔

الجواب: بہ ترتیب ذیل چار نفل پڑھے۔ ومن خرج الی الجبانۃ ولم یدرک الامام فی شیء من الصلوٰۃ ان شاء انصرف الی بیتہ وان شاء جلس ولم ینصرف والافضل ان یصلی اربعا فتکون لہ صلوٰۃ الضحیٰ لما روی عن ابن مسعود انہ قال من فاتتہ صلوٰۃ العید صلی اربع رکعات یقرأ فی الاولیٰ سبح اسم ربک الاعلیٰ وفی الثانیۃ والشمس وضحٰھا وفی الثالثۃ واللیل اذا یغشیٰ وفی الرابعۃ والضحیٰ وروی فی ذلک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعدا جمیلا وثوابا جزیلا اھ (قاضی خان [illegible]) فقط واللہ اعلم

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ

باب الجنائز

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ

(القرآن، سورۃ العنکبوت، پارہ ۲۱)

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

خیر الفتاوی

(جلد سوم)

غسلِ میت کے احکام

چھوٹے بچے بچی کو ہر ایک غسل دے سکتا ہے

دو ماہ کی بچی فوت ہو گئی تو اس کو امام مسجد نے غسل دیا کیا یہ درست ہے ۔ نیز امام مسجد ضعیف العمر ہو تو کیا حکم ہے اور اگر جوان ہو تو کیا حکم ہے ؟ ۔ ۲ : مرد کتنی عمر تک کی لڑکی کو غسل دے سکتا ہے
۳ : اور ایسے ہی لڑکا میت ہو تو اسے عورت غسل دے سکتی ہے ۔ شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب ۱ : مذکورہ بچی کو جو امام صاحب نے غسل دیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ۔
۲ : جو بچہ یا بچی حدِ شہوت کو نہ پہنچا ہو اس کو ہر ایک مرد و عورت غسل دے سکتا ہے ۔ اور قریب البلوغ بچی کو مرد غسل نہیں دے سکتا جبکہ کتنی عمر کا کیوں نہ ہو ۔
۳ : الصغیر والصغیرۃ اذا لم یبلغا حد الشھوۃ یغسلھما الرجال والنساء ۔

(شامیہ ، ج ۲ ، ص ۲۰۲) ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ　　　محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۹ / ۶ / ۱۴۰۲ھ

بیوی خاوند کو غسل دے سکتی ہے و لا عکس

میاں بیوی میں سے کوئی فوت ہو جائے تو دوسرا اس کو غسل دے سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب بیوی خاوند کو غسل دے سکتی ہے ، ہاتھ بھی لگا سکتی ہے ۔ خاوند صرف دیکھ سکتا ہے غسل نہیں دے سکتا اور نہ ہی بلا حائل چھو سکتا ہے ۔ ویمنع زوجھا من غسلھا ومسھا لا من النظر الیھا وھی لا تمنع من ذلک اھ (درمختار علی الشامیۃ ، ج ۲ ، ص ۲۰۰) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل دینے کی حقیقت

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خود غسل دیا تھا۔ یہ کس حد تک درست ہے؟

الجواب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیا تھا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف نسبت اس حیثیت سے ہے کہ آپ سامان غسل وغیرہ میں تعاون فرما رہے تھے۔ قال فی شرح المجمع لمصنفہ فاطمۃ رضی اللہ عنہا غسلتہا ام ایمن حاضنتہ صلی اللہ علیہ وسلم ورضی عنہا فتحمل روایۃ الغسل لعلی رضی اللہ عنہ علی معنی التہیئۃ والقیام التام باسبابہ اھ (شامی ج ۱ ص ۸۰۳)۔

اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مباشر غسل تھے تو پھر یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خصوصیت پر محمول ہے۔ ولئن ثبت الروایۃ فھو مختص بہ لقولہ علیہ السلام کل سبب ونسب ینقطع بالموت الا سببی ونسبی اھ (شامی ج ۱ ص ...)

فقط واللہ اعلم

الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

غسل کے وقت میت کو کیسے لٹایا جائے

کیا بوقت غسل دیتے وقت میت کو پاؤں قبلہ کی طرف اور سر مشرق کی طرف کیا گیا۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب ایسا بھی جائز ہے مگر مستحسن یہ ہے کہ قبلہ کی طرف منہ ہو جیسے قبر میں لٹایا جاتا ہے۔ در وکیفیۃ الوضع عند اصحابنا الوضع طولاً کما فی حالۃ المرض اذا اراد الصلوۃ بایماء ومنہم من اختار الوضع کما یوضع فی القبر والاصح انہ یوضع کما تیسر اھ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۸)۔

وجہ استحسان یہ ہے کہ بیت اللہ شریف ہر حال میں قبلہ ہے زندگی میں بھی اور بعد الموت بھی۔

روی ابو داؤد ان رجلا سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الکبائر فقال

فی نسخ وذکرھا الی ان قال واستحلال البیت قبلتکم احیاء و امواتا اھ (امداد الفتاوی، جلد اول صفحہ [illegible])

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ — محمد انور عفا اللہ عنہ ۵/۱۲/۱۳۹۸ھ

میت کو غسل دینے والے کیلئے غسل کا حکم

کوئی مسلمان کسی میت کو غسل دیتا ہے۔ تو غسل دینے کے بعد خود کو غسل کرنا چاہئے یا نہ؟

الجواب

میت کو غسل دینے کے بعد غسل کر لینا مستحب ہے۔ مراقی میں ہے۔ (ومندوب) عند الفراغ من حجامة وغسل میت خروجا من الخلاف من لزوم الغسل بهما۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ — بندہ محمد عبد اللہ نائب مفتی ۱۱/۳/۱۳۹۸ھ

ٹرک کے نیچے دب کر مرنے والوں کو غسل وکفن دیا جائے گا

کچھ آدمی ٹرک کے الٹنے سے ٹرک کے بوجھ تلے آگئے کیا یہ لوگ شہید ہیں؟ اور کیا ان کو غسل وکفن دیا جائے گا؟

الجواب

یہ لوگ اخروی شہید ہیں۔ دنیا میں ان پر عام میت کے احکام جاری ہوں گے۔ یعنی انہیں غسل وکفن دیا جائے گا۔ لو مات حتف انفه او تردى من موضع او احترق بالنار او مات تحت هدم او غرق لا يكون شهيدا اى فى حكم الدنيا والا فقد شهد رسول الله صلى الله عليه وسلم للغريق والحريق والمبطون والغريب بانهم شهداء فينالون ثواب الشهداء اھ۔ (بحر الرائق، جلد ۲ صفحہ ۲۱۱)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

جسم ریزہ ریزہ ہو جائے تو غسل وجنازہ کا حکم

(۱) طہارت جو کہ نماز جنازہ کے لئے شرط ہے کسی عذر کی بنا پر ساقط ہوتی ہے یا نہیں؟

س: ایک آدمی آگ میں جل گیا۔ یا دریا میں مر کر چند دن بعد برآمد ہوا جس کا جسم سوجا ہوا اور بدبو کرتا ہے اور ہاتھ لگانے کے قابل نہیں۔ یا ریل گاڑی کے نیچے آ کر اس کا سارا جسم چکنا چور ہو گیا۔ یا اس کا اکثر یا کم جسم چور چور ہو کر شمہ باقی بچا تو ان صورتوں میں میت کے لئے غسل اور جنازہ کی کیا صورت ہوگی؟

فضل محمد بیتالہ

الجواب وفی العالمگیریۃ ج ۱ ص ۱۵۸: ولو کان المیت متفسخا یتعذر مسحہ کفی صب الماء علیہ کذا فی التاتارخانیۃ ناقلا عن العتابیۃ۔

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ اگر میت کا جسم پھوڑا ہو، بدبو کرتا ہے اور ہاتھ سے اس کا مسح کرنا مشکل ہے تو اس پر صرف پانی ڈال دینا کافی ہے غسل مسنون دینا اس کے لئے واجب نہیں اور یہی حکم اس میت کا ہوگا جو گاڑی کے نیچے آ کر چور چور ہو گیا ہو یا آگ میں جل کر کوئلہ بن گیا ہو بشرطیکہ ڈھانچہ اس کا موجود ہو۔ البتہ اگر کسی میت کا اکثر بدن یا نصف مع سر سالم مل گیا ہے تو اس کو غسل دینا فرض ہے۔ اور اس پر نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔

کما فی العالمگیریۃ ج ۱ ص ۱۵۹: ولو وجد اکثر البدن او نصفہ مع الرأس یغسل ویکفن ویصلی کذا فی المضمرات۔

اور اگر میت کے اعضاء جدا جدا ہو گئے ہیں خواہ گاڑی کے نیچے آ کر یا آگ میں جل کر یا اس کا جسم پھٹ گیا اور اعضاء اس کے علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔ تو ایسی صورت میں نہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور نہ اس کو غسل دینا فرض ہے۔

کما فی الطحطاوی ص ۳۲۴: قولہ ما لم یتفسخ ای تتفرق اعضاؤہ فان تفسخ لا یصلی علیہ لانہا شرعت علی البدن ولا وجود لہ مع التفسخ۔ اھ

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفرلہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ ہذا	نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۳۰ / ۱۰ / ۱۳۸۵ھ	۳۰ / ۱۰ / ۱۳۸۵ھ

غسل کے بعد نجاست خارج ہو تو دوبارہ غسل کی ضرورت نہیں

ایک شخص فوت ہو گیا ہے جب اس کو غسل دیا جاتا ہے تو غسل سے فارغ ہونے کے بعد میت کو پاخانہ نکل جاتا ہے۔ آیا اس کو دوبارہ غسل دینا واجب ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب صورت مسئولہ میں اعادہ غسل کی ضرورت نہیں نجاست کو دھو لینا ہی کافی ہے۔ ہندیہ میں ہے۔ ویمسح بطنہ مسحا رفیقا تحرزا عن تلویث الکفن فان خرج منہ شیء غسلہ ولا یعید غسلہ ولا وضوءہ۔ فقط واللہ اعلم

محمد عبداللہ عفی عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۸/۲/۱۴۰۰ھ

میت کو غسل دینے والا بدون غسل جنازہ پڑھا سکتا ہے

مردے کو غسل دینے والا آدمی بغیر غسل کئے اور بغیر کپڑے تبدیل کئے نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ ایسا آدمی نماز جنازہ نہیں پڑھا سکتا۔ آیا ان کا کہنا شریعت کے مطابق ہے یا نہ؟

الجواب غسل میت کے بعد غسل کرنا مستحب ہے فرض یا واجب نہیں۔ فتح القدیر میں ہے۔ ویندب الاغتسال فی ستۃ عشر شیئا وذکر منہا وعند الفراغ من حجامۃ وغسل میت خروجا من الخلاف الخ

لہذا اگر غاسل کے بدن یا کپڑوں پر کوئی نجاست نہیں ہے تو صورت مسئولہ میں نماز جنازہ شرعاً درست ہے اسے واجب الاعادہ کہنا محض غلط ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۰/۱۲/۱۴۰۰ھ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ بن مفتی محمد عبدالستار صاحب مدظلہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

خنثیٰ مشکل کو صرف تیمم کرایا جائے

مسئلہ: خنثیٰ مشکل کو غسل دیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب اگر خنثیٰ واقعتاً مشکل ہو تو اسے غسل نہ دیا جائے بلکہ تیمم کرایا جائے۔ ویتیمم الخنثی المشکل لو مراہقا

(در مختار علی الشامیۃ ج ۱ ص ۸۳۷)۔ فقط واللہ اعلم۔

الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

سنی شیعہ کو غسل کیسے دے

ہمارے یہاں ایک شیعہ کا انتقال ہوگیا۔ اس کے رشتہ دار از قسم عصبات وغیرہ اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتے ہیں، تو وہ اس کو کیسے غسل دیں؟ عبدالرشید مظفرگڑھ۔

الجواب اگر اس شیعہ کے عقائد کفریہ تھے تو بہتر یہ ہے کہ اس کو اس کے ہم مذہبوں کے حوالے کردیں۔۔۔ اگر ایسی صورت نہ ہوسکے تو غسل اور کفن دفن کے آداب محفوظ رکھے بغیر اسے نہلا کے کپڑے میں لپیٹ کر کسی گڑھے میں دبا دیں۔

ویغسل المسلم ویکفن ویدفن قریبہ کخالہ الکافر الاصلی اما المرتد فیلقی فی حفرۃ کالکلب عند الاحتیاج فلو لہ قریب فالاولی ترکہ لھم من غیر مراعاۃ السنۃ فیغسلہ غسل الثوب النجس ویلفہ فی خرقۃ ویلقیہ فی حفرۃ۔ اھ

(در مختار علی الشامی ج ۱ ص ۸۳۰)۔ فقط واللہ اعلم

الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

قبے گرانا ممنوع نہیں نیز ابن سعود سے صراحۃً گرانے کا حکم دینا ثابت نہیں

زید نے کہا کہ ابن سعود حاکم حرمین دجال ہے اور یزید ہے اس لئے کہ اس نے صحابہ رضی اور اماموں کے روضے اور قبریں گرائیں۔ عمرو نے کہا کہ یہ اس نے کوئی جرم نہیں کیا۔ اگر تو اس نے صحابہ رضی کے بغض و عناد سے ایسا کیا ہے تو وہ مجرم ہے ورنہ اس نے حدیث شریف پر عمل کیا ہے۔

" وعن ابی الھیاج الاسدی قال قال لی علی الا ابعثک علی ما بعثنی علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا تدع تمثالا الا طمستہ ولا قبرا مشرفا الا سویتہ۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ ص۱۴۸)۔

دوسری کتاب "نصیحۃ الاسلام" میں حضرت حافظ محمد صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ یہ بدعت ہے۔ اب آپ فرماویں کہ یہ قبریں گرانا کیسا ہے؟

الجواب قبور پر پختہ فرش اور گنبد بنانا ناجائز اور حرام ہے۔ بنانے والے اور جو اس فعل سے راضی ہوں گنہگار ہیں اور آنحضرت علیہ السلام کی مخالفت کرنے والے ہیں۔ مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

" قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر وان یبنی علیہ وان یقعد علیہ "

جب گنبد بنانا اور قبہ جات تعمیر کرنا گناہ ٹھہرا تو اس گناہ کا ازالہ کرنے والے مستحق اجر ہوں گے نہ کہ مورد طعن۔ لہٰذا ابن سعود کو اس فعل کی بنا پر دجال کہنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم

نوٹ: نیز یہ بھی پوری طرح ثابت نہیں ہو سکا کہ ان قبہ جات کا گرانا ابن سعود کے حکم سے تھا۔ بلکہ بعض واقف حضرات کی رائے یہ ہے کہ زمانہ انقلاب میں جب کہ شریف حسین پر ابن سعود کا غلبہ ہوا تو بعض لوگوں نے ایام بلوی میں اس کا ارتکاب کیا تھا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ
۱۴ / ۵ / ۱۳۷۰ھ

الجواب صحیح
خیر محمد عفی عنہ

دعا عند القبر میں توجہ کدھر ہو

زیارت قبر کا شرعی اور مسنون طریقہ کیا ہے؟ دعا کرتے وقت استقبال الی القبر اولیٰ ہے یا استقبال الی القبلہ۔ اور دعا کرتے وقت تشہد

الی القبر قبر کی بے ادبی نہیں؟ محمد یاسین ادارہ تعلیم القرآن پشاور

الجواب شرح "شرعۃ الاسلام" میں ہے۔ قال فی الاحیاء والمستحب فی زیارۃ القبور ان یقف مستدبر القبلۃ مستقبلاً بوجہہ المیت الخ

اس روایت سے معلوم ہوا کہ دعا کرتے وقت میت کی طرف متوجہ ہو کر قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے کھڑا ہو۔ ہاتھ اٹھانا دعا کے وقت ثابت نہیں۔ فتاوی دار العلوم۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق غفرلہ
۲۵ / ۱ / ۱۳۹۹ھ

لحد کتنی وسیع ہو؟ لحد کتنی وسیع ہونی چاہئے؟ بعض کہتے ہیں کہ اتنی ضروری ہے کہ میت اس میں بیٹھ سکے۔ کیا یہ ضروری ہے؟

الجواب لحد کے بارے میں اتنی بات لکھی ہے کہ وسیع اور فراخ ہو جس میں مردہ اچھی طرح لٹایا جا سکے اور کوئی خاص تحدید لحد کے بارے میں وارد نہیں۔ اور یہ جو مشہور ہے کہ لحد اس قدر اونچی ہو کہ میت اس میں بیٹھ سکے یہ کچھ ضروری شرط نہیں۔ کذا فی فتاوی دار العلوم ج ۵ ص ۳۸۶۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح، خیر محمد عفا اللہ عنہ
بندہ محمد اسحاق غفرلہ

میت کو لحد میں کروٹ دی جائے صرف رخ قبلہ کی طرف کرنا کافی نہیں

یہاں ایک عورت فوت ہو گئی جب اس کی میت کو لحد میں اتارنے لگے تو ایک بزرگ نے جو کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے مرحومہ کو پہلو کے بل اس طرح لٹوایا کہ اس کی کمر لحد سے لگ گئی۔ تو میت کو لحد میں کس طرح لٹانا چاہئے۔

الجواب فی الہندیۃ الفصل السادس ج ۱ ص ۱۶۶ ویوضع فی القبر علی جنبہ الایمن مستقبل القبلۃ اھ روایت بالا سے معلوم ہوا کہ بزرگ مرحوم نے جو کیا وہ سنت ہے۔ سب کے لئے بھی اسی طرح کرنا چاہئے اور عام رواج کو چھوڑ دینا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح، خیر محمد عفا اللہ عنہ
بندہ محمد اسحاق غفرلہ ۸ / ۲ / ۱۴۰۵ھ

دفن کے بعد تلقین کا حکم اور اس کے الفاظ

مراقی الفلاح ص ۱۱ ۔ تلقینہ بعد ما وضع فی القبر مشروع ونسب لاہل السنۃ والجماعۃ وقیل لا یلقن فی القبر ونسب الی المعتزلۃ ۔

مراقی الفلاح میں لکھا ہے کہ تلقین بعد دفن کے جائز ہے یہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے اور معتزلہ اس کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ اور اس میں تلقین کا طریقہ بھی لکھا ہے۔ مراقی میں یہ بھی لکھا ہے کہ صحابہ کرام جو تلقین بعد دفن کو مستحب سمجھتے تھے اور کرتے تھے۔ آپ اس سلسلہ میں وضاحت فرمائیں۔ نیز تلقین کے الفاظ بھی تحریر فرمائیں۔

حافظ غلام حسین ۔ دولت گیٹ ملتان

الجواب دفن تلقین کی صورت یہ ہے کہ قبر میں رکھنے کے بعد ایک صاحب (جو ذی علم ہو) میت کو خطاب کر کے یوں کہے کہ ۔ یا فلاں ابن فلاں یاد کر اس دین کو جس پر تو تھا۔ یعنی اس بات کی شہادت کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہیں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اور یہ کہ جنت برحق ہے اور جہنم کا عذاب حق ہے۔ اور موت کے بعد جی اٹھنا حق ہے۔ اور قیامت یقیناً آنے والی ہے اور تمام قبروں والوں کو اللہ تعالیٰ زندہ کریں گے۔ اور تو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر، قرآن پاک کے امام اور کعبہ کے قبلہ ہونے پر اور تمام مومنین کے بھائی ہونے پر راضی تھا۔ طریقہ بالا سے تلقین (لحد میں رکھنے کے بعد) کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔

البتہ اس طرح پر تلقین کرنا اولیٰ ہے یا نہ کرنا ۔ اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔ ترجیح یہی ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک نہ کرنا اولیٰ ہے اور حدیث "لقنوا موتاکم" مجاز پر محمول ہے۔ اور خیریہ اور کافی میں شیخ زاہد صفار سے تلقین کرنے کو راجح لکھا ہے۔ فقط واللہ اعلم (شامی[1] ج ۱، ص ۱۹۱)۔

الجواب صحیح
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق غفر لہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

---

[1] شامی کی عبارت یہ ہے۔ (قولہ ولا یلقن بعد تلحیدہ) ذکر فی المعراج انہ ظاہر الروایۃ ثم قال وفی الخبازیۃ والکافی عن الشیخ الزاہد الصفار ان ہذا علی قول المعتزلۃ لان الاحیاء بعد الموت عندہم مستحیل اما عند اہل السنۃ فالحدیث

بقیہ حاشیہ برصفحہ

بعض مشقة فانه يحتمل وهو قول الشعبي وابن سيرين ..... وذكر المستملي حديث سموا اسقاطكم فانهم فرطكم اھ شامیہ ج ا ص [illegible]

مردہ بچہ کو دفن کیا جانا وغسل کیا جانا عبارت بالا سے صریح ہے۔ گویا یہ مستورین فی الحکم زندہ بچہ کے حکم میں ہے جس کے لئے قبرستان میں دفن کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں، قبرستان میں ہی اسے دفن کیا جا سکتا ہے کوئی دلیل اس کے خلاف ہو تو تحریر کی جائے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۵ / [illegible] / ۱۴۰۰ھ

قبر پر دعا کرتے ہوئے رفع یدین کا حکم

(۱) بعد دفن قبر پر دعا مانگنے کے لئے قبر کی طرف کو کھڑے ہونا سنت ہے یا قبر کے ایک طرف ہٹ کر؟

(۲) دعا مانگتے وقت ہاتھ اٹھانا کیسا ہے؟

الجواب (۱) دونوں طرح جائز ہے اور ایک موقوف حدیث میں "علی قبره" کے الفاظ ہیں جس سے اور گرد کھڑے ہونا معلوم ہوتا ہے۔

(۲) ہاتھ اٹھانے ہوں تو قبر سے ہٹ کر قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا کرے ورنہ بلا ہاتھ اٹھائے دعا کرے۔

فتح الباری ج ۱۱ ص ۱۲۲ میں ہے۔

"وفي حديث ابن مسعود رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم في قبر عبد الله ذي البجادين الحديث وفيه فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعا يديه اخرجه ابو عوانة في صحيحه" (دارالعلوم ج ۵ ص [illegible])۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ [illegible] ۱۴۰۰ھ

قبروں پر کھانا پکا کر کھلانا جائز نہیں

دفن کے بعد قبر پر کھانا پکا کر کھلاتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب قبرستان عبرت کی جگہ ہے قبور کو دیکھ کر عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ وہاں دعوتوں کا انتظام کرنا درست نہیں، معہذا قبر کے پاس آگ جلانا بھی ممنوع ہے اس سے میت

کو تکلیف ہوتی ہے۔

وكان ينبغي ان لا يقرب الميت بشيء من اثر النار حملاً لما ورد في الحديث من النهي من اتباع الميت بالنار فما بالك بها لو وقد عند القبر

(مسند حنبل، ج ۳، ص ۲۲)

ويكره اتخاذ الطعام الخ قوله ونقل الطعام الى القبر في المواسم اھ

(شامی ج ۱، ص [illegible]) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
خادم دارالافتاء خیر المدارس ملتان

قبر پر چھڑکاؤ کرنے کا حکم

ایک قبرستان میں دیکھا گیا کہ ایک میت کا رشتہ دار آیا اور اس نے دو ڈبے پانی کے بھرے اور ٹھنڈک کرنے کے لئے قبر پر چھڑکے، ایسا فعل کرنا کیسا ہے؟ کرم الٰہی راولپنڈی۔

الجواب مٹی جمانے کے لئے جائز ہے۔ ولا بأس برش الماء عليه حفظاً لترابه عن الاندراس اھ (شامی ج ۱، ص [illegible])

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۔ ۱۳۹۹ھ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

بہت ہی پرانی قبروں میں نئی تدفین کا حکم

قبرستان میں جو قبریں بہت پرانی ہو جاتی ہیں اور مٹی سی ہو جاتی ہیں ان میں دوسرے نئے مردہ کو دفن کرنا کیسا ہے؟

الجواب اگر پہلا مردہ بوسیدہ ہو کر مٹی ہو گیا ہو تو نئی میت کو اس جگہ دفن کرنا جائز ہے۔ قال الزيلعي ولو بلي الميت وصار تراباً جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه اھ (شامی ج ۱، ص [illegible]) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

وقف قبرستان میں زندگی میں قبر بنوانے کا حکم

زید عمر رسیدہ ہے۔ اشتغال دنیوی بظاہر ختم کر کے اپنے آخری عمر گوشہ نشینی میں طے کر رہا ہے۔ زید کی تمنا ہے کہ قبرستان میں اپنی قبر خود تیار کروالے تاکہ وقت پر احباب کو تکلیف نہ ہو۔ تو ذہن میں کچھ اشکال سا ہے کہ شاید جائز نہ ہو۔ تو براہ مہربانی اس کا حل فرمادیں۔ حاجی غلام قادر بہاولپور

الجواب: شامی میں تحریر ہے کہ اپنے لیے قبر بنوانا درست ہے بلکہ اس پر ثواب کی بھی امید ہے۔ حه ۔۔ يحفر قبرا لنفسه الخ وفي التاتارخانية ۔ ومن به ويؤجر عليه هكذا عمل عمر بن عبد العزيز والربيع بن خثيم وغيرهما اهـ (شامية، ج ۱، ص ۶۶۳)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ۔ ملتان

مٹی ڈالتے وقت قبر بیٹھ جائے تو میت کو نکالا جائے

ایک شخص فوت ہوگیا اور دفن کرنے کے لیے جب قبر میں اتارا اور مٹی ڈال رہے تھے تو بوجہ سیم زدہ ہونے اراضی کے، قبر بیٹھ گئی۔ شریعت محمدی میں کیا حکم ہے۔ کہ دوسری قبر کھود کر میت رکھی جائے یا اسی قبر کو پاٹ دیا جائے۔ قبر کھودنا الٹی اور مٹی ہونے کی وجہ سے گر کر نیچے جا رہی۔ تفصیل سے بیان فرمائیں۔

الجواب: اگر مٹی ڈال چکے ہوں تو اسی قبر کو درست کر دیا جائے میت کو نہ نکالا جائے۔ ولا يخرج منه بعد اهالة التراب الا لحق آدمي اهـ

(شامی، ج ۱، ص ۸۳۹)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۷ر۱ر۱۳۹۴ھ

لاوارث میت کو کہاں دفن کیا جائے

ایک عورت کی نعش ملی ہے۔ یہ پتہ نہیں کہ وہ عقیدے اور مذہب کے لحاظ سے کیا تھی۔ کیا اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر سکتے ہیں؟

الجواب مذکورہ عورت کو جنازہ پڑھنے کے بعد مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جاوے۔

ولو وجد میت او قتیل فی دار الاسلام فالصحیح انه یغسل ویدفن فی مقابر المسلمین لحصول غلبة الظن بکونه مسلماً بدلالة المکان وهی دار الاسلام بقیه وهل یعمل بدلیل المکان وحده الصحیح انه یعمل به لحصول غلبة الظن عنده اه (بدائع ج ۱ ص ۳۰۳) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد صدیق غفرلہ مدرسہ خیر المدارس ملتان

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
۹-۱ — ۱۳۹۳ھ

ارض غیر میں بلا اجازت قبر بنالی جائے تو مسمار کرنے کا حکم

ایک جگہ جو سرکاری ملکیت ہے۔ وہاں لوگوں نے بلا اجازت قبریں بنا لی ہیں۔ ایک آخری قبر جس کے بارے میں یہ اطلاع ہے کہ وہ ۱۹۶۵ء میں بنائی گئی ہے جو کہ درست میں نہیں آرہی مگر باقی جو قبریں ہیں ان کا کوئی وارث نہیں ہے۔ وہ قبریں ان کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ کن لوگوں کی ہیں؟ کیا حکومت اس جگہ کو اپنی ضرورت کے لئے استعمال کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب جب یہ جگہ سرکاری ملکیت ہے اور قبریں بلا اجازت بنائی گئی ہیں تو حکومت زمین ہموار کرکے اسے اپنی ضرورت کے لئے استعمال کرسکتی ہے۔

(ولا یخرج) منه بعد اهالة التراب (الا) لحق آدمی کان تکون (الارض مغصوبة او اخذت بالشفعة) ویخیر المالك بین اخراجه ومساواته بالارض کما جاز زرعه والبناء علیه اذا بلی وصار ترابا (شامیہ ص ۹۲۲ ج ۱)

فقط محمد انور

غلطی سے قبر پختہ بنا دی گئی تو کیا کیا جائے

میں نے اپنے والد محترم کی تربت بوجہ شکستہ ہونے کے پکی کروادی۔ یعنی پکی قبر کے چاروں طرف اینٹیں کا بند بنا کر باقی قبر پر پانی وغیرہ چھڑکنے کے بعد سیمنٹ کروادیا تاکہ بارش یا کسی اور وجہ سے

الجواب ایسی وصیت کرنا درست نہیں ہے اور اسکو پورا کرنا بھی لازم نہیں۔ عام قبرستان میں دفن کرنا مسنون ہے۔

ولا ينبغي أن يدفن الميت في الدار ولو كان صغيرا لاختصاص هذه السنة بالانبياء اه قال ولا يدفن صغير ولا كبير في البيت الذي مات فيه فإن ذلك خاص بالانبياء بل ينقل الى مقابر المسلمين۔ (شامی ج ۱ ص [illegible]) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان [illegible]

نیم پختہ قبر کا حکم

(س) اگر قبر کی چاروں طرف سے اینٹوں کی سیمنٹ چنائی کی گئی ہو اور اوپر سے بارش وغیرہ کے نقصان سے بچانے کے لئے ایک دو بالشت کنارے پختہ کئے جائیں تو کیا ایسی قبر پر بھی پکی قبر ہونے کا اطلاق ہوتا ہے؟

پختہ حصہ
کچا حصہ
پختہ حصہ
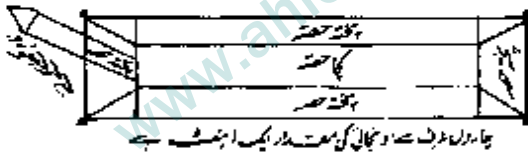
چاروں طرف سے اونچائی کی مقدار ایک اینٹ ہے

الجواب مذکورہ صورت سلف کے عمل کے خلاف ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان [illegible]

قبر میں پیسے رہ جائیں تو نکالنے کے لئے نبش قبر کا حکم

(س) ملک اشرف کا لڑکا محمد اکرم فوت ہوگیا دفن کرتے ہوئے ملک اشرف کے تقریباً ساڑھے چار ہزار (۴۵۰۰) روپے قبر میں رہ گئے اور یقین کامل ہے کہ وہ قبر میں ہی ہیں کیا اس مقصد کے لئے قبر کھودنا جائز ہے؟

الجواب صورت مسئولہ میں قبر اکھاڑ کر وہ رقم نکالی جا سکتی ہے۔ قوله ولا ينبش ليوجه اليها الخ ولو بقي فيه متاع لانسان فلا بأس بالنبش اھ (شامی ج۱ ص۶۲۶) فقط واللہ اعلم۔

الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۶ / ۴ / ۱۳۹۷ھ

قبر پر اذان دینا بدعت ہے

میت کو قبر میں دفن کرنے کے بعد قبر کے اوپر اذان دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب قبر پر اذان دینا کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں۔ لہٰذا بدعت ہے۔ وفی الاقتصار علی ما ذکر من الوارد اشارة الی انه لا یسن الاذان عند ادخال المیت فی قبره کما هو المعتاد الآن وقد صرح ابن حجر فی فتاواه بانه بدعة اھ (شامی ج۱ ص۸۳۹) فقط واللہ اعلم۔

الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۲ / ۳ / ۱۳۹۳ھ

عام قبرستان میں تدفین بہتر ہے

ایک آدمی نے تبلیغی مرکز کے لئے جگہ خرید کی، اس میں سے کچھ جگہ مسجد کے لئے مخصوص کر دی گئی۔ رہائش گاہ بنا دی۔ اور کچھ جگہ اپنی قبر کے لئے مختص کر دی۔ کیا جگہ کی یہ تعیین درست ہے؟

الجواب مذکورہ جگہ میں قبر بنانا درست ہے مگر بہتر یہ ہے کہ یہاں قبر نہ بنائی جائے۔ عام قبرستان میں تدفین شریعت میں زیادہ پسندیدہ ہے۔ ولنعم ما قیل۔

شاہوں کے مقبرے سے الگ کچھ دور سے ہم فقیروں کو گور غریباں پسند ہے

ولا یدفن فی مدفن خاص کما یفعله من یبنی مدرسة ونحوها ویبنی له بقربها مدفنا اھ (شامی ج۱ ص۶۲۶) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۹ / ۲ / ۱۳۹۹ھ

قبرستان کے راستہ پر چلنے کا حکم

۱۔ ایک بستی سے ملحق ایک سو سال پرانا قبرستان ہے جس کے ایک حصہ میں قبروں کے نشان مٹ چکے ہیں۔ اس جگہ لوگ مویشی باندھتے ہیں اور راستہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اب بعض اہل دہ کا ارادہ ہے کہ قبرستان کو بے حرمتی سے بچایا جائے۔ اور قبرستان کے جس حصہ میں قبریں مٹی ہوئی ہیں ایک شاہراہ بنا دی جائے اور باقی قبرستان کی بذریعہ فصیل حفاظت کی جائے۔ کیا قبرستان کی زمین کو ان لوگوں کے لئے شاہراہ بنانا جائز ہے؟ قبرستان کافی پرانا ہے کبھی کبھار بارش کے موقع پر لحد وغیرہ ظاہر ہوتی ہے۔ اور کبھی ہڈیاں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ لیکن میت صحیح حالت میں کبھی دیکھنے میں نہیں آتی۔ یہ قبرستان پہلے دہ کے شاملات میں شمار ہوتا تھا۔ بندوبست جدید میں اس کو قبرستان کے نام منتقل کر دیا گیا ہے کسی کی مملوکہ نہیں ہے بعض لوگوں نے کچھ حصہ پر قبضہ کر رکھا ہے۔ کیا یہ قبضہ درست ہے؟

۲۔ کیا قبرستان کے درخت بیچ کر ان کی آمدنی سے قبرستان کی حفاظت کیلئے فصیل وغیرہ بنانا جائز ہے؟

۳۔ پرانے قبرستان کی زمین کو فروخت کر کے قبرستان کی مشترکہ ضروریات پر رقم استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

قبرستان کے کسی حصے کو راستہ بنانا درست نہیں۔ قبرستان میں جو راستہ نیا بنایا جائے اس پر چلنا درست نہیں جیسا کہ شامی میں ہے۔

۱۔ ویکرہ المشی فی طریق ظن انہ محدث حتی اذا لم یصل الی قبرہ الا بوطء قبر ترکہ۔ (ردالمحتار شامی ج۱ ص ۴۳۹)

اس حصہ کو بھی قبرستان کی چار دیواری میں شامل کیا جائے۔

۲۔ سئل القاضی الامام شمس الائمہ محمود الاوزجندی عن المقبرۃ فی القری اذا اندرست ولم یبق فیہا اثر الموتی لا العظم ولا غیرہ ہل یجوز زرعہا واستغلالہا قال لا ولہا حکم المقبرۃ۔ (عالمگیری ج ۲ ص ۴۵۱)

۳۔ سئل نجم الدین فی مقبرۃ فیہا اشجار ہل یجوز صرفہا الی عمارۃ المسجد قال نعم ان لم تکن وقفا علی وجہ آخر قیل لہ فان تداعت حیطان المقبرۃ الی الخراب یصرف الیہا او الی المسجد قال الی ما ہی وقف علیہ۔ (عالمگیری ج ۲ ص ۴۵۲)

مذکورہ جزئیہ سے معلوم ہوا کہ ان درختوں کو بیچ کر اس قبرستان پر صرف کرنا درست ہے۔

۳۔ اگر کسی فرد واحد کی ملکیت نہیں تو فروخت کرنا درست نہیں۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۳؍۴؍۱۳۹۹ھ

بہت نرم زمین میں پختہ قبر بنانا جائز ہے

اگر زمین بہت نرم ہو اور پانی بھی بالکل قریب ہو تو کیا قبر کے اندر کے حصہ میں پختہ اینٹیں اور سیمنٹ لگانا جائز ہے؟

الجواب جائز ہے۔ وجاز ذلك حوله بأرض رخوة كالتابوت اھ (درمختار)۔ وفي الرد في شرح قوله ذلك أي الآجر اھ شامی (ج ۱ ص ۸۳۹)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
۸؍۱۲؍۱۳۹۵ھ

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

اپنی مملوکہ زمین میں قبر بنوانے کا حکم

اپنی ملکیت میں اپنی حیات میں قبر تیار کرانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب جائز ہے۔ وفی رد المحتار وفي التاتارخانية لا بأس به ويؤجر عليه هكذا عمل عمر بن عبد العزيز والربيع بن خثيم وغيرهما اھ (ج ۱ ص ۸۴۲)۔

فقط واللہ اعلم
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۸؍۱۲؍۱۳۹۵ھ

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

تدفین مکمل ہو جانے کے بعد قبر بیٹھ جائے تو میت کو نہ نکالا جائے

ایک عورت کی قبر دفن کرتے وقت بیٹھ گئی۔ کیا اس عورت کو نکال کر دوسری قبر تیار کر کے دفن کر سکتے ہیں یا اسی طرح مٹی ڈال دیں۔ اگر دفن کرنے کے بعد مٹی بھی برابر کردی

بچہ قبر بیٹھ گئی تو کیا حکم ہے، ان احکام میں عورت اور مرد کا ایک ہی حکم ہے یا فرق ہے؟

الجواب: اگر نعش مٹی ڈالنے پر قبر بیٹھ گئی تو اختیار ہے۔ چاہے دوسری جگہ قبر منتقل کی جائے چاہے اسی کو درست کر دیا جائے۔ اور اگر قبر تیار ہو جانے کے بعد گری ہے تو اب اوپر سے مٹی درست کر دی جائے میت کو نہ نکالا جائے۔ کیونکہ دفن کے بعد اس وجہ سے میت کو نکالنا درست نہیں۔ ولا یخرج منہ بعد اھالۃ التراب الا لحق آدمی اھ (شامی ج ۱ ص ۸۴۰) وکذا فی فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۵ ص ...) اور مرد و عورت کی قبر کا حکم اس بارے میں یکساں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔
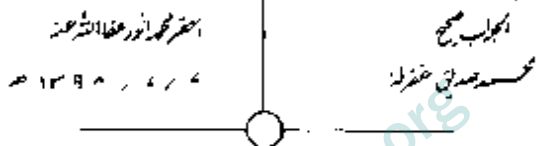
الجواب صحیح
محمد صدیق غفرلہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
۶ / ۸ / ۱۳۹۸ھ

میت کو لکڑی کے تابوت میں رکھنے کا حکم

سوال: لکڑی کے صندوق میں میت رکھنی جائز ہے یا نہیں؟ قبر کے اندر پکی اینٹ لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر زمین بہت نرم ہو تو بوجہ ضرورت تابوت کا استعمال درست ہے ورنہ بلا حاجت مکروہ ہے۔

ولا بأس باتخاذ تابوت ولو من حجر او حدید عند الحاجۃ کرخاوۃ الارض (درمختار) یرخص ذلک عند الحاجۃ والا کرہ کما قدمناہ آنفاً اھ (شامی ج ۱ ص ...)۔

جس ضرورت سے تابوت جائز ہے اسی ضرورت کے وقت پکی اینٹ کا استعمال بھی درست ہے بہتر پھر بھی یہی ہے کہ اندر کچی ہو۔ اور گرد پختہ اینٹ لگا سکتے ہیں۔

قال مشائخ بخارا لا یکرہ الآجر فی بلدتنا للحاجۃ الیہ لضعف الاراضی (شامی ج ۱ ص ...)۔

فقط واللہ اعلم — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۷ / ۱۰ / ۱۳۹۸ھ

ضرورت کی وجہ سے قبر پختہ بنانے کا حکم

سوال: ہمارے علاقہ میں سیم آجکل ہے جب قبر کھودتے ہیں تو پانی نکل آتا ہے بعد میں بھی نہیں نکلتی ہوگی پختہ

قبروں بنا دیتے ہیں اس معاملہ میں ہمیں کیا کرنا چاہئے۔

الجواب جب یقین ہو کہ کسی طرح نہ ٹھہرے گی تو پختہ بنانے کی بھی گنجائش ہے لہٰذا زیادہ تشدد نہ کریں۔ قال مشایخ بخارا لایکرہ الآجر فی بلدتنا للحاجۃ الیہ لضعف الاراضی۔ الخ۔ (شامی ج ۱ ص ۸۳۷)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۲ جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روضۂ اطہر میں تدفین سے ممانعت کرنے کی وجہ

بخاری شریف ج ۱ ص ۱۸۶، کتاب الجنائز کے اندر ایک حدیث ہے جس پر شیعہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن نہ کرنا میں انہیں پاک نہیں سمجھتی، کیا یہ شیعوں کا اعتراض صحیح ہے؟

الجواب الف: مذکورہ حدیث سوال میں صحیح نقل نہیں کی گئی، اصل الفاظ یہ ہیں۔ لاتدفنی معھم وادفنی مع صواحبی بالبقیع لا ازکی بہ ابدا۔

ب: حدیث پاک کا ترجمہ بھی غلط ہے بلکہ تحریف ہے۔ حدیث پاک میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس کا یہ ترجمہ ہو کہ "میں انہیں پاک نہیں سمجھتی"۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری شریف میں تصریح ہے کہ "لا ازکی" مضارع مجہول کا صیغہ ہے، معنی یہ ہیں "ای لا یثنی علیّ بسببہ" (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۲۸)۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تواضعاً فرمایا کہ اگر میں روضۂ اقدس علیٰ صاحبہا الف الف التحیۃ والسلام میں دفن کی جاؤں تو اس تدفین کی وجہ سے لوگ میری تعریف و ثنا بیان کریں گے کہ دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا وہ مقام نہ تھا جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہے، اسی وجہ سے حضرت عائشہؓ کو روضۂ پاک میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ دفن کیا گیا ہے اور دیگر ازواج مطہراتؓ کو جنت البقیع یا دوسری جگہ دفن کیا گیا۔ میں اپنی یہ تعریف نہیں چاہتی، اس لئے روضۂ پاک میں حضور علیہ السلام اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ مجھے دفن نہ کیا جائے۔ جنت البقیع میں دیگر

ازواج مطہرات رضہ کے ساتھ دفن کیا جائے۔

"قال ابن بطال فیہ معنی التواضع کرہت عائشۃ ان یقال انہا مدفونۃ مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیکون فی ذالک تعظیما لہا (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۲۸)۔

نیز لمعۃ القاری میں تکملہ ابن اقباد کے حوالے سے حضرت عائشہ رضہ سے ایک حدیث نقل کی ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضہ کا یہ فرمانا کہ مجھے حضور علیہ السلام، حضرت ابو بکر صدیق رضہ اور حضرت عمر رضہ کے ساتھ دفن نہ کرنا، اس کی وجہ بھی ایک فرمان نبوی تھا۔ روضۂ اقدس میں جن جن حضرات کا دفن ہونا مقدر تھا ان کی تعیین خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کر دی تھی۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قلت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم انی لا اراني الا سأكون بعدك فتأذن لي ان ادفن الى جانبك فقال وانى لي بذلك الموضع ما فيه الا قبري وقبر ابي بكر وعمر وفيه عيسى بن مريم عليه السلام۔ (ج ۳ ص ۲۴۸ [illegible])۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ابتداءً روضۂ پاک میں تدفین کی خواہش تھی لیکن بمفہوم نبوی اور تواضع کے پیش نظر وہاں تدفین سے منع فرمایا۔ بہرحال - [illegible] نہیں کہ یہ حدیث کا مفہوم نہیں بلکہ بغض صحابہ کرام علیہم الرضوان سے لبریز کسی دشمن اسلام کے ذہن کی پیداوار ہے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ۔ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ | بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۱۹/۱/۱۴۰۰ھ

قبر پر دعاء کھڑے ہو کر کی جائے یا بیٹھ کر

س بعد دفن میت، کھڑے ہو کر دعاء کرنا کیسا ہے؟ مسنون ہے؟ استغفار اور دعاء کرنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ برفع یدین یا بلا رفع یدین۔ جواز یا عدم جواز کا سوال نہیں بلکہ مسنون طریقہ بتائیں کیسے ہے۔

الجواب افضل یہی ہے کہ کھڑے ہو کر دعاء کی جائے۔

"والسنۃ زیارتها قائما والدعاء عندها قائما کما کان یفعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الخروج الی البقیع۔"

(مراقی ص ۳۴۱)

یعنی دعا کے لئے ہے۔ اور اگر وہاں کچھ دیر ٹھہرنا ہو، جیسا کہ حدیث شریف سے اس کا استحباب معلوم ہوتا ہے تو پھر بیٹھ بھی سکتا ہے۔

" کما فی الدر المختار وجلوس ساعة بعد دفنه لدعاء وقراءة بقدر ما ینحر الجزور ویفرق لحمه وفی الشامیة لما فی سنن ابی داؤد كان النبی صلی اللہ علیه وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علی قبره وقال استغفروا لاخیكم واسئلوا الله له التثبیت فانه الآن یسئل اھ۔

وكان ابن عمر یستحب ان یقرء علی القبر بعد الدفن اول سورة البقرة وخاتمتها اھ (شامی ج۱ ص ۶۰۱)۔

اور طحطاوی و مراقی میں بھی اس جلوس کی بابت الفاظ تعلیل کی ہے۔

" ویستحب للزائر قراءة یٰس (مراقی) وفی الطحطاوی بعد ان یقعد لتادیة القرآن علی الوجه المطلوب بالسكینة والتدبر والاتعاظ اھ (ص ۴۳۴)۔

اور یہ دعا استقبال قبلہ کی صورت میں بشرطیکہ قبر سامنے نہ ہو تو رفع یدین کے ساتھ کر سکتا ہے۔ ورنہ بغیر رفع یدین ہی دعا کرے۔ اور رفع یدین کے ساتھ دعا کرنے والے سے الجھنا بھی نہ چاہئے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

قبر پہ غلاف ڈالنا شرعاً درست نہیں

ایک صحیح العقیدہ آدمی قبر سے اس واسطے غلاف اٹھا کر جلا دیتا ہے کہ جائز نہیں ہے۔ ایسا کرنے والے چند آدمی ہیں جو اٹھانے والے کے ساتھ تھے۔ آپ ہر ایک کا شرعی حکم صادر فرمائیں۔ اگر کوئی شریعت میں سزا وغیرہ ہو تو۔

الجواب: قبر پہ غلاف ڈالنا شرعاً درست نہیں۔ لیکن امر بالمعروف بالید صاحب اقتدار لوگوں کے لئے ہے۔ عالمگیری میں ہے۔

" فإن الامر بالمعروف باليد على الامراء و باللسان على العلماء وبالقلب لعوام الناس " (الخ ج [illegible])۔

قبر پر غلاف ڈالنے سے مالک کی ملک ختم نہیں ہوتی۔ لہذا آنے والے پٹھان نے کسی پیر اگر جلانے والے کے گھر سے اتارا تھا اور نذر کرنے کے بعد اس کے سپرد کر دیا۔ تو اسے جلانے والے پر رجوع کا حق ہے۔ عالمگیریہ میں ہے

" قال قاضی خان الفتوی علی ان الاخذ ضامن علی کل حال ثم هل یرجع بذلك علی الامر ان كان دفع الماخوذ الی الامر یرجع " (الخ ج [illegible])۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲۹ ر ۱ ر ۱۴۰۳ھ

اگر مالک کا پتہ نہ چل سکے تو اسے بیچ کے پیسے اس کی طرف سے صدقہ کر دیئے جائیں۔

والجواب صحیح

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۹ ر ۱ ر ۱۴۰۳ھ

قبر پر کتبہ لگانا

قبر کو پختہ بنانے کی ممانعت تو حدیث میں پڑھی گئی ہے۔ اب یہ فرمائیں کہ قبر کو قائم رکھنے کے لئے کبھی کبھی مٹی کی لپائی کر دی جایا کرے تاکہ کبھی خود اور کبھی پسماندگان جو ہمارے پاس آتے ہیں فاتحہ خوانی کے لئے وہاں جانا چاہیں تو شناخت کے لئے پتھر کی سل لگا دی جائے جس پر متوفی کا نام لکھا ہوا ہو۔ قرآن و حدیث کے مطابق جائز ہے یا نہیں؟

۲: بڑے بڑے اولیاء کرام کی قبریں تمام تر پختہ ہیں یا اگر کچی ہیں تو ان کے اوپر شاندار گنبد پختہ بنا ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں بھی اظہار خیال فرمائیں۔

الجواب ضرورت ہو تو قبر کی حفاظت کے لئے لپائی کرنا اور کتبہ لگانا درست ہے۔ کتبہ پر آیات قرآنی وغیرہ مت لکھیں۔ نیز قبر سے قدرے ہٹ کر لگائیں۔

" اخرج ابوداؤد باسناد جید ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حمل حجرا فوضعه عند رأس عثمان بن مظعون وقال اتعلم به قبر اخی و ادفن الیه من مات من اهلی فان الکتابة طریق تعرف القبر بها " (شامی ج ۱ ص [illegible])۔

۲۔ شریعت کے تو خلاف ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ | احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۰/۲/۱۳۹۰ھ

قبر کو سجدہ کرنا سخت حرام ہے

س بعض لوگوں کا خیال ہے کہ کسی بزرگ مثلاً قبور وغیرہ کو سجدہ تعظیمی کرنا جائز ہے۔ کیا یہ جائز ہے یا نہ، اور اگر جائز نہیں تو جائز کہنے والوں کا کیا حکم ہے؟

الجواب بوسہ دینا قبور کو دیا، و دیگر محل مقام کو اور طواف کرنا قبر کے گرد، اور تعظیماً سجدہ کرنا، یہ سب عادت نصاریٰ وطریقہ پرستش کفار ہے۔ حضرت علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ اپنی کتاب شرح مناسک میں باب زیارت مزار پرانوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"لا یطوف ای لا یدور حول البقعۃ الشریفۃ لان الطواف من مختصات الکعبۃ المنیفۃ فیحرم حول قبور الانبیاء والاولیاء ولا عبرۃ لما یفعلہ العوام الجہلۃ الی ان قال واما السجدۃ فلا شک انہا حرام۔" (شرح المناسک، ص ۳۰۰ بحوالہ فتاویٰ ج ۱ ص ۱۰)

قال اللہ تعالیٰ "لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا للہ الذی خلقہن" الآیۃ (حم السجدہ) وقال تعالیٰ "وان المساجد للہ" الآیۃ (سورۃ جن)۔

دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حیرہ گیا۔ میں نے ان لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں جبکہ آپ اس کے مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں کسی کے لئے سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو عورتوں کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کیا کریں۔ (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۸۰)

بہر حال، آیات شریفہ، حدیث صحیح اور اجماع امت سے سجدہ تعظیمی کا عدم جواز ثابت ہے۔

اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے قصہ سے استدلال درست نہیں۔ کیونکہ یہ پہلی شریعت کی بات ہے۔ جو ہماری شریعت میں منسوخ ہو گئی ہے۔ نیز ہو سکتا ہے کہ سجدہ حقیقی نہ ہو۔ جیسا کہ تفسیر جلالین میں ذکر ہے۔

وخروا له سجدا سجود انحناء لا وضع جبهة وكان تحيتهم في ذلك الزمان (ص[illegible])۔

الغرض شریعت محمدیہ میں تعظیمی سجدہ بالکل ناجائز اور حرام ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ	الجواب صحیح
خیر المدارس۔ ملتان۔	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲ محرم ۱۳۹۶ھ

دفن مسنون طریقے پر نہ ہو تو نبش کا حکم

حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ کو اس طرح دفن کیا گیا کہ زمین پر ایک پختہ چبوترہ تعمیر کر کے اس پر تابوت مبارک رکھ کر اردگرد اور اوپر مٹی ڈال کر قبر کی شکل بنا دی گئی۔ کیا یہ تدفین درست ہے؟ یا اسے ختم کر کے دوبارہ مسنون طریقہ پر انہیں دفن کیا جائے؟ مفصل و مدلل جواب سے نوازیں۔

الجواب: یہ امر اس وقت زیر بحث نہیں کہ حضرت قدس سرہ کے لئے تدفین کا جو طریقہ اختیار کیا گیا تھا وہ خلاف سنت اور مکروہ تھا۔ یا بعض اعذار کی بناء پر اس کی بھی گنجائش اجازت دی جا سکتی تھی۔ کیونکہ اگر اس تدفین کو خلاف سنت بھی قرار دیا جائے تو بھی ظاہر یہی ہے کیونکہ یہ مسلّم ہے کہ محض کراہت تدفین کے سبب نبش میت کی شرعاً اجازت نہیں دی جا سکتی۔ بلکہ محقق دفن کے بعد نبش حرام ہوگا۔ جیسا کہ کتب فقہ نیز سابقہ فتاویٰ میں مصرح ہے۔

اصل بحث اس وقت یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں نفس تدفین متحقق ہوئی یا نہ؟ مشروعیت دفن سے جو مقصود شارع ہے وہ حاصل ہوا یا نہ؟

یہ مسئلہ اجماعی ہے کہ دفن میت فرض کفایہ ہے۔ لیکن حقیقت دفن اور اس کی وہ ذاتیات کیا ہیں جن کے فوات سے دفن معدوم ہو جائے گا۔ بعض حضرات کے ہاں یہ ہے کہ تحقق دفن کے لئے حفر شرط ہے اور فرض ہے۔ بدون حفر کے دفن متحقق نہیں ہوگا۔ اور پھر غالباً حفر حسی یا حفر تقدیری کو بھی یہ حضرات کافی نہیں سمجھتے ہوگا۔ ادلہ شرعیہ اور لغت سے اس موقف پر کوئی واضح اور محکم دلیل موجود نہیں۔ ہاں دفن مسنون کیلئے حفر لحد

وهذا احد المعنى و المقصود منه المبالغة فى منع الرائحة ونبش السباع - (ج ۱ - ص ۸۳۵)۔

مندرجہ بالا عبارت نے مفہوم دفن کے اعتبار سے کسی تفسیر کی محتاج نہیں ہے سب کا مشترکہ مقولہ یہ ہے کہ مٹی میں نعش انسانی کو اس طرح سے چھپا دیا کہ درندے اس کو نہ اکھاڑ سکیں اور اس کا تعفن اور بدبو دوسروں تک نہ پہنچے دفن ہے ۔ اور اس سے یہی مقصود ہے ۔ اس حقیقت کی وضاحت کے لئے حضرات مفسرین کی چند عبارتیں لکھی جاتی ہیں۔

— علامہ قرطبی رح فرماتے ہیں ۔

"ثم اماته فاقبره" اى جعل له قبرا يوارى فيه اكراما ولم يجعله مما يلقى على وجه الارض تأكله الطير والعوافى قاله الفراء ۔ (ج ۱۹ - ص ۲۱۹)۔

— روح المعانی میں ہے ۔

"جعله ذا قبر توارى فيه جيفته تكرمة له لم يجعله مطروحا على الارض يستقذره من يراه وتتناوله السباع والطير"

(پ ۳۰ ص ۴۳)

تفسیر جلالین و جمل میں ہے ۔

"وجعله فى قبر يستره اى ولم يجعله مما يلقى للطير والسباع"

(پارہ عم)۔

قبر کی صفت تواری فیہ جیفتہ یہ وصف دال علی التعلیل ہے ۔ نیز اس کا مقابل ولم یجعله مما یلقی علی وجه الارض کو ٹھہرایا ۔ یہ تحریر دلالت علی المقصود کے بارے میں بالکل صریح ہے ۔ تحقق دفن کے لئے جیسے عمق ضروری نہیں ہے ایسے ہی کوئی حقیقی جو گڑھا کھود کر اس کے اندر کھودی گئی ہو با شق حقیقی ضروری معلوم نہیں ہوتی بوجوہ ذیل

— الف ۔ نعش کا ذکر بدون کھود شق کے گڑھے میں دبانے کا ذکر ہے ۔ فقہ نے اس پر لفظ دفن کا اطلاق کیا ہے ۔ جیسا کہ بحوالہ تحریر پہلے ذکر ہوا ۔

نہیں۔ کما مر۔ چنانچہ قبل ازیں مطبوعہ رسالہ کے مطابق پاک و ہند کے معتمد ترین دارالافتاء اس کو بھی سے تدفین قرار دے چکے ہیں۔ پس صورت مسئولہ میں مزار شریف کو دوبارہ کھولنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ اور اس پر نبش کے احکام جاری ہوں گے۔

تنبیہ: واضح رہے۔ ومفادہ انہ لا یجزی دفنہ علی وجہ الارض اس کے خلاف نہیں۔ اولاً: اس لئے کہ یہ علامہ شامی رحمہ اللہ کا استنباط ہے۔ کتب حنفیہ میں صراحۃً یہ جزئیہ کہیں مذکور نہیں۔ جیسا کہ علامہ موصوف نے خود اس کا اعتراف کیا ہے۔ اور مفادہ کا لفظ بھی اسی طرف مشعر ہے۔

ثانیاً: اس لئے کہ دلائل بالا کی بناء پر اس کی تاویل ضروری ہے۔ لا یجزی دفنہ علی الوجہ المسنون والمتوارث جمعاً بین الادلۃ۔

ثالثاً: برتقدیر تسلیم ظاہر جواب یہ ہے کہ متنازعہ صورت کو جزئیہ ہذا کے تحت داخل کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ زیر بحث صورت میں تابوت کے ارد گرد دیوار بنا کر چھت لگائی گئی ہے۔ پھر اس کے چاروں طرف دور تک پانچ فٹ اونچی مٹی ڈال کر اسے سطح مسجد کے برابر کر دیا ہے اور اس کے اوپر قبر کا نشان بنا دیا گیا ہے۔ ماخوذ مطبوعہ رسالہ۔

اب سنا ہے کہ اس صحن کو مزید وسیع کرنے کے لئے ارد گرد مزید مٹی ڈال کر وہاں پر مدرسہ کی تعمیر ہو گئی ہے۔ اور یہ ساری سطح زمین بلند ہو گئی ہے۔ جس کے ایک حصہ میں گویا بصورت شق تابوت مدفون ہے۔ اور جزئیہ میں جو صورت بیان کی گئی ہے وہ قطعاً اس سے مختلف ہے۔ وہ صورت یہ ہے کہ لاش زمین پر رکھ کر ارد گرد اینٹیں لگا دی جائیں جس سے قبر کی سی صورت بن جائے۔ اور اسے گہرائی میں چھپایا نہ جائے اور ظاہر ہے کہ اس سے منشاء شریعت اور مقصود تدفین حاصل نہیں ہو سکتا۔ اینٹوں کے اکھڑنے اور حشرات الارض کے سوراخ وغیرہ کی صورتوں میں نعش کی بدبو پھیلنے اور لقمہ حیوانات بن جانے کا احتمال بعید از قیاس نہیں اور پختہ اور چونا گچ کرنا جزئیہ میں مذکور نہیں۔ اور کیا یہ چیزیں ہر ایک کو بسہولت میسر ہو سکتی ہیں؟ اور اسلامی سادگی کی خلاف ورزی تو ظاہر ہے۔ الغرض صورت زیر بحث کو جزئیہ ہذا کے تحت داخل کرنا غلط ہے۔ زیر بحث صورت میں منشاء شریعہ دفن کی تکمیل ظاہر ہے اور جزئیہ کی صورت میں یہ منشاء پورا نہیں ہوتا اور اسی طرح فرمان نبوی

احفروا واعمقوا واحسنوا وادفنوا الاثنین والثلاثۃ فی قبر واحد

ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

تقریباً نو سال حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری قدس سرہ کی وفات کو ہو چکے ہیں۔ وہاں ان کی نعش مبارک کو تابوت میں رکھ کر اس کے چہار طرف نیچے اوپر پکی اینٹیں لگا کر قبر کے اردگرد ازتیس ۳۲ فٹ لمبا ، بتیس ۳۲ فٹ چوڑا ، اور پانچ فٹ اونچی مٹی ڈال کر چبوترا بنایا گیا ہے جس کی بناء پر بالیقین یہ صادق آتا ہے کہ حصل الدفن یعنی مواراۃ المیت فی التراب دفن کا معنی اور مقصد یہی ہے ۔ حفر کر دفن کی مسنون شکلیں ہیں ۔ نفس دفن ان پر موقوف نہیں ۔ جیسا کہ مفتی صاحب نے جواب میں واضح فرمایا ہے ۔ لہٰذا دفن کے تحقق کے بعد اگر وہ خلاف سنت بھی ہو چکا ہو نبش حرام ہوگا ۔ بناءً علیہ اب ضروری ہے کہ حضرت رائپوری رح کے مریدین اور متوسلین اور خدام تمام محنت وسعی کو حضرت رح کے اسوۂ حسنہ کے احیاء اور اشاعت طریق میں خرچ کریں ۔ اہل اسلام میں پہلے بھی کافی اختلافات اور انتشار برپا ہے ۔ اب یہ بحث نو سال بعد چھیڑنا مزید موجب افتراق اور تشتت ہوگا ۔ جو کسی قسم کی اسلامی خدمت نہیں ہوگی ۔ بلکہ اعداء اسلام کے لئے باعث شماتت ہوگا ۔ اس لئے اس بحث کو ہماری رائے میں ختم کرنا بالکل مناسب ہے ۔ فقط واللہ اعلم

والجواب صحیح	الجواب صحیح
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ
مفتی خیر المدارس ملتان ۔ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ	نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۔

میت کی وصیت کردہ جگہ میں دفن کرنے کیلئے دفن کے بعد قبر کھود کر میت لے جانے کا حکم

حضرت رائپوری رحمہ اللہ کا لاہور میں انتقال ہوا اور ان کے وارثوں میں سے بھائی اور بھتیجے موجود تھے انہوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے آبائی وطن میں تدفین کی ۔ کچھ حضرات حضرت رح کی میت مبارک کو ہندوستان منتقل کرنے پر اصرار کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت رح نے وصیت کی تھی کہ مجھے وہاں دفن کیا جائے ۔

: میت کا حق تدفین کس کو ہے ؟ اگر وارث حق تدفین کو استعمال کرتے ہوئے ایک جگہ دفن

کر دیں تو وہ میت کے متعلقین کو اس کے خلاف دفن کا جواز ہے یا نہیں؟

۲ : اگر میت کسی جگہ دفن کی وصیت کر گئے ہوں تو مستحق تدفین کو اس پر عمل کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

۳ : اگر خلاف وصیت میت تدفین عمل میں آ چکی ہو تو موافق وصیت اس میت کو نکال کر دوسری جگہ دفن کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب : میت کی تجہیز و تکفین کا حق ولی اقرب کو حاصل ہے جیسا کہ حوالہ ذیل سے ظاہر ہے۔ نماز جنازہ میں حق تقدم کس شخص کو حاصل ہے؟ اس مسئلہ کے متعلق صاحب بحر لکھتے ہیں کہ:

" وفسر الولی: بانه اقرب الناس الیه والولایة له فی الحقیقة کما فی غسله وتکفینه وانما یقدم السلطان علیه اذا حضر کیلا یکون ازدراء به " (بحر ج ۲ ص [illegible])۔

وفی الدر المختار: ویغسل المسلم ویکفن ویدفن قریبه " (شامی ج [illegible])۔

یہ جزئیہ بھی اس مسئلہ پر بالکل صحیح ہے۔ گو یہ غیر مسلم میت کے بارے میں ہے۔

۲ : واضح رہے کہ ایسی وصیت پر عمل کرنا لازم نہیں۔ قال فی الدر المختار (ج [illegible] ص [illegible] مع الشامیة) والفتوی علی بطلان الوصیة بغسله والصلوة علیه عزاه فی الهندیة الی المضمرات [illegible] ولو اوصی بان یصلی علیه غیر من له حق التقدم او بان یغسله فلان لا یلزم تنفیذ وصیته ولا یبطل حق الولی بذلک وکذا تبطل لو اوصی بان یکفن فی ثوب کذا او یدفن فی موضع کذا کذا فی [illegible] المحیط " ۔

۳ : دفن ہو جانے کے بعد عمل بالوصیت کی غرض سے قبر کو کھولنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ جیسا کہ اگر کسی میت کو بلا غسل و نماز کے دفن کر دیا گیا ہو تو نبش جائز نہیں۔

" ولو دفن بلا غسل او صلاة او وضع علی غیر یمینه او الی غیر القبلة فانه لا ینبش علیه بعد اهالة التراب کما مر "

(الشامیة ج [illegible] ص [illegible])۔

جب ترکِ غسل کی وجہ سے نبش جائز نہیں حالانکہ غسل فرض ہے ۔ اور اس کا کوئی قائم مقام بھی موجود نہیں تو خلافِ وصیت ہو جانے کے عذر کی بنا پر نبش کیسے جائز ہوگا ۔ جب کہ وصیت پر عمل کرنا نہ فرض ہے نہ واجب ۔ بلکہ فقہا نے ذات سے بطلان کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے ۔ الغرض جس وصیت پر دفن سے قبل عمل واجب نہیں بعد از دفن اس پر عمل کرنے کے لئے نبش کو کیسے مباح قرار دیا جا سکتا ہے ۔ فقہاء اہالۃ تراب کے بعد دوسرے مسئلہ میں نبش کی ممانعت فرماتے ہیں ۔ بس ۲ فقط دو برس کی مدت طویلہ گزر جانے کے بعد بطریق اولیٰ اس کی ممانعت کا حکم کیا جائے گا ۔ دفن بطریق مسنون ہوا ہو یا خلافِ مسنون دونوں صورتوں کا ایک ہی حکم ہے کہ اہالۃ تراب کے بعد نبش جائز نہیں ۔ جزئیہ بالا اس بارے میں صریح ہے ۔ کیونکہ دفن بلا غسل ، دفن بغیر صلاۃ ، وضع علی غیر الیمین ، وضع فی غیر القبلۃ سب امور طریق مسنون کے خلاف ہیں اس کے باوجود نبش کی اجازت نہیں دی گئی ۔

فقط واللہ اعلم ۔ محمود عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح	الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲ ر ۳ ر ۱۳۸۳ھ	بندہ محمد اسحاق غفرلہ

قبر میں "من ربک" سے سوال ہوگا یا "ما تقول فی ہذا الرجل" سے

قبر میں مردے سے منکر نکیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جب سوال کرتے ہیں تو کیا ہذا الرجل کہتے ہیں یا من نبیک کہتے ہیں ؟

الجواب ۔۔۔۔۔ دونوں طرح کے الفاظ حدیث میں آئے ہیں ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان العبد اذا وضع فی قبرہ وتولی عنہ اصحابہ انہ لیسمع قرع نعالہم اتاہ ملکان فیقعدانہ فیقولان ما کنت تقول فی ھذا الرجل لمحمد (الحدیث مشکوۃ باب اثبات عذاب القبر ص ۲۵) ۔ اور مجمع الزوائد میں حضرت ابی ہریرہؓ سے ایک روایت میں ہے ۔ وان المؤمن یجلس فی قبرہ فیسئل من ربہ فیقول ربی اللہ فیقول من نبیک فیقول النبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم قال ما دینک قال دینی الاسلام الخ (ورجالہ ثقات اھ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۲) ۔

فقط واللہ اعلم

جنازہ گاہ متعین اور وقف ہو تو کسی کو تصرف کرنے کی اجازت نہیں

خیرپور ضلع بہاولپور میں ایک جنازہ گاہ ہے، جو کہ عرصہ اسی سال سے زائد تعمیر شدہ ہے، اردگرد چار دیواری مکمل ہے۔ جنازہ گاہ کی عمارت آج سے اسی سال قبل خیرپور کے ایک شخص نے تعمیر کرائی تھی۔ یہ رقبہ زمیندار کا ہے۔ کاغذات سے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ مالک نے یہ زمین وقف کی تھی یا تعمیر کنندہ کو ہبہ کی تھی۔ اصل مالک یا اس کے ورثاء نے آج تک کبھی اس رقبے سے تعرض نہیں کیا محکمہ مال کے کاغذات میں یہ رقبہ بطور مالک درج چلا آرہا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ جس محلہ میں جنازہ گاہ واقع ہے وہاں کی دیگر مساجد کا رقبہ مثلاً ساروی مسجد وغیرہ جو صدیوں سے آباد ہے اسی اصلی مالک کے نام چلا آرہا ہے۔

اب ٹاؤن کمیٹی خیرپور اس جنازہ گاہ کے رقبہ میں ایک ٹینکی آب اور کوارٹر وغیرہ تعمیر کرنا چاہتی ہے جس سے شہریوں کو پانی فروخت کیا جائے گا۔

سوال یہ ہے کہ صورت بالا کے مطابق یہ جگہ وقف شدہ ہوگی یا نہیں؟ آیا ثبوت وقف کے لئے اتنا کافی ہے یا کاغذی اندراج ضروری ہے۔ نیز ٹاؤن کمیٹی کا یہ اقدام درست ہے یا نہیں؟

احقر غلام قادر مہتمم خیر العلوم خیرپور

الجواب ـــــ اگر عامۃ الناس اس کے جنازہ گاہ ہونے کی شہادت دیتے ہیں تو یہ دلیل ہے اس کے وقف ہونے کی۔ نیز کمیٹی کا اس میں مذکورہ تصرف کرنا شرعاً درست نہیں۔

کذا فی امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۶۱۱۔

وقف ہونے کے لئے کاغذات میں اندراج ضروری نہیں۔

• وفی الخيرية وقف قديم مشهور لا يعرف واقفه استولى عليه ظالم فادعى المتولي انه وقف على كذا مشهور وشهدا بذلك فالمختار انه يجوز. اھ۔ شامیہ ج ۳ ص ۴۱۵

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

جنازہ کے آگے آگے نعت خوانی بدعت ہے

یہاں رواج ہے کہ جب جنازہ لے کر چلتے ہیں تو کچھ لوگ جنازہ کے آگے آگے بلند آواز سے نعت خوانی کرتے جاتے ہیں یا کلمہ طیبہ کا ذکر کرتے چلتے ہیں۔ اس کی شرعی حیثیت سے آگاہ فرمائیں۔

الجواب یہ رواج بدعت ہے چھوڑ دینا ضروری ہے۔ در مختار میں ہے۔

"ویکرہ کما کرہ فیہ رفع صوت بذکر او قراءۃ" ([illegible])۔

اس کی شرح میں لکھا ہے۔ "وینبغی لمن تبع الجنازۃ ان یطیل الصمت وفیہ عن الظہیریۃ فان اراد ان یذکر اللہ تعالی یذکرہ فی نفسہ لقولہ تعالی انہ لا یحب المعتدین ای الجاہرین بالدعاء وعن ابراہیم انہ کان یکرہ ان یقول الرجل وہو یمشی معہا استغفروا لہ غفر اللہ لکم اھ قلت واذا کان ہذا فی الدعاء والذکر فما ظنک بالغناء الحادث فی ہذا الزمان۔"

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح خیر محمد عفی عنہ

محمد عبد اللہ عفی عنہ
۱۸-۱۲-۱۳۹۰ھ

خطاءً خودکشی کرنے والے کا بالاجماع جنازہ پڑھا جائے

خودکشی کرنے والے کے جنازہ میں شہرت تکلیف اور عدم شہرت کی بناء پر کوئی فرق ہے یا نہیں؟ "ارادہ قتل نفسہ عمدًا لا لشدۃ وجع فخرج بمفہومہ الخطاء فانہ یغسل ویصلی علیہ اھ" (مراقی الفلاح)۔ اس عبارت میں فخرج کس پر متفرع ہے عمد پر یا لا لشدۃ پر۔ اگر عمد پر ہے تو عمد والے پر بھی جنازہ پڑھا جاتا ہے پھر خطاء و عمد میں فرق کیا ہوا؟

الجواب فخرج بمفہومہ الخطاء۔ عمدًا پر متفرع ہے کیونکہ احتراز عن الخطاء لفظ عمد ہی کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ شدت وجع پر متفرع نہیں۔ رہا یہ کہ پھر عمد اور خطاء میں مابہ الفرق کیا ہے۔ تو وہ یہ ہے کہ قاتل نفسہ خطاءً پر بالاتفاق نماز پڑھی جاوے کیونکہ وہ شہید ہے اور قاتل نفسہ عمدًا میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ قاتل نفسہ عمدًا پر نماز نہ پڑھی جاوے لیکن

راجح یہ ہے کہ اس پر بھی نماز پڑھی جائے۔ کیونکہ زیادہ سے زیادہ وہ خودکشی کی وجہ سے کبیرہ کا مرتکب ہوا لاغیر۔ اور قول محشی علامہ لالشدۃ وجع میں سے شدت وجع کی قید اتفاقی ہے۔ کیونکہ عام طور پر خودکشی، شدت درد و الم میں ہوتی ہے۔ محشی کا ... سہو کاتب معلوم ہوتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفرلہ	الجواب صحیح
۲۵ ۱ ۵ ۱ ۱۳۹۹ھ	بندہ عبدالرحمن عفی عنہ

جنازہ لیجاتے ہوئے بلند آواز سے کلمہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے

جنازہ اٹھا کر لے جانے والے جب چلیں تو ساتھ چلنے والے اور اٹھانے والے کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت یا قرآن پاک کی کسی سورۃ کی تلاوت کرتے چلیں یا خاموشی کے ساتھ چلیں؟

الجواب میت کو اٹھا کر لے جانے والوں اور دوسرے پیچھے چلنے والوں کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ خاموش ہو کر چلیں۔ بلند آواز سے کلمہ طیبہ یا کلمہ شہادت اور قرآن پاک کی کسی سورۃ کی تلاوت کرتے چلنا مکروہ تحریمی ہے۔ (کما فی البحر ج ۲ ص ۲۰۴)

- وینبغی لمن تبع جنازة ان یطیل الصمت ویکره رفع الصوت بالذکر وقراءة القرآن وغیرهما فی الجنازة والکراهة فیها کراهة تحریم۔ اھ

فقط واللہ اعلم	
بندہ محمد اسحاق غفرلہ	الجواب صحیح، بندہ محمد عبداللہ عفرلہ
۲۹ ۱ ۳ ۱ ۱۳۷۷ھ	مفتی خیر المدارس، ملتان

نماز کا وقت ہو اور جنازہ موجود ہو تو کسے مقدم کرے

نماز کے وقت جنازہ حاضر ہوا تو پہلے نماز ادا کی جائے یا جنازہ؟ دوسری صورت میں مثلاً ظہر کے فرض پڑھ لیے ہیں باقی نماز یعنی سنتیں نہیں پڑھیں اور جنازہ حاضر ہوا تو پہلے جنازہ ادا کیا جائے یا باقی نماز؟

سائل کیملپوری رحمۃ اللہ علیہ

الجواب اگر نماز کا وقت تنگ نہ ہو تو جنازہ پہلے ادا کر لینی چاہیئے۔

"ینبغی تقدیم الجنازۃ والکسوف حتی علی الفرض ما لم یضق وقتہ۔" شامی ج۱ ص

اور مغرب کی نماز کو جنازہ پر مقدم کیا جاتا ہے۔

"ویؤخذ من قولہ ایضاً ان ضاق الوقت تقدیم فرض الوقت" ردالمحتار۔

اگر فرض پہلے ادا کئے جائیں تو سنتیں بھی جنازہ سے مقدم ادا کرلی جائیں۔ "عن الحسبی الفتوی علی تاخیر الجنازۃ عن السنۃ" شامی صفحہ مذکور۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح احقر محمد شفیع اللہ عنہ — بندہ عبداللہ غفرلہ

قبروں پر قبے بنانے کا حکم

زید کہتا ہے کہ مزارات پر قبے اور روضے بنانا یہود و نصاریٰ کے کا کام ہے۔ وہ سور و خنزیر بھی کھاتے تھے جس شخص نے اس کی ابتداء کی وہ بڑا پاجی اور مکار تھا۔ اور محمد بن عبدالوہاب نجدی کو اپنا امام و مصلح تسلیم کرتا ہے۔ کیا زید کا زعم حق ہے یا باطل؟ کیا علماء دیوبند بھی بدعت کرنا جائز سمجھتے ہیں؟ کیا روضوں کو گرانا توہین نہیں سمجھتے؟ کیا زید کا یہ کہنا صحیح ہے کہ میں دیوبندی عقائد رکھتا ہوں

الجواب احادیث اور کتب فقہ میں قبور پر مکان قبہ اور روضہ بنانے سے ممانعت وارد ہوئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ اقدس مستثنیٰ ہے۔ علماء و اکابر دیوبند کی قبور بھی سادہ طور پر بغیر بنائے گئے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وغیرہم کے مقابر بھی اسی طرح ہیں۔ اکابر دیوبند اور شاہ ولی اللہ وغیرہم کے سیکڑوں حضرات صحابہ کرام کی قبور بھی بغیر روضوں اور قبوں کے تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ قدس میں بہت بڑے جلیل القدر صحابہ کرام مدفون ہوئے۔ سب بغیر قبوں اور روضوں کے دفن ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ جنہیں سید الشہداء کا لقب دیا جاتا ہے بغیر قبہ کے مدفون ہوئے۔ یہ قبے وغیرہ بعد کی ایجاد ہے جنہیں سنت نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے باوجود زید کا یہ طرز کلام مسلمانوں کے ساتھ جائز نہیں ہے۔ اس طریقہ پر نہ تو علماء دیوبند نے مسلمانوں کو خطاب کیا ہے اور نہ برا بھلا کہا ہے۔ اور نہ ہی زید دیوبندی مسلک پر ہو سکتا ہے۔

دیوبندی مذہب یا عقیدہ کوئی الگ مذہب نہیں۔ مسلک حنفیہ اور سلف صالحین کے صحیح

اتباع کو ہم دینی خدمت سے تعبیر کرتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۹ ، ۶ ، ۱۳۹۰ھ

جسے دعاء جنازہ یاد نہ ہو وہ کیا کرے

جن لوگوں کو دعاء جنازہ یاد نہیں وہ نماز جنازہ میں شامل ہو سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب صورت مسئولہ میں ایسے لوگوں کو تنبیہ کی جائے کہ وہ دعائیں یاد کریں۔ یاد نہ کرنے پر برادری اور پنچایت مواخذہ کرے۔ لیکن جسے دعا یاد نہ ہو تو امام کے پیچھے باوضو تکبیرات کہتا رہے۔ تو اس کی نماز جنازہ ادا ہو جائے گا۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲ ربیع الثانی [illegible]

لوٹ مار اور واردات کرنے والے کا جنازہ نہ پڑھا جائے

ولا یصلی علی باغ وقاطع طریق قتل فی حالة المحاربة وقاتل بالخنق غیلة ومکابر فی المصر لیلاً بالسلاح (نور الایضاح)۔

اس عبارت میں " لیلاً " اور " بالسلاح " کی قید کا کیا فائدہ ہے؟ کیا دن کو واردات کرنے والے یا بغیر ہتھیار کے واردات کرنے والے کا جنازہ نہیں پڑھا جائے گا؟

الجواب اس عبارت میں " لیلاً " کی قید اتفاقی ہے نہ کہ احترازی۔ عام طور پر شہروں میں اس قسم کے جرائم رات کو ہوتے ہیں اس لئے رات کا ذکر کر دیا ورنہ دن کے وقت بھی اگر کوئی شخص حملہ آور ہو اور وہ مارا جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ چنانچہ رد المحتار میں ہے۔

" قوله ومكابر في المصر ليلاً بسلاح والمكابر المتغلب والمراد به من يقف في محل من المصر يتعرض لمعصوم والظاهر ان هذا مبني على قول ابي يوسف من انه يكون قاطع طريق اذا كان ليلاً مطلقاً او نهارا بالسلاح . اهـ شامی ص "

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ رات کو حملہ کرنے والا مطلقاً قاطع طریق ہے۔ ہتھیار سے حملہ کرے

یا لاٹھی کے ساتھ ، اور دن کو ہتھیار سے حملہ کرے تو قاطع طریق ہوگا۔ چنانچہ آگے دو سطر کے بعد فرماتے ہیں۔ وبما قررنا ظهر ان قوله بسلاح بغير قيد لانه اذا وقف في المصر ليلا لا فرق بين كونه قاتلا بسلاح او غيره۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۳/۵/۱۳۹۹ھ

الجواب صحیح : خیر محمد عفی عنہ

قبر سامنے ہو تو جنازہ پڑھنے کا مسئلہ

ہمارے علاقہ میں مُردے کو غسل دینے کے لئے قبرستان کے متصل غسل خانہ بنایا گیا ہے اور اسی کے متصل نمازِ جنازہ کے لئے جگہ بنائی گئی ہے اور اس جنازہ کی جگہ کے سامنے پانچ چھ گز کے فاصلہ پر قبریں ہیں۔ یعنی نمازِ جنازہ کی جگہ ایسی جگہ ہے کہ جب جنازہ کے لئے صفیں کھڑی ہوتی ہیں تو قبریں سامنے قبلہ کی طرف پڑتی ہیں۔ اب کئی علماء کہتے ہیں کہ یہاں جنازہ ناجائز ہے کیونکہ سامنے قبریں ہیں اور مسلم شریف کی حدیث لا تجلسوا على القبور ولا تصلوا اليها پیش کرتے ہیں۔

اور دوسرے علماء کہتے ہیں کہ وہ نماز جس میں سجدہ ہو ناجائز ہے۔ جنازہ میں اگر یہ بات منع ہوتی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قبر پر جنازہ نہ پڑھتے۔ اور علماء کا اتفاق ہے کہ جس کی نمازِ جنازہ نہ ہوئی ہو تو قبر پر تین دن کے اندر پڑھ سکتے ہیں۔

الجواب دوسرے علماء کا قول درست ہے کیونکہ قبر نفسِ نعش سے زیادہ نہیں اور نعش کا سامنے ہونا جب جائز ہے تو قبر بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ اور حدیث مذکور میں رکوع و سجود والی نماز مراد ہے۔ کما فی فتاویٰ امدادیہ ج ۱ ص ۴۷۷۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۳/۱/۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح
خیر محمد عفی عنہ

نمازِ جنازہ کا تکرار روا نہیں

ایک میت کی نمازِ جنازہ ولی کی اجازت سے پڑھا دی گئی۔ بعد میں میت کے بھائی وغیرہ آگئے تو انہوں نے دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھی۔ کیا یہ درست نہیں ہے؟

الجواب ولی کے جنازہ پڑھ لینے کے بعد پھر کسی کو دوبارہ پڑھنے کا حق نہیں ہے اور نماز جنازہ میں تکرار جائز نہیں ۔

لا یصلی علی میت الا مرۃ واحدۃ والتنفل بصلوۃ الجنازۃ غیر مشروع کذا فی الایضاح وان صلی علیہ الولی لم یجز لاحد ان یصلی بعدہ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۳)۔

فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
خیر محمد عفی عنہ ۲۹ر۳ر۱۳۹۰ھ

بندہ محمد صدیق غفرلہ
معین مفتی خیر المدارس ملتان ۲۹ر۳ر۱۳۹۰ھ

نماز جنازہ کے آگے سے گزرنے کا حکم

نماز جنازہ کے آگے سے گزرنے کی ممانعت ہے تو تقریباً کتنا فاصلہ چھوڑ کر گزر سکتا ہے؟ — اکرام الحق - راولپنڈی ۔

الجواب نماز جنازہ کے آگے سے گزرنے کی ممانعت وعدم ممانعت کے متعلق کافی جستجو کے بعد بھی کوئی جزئیہ دستیاب نہیں ہوا لیکن اگر گزرنا ممنوع بھی ہو تو صورت مسئولہ میں موضع سجود کے آگے سے گزر سکتا ہے۔ کیونکہ نماز جنازہ عام طور پر صحرا میں ہوتی ہے اور صحرا میں نمازی کے موضع سجود کے پرے سے گزرنا درست ہے ۔

کما فی الخانیۃ وفی الصحراء اذا لم یکن لہ سترۃ لا یکرہ المرور وراء موضع السجود اور موضع سجود کی تعریف یہ کی گئی ہے انہ قدر ما یقع بصرہ علی المار لو صلی بخشوع ۔

خشوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے نظر کو موضع سجود پر رکھ کر قبلہ کی طرف جس قدر دور تک نظر پہنچے وہ موضع سجود میں داخل ہے ۔ اور اس جگہ سے پرے گزرنا جائز ہے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ ۲۱ر۴ر۱۳۹۸ھ

قبر پر تیسرے دن کے بعد نماز جنازہ نہ پڑھی جائے

ایک بچہ پورے دس ماہ کا پیدا ہوا اور دوسرا بچہ آٹھ ماہ کا پیدا ہوا دونوں کے پیدا ہونے کے بعد کوئی آواز یا چیخ وغیرہ نہیں سنی گئی ۔ البتہ بچوں کی والدہ اور دایا کہتی ہیں کہ پیدا ہونے کے بعد کروٹ

سانس بند ہوں تو ان کی تصدیق پر نماز جنازہ پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ اگر بغیر جنازہ کے دفنائے گئے ہوں تو نماز جنازہ قبر پر ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب ـــــــ اگر بغیر نماز جنازہ کے میت کو دفن کیا جائے تو جب تک اس کی لاش قبر میں پھٹ نہ جائے قبر پر نماز جنازہ پڑھنی جائز ہے۔ مگر یہ بات کہ کتنے دنوں میں لاش پھٹ جاتی ہے تو اس کے متعلق فقہاء کرام میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک تین دنوں میں، اور بعض کے نزدیک دس دنوں میں، اور بعض کے نزدیک ایک مہینے میں پھٹ جاتی ہے۔ کیونکہ سردی اور گرمی، اور میت کے موٹے اور کمزور ہونے کے لحاظ سے پھٹنے میں فرق پڑ جاتا ہے۔ حاصل یہ کہ جب تک لاش کے پھٹنے کا یقین نہ ہو، قبر پر نماز جنازہ جائز ہے۔

پس اگر ان بچوں میں کوئی علامت حیات پائی گئی تھی تو ان پر نماز جنازہ پڑھنی چاہئے تھی۔ اور قبر پر مذکورہ دنوں میں علی اختلاف الاقوال پڑھ سکتے ہیں۔

وفي الدر المختار: ودفن واهيل عليه التراب بغير صلاة صلي على قبره ما لم يغلب على الظن تفسخه من غير تقدير هو الاصح۔ وفي الشامية قوله من غير تقدير وقيل يقدر بثلاثة ايام وقيل عشرة وقيل شهر۔ اهـ الشامية ج ا ص ... فقط۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

فتوی کے اعتبار سے تین دن معتبر ہیں لہٰذا تین دن تک جنازہ قبر پہ پڑھا جا سکتا ہے۔

الجواب صحیح　　　خیر محمد عفی عنہ مہتمم مدرسہ ہذا

ولی جس سے چاہے جنازہ پڑھوا سکتا ہے

ہمارے ہاں یہ مسئلہ مشہور ہے کہ اگر کسی دوسرے امام مسجد سے جنازہ پڑھوایا جائے تو ادا نہیں ہوتا صرف اپنا امام پڑھائے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب ـــــــ یہ مسئلہ غلط مشہور ہے جنازہ جو بھی پڑھا دے ادا ہو جائے گا۔ وتقديم امام الحي مندوب فقط بشرط ان يكون افضل من الولي والا فالولي اولى كما في المجتبى الى ان قال وله اي للولي الاذن لغيره فيها لانه حقه

فیصلی ابطالا له (درمختار : شامی ص ۸۱۱)۔

جزئیہ بالا سے ظاہر ہے کہ اگر وارث نے دوسرے شخص سے جنازہ پڑھوا لیا تو جنازہ ادا ہو گیا۔ امام مسجد کا جھگڑا کرنا درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر لہ ۲/۳/۱۳۹۹ھ

عورتوں کا جنازہ کے ساتھ جانا مکروہ ہے

ہمارے علاقہ میں رواج ہے کہ جب جنازہ قبرستان لے جایا جاتا ہے تو اس وقت مرد اور عورتیں قریب قریب ہو کر چلتے ہیں اور قبر پر جا کھڑے ہوتے ہیں۔ جب دفن کیا جاتا ہے تو عورتیں وہاں بین کرتی ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟

قاضی عبدالجلیل شاہ ضلع مانسہرہ

الجواب عورتوں کا جنازہ کے ہمراہ جانا مکروہ و ممنوع ہے اور بین کرنا حرام ہے۔ درمختار میں ہے۔ ویکرہ خروجهن تحریما وتزجر النائحة اھ وفی الشامیة لقوله علیه السلام ارجعن مأزورات غیر مأجورات رواہ ابن ماجه بسند ضعیف۔ (شامیة ج ۱ ص ۸۳۷) فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۰/۹/۱۴۰۰ھ

شیعہ کا جنازہ ہرگز نہیں پڑھنا چاہئے

کیا سنی عالم شیعہ کا جنازہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر پڑھ لیا تو عند اللہ مجرم ہو گا یا نہیں؟ محمد یوسف مدرسہ انوار العلوم ملتان شہر

الجواب اگر شیعہ غالی ہے جیسا کہ آج کل عام شیعوں کی حالت ہے تو مقتدر حضرات مثلاً علماء و مشائخ کو اس کی نماز جنازہ ہرگز نہیں پڑھنی چاہئے۔ اگر مطلق تفضیلی ہے تو گنجائش ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۲/۵/۱۴۰۳ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

طوائف کے جنازے کا حکم

ہمارے پڑوس میں ایک طوائف رہتی تھی وہ جان بحق ہوگئی۔

۱- اس کو غسل دیا جائے یا نہ۔ ۲- کفن دیا جائے یا نہ۔

۳- ایسی عورت کی نماز جنازہ میں اہل محلہ شرکت کر سکتے ہیں یا نہیں۔

۴- ایک بچہ پیدائشی طور پر مرد تھا مگر صحبت بد کی وجہ سے وہ خواجہ سراؤں کی مجلس میں شریک ہو گیا اور پوری طرح خواجہ سرا بن گیا۔ اس کی موت پر اہل محلہ کے لئے شرکت نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب

۱-۲- غسل دیا جائے گا اور کفن بھی دیا جائے گا۔

۳- نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔ البتہ مقتدا لوگ زجراً اس کی نماز جنازہ میں شرکت نہ کریں۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں پر زجراً نماز جنازہ پڑھنے سے انکار فرمایا تھا۔

۴- اس کی نماز جنازہ میں بھی وہی تفصیل ہے جو جواب بالا میں مذکور ہے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح، خیر محمد عفا اللہ عنہ — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱/۲/۱۳۹۲ھ

جنازہ اٹھانے کا مسنون طریقہ

ہمارے ہاں رواج ہے کہ جب مردے کو کفن دے کر گھر سے نکالتے ہیں تو چار آدمی مقرر ہو جاتے ہیں۔ چالیس قدم اٹھانے کے لئے چار آدمی مردہ کو اپنے ہاتھوں پر اٹھاتے ہیں۔ یعنی چارپائی کے چار پائے بجائے کندھوں پر رکھنے کے ہاتھوں پر اٹھا کر آگے امام صاحب قدم شمار کرتے ہیں۔ جب دس قدم ہو جاتے ہیں تو ایک پائے والا دوسرے کے پاس، دوسرا تیسرے کے پاس اسی طرح کرتے ہوئے جب چالیس قدم پورے ہو جائیں تو زمین پر چارپائی رکھ کر دعا مانگی جاتی ہے۔ کیا یہ طریقہ درست ہے؟

الجواب

جنازہ اٹھانے کا طریقہ یہ ہے کہ چار آدمی پایوں سے پکڑ کر اسے کاندھوں پر اٹھائیں اور اپنے طور پر قدم شمار کرتے جائیں دس قدم چل کر پایہ بدل لیا جائے اسی طرح ہر پایہ پر دس دس قدم اٹھائے۔ اس کے لئے اپنے طور پر سرسری گنتی بھی کافی ہے۔ کچھ قدم اگر زیادہ ہو جائیں تو بھی حرج نہیں۔ پس اس کے لئے امام صاحب کا آگے آگے قدم گنتے چلنا اور ہر دس قدم پر چارپائی اتار کر دوبارہ اٹھانا، اور ہر چالیس قدم پر دعا کرتے جانا لغو اور فضول ہے۔ نیز سنت اور شریعت مطہرہ کے خلاف ہے۔ پس ان

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز جنازہ میں کون سی دعا پڑھی گئی؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال کس وقت ہوا؟ اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دفن کس روز کیا گیا؟ نماز جنازہ ایک بار ہوئی یا کئی بار؟ دعاء جنازہ جو پڑھی جاتی ہے آپ کی نماز جنازہ میں پڑھی گئی یا کوئی اور خاص دعا پڑھی گئی۔ اگر تھوڑے تھوڑے صحابہ آتے رہے تو کتنی جماعتیں ہوئیں؟

الجواب ـــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال دوشنبہ کے دن ہوا اور سہ شنبہ و چہار شنبہ کی درمیانی رات میں حضور اقدس کو قبر شریف میں اتارا گیا۔ تجہیز و تکفین کے بعد جنازہ مبارکہ حجرہ میں رکھ دیا گیا، صحابہ کرام علیہم الرضوان گروہ در گروہ داخل ہوتے تھے اور بلا کسی امام کے نماز پڑھ کے چلے جاتے۔ نماز جنازہ اسی طریقہ سے پڑھی گئی جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔

كما هو المعتاد ومن هذا الحديث قالوا يا صاحب رسول الله أنصلي على رسول الله صلى الله عليه وسلم قال نعم قالوا كيف فقال يدخل قوم فيكبرون ويدعون ويصلون ثم يخرجون الخ قال القاري ولعل وجه تخصيصهم كما هو معلوم من وقوعه بعد التكبيرة الأولى

(مختصر شمائل ترمذی مع شرح ملا علی قاری)

صحابہ کرام علیہم الرضوان اسی طرح نماز جنازہ پڑھتے رہے تا آنکہ آخر میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھی اور تدفین عمل میں آئی۔ جماعتوں کا عدد معلوم نہیں۔

فقط واللہ اعلم

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان	نائب مفتی خیر المدارس ملتان

میت باہر اور نمازی اندر ہوں تب بھی ظاہر مذہب میں مکروہ ہے

ہماری مسجد میں آج تک جنازہ ایسے پڑھتے رہے کہ میت بھی مسجد کے اندر ہوتی تھی اور نمازی بھی مسجد میں۔ اب یہ تجویز ہے کہ محراب کی جانب چبوترہ بنا دیا جائے۔ میت چبوترہ پر رکھی جائے امام بھی وہیں ہو، کچھ نمازی بھی ساتھ ہوں، اور باقی

کما فی مشہور درر البحار و الاول ظاہر الروایۃ کما فی البحر۔ (شامی ج۱)۔
عبارت ہذا سے ظاہر ہے کہ رفع یدین تکبیرات جنازہ میں ائمہ ثلاثہ کے علاوہ بہت سے فقہاء احناف کا بھی مذہب ہے پس اسے مفسد نہیں کہا جا سکتا اور اعادہ کی حاجت نہیں۔ کیونکہ تنفل بالصلوٰۃ الجنازہ مکروہ ہے۔ الحاصل نماز جنازہ صورت مسئولہ میں درست ہو گئی تشویش نہ کی جاوے۔ لیکن آئندہ احتیاط کی جائے امام کو مسائل سے اتنی غفلت روا نہیں۔

فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح، خیر محمد عفا اللہ عنہ

جو تمام جل جائے اس پر جنازہ نہ پڑھا جائے

اگر کوئی شخص جل گیا، گوشت و پوست وغیرہ سب کچھ ختم ہو گیا، صرف ہڈیاں باقی رہ گئیں، ڈھانچہ بالکل ختم ہو گیا، اس پر جنازہ وغیرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب وان وجد نصفہ من غیر الراس او وجد نصفہ مشقوقا طولا فانہ لا یغسل ولا یصلی علیہ ویلف فی خرقۃ ویدفن فیہا۔ (عالمگیری ج ۱ [illegible])۔
جزئیہ ہذا سے ظاہر ہے کہ جس کا نصف حصہ بلا سر میت کا پایا جائے اسے غسل دینے یا اس پر جنازہ پڑھنے کی اجازت نہیں۔

فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۳ / ۶ / ۱۳۸۲ھ

ہر میت کا جنازہ علیحدہ ہو

نابالغ بچی کا اور اس کی دادی کا ایک وقت جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب بہتر ہے کہ ہر میت کا جنازہ علیحدہ علیحدہ پڑھا جائے اگر اکٹھے پڑھ لیا جائے تو بھی ہو جائے گا۔ واذا اجتمعت الجنائز فافراد الصلوٰۃ اولیٰ من الجمع بینہا۔ (شامی ج۱ ص ۸۲۱)۔

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۱۰ / ۵ / ۱۳۹۹ھ

خودکشی کرنیوالے کی نماز جنازہ کے بارے میں

قاتل نفس کا جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ لوگ کہتے ہیں کہ جو شخص خودکشی کرے اس کا جنازہ نہیں پڑھنا چاہیے۔؟

الجواب مفتی بہ روایت یہی ہے کہ خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھی جاوے گی لوگوں کا یہ قول صحیح نہیں۔ من قتل نفسه ولو عمدا يغسل ويصلى عليه به يفتى [illegible] فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح: محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان — محمد انور عفا اللہ عنہ، ١٥ [illegible] ١٣٩٠ھ

غائبانہ نماز جنازہ کا حکم

غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب میت غائب پر حنفیہ کے ہاں نماز جنازہ جائز نہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نجاشی کا جنازہ پڑھنا آپ کی خصوصیت تھی یا جنازہ آپ کے سامنے کر دیا گیا تھا۔ فلا تصح على غائب [illegible] وصلاة النبي صلى الله عليه وسلم على النجاشي لغوية او خصوصية [illegible] (درمختار على هامش الشامية ج ١ ص [illegible])

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح: محمد صدیق غفرلہ — محمد انور عفا اللہ عنہ [illegible] ١٣٩٠ھ

جس میت کے بارے میں مسلمان ہونے کا علم نہ ہو اس پر جنازہ کا حکم

جن نعشوں کے بارے میں علم نہ ہو کہ یہ مسلمان ہیں یا غیر مسلم تو ان کا جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ جیسے ہسپتال میں اس بات کا اتفاق ہو جاتا ہے۔

المستفتی [illegible]

قائد اعظم — میڈیکل کالج — بہاولپور

ان کا خیال سنیوں سے پہلے یا بعد شیعہ مرزئی سے شیعوں والا جنازہ پڑھوانے کا تقاضا اور اس قسم کی جنازہ کو عقیدۃً صحیح اور درست سمجھتے ہیں کیا ایک میت پر شیعہ اور سنی دو جنازے درست ہیں یا نہ امام صاحب کا اعتراض درست ہے یا نہ۔ کیا جو سنی آدمی شیعہ امام کے پیچھے شیعہ جنازہ پڑھے اس پر کوئی حد یا کوئی حکم ہے یا معاف ہے۔ کیا شیعہ سنی کے جنازہ میں شریک ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں ہو سکتا تو روکنا درست ہے یا نہ؟

الجواب یہ دو جنازوں والی رسم ختم کرنی چاہیے۔ میت کی اچھی طرح تحقیق کریں اگر سنی ہو تو صرف سنی ہی جنازہ پڑھیں شیعہ کو نہ پڑھنے دیں۔ حقیقی شیعہ بھی سنی کا جنازہ بطور جنازہ نہیں پڑھتا۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۰/۱/۱۴۰۲ھ

جنازہ کی نیت میں فرض کفایہ کہنا ضروری نہیں

س نماز پڑھنے سے قبل امام صاحب نماز جنازہ کی نیت سناتے ہیں۔ بعض علماء کرام ان الفاظ کہ ”چار تکبیر نماز جنازہ فرض کفایہ“ اور بعض یہ الفاظ کہ ”چار تکبیریں نماز جنازہ فرض“ لفظ ”کفایہ“ ادا نہیں کرتے۔ ایک آدمی کا کہنا ہے کہ چونکہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اس لئے نیت سناتے وقت کفایہ کا لفظ کہنا ضروری ہے۔ امام صاحب نے جواب دیا کہ جو لوگ قبرستان میں نماز پڑھنے کیلئے آتے ہیں ان کے لئے نماز جنازہ ادا کرنا فرض عین ہو جاتا ہے کفایہ نہیں رہتا۔ اب آپ سے گزارش ہے کہ اس مسئلہ کی باحوالہ وضاحت فرمادیں۔

الجواب ”فرض کفایہ“ کے الفاظ کہنے ضروری نہیں۔ اور نماز جنازہ بہر حال ”فرض کفایہ“ ہے۔ قبرستان میں آنے والوں کے لئے اس کا حکم بدل نہیں جاتا۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ | محمد انور عفا اللہ عنہ ۲/۳/۱۴۰۱ھ

نماز جنازہ میں سلام سے قبل ہاتھ کھول دیئے جائیں

س نماز جنازہ میں دائیں طرف سلام کر کے دایاں ہاتھ چھوڑ دیا جائے اور بائیں

کسی قبرستان میں آئندہ مردے دفن نہ کرنے کا یقین ہو تو اس جگہ کو دینی درس گاہ بنا سکتے ہیں

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ عرصہ چند سال سے مدرسہ عربیہ حبیبیہ قاسم العلوم کا جس جگہ سنگ بنیاد رکھا گیا ہے۔ یہ جگہ زمانہ قدیم سے مکان مائی جاندو اور خانقاہ شاہ اسماعیل سے مشہور تھی۔ سرکاری کاغذات اور بعض رسید، حضرات اسی طرح شہادت دیتے ہیں جیسے کہ پیش [illegible] قبل جانب پر ایک چھوٹی سی مسجد اور چند قبور تھیں۔ مگر کم از کم ایک صدی سے یہاں کوئی نئی میت دفن نہیں ہوئی۔ بعض کچی قبریں اور بعض نشان پر باقی تھے۔ عقیدہ مسلمانوں کی متحدہ مساعی سے فسق و فجور کا اڈا ختم ہوا۔ تجاوزات ختم کر کے درس قرآن جاری کیا۔ عوام مسلمانوں کے چندہ سے مسجد کی نئی تعمیر شروع ہوئی۔ مسجد کی تکمیل ہوئی اور ساتھ متصل ایک قطعہ زمین خرید کرکے مسجد کی طرف منسوب کیا گیا۔ ایک بڑا مدرسہ مع کمرے درس اور ضروریات مسجد کے لئے تعمیر ہوا۔ دریں اثنا جمعیۃ علماء ملتان سندھ نے عربیہ مدرسہ اکابر علماء دیوبند کے زیر نگرانی قائم کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ متولیان وقف مذکورہ اور بعض معززین محلہ کو جب علمائے کرام کی اس تحریک کا علم ہوا تو انہوں نے دینی ادارہ کے قیام کے لئے اسی جگہ کو موزوں سمجھتے ہوئے علماء جمعیت کو دعوت دی کہ آپ ہماری مساعی کو پایۂ تکمیل کی منازل تک پہنچائیں۔ ہم نے اس قطعہ کو مرکز علوم و فیوض بنا دیا ہے۔ تحریراً اور تقریراً وثوق دلایا کہ تعمیری سکیموں اور نظام تعلیم میں ہم لوگوں میں سے کوئی بھی حارج نہیں ہوگا۔ بلکہ ایک معاون اور بہی خواہ کی حیثیت سے ماہواری چندہ سے بھی امداد کریں گے۔

جمعیۃ علماء ملتان نے نزاکت حالات کا اندازہ کرتے ہوئے اس دعوت پر لبیک کہا اور معمولی توکلا علی اللہ کام شروع کر دیا۔ بحمد اللہ آج یہ ادارہ ترقی کے منازل طے کرتا ہوا مرکزی حیثیت اختیار کر رہا ہے۔ درسی کتابوں اور ہاشمی قرأت کے لئے تعمیر کی اشد ضرورت ہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مدرسہ کے لئے جو مکانات تعمیر کئے جا رہے ہیں۔ وہ بموجب قوانین اوقاف متعلقہ مسجد میں شمار ہوں گے یا ان کی الگ صورت ہوگی۔ بصورت ثانیہ

مدرسہ کو سفید زمین جو کہ وقف ہے، کا کرایہ ادا کرنا پڑے گا یا نہیں؟ بصورت اثبات وہ کرایہ ضروریات مسجد میں صرف ہوگا یا کوئی اور صورت ہوگی۔ یہی دونوں صورتیں اس بر آمدہ کے متعلق بھی ہوں گی۔ جس کو قبل وجود مدرسہ ضروریات مسجد کے لئے تعمیر کرایا گیا تھا۔ بینوا و توجروا۔

مولوی مقدم رسول۔ رکن مدرسہ قائم العلوم، کچہری روڈ۔ ملتان

الجواب: یہ زمین جو کہ خالی تھا جو شاہ ۱۸۷۵ میں دکھلاں مال چونڈو کے نام سے سرکاری کاغذات میں مندرج ہے۔ اور بوڑھے آدمیوں کی شہادت سے بھی اسی نام کی تائید ہوتی ہے۔ وقف برائے مقبرہ معلوم ہوتی ہے۔ قبروں کا موجود ہونا بھی اس کے لئے شاہد قوی ہے۔ یہ زمین غالباً زمانہ قدیم میں کسی نے قبرستان کے لئے وقف کی ہوگی۔ پھر آبادی شہر کی بڑھتے بڑھتے اس کو محیط ہوگئی۔ اور یہ قطعہ جس میں کچھ حصہ مقابر کے ساتھ مشغول ہو چکا تھا۔ اور کچھ حصہ خالی پڑا ہوا تھا۔ آبادی کے درمیان میں آگیا۔ اور موقع پا کر اس قطعہ خالی پر جھنگیوں اور چرسیوں نے قبضہ جما لیا۔ اب جبکہ عام مسلمانوں نے جھنگیوں کو نکال دیا تھا تو اس زمین کو اسی مقصد کے لئے استعمال کرنا ضروری تھا۔ جس کے لئے وقف کی گئی تھی۔ یعنی اس میں اموات کو دفن کرنے کے لئے اذن عام دے دی جاتی۔ اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے (شرط الواقف کنص الشارع عند الفقہاء) کہ وقف اسی مقصد میں استعمال کرنا چاہیے۔ جس کے لئے وقف کیا گیا ہے۔ اور وقف کے ثبوت کے لئے معائنہ بھی شرط نہیں ہے۔ بلکہ شہادت بالتسامع بھی کافی ہے۔

پس جب بوڑھے آدمیوں کی روایات سے اور سرکاری کاغذات کی شہادت سے اور قبروں کے موجود ہونے کے قرائن سے ظن غالب بلکہ قریب بیقین یہ بات واضح ہوگئی تھی کہ یہ قطعہ قبرستان کے لئے وقف ہے۔ تو اس کو اسی جہت میں صرف کیا جانا ضروری تھا۔

لیکن بعض حضرات اراکین سے معلوم ہوا کہ اس مقبرہ کے وسط آبادی میں آجانے کی وجہ سے حکومت نے اموات کے دفن کرنے کی مخالفت کر دی۔ سو اگر یہ قصہ صحیح ہے تو اس صورت میں یہ گنجائش نکل آتی ہے کہ اس خالی قطعہ کو جو کہ در اصل اموات کے لئے وقف ہے کسی دوسرے مصرف خیر میں صرف کر دیا جائے۔ چنانچہ عالمگیری کتاب الوقف میں یہ جزئیہ

لکھا ہے کہ اگر کسی عورت نے قبرستان کے لئے زمین وقف کی حتی کہ اپنا لڑکا بھی اس میں دفن کر دیا۔ لیکن بوجہ غلبہ پانی کے وہ زمین قبرستان بننے کے قابل نہیں ہے حتی کہ لوگ اس میں اموات کو دفن نہیں کرتے۔ تو اس عورت کے لئے جائز ہے کہ اپنی موقوفہ زمین کو فروخت کر دے۔

امرأة جعلت قطعة ارض لها مقبرة واخرجتها من يدها ودفنت فيها ابنها وتلك القطعة لا تصلح للمقبرة لغلبة الماء عليها فيصيبها فساد فارادت بيعها ان كانت الارض بحال لا يرغب الناس من دفن الموتى فيها لقلة العفو وليس لها البيع وان كانت يرغب الناس عن دفن الموتى فيها لكثرة الفساد فلها البيع فاذا باعتها فللمشترى ان يامرها برفع ابنها عنها۔ يقول العبد الضعيف فاذا جاز لها البيع عند رغبة الناس عن الدفن فيها فصرفها الى وجه آخر من وجوه الخير يكون اولى بالجواز۔

لیکن یہاں پر یہ امر قابل غور ہے کہ آیا واقعی حکومت کی طرف سے اب ایسی زمینوں کو جو درمیان آبادی میں آچکی ہیں۔ اور وہ قبرستان کے لئے وقف ہیں۔ اموات کے دفن کرنے کی ممانعت ہے۔ اور کیا وہ رکاوٹ دفع نہیں ہو سکتی۔ اگر ان دونوں باتوں کا جواب اثبات میں ہے تو پھر بامر مجبوری ایسی زمین کو کسی دوسرے مصرف خیر میں صرف کیا جائز ہے۔

سئل شمس الائمة الحلوانى عن مسجد او حوض خرب ولا يحتاج اليه لتفرق الناس هل للقاضى ان يصرف اوقافه الى مسجد آخر او حوض آخر قال نعم۔ (عالمگیری کتاب الوقف)

اس کے بعد قابل غور چیز یہ ہے کہ اس صرف کے متولی کون سے حضرات ہوں۔ تو اول اس میں حق واقف کا ہے۔ اگر واقف کا علم نہ ہو تو قاضی یا اس کا نائب اس وقف کو دوسرے مصرف خیر میں صرف کر سکتے ہیں اور بحالات موجودہ جب کہ

قضاء کا شرعی فیصلہ بالکل ہو چکا ہے۔ جماعت مذکورہ اس قطعۂ زمین کو دینی مدرسہ کے لئے صرف کر سکتی ہے۔ اور کسی قسم کا کرایہ وغیرہ مقابر کے قیم اور منتظمین کو دینا ضروری نہیں ہے

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ غفر لہ

خادم الافتاء خیر المدارس۔ ملتان۔ مورخہ [illegible]

نوٹ: استفتاء کے اندر دو جملے موجود ہیں جن کے متعلق خصوصیت کے ساتھ توجہ دینی ضروری ہے۔ خط کشیدہ عبارت میں مرقوم ہے۔ "چار مشتول مقرر کر کے درس قرآن جاری کیا۔ نیز ایک قطعۂ زمین خرید کر کے مسجد کی طرف منسوب کیا۔" اس عبارت سے اور آگے والی عبارت: "ایک بڑا مدرسہ کلاس درس اور ضروریات مسجد کے لئے تعمیر کیا۔" ان دونوں عبارتوں میں درس اور مسجد کو ایسا خلط کر دیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ درس اور مسجد گویا ایک ہی ہیں۔ حالانکہ درس اور مسجد اصطلاح میں دو جدا جدا چیزیں ہیں۔

(الف) پس اگر اس جملہ کا "نیز ایک قطعۂ زمین خرید کر کے مسجد کی طرف منسوب کیا" کا مفہوم یہ ہے کہ اس کی پیداوار سے مسجد کی ضروریات چٹائی، لوٹے، تیل جلانے کا، خرید کئے جائیں گے، اگرچہ بظاہر یہ مطلب ہے۔ تو اگر اس ٹکڑہ میں عمارت قائم کی گئی۔ اور مدرسہ کے استعمال میں آئی تو مدرسہ کی طرف سے مسجد کو کرایہ مناسب ادا کرنا ہوگا۔

(ب) اور اگر یہ مفہوم تھا مسجد کی طرف منسوب کرنے سے کہ مسجد کی آبادی اور رونق کے لئے درس قائم کیا جائے گا۔ جیسا کہ مساجد کی آبادی کے لئے عموماً مساجد میں یا ان کے ملحق درس قائم کر دئیے جاتے ہیں (کما یدل علیہ قول المستفتی فیما بعد "ایک بڑا مدرسہ کلاس درس اور ضروریات مسجد کے لئے تعمیر ہوا۔") تو اس صورت میں یہ ٹکڑہ زمین مدرسہ کے اندر صرف کر سکتے ہیں۔ بلا کرایہ ادا کرنے کے مسجد کو۔ وہ وقف قدیم جس کے واقف کا بھی علم نہیں اس کے متعلق تو ہم قیاس آرائی سے کام لے سکتے ہیں۔ لیکن یہ قطعہ جو بعد میں عام مسلمانوں کے چندہ سے خرید کیا گیا۔ چونکہ یہ چار مشتول موجود ہیں۔ اور چندہ لینے والے اور دینے والے بھی موجود ہیں۔ اس لئے اس باب میں قیاس آرائی کرنے کی کہیں ضرورت

نہیں ہے۔ بلکہ یہ حضرات ان دو صورتوں کو جو کہ اوپر بیان کی گئی ہیں بغور پڑھ
لیں۔ اور اگر اُن کے عزائم ان ہر دو صورتوں کے علاوہ کچھ اور تھے۔ تو ان کو دوبارہ استفسار
کر لیں۔ اسی طرح دوسرے جملہ کو "ایک بڑا مدرسہ کھلوانے و درس" اور ضروریات مسجد میں بھی ہر دو
احتمال موجود ہیں اور ہر دو کا حکم ان کے مناسب سمجھ لیں۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح۔ بندہ محمد عبداللہ غفرلہ
خیر محمد مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان — خادم الافتاء خیر المدارس ملتان ۲۰ ۱۱ھ

بزرگوں کی قبر کی زیارت کے لئے دور دراز کا سفر کرنا

زیارت قبور کی اہمیت شرع میں کہاں تک ہے —— ؟ کیا دور دور
کے مُردہ یا زندہ بزرگوں کی زیارت کے لئے جانا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً
کوئی آدمی بلوچستان کے علاقہ سے ہندوستان کے بزرگوں کی زیارت کے لئے سفر کرتا ہے
دوسرا کوئی مقصد سوائے زیارت کے نہیں تو شرعاً کیسا ہے؟ کیونکہ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ
نے اپنی کتاب "تقویۃ الایمان" میں اس قسم کے سفر کو شرک فی العبادۃ کہا ہے۔ اس لئے
کہ جو معاملہ خدا کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ وہ غیر اللہ کے ساتھ نہیں رکھنا چاہیئے کیونکہ
خانہ کعبہ کی زیارت خوشنودی خدا کے لئے کی جاتی ہے۔ اگر غیر اللہ کے مکان کی زیارت
موجب ثواب اور برکت جان کر ہے تو یہ معاملہ خدا والا غیر اللہ کے ساتھ ہوگا اور
یہ شرک ہے۔ اور ایاک نعبد و ایاک نستعین کے منافی ہے۔ بعض لوگ تقویۃ الایمان کو
حضرت شہید مرحوم کی کتاب نہیں سمجھتے۔ یہ درست ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کس کی ہے؟

الجواب: زیارت قبور کے لئے دور دراز سے سفر کر کے جانا مختلف فیہ ہے اور
یہ اختلاف متقدمین سے چلا آرہا ہے۔ لہٰذا اس کا فیصلہ اب ہونا
مشکل ہے۔ ملاحظہ فتاوی رشیدیہ۔ لیکن یہ اس وقت تک ہے۔ جب سفر
مذکور میں دیگر مفاسد موجود نہ ہوں۔ مثلاً اہل قبور سے اپنی حاجات طلب کرنا۔ ان کے

تقرب کی غرض سے چڑھاوے چڑھانا ، قبروں کو سجدہ کرنا وغیرہ وغیرہ امور مذکورہ کے انضمام کی صورت میں یہ سفر بالکل ناجائز ہو جائے گا ، اور شرک بن جائے گا کیونکہ اب یہ سفر بہ نیت تقرب بزرگ ہوگا نہ بہ نیت زیارت نہ رہا ۔ آج کل عوام انہی اغراض کے لئے ایسے سفر کرتے ہیں ۔ کما هو المشاهد ولا ریب فیه — پس ان کے لئے سفر کرنا ناجائز ہے ۔ حضرت شہید غالباً اسی کی مخالفت فرما رہے ہیں ۔ تقویۃ الایمان حضرت موصوف ہی کی تصنیف ہے ۔

فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح ۔	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ	۱ / ۲ / ۱۳۹۶ ھ

اطفالِ مشرکین کا حکم

کفار کے نابالغ بچے جنت میں جائیں گے یا جہنم میں ؟

الجواب اطفالِ مشرکین کے متعلق امام نووی رحمہ اللہ نے تین قول نقل کئے ہیں ۔ (۱) جہنم میں ہوں گے (۲) توقف (۳) جنت میں جائیں گے ۔

تیسرے قول کو امام نووی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ اہلِ جنت کے خدام ہوں گے ۔ امام اعظم سے منقول ہے کہ جیسے باری تعالیٰ کی مشیت ہوگی ویسے ہوگا ۔

فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح ۔	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	۱۳ / ۹ / ۱۴۰۹ ھ

قبرستان کی زائد آمدنی دوسرے قبرستان پر خرچ کرسکتے ہیں

قبرستان کی آمدنی مسجد پر لگا سکتے ہیں یا نہیں —؟ اور جو مسجد محلہ کی

قبرستان کی حدود میں جو اس پر آمدنی لگ سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب قبرستان کی آمدنی مسجد پر صرف کرنا جائز نہیں البتہ دوسرے قبرستان پر جو اس کے قریب ہو اس کی آمدنی خرچ کرنا جائز ہے، جبکہ اس کے لئے رقم کی ضرورت ہو۔ شامی میں ہے:

حشیش المسجد وحصیرہ مع الاستغناء عنهما وکذا الرباط والبئر اذا لم ینتفع بهما فیصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض الی اقرب مسجد او رباط او بئر او حوض الیه وفی الشامیة قوله الی اقرب مسجد الخ ولفظ مرتب وظاهره انه لا یجوز صرف وقف مسجد خرب الی حوض وکذا عکسه وفی شرح الملتقی ... ویصرف وقفها لاقرب مجانس لها اھ

(شامی ص [illegible] ج [illegible])

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ ایک وقف کی آمدنی اس سے استغناء کے وقت اس وقف کے مماثل میں صرف کرنا جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	۲۳	بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ
خیر محمد عفا اللہ عنہ	۱/ ۱۳۸۰ھ	نائب مفتی خیر المدارس ملتان

اہل میت خود اپنے گھر کھانا پکا سکتے ہیں

ایک شخص کے گھر اگر موت ہو جائے اور وہ اپنے گھر کھانا پکوا کر خود کھاتا ہے اور کچھ مہمان آئے ہوں تو ان کی خاطر مدارات کرتا ہے نیز اس کے کسی رشتہ دار کے گھر سے کھانا رواج کے مطابق آتا ہے تو وہ اس کو واپس کر دیتا ہے۔ اور خود نئے کپڑے پہنتا ہے اور اپنے بچوں کو بھی نئے کپڑے پہناتا ہے۔ ان تمام مذکورہ صورتوں میں اگر کوئی مرحلہ

اور مزار مطلق قبر کو کہتے ہیں اس سے قبہ وغیرہ کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۱ / ۳ / ۱۴۰۲ھ

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

حضرت ابوبکرؓ سے آنحضرت علیہ السلام کا جنازہ پڑھنے کا ثبوت

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں ——— شیعہ حضرات کا دعویٰ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز جنازہ نہیں پڑھی چنانچہ ان کے ایک عالم مولوی محمد اسماعیل نے کہا ہے کہ اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کا حضورؐ کی نماز جنازہ پڑھنا ثابت ہو جائے تو میں سنی ہو جاؤں گا۔ اگرچہ اصولاً ان کا یہ اعتراض متعدد وجوہ سے غلط ہے۔ مگر تاہم کسی روایت سے حضرت صدیقؓ کا صراحۃً نماز جنازہ پڑھنا ثابت ہو تو مطلع فرماویں تاکہ ان کی گندی زبان کو بند کیا جائے۔

الجواب طبقات ابن سعد میں موجود ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ ایک جماعت مہاجرین و انصار کے ہمراہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفن دینے اور چارپائی پر رکھنے کے بعد اس مکان میں داخل ہوئے جس میں آپؐ کو رکھا گیا تھا۔ اور سامنے کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھا۔

لما کفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ووضع علی سریرہ دخل ابوبکرؓ وعمرؓ فقالا السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومعہما نفر من المہاجرین والانصار قدر ما یسع البیت فسلموا کما سلم ابوبکرؓ وعمرؓ ای ان خبان ثم یخرجون ویدخل آخرون حتی صلوا علیہ الرجال ثم النساء ثم الصبیان (البدایہ والنہایہ [illegible])

اور یہ درود و سلام پڑھنا ہی آپ کی نماز جنازہ ہے۔ کیونکہ حضور پر عام طریقے کے موافق نماز نہیں ہوئی۔ حضرت علیؓ سے یہ روایت ہے۔

لما وضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی سریرہ قال لا یؤم علیہ احد هو امامکم حیا ومیتا فکان یدخل الناس رسلا رسلا فیصلون علیہ صفا صفا لیس لهم امام ویکبرون وعلی قائم بحیال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول السلام علیک ایها النبی ورحمة اللہ وبرکاته

(البدایہ والنہایہ ص ۲۶۵ ج ۵) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ
۲۰ / ۹ / ۱۳۸۶ھ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا جنازہ کس نے پڑھایا

حضرت علیؓ کا جنازہ کس نے پڑھایا اس کا نام بتائیں۔ آپ کا مقبرہ کہاں ہے؟

الجواب حضرت حسنؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور کوفہ کے دار الامارت میں مدفون ہوئے۔ (تاریخ الخلفاء)

محمد انور

۵ / ۱۱ / ۱۴۰۹ھ

قاتل کو پھانسی دے دی جائے تو اس کے اولیاء کے ذمہ مزید کچھ باقی نہیں

قاتل کو پھانسی دی جائے تو اولیاء مقتول کے ذمہ مزید کچھ واجب ہے یا نہیں ایک آدمی نے اپنے دو ملازموں کے ساتھ مل کر کسی شخص کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا ، حکومت وقت نے اولیاء مقتول کے مطالبہ پر تینوں اشخاص کو پھانسی دے دی اب آیا ان کے جرم کی تلافی ہو گئی یا نہیں اگر نہیں تو ان کے ورثاء کے ذمہ کچھ باقی ہے ؟

مولانا عابد صاحب مدرس جامعہ خیر المدارس ملتان

الجواب شرعاً اس قتل کی جو دنیوی سزا تھی مکمل ہو چکی ہے لما قولہما ان ادام الخنق حتی مات فعلیہ القصاص ... لو قتلہ بحجر عظیم او خشبۃ عظیمۃ (بحر الرائق) لہذا اولیاء مقتول و مصلوب کے ذمہ کچھ باقی نہیں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

جس تابوت میں لاش لائی گئی ہو اس کے استعمال کا حکم

غیر ممالک سے ایک تابوت لایا گیا ۔ تابوت کی لکڑی کے اخراجات ورثاء نے خود برداشت کئے ۔ کیا وہ تابوت والی لکڑی خود استعمال کر سکتا ہے یا مسجد و مدرسہ میں استعمال ہو سکتی ہے ؟

الجواب جس شخص کے مال سے وہ تابوت تیار کیا گیا ہے اس کی اجازت سے جہاں چاہیں استعمال کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۲۴/۲/۱۴۰۷ھ

بندہ محمد عبد اللہ

قبرستان کے درختوں کا حکم

قبرستان کے درخت بہت پرانے ہونے پر ان کی قیمت کو قبرستان پر ہی خرچ کرنے کی نیت سے اکھاڑ کر انہیں نیلام کیا جا سکتا ہے ؟

۲۔ قبرستان کی گھاس کو صفائی کی نیت سے اکھاڑا جا سکتا ہے ؟

الجواب قبرستان میں ضرورت ہو تو نیلام کر کے قیمت قبرستان پر خرچ کر سکتے ہیں۔

سئل نجم الدین عن مقبرة فیها اشجار هل یجوز صرفها الی عمارة المسجد قال نعم ان لم تکن وقفا علی وجه آخر قیل له ان تداعت حیطان المقبرة الی الخراب یصرف الیها او الی المسجد قال الی ما هی وقف علیه ان عرف وان لم یکن للمسجد متول ولا للمقبرة فلیس للعامة التصرف فیها بدون اذن القاضی (عالمگیری ص ۳۵۲ ج ۲)

۲۔ اکھاڑ سکتے ہیں مگر بکنے کے قابل ہو تو بیچ کر پیسے قبرستان پر لگا دیں۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

عورت کو قبر میں اس کے محرم اتاریں

کیا شوہر بیوی کی میت کو کندھا دے سکتا ہے اور قبر میں اتار سکتا ہے ؟

الجواب جنازے کو کندھا دے سکتا ہے اور اگر عورت کے محرم موجود نہ ہوں تو قبر میں بھی اتار سکتا ہے لیکن جسم کو کپڑے کے بغیر ہاتھ نہ لگائے۔

وذو الرحم المحرم اولی بادخال المرأة من غیرهم

كذا في الجوهرة النيرة وكذا ذو الرحم غير المحرم أو الأخت إلا جنبي فإن لم يكن فلا بأس للأجانب وضعها كذا في البحر الرائق (عالمگیری صفحہ ۱۶۱)

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

خانقاہوں پر ڈالی ہوئی چادریں وغیرہ اُٹھانا

جو خانقاہوں پر لوگ عوام جہلاء کپڑا ڈالتے ہیں اور مزاروں پر جیسے تکہ ڈالتے ہیں کیا وہ مسروقاً اُٹھا لینا جائز ہے یا ناجائز؟ چوری کی حد لگائی جائے گی یا کہ وقف ہے؟

الجواب: خانقاہوں پر جہلاء لوگ جو کپڑا ڈالتے ہیں۔ اور بزرگوں کے اس کے چرانے والے پر حد نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ حد اس شخص پر لگائی جاتی ہے جو مکان محرز و محفوظ سے چوری کرے۔ اور یہ مکان غیر محرز سے اُٹھایا گیا ہے۔ اس لئے اس کے سارق پر حد لازم نہیں آتی۔ البتہ ان اشیاء کا اُٹھانا جائز نہیں کیونکہ ما اُہِلَّ بہ لغیر اللہ میں داخل ہونے کا شبہ قوی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان
مورخہ ۵ شوال سنہ [illegible]ھ

الجواب صحیح
خیر محمد مدرسہ خیر المدارس ملتان
۱۰ شوال سنہ [illegible]ھ

ایصال ثواب تملیک کرکے کرنا

چند احباب قبرستان میں جمع ہو کر کچھ سورتیں وغیرہ پڑھتے ہیں۔ پھر اس کا ثواب ایک آدمی کی ملک کر دیتے ہیں وہ میت کو بخش دیتا ہے۔ یہ بہتر ہے یا ہر کوئی اپنا پڑھا

بخشے ـــــــــــ ؟

الجواب تملیک کا طریقہ بھی درست ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ ہر شخص اپنے پڑھے ہوئے کا ثواب خود بخشے، فقہاء نے خود بخشنا لکھا ہے۔

فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۱۴۰۳/۶/۱۲ھ

ایصالِ ثواب کے لئے قبرستان جانا ضروری نہیں

ایصالِ ثواب کے لئے قبرستان جانا ضروری ہے یا گھر سے یا مسجد یا جنازہ گاہ سے بھی پڑھ کر ایصالِ ثواب کیا جاسکتا ہے، ایصالِ ثواب کن کن چیزوں کا کیا جا سکتا ہے اور اس کا طریقہ کیا ہے ؟

الجواب کوئی ضروری نہیں جہاں سے چاہیں کر سکتے ہیں۔ عبادت اور صدقہ کا ثواب پہنچایا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ صدقہ رسم و رواج کے تحت نہ ہو۔ ایصالِ ثواب کے سلسلہ میں ایک جامع اور مفصل فتویٰ "خیر الفتاویٰ" جلد اوّل میں موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ فقط واللہ اعلم۔

۲۰/۷/۱۴۵۸ھ بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

مختلف اموات کو ثواب بخشا جائے تو تقسیم ہو کر پہنچتا ہے۔

(۱) قبرستان میں جا کر السلام علیکم یا اھل القبور کہنے کے بعد ایصالِ ثواب کے لئے الحمد شریف اور سورۃ اخلاص تین دفعہ پڑھ کر تمام مسلمان فوت شدگان کو بخشا جاسکتا ہے۔

(۲) اس کا ثواب ہر مسلمان فوت شدہ کو پورا پورا ملے گا یا ہر ایک کو اس کا ہزارواں

جثہ مطابق تعداد قبر کے تقسیم ہو کر ملے گا۔

الجواب: اس طرح ایصال ثواب درست ہے بشرطیکہ کسی اور بدعت کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ (۲)۔ تحقیق یہی ہے کہ متعدد اموات کو بخشا جائے تو تقسیم ہو کر پہنچتا ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۰/۶/۱۴۰۸ھ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جنازہ کس نے پڑھایا؟

س: حضرت عائشہ صدیقہؓ کی وفات کب ہوئی اور جنازہ کس نے پڑھایا؟

الجواب: ۵۸ھ میں رمضان کی سترھویں تاریخ کو آپؓ کا وصال ہوا اور جلیل القدر صحابی حضرت ابوہریرہؓ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

جنازہ کو سلامی دینا

بعض بڑے لوگوں کے جنازہ کے بعد میت کو سامنے رکھ کر میت کو سلامی دیتے ہیں یہ شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: نماز جنازہ کے بعد میت کو سلامی دینا قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں ثابت نہیں ہے۔ حالانکہ اعلیٰ سے اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل حضرات اس دور میں گزرے ہیں لہٰذا اس طرح سلامی دینا ایک غیر شرعی فعل ہے جو فرنگیوں کی تقلید میں کیا جاتا ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے۔ من تشبہ بقوم فہو منہم۔

الجواب صحیح: محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ فقط بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۲۰/۶/۹۳

میت کا مرثیہ کہنے کا حکم

بعض بڑے لوگ فوت ہو جاتے ہیں تو لوگ اُن کی وفات پر مرثیہ وغیرہ کہتے ہیں، کیا یہ درست ہے ۔؟

الجواب: درست ہے، بشرطیکہ اس میں میت کے اوصاف میں مبالغہ آرائی نہ ہو، جھوٹ نہ ہو بلکہ ایسے اوصاف ذکر کئے جائیں جو دوسروں کے لئے قابلِ تقلید ہوں۔ ولکذا لا بأس بمرثیۃ ذلمیت شعر اً او غیرہ کما فی الجلالیہ ۔ اھ (جامع الرموز ص۱۹۳) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ

جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونے کا حکم:

جنازہ دیکھ کر راستہ والوں کو کھڑے ہونا چاہیئے ؟ نماز پڑھیں یا ساتھ چلے چلیں یہ درست ہے یا از روئے حدیث کھڑے ہو جانا چاہیئے ۔؟

اکرام الحق ۔ راولپنڈی

الجواب: اگر ساتھ چلنے کا ارادہ نہ ہو تو جنازہ دیکھ کر اُٹھا نہ جائے اور ایسے ہی چلتے ہوئے رُکا نہ جائے البتہ اگر رُکنے میں جنازہ گزرنے کی سہولت ہو تو کوئی حرج نہیں ۔ بہر حال قیام عن القعود یا توقف عن المشی جنازہ کے احکام سے نہیں۔

ولا یقوم من فی المصلی لها اذا رآها قبل وضعها ولا من مرت علیه هو المختار اھ (رد المحتار علی الدر ص۵۹۶ ج۱)

الجواب صحیح ۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم ۔ محمد انور عفا اللہ عنہ

قبرستان کی خالی جگہ وضو وغیرہ کیلئے استعمال کر سکتے ہیں

کیا قبرستان کی جگہ مسجد میں شامل کی جا سکتی ہے جبکہ مسجد کی جگہ تھوڑی ہے، جو صرف ایک کمرہ اور باہر ایک صحن پر مبنی ہے۔ کیا مسجد سے باہر کی جگہ جو قبرستان کی ہے وہ وضو اور استنجاء کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔؟

الجواب باسمہٖ تعالیٰ: جو جگہ قبرستان کے لئے وقف ہو چکی ہے اسے مسجد نہیں بنا سکتے۔ البتہ بوقتِ ضرورت خالی ہونے کی صورت میں اس میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ ایسے ہی طہارت کے لئے بھی استعمال کر سکتے ہیں مگر رہے گی قبرستان ہی کی۔

فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ — ۱۴۰۸/۸/۱

اجنبی میت کا چہرہ دیکھنا: غیر محرم مرد یا عورت ایک دوسرے کا چہرہ دیکھ سکتے ہیں؟

الجواب باسمہٖ تعالیٰ: جسے زندگی میں دیکھنا جائز ہے، اُسے موت کے بعد بھی دیکھ سکتے ہیں۔

فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ — ۱۴۰۸/۲/۲۵ھ

تعزیت میں کیا کہا جائے: آدمی کسی کی تعزیت کے لئے جائے تو ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنی چاہیے یا نہیں اور کیا اسوہ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بارے میں؟

الجواب باسمہٖ تعالیٰ: تعزیت کے سفر میں آنحضرت علیہ السلام اور صحابہ کرام سے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ثابت نہیں۔ دعن اولی فعلیہ الا شبات حضرات فقہاء کرام نے تعزیت کرنے والے کے لئے لکھا ہے کہ ان الفاظ سے تعزیت کرے۔

ویقول عظم اللہ اجرک واحسن عزاءک وغفر لمیتک۔ امداد الفتاویٰ ص ۳۴۲ جلد ۱۔ عربی الفاظ نہ آئیں تو ان کا مفہوم ادا کر دے۔

الجواب صحیح ۔ ۱۳ / ۲ / ۱۴۰۹ھ ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۔ محمد انور عفا اللہ عنہ

سوگ میں چند منٹ کی خاموشی اور پرچم سرنگوں کرنے کا حکم

غیر مسلموں میں رواج ہے کہ کسی بڑی شخصیت کے مرنے پر بطور سوگ اجتماعی طور پر چند منٹ کی خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ نیز اگر وہ شخصیت ملک کے سربراہ کی ہو تو بطور سوگ کچھ دن پرچم سرنگوں رکھتے ہیں۔ پرچم سرنگوں کرنے کا رواج تو ہمارے ملک میں پہلے سے ہی ہے، اب بطور سوگ چند منٹ کی خاموشی کا رواج بھی شروع ہو گیا ہے چنانچہ پچھلے دنوں ایک اسمبلی میں یہ واقعہ پیش آیا ہے تو کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً شریعت میں موت اور مابعد الموت کے تمام احکام تفصیل سے مذکور ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مرنے والے سے ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو تو اسے مالی و بدنی عبادات سے ثواب پہنچایا جائے اور مرحوم کے ورثاء سے ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں دلاسہ دیا جائے اور ان کا غم ہلکا کرنے کی تدبیر کی جائے۔ اسلام میں "خاموشی" کوئی عبادت نہیں بلکہ خالص غیر مسلموں کی رسم ہے۔ مسلمانوں کو اس سے اجتناب ضروری ہے اگر ان کے ساتھ تشبہ کے قصد سے مسلمان بھی ایسا کریں گے تو سخت گناہ ہوگا۔

ایسے ہی پرچم سرنگوں کرنا بھی غیر مسلموں کی رسم ہے، اس سے بچا جائے۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

ترکہ تقسیم کرنے سے قبل صدقہ کرنا ہو تو اسکی ایک صورت

ایک نابالغ لڑکا جس کا والد فوت ہوچکا ہے اسکی والدہ اور دو بالغ بھائی اور ایک بہن موجود ہیں۔ والد کی وراثت تقسیم کرکے نہیں گیا۔ اسکے مال وغیرہ سے سعادت دنیوی نیز کرتے ہیں۔ خیرات بھی کرتے ہیں اسکی والدہ اگر کچھ خیرات کرتے تو طلباء کے لئے کہاں تک درست ہے یا نہیں۔ یا بغیر مدرسے کے کسی کو مشترکہ مال میں سے خیرات کر دے۔

الجواب: قبل از تقسیم مشترکہ ترکہ سے صدقہ کرنا درست نہیں۔ اگر صدقہ کرنا ہی ہو تو مثلاً ترکہ میں سے ایک ہزار روپیہ حسب شرع تقسیم کرلیں اس میں سے بالغ اپنے حصہ کو صدقہ کر دیں۔ نابالغ کا حصہ محفوظ رکھا جاوے۔

فقط واللہ اعلم۔		الجواب صحیح
محمد انور عفا اللہ عنہ	۳/۲	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس	۹۹ھ	مفتی مدرسہ ہذا

مزارات پر مروّجہ عرس مکروہ اور بدعت عمل ہے

ایک شخص مسجد امام اپنے والد کی وصیت پر یا ویسے اپنی خواہش پر اپنے والد کی قبر اپنی مسجد کے احاطہ میں بنوا ڈالے اور اوپر کا فرش جہاں قبر کی شکل بنائی گئی ہے مسجد کے متصل سے ۱/۲ ۲ فٹ اونچا رکھا ہے اور اس پر ایک کمرہ تیار کیا گیا ہے اور قبر پر ریشمی کپڑوں اور بجلی کے قمقموں سے سجاوٹ کی گئی ہے۔ عوام کی زیارت گاہ بنی ہوئی ہے۔ ہر سال عرس ہوتا ہے اور روضہ سے چند قدم کے فاصلہ پر گائے بھیڑیں ذبح کر کے پکائے جاتے ہیں اور عوام کو کھلائے جاتے ہیں۔ علاقہ کے چند مفتی اور مولوی آکر وعظ کرتے ہیں ایک رات شبینہ بھی ہوتا ہے ابھی دنوں میں لکڑی کا بنا ہوا گنبد نما روضہ بکو

دیا جاتا ہے۔ اس کو بجلی کے قمقموں سے سجایا جاتا ہے۔ عورتیں بھی اکثر رونق پر سو جاتی ہیں۔

الجواب

اگر یہ جگہ وقف ہے جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے تو اس جگہ قبر بنانا فرش لگوانا اور کمرہ تیار کرنا یہ سب تصرفات ناجائز و حرام ہیں اور یہ غاصبانہ فعل ہے۔ قبر کو ریشمی پردوں سے مزین کرنا اور عرس کرانا یہ افعال بھی مکروہ و بدعت ہیں۔ ففی الشامیۃ تکرہ الستور علی القبور اھ (ص $\frac{۸۳۹}{۱۴}$)

در حاشیہ ہدایہ مذکور است۔ یکرہ نقل الطعام فی المقبرۃ فی الاعیاد و اسراج السرج وغیرہ و اتخاذ الدعوۃ لقراءۃ القرآن و بختم القرآن و قراءۃ سورۃ الانعام و سورۃ الاخلاص الف مرۃ وجمع الصبیان والصلحاء لذلک اھ وفی شرح المنہاج للنووی الاجتماع علی المقبرۃ فی الیوم الثالث و تقسیم الورد والعود والطعام فی الایام المخصوصۃ کالثالث والخامس والتاسع ...... والاربعین والشہر السادس والسنۃ بدعۃ ممنوعۃ اھ۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی قدس سرہ العزیز ترجمہ ارشاد الطالبین میں ارقام فرماتے ہیں۔ قبور اولیاء اللہ را بلند کردن و گنبد بر آں ساختن و عرس و امثال آں چراغاں کردن ہمہ بدعت است بعض ازاں حرام و بعض مکروہ اھ۔

(کذا فی المسائل الاربعین عشریہ ص ۲۹)

عبارات سے مجملہ امور مذکورہ فی السوال کا ناجائز و بدعت ہونا ظاہر ہوا اور ایسے امور پر اصرار کرنے والا فاسق و مبتدع ہے اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

(کذا فی الشامیۃ والدر ص $\frac{۲۲}{۱}$)

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ خیر المدارس ملتان

۶/۹/۱۳۹۹ھ

قبرستان کو کوئی بھی نہیں بیچ سکتا

وقف شدہ قبرستان کو کوئی شخص شرع محمدی کی رو سے فروخت کرنا چاہتا ہے کیا وہ ایسا کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب موقوفہ قبرستان عامۃ المسلمین کے لئے وقف ہوتا ہے جس کا کوئی مالک نہیں ہوتا ۔ اسکی خرید و فروخت شرعاً بالکل ناجائز ہے ۔

ہدایہ میں ہے ۔ واذا صح الوقف لم یجز بیعہ ولا تملیکہ ۔

فقط واللہ اعلم

سید مسعود علی قادری مفتی مدرسہ انوار العلوم ملتان

الجیب مصیب ۔ خطیب اہالی مسجد غلام علی شاہ ملتان

الجیب مصیب ۔ محمد شفیع عفا اللہ عنہ مہتمم مدرسہ قاسم العلوم

الجواب صحیح ۔ الجواب حق والحق احق ان یتبع

محمد عبد اللہ غفر اللہ لہ مفتی خیر المدارس ملتان ۔ خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان ۱۳۷۷

قبرستان میں جوتا پہن کر چلنے کا حکم

جنازے کو جب دفن کرنے کے لئے قبرستان میں لیجاویں تو قبروں کے آداب و احترام کی مناسبت سے پاؤں میں سے جوتے اتار کے جاویں یا نہ ؟

الجواب اولیٰ یہی ہے کہ قبرستان میں جوتہ اتار کر چلے ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس

جوتا پہن کر چلنے والے سے بھی جھگڑا نہ کیا جائے کیونکہ جواز کے درجہ میں آتا ہے ۔

الجواب صحیح ۔ بندہ محمد عبد اللہ غفر لہ ، مفتی خیر المدارس ملتان

دفن کے بعد چالیس دن تک قبر پر حاضری دینا

دفن کے بعد قبر پر ۴۰ دن تک صبح و شام حاضری دیتے ہیں مثلاً سورج نکلتے وقت، غروب ہونے کے وقت حاضری دی جاتی ہے اور کچھ ذکر بھی کیا جاتا ہے یا پڑھا جاتا ہے، یہ عمل چالیس دن تک جاری رہتا ہے۔ چہلم کی رسم کے ساتھ ساتھ یہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب ایصال ثواب کے لئے اپنی طرف سے کوئی وقت اور دن متعین کر لینا زیادتی فی الدین ہے اور بدعت ہے۔

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — کتبہ احقر محمد انور — فقط واللہ اعلم۔

جنات کہاں دفن ہوتے ہیں؟

جنات پر جب موت آتی ہے تو ان کے وجود کو کہاں دفن کیا جاتا ہے۔؟

الجواب فیض الباری شرح بخاری حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کے ملفوظات میں منقول ہے کہ جنات فضا میں دفن ہوتے ہیں۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

کافر مسلمان کی وصیت کا گواہ نہیں بن سکتا

ایک مسلمان نے مرتے وقت اپنی کل جائیداد ایک عیسائی کے نام کر دی اور اس پر عیسائیوں ہی کو گواہ بنا لیا۔ کیا یہ وصیت نامہ شرعاً معتبر ہے؟

الجواب: بر تقدیر صحت واقعہ یہ وصیت نامہ عندالشرع غیر معتبر ہے۔ لہذا غیر مسلم بوجہ وصیت اس جائیداد سے کچھ نہیں لے سکتا۔

وفی الہندیۃ لا تقبل شہادۃ الکافر علی المسلم

کذا فی محیط السرخسی ص ۲۳ - والله اعلم الجواب صحیح

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ　　　بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

جنازہ کا اعلان مسجد میں

مسجد میں یہ اعلان کرنا کہ فلاں صاحب فوت ہو چکے ہیں۔ اور فلاں وقت نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔ کیا یہ اعلان جائز ہے؟

الجواب: جنازہ کے وقت کا اعلان مسجد میں کر سکتے ہیں۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ　　　۳۰/۶/۱۴۰۹ھ

قربانی کی کھالوں کے پیسوں سے قبرستان کیلئے جگہ خریدنا

جانوروں کی کھال کے پیسوں سے قبرستان کے لئے جگہ خریدی جائے یہ جائز ہے یا نہیں ــــ؟

الجواب: چرم قربانی کے پیسے واجب التصدق ہیں۔ اس کا مصرف فقراء اور مساکین ہیں۔ قبرستان کے لئے جگہ خریدنا جائز نہیں ہے

الجواب صحیح — فقط واللہ اعلم ،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

۷ / ۱۲ / ۱۳۸۹ ھ

بعد از نماز جنازہ اجتماعی کلمہ و کلام

بعد از نماز جنازہ فوراً بیٹھ کر کلمہ کلام پڑھنا درست ہے یا نہ ؟

الجواب نماز جنازہ کے فوراً بعد اجتماعی طور پر تمام کا بیٹھ کر قرآن کی تلاوت کرنا ثابت نہیں ۔ البتہ اگر کوئی علیحدہ طور پر میت کے لئے دعا و تلاوت کرے تو درست ہے ۔

فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح — بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ — ۱۸ / ۱۲ / ۱۳۸۹ ھ

کیا نبی میت کو لینے کے لئے پرانی آتی ہیں

موت کے وقت یہ جو مشہور ہے کہ میت کو لینے کے لئے سابقہ روحیں حاضر ہوتی ہیں جو کہ میت کے رشتہ دار پہلے سے فوت ہو چکے ہوتے ہیں ۔ یہ صحیح ہے ؟

الجواب یہ کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے ۔

فقط واللہ اعلم ،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۲۷ / ۴ / ۹۰

الجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

نائب مفتی خیر المدارس ۔ ملتان

آنکھیں دینے کی وصیت کر جانے کا حکم

اگر کوئی یہ وصیت کر جائے کہ میری وفات کے بعد میری آنکھیں فلاں کو دیدی جائیں کیا یہ وصیت شرعاً درست ہے ؟

الجواب لاش انسانی کی شرعاً وہ حیثیت نہیں ہے جیسے جوڑی ہوئی ناکارہ مشین کی کہ اس میں سے کارآمد چیزیں نکال کر کام میں لائی جاسکیں۔ مُردہ انسان کی لاش کی بے حرمتی اور چیر پھاڑ ایسے ہی ممنوع ہے جیسے زندہ انسان کی الا عند الاضطرار۔ پس شرعاً آنکھوں کے اتارنے کی اجازت نہیں گو مُردہ اسکی وصیت ہی کرکے مرا ہو۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
۲۹ / / ۸۵ھ

کافر کی صرف تعزیت جائز ہے جنازہ پڑھنا یا قبرستان جانا جائز نہیں

ہمارے ہاں ایک مرزائی فوت ہو گیا ہے لوگ اس کے جنازہ میں بھی شریک ہوئے اس کے گھر تعزیت کے لئے بھی گئے اور قبرستان بھی ساتھ گئے۔ ان کا یہ عمل کیسا ہے ؟

الجواب کافر کی صرف تعزیت جائز ہے اس کا جنازہ پڑھنا یا اس کے لئے دعاء مغفرت کرنا ناجائز ہے۔ ایسے ہی اسکی قبر پر جانا بھی جائز نہیں جن لوگوں نے ایسا کیا ہے وہ مجمع عام کے سامنے سخت شرمندگی کے ساتھ اللہ سے توبہ کریں۔ وفی النوادر جار یہودی او مجوسی مات ابن لہ او قریب ینبغی ان یعزیہ ویقول اخلف اللہ علیک خیرا منہ واصلحک وکان معناہ اصلحک اللہ بالاسلام یعنی رزقک الاسلام ورزقک ولدا مسلما کفایۃ (شامی ج ۵ فتاوی عالمگیری ص ۲۳۹ ج ۵)

(۲)۔ بیان القرآن میں ہے کافر کے جنازے پر نماز اور اس کے لئے استغفار جائز نہیں ص ۱۳۱/۴ج

روح البیان میں ہے۔

ولا تقم علی قبرہ ای ولا تقف عند قبرہ للدفن او للزیارۃ والدعاء الخ ص ۴۷۸ ج ۳

فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۰/ ۱۱/ ۱۴۰۹ھ

کنواری عورت کے لئے بہشت میں.....

جو عورت نیک سیرت اور اچھے اعمال کے ساتھ (غیر شادی شدہ) اس دار فانی سے کوچ کر جائے تو جنت کے اندر اس کا ازدواج کیا ہوگا جیسا کہ مردوں کے لئے حوریں ہوں گی۔

الجواب غیر شادی شدہ لڑکی کے نکاح سے متعلق کوئی روایت نظر سے نہیں گزری البتہ ولکم فیہا ما تشتہیہ الانفس وتلذ الاعین الآیۃ کے عموم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر ان کو یہ خواہش ہوئی تو پوری کی جائے گی۔

الجواب صحیح فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۹/۱۰/۱۴۰۹ھ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

اہل میت دفن سے پہلے کھانا کھا سکتے ہیں

عام لوگوں سے سنا ہے کہ اگر کسی گھر میں کوئی شخص فوت ہو جائے تو جب تک اسے دفن نہ کر لیا جائے اس وقت تک کھانا پکانا جائز نہیں کیا یہ درست ہے؟

الجواب: یہ مسئلہ من گھڑت ہے۔ شرعاً کھانا درست ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ فقط

عبداللہ عفی عنہ مفتی خیر المدارس، ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

۱۱/۱۰ / ۱۳۹۸ھ

جو میت کی چارپائی اُٹھائے گیا وہی واپس لائے

یہ رواج ہے کہ وہ تختہ جس پر مُردہ کو نہلایا جاتا ہے اور وہ چارپائی جس پر مُردہ کو قبرستان لے جایا جاتا ہے یہ دونوں چیزیں جس شخص نے اُٹھائی تھیں وہی آکر رکھے اگر کسی دوسرے شخص نے آکر رکھی تو یہ اعتقاد کرتے ہیں کہ کوئی دوسرا آدمی اس گھر میں مرجائے گا۔ کیا یہ اعتقاد رکھنا صحیح ہے یا غلط؟

الجواب: یہ خیالات اور اوہام جاہلانہ خرافات ہیں ان کی شریعت مقدسہ میں کوئی اصل نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

عبداللہ عفی عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

۲۹ / ۷ / ۱۳۷۷ھ

قبروں پر چھت ڈال کر اوپر رہائشی مکان بنانا

اگر مکان کے متصل کچھ قبریں ہوں۔ تو ان کے اوپر چھت ڈال کر رہائش کے لئے کمرہ بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ موجود قبریں پوری طرح محفوظ ہوں گی۔

الجواب: وقف قبرستان میں ایسا نہیں کر سکتے۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۴ / ۱۱ / ۱۴۰۹ھ

قبر سے مُراد عالم برزخ ہے یہ گڑھا مُراد نہیں

قبر کی زندگی سے کیا مُراد ہے۔ قبر میں عذاب یا راحت کی کیا نوعیت ہے قبر سے کیا زمین کا چھ فٹ کا گڑھا مراد ہے جس میں مُردہ دفن کیا جاتا ہے۔ یا اس کے علاوہ کوئی اور جہان مراد ہے۔؟

الجواب: قبر سے مُراد یہی ظاہری قبر ہے اسی میں جسم و روح ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام سواری پر تشریف فرما تھے کہ اچانک سواری بدکی آپ گرنے بھی لگے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس قبر والے کو عذاب ہو رہا ہے۔ اوکما قال (مشکوٰۃ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری اسی قبر سے گزر رہی تھی۔ عالم برزخ یا سجین سے اس کا گزر نہیں ہوا۔

بعض حضرات نے جو "قبر" سے مراد عالم برزخ لیا ہے۔ اور گڑھے کے قبر ہونے کی نفی کی ہے۔ اس سے مقصود تعمیم ہے۔ اور "قبر" کو "گڑھے" میں منحصر سمجھنے کی نفی ہے

فقط واللہ اعلم	الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

○

صاحب قبر کے وسیلے سے دُعا کرنا

صاحب قبر کے وسیلے سے اللہ پاک سے دُعا کرنا کیسا ہے۔ اسے شرک کہا گیا ہے یا نہیں۔ صاحب قبر کو مختار سمجھتے ہوئے اس سے کوئی چیز مانگنا کیا شرک نہیں جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ صاحب قبر مختار ہے۔ اسلئے اس سے کچھ مانگنا درست ہے تو اس عقیدہ والے کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں۔؟

الجواب: صاحب قبر کے وسیلے سے اللہ پاک سے مانگنا جائز ہے۔ اور ایسے

بھی صاحبِ قبر سے اللہ پاک کے دربار میں دعا کی درخواست کرنے کی بھی شرعاً گنجائش ہے۔ لہٰذا اسے شرک قرار دینا غلط ہے۔ صاحبِ قبر کو مختار سمجھتے ہوئے اس سے کوئی چیز مانگنا، اس کی شرعاً بالکل اجازت نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۹/۱۰/۱۴۰۹ھ

اگر کوئی شخص قبرستان کے درخت استعمال کرلے تو اُن کی قیمت قبرستان کی ضروریات پر لگا دے

قبرستان کی لکڑیاں کاٹ کر بھٹی پکائی اور اینٹیں مسجد پر لگا دیں کیا ان اینٹوں کا جو قبرستان کی لکڑیوں سے پکائی ہوئی ہیں مسجد پر لگانا جائز ہے یا نہ؟

الجواب حامداً ومصلیاً: ان اینٹوں کا مسجد پر لگانا جائز ہے البتہ قبرستان کے درختوں کا لگانے والا شخص (جس نے بھٹی پکائی) خود نہیں ہے اور نہ ان کا لگانے والا شخص معلوم ہے تو اہلِ مقبرہ اس شخص سے ان لکڑیوں کی قیمت وصول کر لیں اور اس قیمت کو مقبرہ کی تعمیر وغیرہ ضروریات میں استعمال کریں۔ لما فی قاضیخان ج ۳ ص ۲۳۲ مقبرۃ فیہا اشجار عظیمۃ وکانت الاشجار فیہا قبل اتخاذ الارض یعرف مالکہا فالاشجار باصلہا لمالکہا الخ۔

درخت لگانے والا معلوم ہو تو وہ مالک ہوگا اس کی اجازت کاٹنی بھی جائے گی۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ ۲۰/۲/۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح
بندہ عبداللہ غفر اللہ لہ ۱/۲/۱۴۰۰ھ

قبروں پر ڈالی گئی چادروں کا حکم

جو کپڑا جات قبروں پر ڈالتے ہیں ان کو عقیدۃً نہیں اٹھاتے کیا ایسے کپڑوں کو کوئی شخص اٹھا کر اپنے کام میں یا کسی غریب کے کام میں لگا سکتا ہے۔ اور ڈالنے والے کے ملک سے وہ کپڑے نکل جاتے ہیں یا نہیں۔ اگر نکل جاتے ہیں تو وہ مُردہ مالک ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہوتا تو پھر اٹھانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً قبر پر کپڑا ڈالنا جائز نہیں۔ قال فی الاحکام عن الحجة تکرہ الستور علی القبور۔ شامی ص ۶۳۶ ج ۱

میت ان کپڑوں کا مالک نہیں ہوتا کیونکہ میت ملک کا اہل نہیں۔ اسی وجہ سے تکفین موتی سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ لعدم صحة التملیک منه الا تری انه لو افترسه سبع کان الکفن للمتبرع لا للورثة نهر (شامی) صاحب بحر نے ایسی اشیاء کے بارے میں علامہ قاسم سے نقل کیا ہے ان المنذور له میت والمیت لا یملک کذا فی قبیل الاعتکاف۔ اور ظاہر یہی ہے کہ وہ کپڑا مالک کی ملک سے نہیں نکلتا کما قالوا فی السوائب وفی مسئلة ارسال الطیر فی الحج عند الاحرام۔ پس اس کپڑے کا استعمال بدون اجازت مالک کے درست نہیں ہوگا۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں اس قسم کی اشیاء کا یہی حکم لکھا ہے جبکہ اس میں ابطال ہے غرض ناذر کا۔

الجواب صحیح — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد عبداللہ غفرلہ — ۱۳۹۲ھ — نائب مفتی خیرالمدارس ملتان

اہل میت کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے

اگر میت کے اہل وعیال اپنے مُردہ پر روئیں تو ان کے رونے سے میت کو

عذاب وتکلیف ہوتی ہے یا نہیں ؟ زید کہتا ہے کہ عذاب ہوتا ہے اور بکر کہتا ہے کہ عذاب نہیں ہوتا ۔ آپ شریعت کی رو سے فتویٰ دیں ۔

الجواب یقیناً اہل وعیال کے رونے پر میت کو عذاب ہوتا ہے ، جبکہ میت نے رونے کی وصیت کی ہو یا راضی ہو ۔

رحمانیہ عذاب المیت ببکاء اهلہ اذا اوصیٰ بہ ۔ ۔ ۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
۱۸ / ۳ / ۱۴۰۴ھ

کیا جمعرات کو ارواح گھر آتی ہیں

بعد از موت انسان کی روح ہفتہ یا دو ہفتہ بعد جمعرات کو اپنے فانی گھر میں واپس آتی ہے اور کیا اس روح کے لئے ختم دلوانا جائز ہے ، نیز موت کے تیسرے دن قُل کروانا جائز ہے شرعاً ختم دلوانا جائز ہے ؟

الجواب ارواح کا گھر میں واپس آنا صحیح روایات سے ثابت نہیں ہے یہ اعتقاد نہ رکھا جائے ایصالِ ثواب بلا قید تاریخ وغیرہ کے جائز ہے بلکہ مستحب ہے مگر اس کے لئے ختم کا اہتمام یا خصوصی تاریخوں کا تعین بدعت اور گناہ ہے لہٰذا مروجہ تاریخوں کے علاوہ بلا ختم دانے کے کھانا کپڑا نقدی جو چاہے خیرات کر کے ایصالِ ثواب کرنا چاہیئے تیسرے دن قُل کرنا بدعت ہے ۔

فقط

الجواب صحیح
عبداللہ غفرلہٗ
مفتی خیر المدارس ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس
۱۴ / ۱۲ / ۔۔ھ

ایصالِ ثواب کیلئے اُجرت پر قرآن پڑھوانا

میں نے اپنی والدہ کے لئے پانچ قرآن حافظ صاحب سے ختم کروائے اور دس روپیہ ھدیہ دیا اس نے کہا کہ میں پانچ روپے فی قرآن ھدیہ لیتا ہوں اس سے کم نہیں لیتا کیا یہ شرعاً جائز ہے ؟

الجواب تلاوت کلام پر اُجرت لینا جائز نہیں اس طرح پڑھانے سے کچھ ثواب نہیں حتیٰ نہ پڑھنے والوں کو اور نہ جسے بخشا گیا۔ لینے دینے والے دونوں گناہگار ہیں۔ کتاب الاجارۃ میں علامہ عینیؒ نے ایسے ہی نقل کیا ہے۔ خود جتنا ہو سکے پڑھ کر یا خیرات کر کے ثواب بخش دیا کریں۔ ایسے حافظوں سے پڑھوانے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ
۱۴ / ۹ / ۸۰

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

میت کی مجالس بدعات میں تاویل کیساتھ شرکت کرنا

ہمارے دیوبندی مکتبِ فکر کی جامع مسجد کے امام اور متولیان وغیرہ میت کی رسوم تیجہ وغیرہ میں شرکت کرتے ہیں اگر انہیں منع کیا جائے تو وہ جواب میں آیت

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ۔

پڑھتے ہیں۔ کیا درست ہے ؟

الجواب ثواب پہنچانے کا مروج طریق جس میں ایام و اعمال کی تعیین ہوتی ہے نیز اس کا التزام کیا جاتا ہو بدعت ہے کما ھو لا یخفی۔ امام صاحب کا باوجود مسئلہ معلوم ہونے کے بدعات کی مجلس میں شریک ہونا کسی طرح صحیح نہیں مقتدا حضرات کی شرکت لوگوں کے عقائد کے فساد کا سبب بنتی ہے۔

ایسے لوگوں کے لئے تو حکم یہ ہے کہ اگر اتفاقاً بھی کسی ایسی مجلس میں پہنچ جائیں تو اٹھ جائیں چہ جائیکہ باوجود علم کے شرکت کی جائے۔

ولو دعی الی دعوۃ فالواجب الاجابۃ ان لم یکن ھناک معصیۃ ولا بدعۃ والامتناع اسلم فی زماننا الا اذا علم یقیناً ان لا بدعۃ ولا معصیۃ اھ شامی ج۲۲۹/ ص۵

آیت مذکورہ فی السوال کو اگر وہ اس مقصد کے لئے پڑھتے ہیں کہ دعوۃ بالحکمۃ کے لئے بدعات میں شرکت جائز ہے تو وہ یقیناً غلط کہتے ہیں، ورنہ دعوت ہدایت کی بجائے بدعت کی تائید و نصرت کر رہے ہیں ان کا اپنے اس عمل پر اصرار ان کی امامت کے لئے مفضی الی الکراہتہ ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح — محمد انور

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — ۲۲ / ۴ / ۱۴۰۲

بے نماز کی میت کو جنازے کے وقت ڈھیلے مارنا

ایک شخص مر گیا ۴۰ یا ۵۰ سال کی عمر میں اور اس نے بالکل نماز نہ پڑھی ہو اور نہ ہی کوئی گواہی دے۔ اس کا نماز جنازہ پڑھتے وقت ڈھیلے مارنے چاہئیں یا نہیں ؟

(۲) ایک شخص نے نماز ظہر یا کوئی فرضی نماز نہ پڑھی ہو اور جنازہ دیکھ کر اس میں شریک ہو جاتا ہے اسکو معلوم تھا کہ فلاں شخص فوت ہو گیا ہے اور جنازہ پڑھ کر دفن کرنے گئے اور فرض عین کو ادا نہ کیا۔ کیا اس کو نکال دیا جائے یا شریک ہونے دیں ؟

الجواب : نماز پڑھتے وقت اسے ڈھیلے مارنا درست نہیں۔ آخر وہ کلمہ گو مسلمان تو ہے گو فاسق و فاجر اور سخت گنہگار ہے۔ میت کی تذلیل درست نہیں۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کسر عظم المیت ککسرہ حیاً رواہ مالک وابوداؤد (مشکوٰۃ ج۱ ص۱۴۹) قولہ ککسرہ حیاً یعنی فی الاثم کما فی الروایۃ قال الطیبی فیہ اشارۃ الی انہ لایہان المیت کما لایہان الحی وقال ابن الملک والی ان المیت یتألم قال ابن حجر ومن لازمہ ان یستلذ بما یستلذ بہ الحی انتہی وقد اخرج ابن ابی شیبۃ عن ابن مسعودؓ اذی المؤمن فی موتہ کاذاہ فی حیاتہ ذکرہ فی المرقاۃ اھ حاشیہ مشکوٰۃ ج۱ ص۱۴۹

۔۔ جنازہ سے نکالا نہ جائے۔ لیکن ظاہر ہے کہ فرض عین فرض کفایہ سے زیادہ اہم ہے۔ اس کی بھی تاکید کی جائے۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان
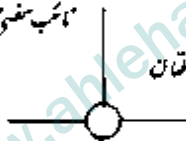
دسویں محرم کو قبروں کی لیپائی کرنا

دیکھنے میں آیا ہے کہ عشرۂ محرم میں لوگ جوق در جوق قبرستان میں جاتے ہیں۔ اور قبروں کی صرف ماہ محرم میں ہی لیپائی وصفائی اور درستی کرتے ہیں اور بعد میں سوکی دال قبر پر بکھیرتے ہیں۔ قرآن مجید قبرستان میں ساتھ لے جاتے ہیں اور قبر پر بیٹھ کر تلاوت کرتے ہیں۔ کیا قبرستان میں قرآن پاک لے جاکر پڑھنا صحیح ہے۔ نیز عشرۂ محرم میں مختلف قسم کی اشیاء مثلاً چاول، کھیر، حلیم وغیرہ پکا کر قصبہ بھر میں جاکر تقسیم کرتے ہیں کیا یہ افعال عشرۂ محرم میں جائز ہیں۔ آگے پیچھے ان پر توجہ دینا ضروری نہیں۔

۲۔ میت کے کفن پر سیاہی کے پانی سے کلمہ طیبہ و کلمہ شہادت تحریر کرتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟

الجواب

۱۔ قبروں کی لیپائی بے حرمتی سے بچانے کے لئے امر مستحسن ہے۔ لیکن عشرۂ محرم کی تخصیص درست نہیں۔ شرعاً اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ عاشورہ کے دن اپنے اہل وعیال پر کھانے وغیرہ میں توسیع شرعاً مطلوب ہے۔ عام تقسیم میں اہل تشیع سے مشابہت ہے اس لئے احتراز کیا جائے۔ قرآن کریم کی تلاوت قبرستان میں جائز ہے۔ ہندیہ میں ہے:

قراءۃ القرآن عند القبور عند محمد لا تکرہ

ومشائخنا اخذوا بقوله صفحہ ۱۶۶ ج ۱

۲۔ سیاہی وغیرہ سے لکھنا منع ہے میت کے چہرہ یا سینہ پر سیاہی کے بغیر کلمہ لکھا جاسکتا ہے۔ شامیہ صفحہ ۸۴۶ ج 1 ۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

۱۳ / ۹ / ۱۴۰۶ھ

نہ آنحضرت علیہ السلام کا ہر قبر میں آنا ثابت ہے اور نہ میت سے لیکر روضۂ اطہر تک پردے ہٹائے جانے کا کوئی ثبوت ہے:

ہمارے امام صاحب کہتے ہیں کہ جب آدمی فوت ہو جاتا ہے تو قبر میں فرشتے کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہو جاتے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: آنحضرت علیہ السلام کا فرشتوں کے ساتھ جلوہ گر ہونا کہیں ثابت نہیں۔ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ بس قبر سے آنحضرت علیہ السلام کے مزار تک پردے اٹھا دیئے جاتے ہیں۔ لیکن بعض محققین علماء نے کہا ہے کہ یہ بھی صحیح نہیں۔

ولا نعلم حدیثاً صحیحاً مرویاً فی ذالک حاشیہ مشکوٰۃ ج۱ ص۲۴

مشہور شارح حدیث حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

ولا یلزم من الاشارۃ ما قیل من رفع الحجاب بین المیت وبینہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی یراہ ویسئل عنہ لان مثل ذلک لا یثبت بالاحتمال اھ۔

مرقاۃ ص۲۱۲ ج۱ ۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح ۔ محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

تدفین سے فارغ ہونے کے بعد کیا کیا جائے

جب میت کو دفن کر چکیں تو اہل میت کے ساتھ ان کے گھر واپس آئیں یا اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ حکم شرع مطلوب ہے؟

الجواب دفن کے بعد تعزیت کے لئے اہل میت کے ہاں جانا مکروہ ہے دفن میں شریک لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو جائیں ایسے ہی اہل میت بھی اجتماعی تعزیت کے لئے کوئی اہتمام نہ کریں۔

قال کثیر من متأخری ائمتنا رحمہم اللہ یکرہ الاجتماع عند صاحب المیت حتی یأتی الیہ من یعزی بل اذا رجع الناس من الدفن فلیتفرقوا ویشتغلوا بامورہم وصاحب المیت بامرہ ویکرہ الجلوس علی باب الدار للمصیبۃ فان ذلک عمل اھل الجاھلیۃ ونھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک وتکرہ فی المسجد اھ (مراقی)

(ویکرہ الجلوس علی باب الدار) قال فی شرح السید ولا بأس بالجلوس لہا الی ثلاثۃ ایام من غیر ارتکاب محظور من فرش البسط والاطعمۃ من اھل المیت الی قولہ عن التجنیس لا بأس بالجلوس لہا ثلثۃ ایام وکونہ علی باب الدار مع فرش بسط علی قوارع الطریق من اقبح القبائح اھ (طحطاوی ص ۳۳۹)

فقط واللہ اعلم
محمد انور

میت کو قبرستان کیسے لے جایا جائے

اگر قبرستان آبادی کی مغربی جانب ہو تو ظاہر ہے کہ میت کو قبرستان لے جاتے وقت میت کے پاؤں قبلہ کی طرف ہوں گے۔ اس میں کوئی گناہ تو نہیں؟

الجواب جنازہ لے جاتے وقت سر کی جانب آگے رکھی جائے۔

پاؤں جاہیے جدھر ہو جائیں۔

وفی حالة المشی بالجنازة یقدم الرأس کذا فی المضمرات اھ (عالمگیری ص۱۶۲ ج۱)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

جوان عورتیں قبرستان میں نہ جائیں

عورتوں کو قبرستان جانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر منع ہے تو کیوں؟

محمد شفیع حیدرآباد

الجواب: بوڑھی عورتیں قبرستان عبرت کے لئے جا سکتی ہیں۔ جوان عورتوں کے لئے جانا منع ہے۔

والاصح ان الرخصة ثابتة لهن اھ (ملخصاً شامی) وجزم فی شرح المنية بالكراهة لما مر فی اتباعهن الجنازة وقال الخير الرملی ان كان ذلك لتجديد الحزن والبكاء والندب علی ما جرت عادتهن فلا تجوز وعليه حمل حديث لعن الله زائرات القبور وان كان للاعتبار والترحم من غير بكاء والتبرك بزيارة قبور الصالحين فلا بأس اذا كن عجائز ويكره اذا كن شواب كحضور الجماعة فی المساجد وهو توفيق حسن۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح:
بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ

۱۲/۴/۱۴۰۹ھ

"بیڑی بھاڑہ" کی شریعت میں کوئی اصل نہیں

عوام میں رواج ہے کہ جنازہ کے ساتھ کچھ اناج ساتھ لے جاکر مجاور خانقاہ کو یا کسی فقیر کو بانٹ دیتے ہیں اور بعض جگہ یہ رواج ہے کہ مرنے کے بعد کچھ سیر دو سیر گندم وغیرہ مردہ کے سر کے نیچے رکھ دیتے ہیں۔ ایسی گندم یا کچھ بھی ملا کر جنازہ کے ساتھ لیجا کر بانٹ دیتے ہیں۔ جس کو بعرف عام وغیرہ بیڑی بھاڑہ کہتے ہیں یعنی کشتی پر سوار ہونے کی اجرت۔ گویا یہ مردہ آخرت کی کشتی پر سوار ہوا ہے اسکی اجرت وارث قبل تقسیم وراثت دیدیتے ہیں اور بعض اوقات بھی بیڑی بھاڑہ وغیرہ دیا جاتا ہے۔ یہ اتفاقاً اور رسم و رواج درست ہے، سنت کے موافق ہے یا بدعت ہے؟

الجواب: رسم مذکور بالمعروف بہ بیڑی بھاڑہ (کشتی کا کرایہ) بدعت ہے۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ یہ جاہلانہ باتیں ہیں۔ البتہ ایک اصل صورت شرعیہ جو فقہاء نے قضا نمازوں اور روزوں کے متعلق تحریر فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ متوفی کی قضا نمازوں اور روزوں کا حساب لگایا جائے ہر نماز کے بدلے ایک فطرانہ کے بقدر پیسے یا غلہ کسی فقیر یا محتاج کو دیا جائے۔ یہ رقم اگر میت نے وصیت کی ہو تو تہائی مال سے نکالی جائے ورنہ بالغ وارث اپنے ذاتی مال سے دیں۔ اگر وارثوں کے پاس روپیہ زیادہ نہ ہو اور متوفی کے ذمہ نمازیں اور روزے بہت قضا ہوں تو تھوڑی سی رقم مثلاً پانچ نمازوں کا فدیہ فقیر کو دیا جائے۔ بعد میں فقیر اس رقم کو بطور ہبہ وارث کی طرف لوٹا دے پھر وارث دوبارہ اور پانچ نمازوں کے بدلے میں وہ رقم مسکین کو دیدے پھر فقیر وارث کو ہبہ کر دے علی ھذا القیاس لوٹا کر اسکی تمام نمازوں کا فدیہ ادا کیا جا سکے۔ (کما فی الشامیۃ ص۷۳۳ ج۱)

ولو مات وعليه صلوات فائتة واوصى بالكفارة
يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر كالفطرة وكذا
حكم الوتر والصوم وانما يعطى من ثلث ماله ولو لم يترك

ما لا يستقرمن وارثه نصف صاع مثلا ويدفعه الفقير
فلو ارث نم وثم حتى يتم ۔ فقط واللہ اعلم
عبداللہ عفی عنہ مفتی خیر المدارس ۔ ملتان ۔ ۲۱ / ۶ / ۶۶ھ

اولیاء میت سے اجازت لئے بغیر دفن سے پہلے نہیں لوٹنا چاہیے

س امام مسجد محلہ والا میت کا جنازہ پڑھا کر میت کے دفنانے سے قبل واپس آجاتا ہے تو اس کی برادری کے لوگ ناراض ہوتے ہیں تو کیا ایسی صورت میں امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ میت کے دفنانے کے بعد واپس آئے ۔؟

الجواب اولیاء میت سے اجازت لئے بغیر نہیں لوٹنا چاہیے تا تارخانیہ
وقد يرجع من الجنازة قبل الدفن بغير اذن اهلها ج ۲
الجواب صحیح ۔ فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۔ ۲۴ / ۷ / ۹۶ھ ۔ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

قبرستان مٹ جائے تو بھی وہ قبرستان ہی رہیگا

س ہمارے علاقہ میں ایک چھوٹا سا قبرستان تھا آبادی کی کثرت کی وجہ سے نیا قبرستان بنا لیا گیا اب وہ جگہ ویران پڑی ہے کوئی وہاں مردہ دفن نہیں کرتا ۔ کیا کاشت کر سکتے ہیں ۔؟

الجواب وفی الهندية ص ۴۷۰ ج ۲ سئل هو ايضا عن المقبرة فی القرى اذا اندرست ولم يبق فيها اثر الموتى لا العظم ولا غيره هل يجوز زرعها واستغلالها قال لا ولها حكم المقبرة ۔ روایتِ بالا سے معلوم ہوا کہ جو زمین قبرستان پر وقف ہو

گئی ہے اگرچہ لوگ اس میں اموات دفن نہ کرتے ہوں اور دفن شدہ قبریں مٹ گئی ہوں۔ تب بھی وہ زمین قبرستان کے حکم سے نہیں نکلتی اس کو کاشت کرنا اور کرایہ پر دینا جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح۔ بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۶ / ۷ / ۹۲ ھ

خانہ بدوش اپنی میت منتقل کر سکتے ہیں یا نہیں

ہمارے ہاں رواج ہے، جو حضرات ڈیروں پر بیٹھتے ہیں۔ ان کے ہاں جب کوئی میت ہو جاتی ہے۔ اس کو دفن کرنے کے لئے اپنے وطن لے جاتے ہیں، میت کو بغیر غسل دیئے یا میت کو غسل دے کر دوسرے مقام پر منتقل کرنا جائز ہے؟

الجواب باسمہ تعالیٰ

اگر یہ لوگ مستقل رہائش ڈیروں پر رکھتے ہیں تو انتقال مکروہ ہے خواہ غسل سے پہلے ہو یا بعد میں۔

ویستحب الدفن فی مقابر محل مات به او قتل فان نقل قبل الدفن قدر میل او میلین لا بأس به وکره نقله لاکثر منه مراقی علی الطحطاوی ص۳۳۲

الجواب صحیح۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم۔ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

۲۰ / ۱ / ۱۳۹۶ھ

مرزائی میت کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا

کیا مرزائی میت کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جا سکتا ہے؟

از دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت۔ ملتان

الجواب باسمہ تعالیٰ

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے لیکر آج تک تعامل مسلمین یہی ہے کہ مسلمانوں اور کفار کے قبرستان علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ اور تعامل امت حجت قطعیہ ہے لہٰذا مرزائی کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں

۲۔ قبرستان میں داخلہ کے وقت سلام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کفار کا دفن مسلمانوں کے قبرستان میں جائز نہیں وہ الفاظ یہ ہیں۔ "السلام علیکم دار قوم مؤمنین" اضافت دار مؤمنین کی طرف علامت تخصیص ہے اور یہ الفاظ حدیث میں وارد ہیں۔ (شامی)

۳۔ اگر اتفاقاً چند مسلمان اور کافر مردے باہم مل جائیں اور کوئی امتیازی علامت موجود نہ ہو تو فقہاء لکھتے ہیں کہ ان کو بھی علیحدہ دفن کیا جائے۔ ہر چند ان میں مسلمان بھی ہیں لیکن مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے سے لامحالہ کافر بھی وہیں دفن ہوں گے (اور یہ جائز نہیں ہے)۔

۴۔ اگر کوئی ذمیہ عورت مسلمانوں سے حاملہ ہو اور بحالت حمل اس کا انتقال ہو گیا تو فقہاء فرماتے ہیں کہ اس کو مسلمانوں کے قبرستان سے علیحدہ دفن کیا جائے کیونکہ بچہ جب تک اس کے پیٹ میں ہے اسی کا جزء ہے کہ وہ کافرہ ہے لہذا مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے۔ یہ صراحت ہے اس بات کی کہ غیر مسلم کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہے۔

لو اختلط موتانا بكفار ولا علامة اعتبر الاكثر قالوا
والاحوط دفنها على حدة (در مختار) قوله كدفن ذمية)
حمل الاول شبهاً بهذا الذي اختلف فيها الصحابة رضي
الله تعالى عنهم على ثلاثة اقوال فقال بعضهم تدفن في
مقابرنا ترجيحاً لجانب الولد وبعضهم في مقابر المشركين
لان الولد في حكم جزء منها مادام في بطنها
وقال واثلة بن الاسقع يتخذ لها مقبرة على حدة
قال في الحلية وهذا الاحوط (شامی) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس۔ ملتان

الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی
خیر المدارس۔ ملتان
۲۵ / ۷ / ۹۶ھ

کفن دفن کی فلم بنانا

آج کل نماز جنازہ کفن دفن وغیرہ کی فلمیں بنتی ہیں، کوئی کتنا ہی بچنے پھر بھی اسکی فوٹو فلم میں آ جاتی ہے۔ ایک حدیث کی شرح میں تقویۃ الایمان میں لکھا ہے کہ فوٹو گرافر کو قاتل کا سا گناہ ہوگا۔ یہ پڑھ کر تشویش ہوتی ہے۔ (۲)۔ نماز جنازہ پڑھنا اور کفن دفن میں شریک ہونا چونکہ ضروری کام ہے ان کو چھوڑ بھی نہیں سکتے۔ ایسی صورت میں کیا تدبیر کرے کہ فوٹو کھچوانے کے گناہ کبیرہ سے بچ سکے۔ کیا ایسی صورت میں نماز جنازہ اور کفن وغیرہ میں شریک ہو تو کوئی شرعی گناہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب: فوٹو کھینچنا اور کھچوانا سخت حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فوٹو کھینچنے والوں پر لعنت فرماتے ہیں۔ جنازہ اور دفن کا وقت انتہائی عبرت کا مقام ہے ایسے موقعہ پر گناہ سے ہر مسلمان کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ ایسے موقعہ پر حرام فعل کا ارتکاب کرنا اور فوٹو کھنچ کر اور میت کو اس میں شریک کرنا انتہائی بدبختی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے بلکہ اللہ کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ اگر کوئی چارۂ کار نہ ہو تو جس جگہ اور جس وقت تصویر کشی ہو رہی ہو اس وقت کنارہ کشی کرلیں بدیں وجہ شرکت سے دستکش نہ ہوں۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

میت کے گرد کچی اینٹیں اور ان کے نیچے پکی اینٹیں لگانا

اگر قبرستان میں سیم ہو تو وہاں پکی اینٹیں لگائی جا سکتی ہیں؟

الجواب: میت کے اردگرد اینٹیں کچی رہیں ان کے نیچے ادھر ادھر پکی اینٹیں لگا سکتے ہیں۔ کذا فی الشامیۃ ص ۶۲۴ ج ۱۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۵ / ۱۲ / ۱۴۰۱

والدین کی قبر کا بوسہ بھی جائز نہیں

اپنے والدین کی قبر کا بوسہ لینا جائز ہے یا نہیں عالمگیری میں ہے کہ جائز ہے۔ اگر جائز ہے تو کس طرح لینا چاہیئے :

جواب: عالمگیری میں ہے کہ: ولا یمسح القبر ولا یقبلہ فان ذلک من عادۃ النصاریٰ ولا بأس بتقبیل قبر والدیہ ص۳۵۱ ج۵۔

اس عبارت سے گو کچھ گنجائش معلوم ہوتی ہے لیکن حضرات علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ یہ درست نہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں تحریر فرماتے ہیں :

کہ در بارۂ بوسہ قبر والدین روایت فقہی نقل میکنند و صحیح آنست کہ لا یجوز است۔ حضرت مولانا عبدالحیؒ اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں کہ محققین حنفیہ شافعیہ و مالکیہ و حنابلہ کے نزدیک اسطرح کا فعل مکروہ اور بدعت ہے کسی قبر کے ساتھ خواہ قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو یا قبر ولی و مرشد کی ہو یا قبر والدین کی ہو ہرگز نہ چاہیئے۔

نا قبلہ عن الفتاوی العزیزیہ

لہٰذا کسی قبر کو بوسہ دینا درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ — الجواب صحیح

۱۴ / ۵ / ۱۴۰۳ — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

میت کے ساتھ حلوہ پکا کر لے جانا

بعض لوگوں کا اعتقاد ہے کہ مُردہ کے ساتھ چند روٹیاں پکا کر اُن پر شکر وغیرہ ڈال کر ساتھ لے جاتے ہیں اور بعض جگہ حلوا پکا کر ساتھ لے جا کر قبر کھودنے والے کو خصوصاً ——— اور فقیروں کو کھلاتے ہیں اور بعض کا یہ خیال ہے کہ قبر میں

مردہ کو مسند چ کر کے سل مارتا اور غروب ہوتا نظر آتا ہے یہ روٹیاں مردہ کے کان پر آجاتی ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ حلوہ سے مردہ کی تکلیف رفع ہوتی ہے، اور بعض کا یہ ارادہ نہیں ہوتا۔ کیا یہ اعتقاد صحیح ہے یا نہ؟

الجواب: جاہلانہ خیال ہے اور بے اصل رسم ہے۔
فقط واللہ اعلم

حررہ عبد اللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس۔ ملتان

۲۴ / ۶ / ۱۳۹۷ھ

زندگی میں قبہ نما قبر بنوانا:

اپنی قبر بنا کر اوپر قبہ نما عمارت بنا ڈالی ہے۔ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رو سے شرعی حیثیت اس کی کیا ہوگی؟

الجواب: قبر بنانے کی گنجائش ہے لیکن اس پر گنبد بنانا منع ہے۔ حدیث میں ہے: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن تجصيص القبور وان يكتب عليها وان يبنى عليها (رواہ مسلم)

فقط واللہ اعلم
محمد انور

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۱۹ / ۷ / ۱۴۰۸ھ

قبرستان میں ٹیوب ویل لگانا

ایک پرانا قبرستان ہے، جس کے ایک کونے میں گرد و نواح کے باشندے کوڑا کرکٹ پھینکتے ہیں۔ اور وہاں بظاہر کوئی قبر نظر نہیں آتی، آیا چیلنج پروگرام کے تحت منظور شدہ ٹیوب ویل لگا سکتے ہیں۔ جواب سے مطلع فرمائیں؟

قبر کو بوسہ دینے کا حکم

سوال: قبر کو بوسہ دینا اور ہاتھ لگانا مکروہ ہے عام لوگوں کی عادت ہے جب کسی بزرگ کی قبر پہ جاتے ہیں تو قبر پہ ہاتھ پھیرتے ہیں اور بعض لوگ قبر کا بوسہ بھی لیتے ہیں کیا شرعاً یہ درست ہے۔

الجواب: قبر کو ہاتھ لگانا اور قبر کا بوسہ لینا مکروہ ہے۔

ویکرہ النوم علی القبور ویکرہ تحریماً قضاء الحاجۃ ای البول والتغوط علیھا بل وقریباً منھا وکذا مالم یعھد من غیر فعل السنۃ اھ (مراقی)۔

(قولہ وکذا مالم یعھد من غیر فعل السنۃ) کالمس والتقبیل وفی لہ من غیر بیان لما اھ (طحطاوی ص۳۴۳)

وفیہ (ای الطحطاوی) ولا یمس القبر ولا یقبلہ فانہ من عادۃ اھل الکتب ولم یعھد الاستلام الا للحجر الاسود والرکن الیمانی خاصۃ اھ (ص۳۴۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

عذابِ قبر سے محفوظ رہنے کی بشارت جمعہ کی رات یا دن کو مرنے والے کے لئے ہے دفن ہونے والے کیلئے نہیں

سوال: زید بدھ یا جمعرات کے دن فوت ہوا ہے اگر جمعہ کی رات یا جمعہ کے دن دفن کریں تو کیا وہ بھی عذابِ قبر سے محفوظ رہے گا؟

الجواب: حدیث نبوی میں جو عذاب قبر سے محفوظ رہنے کا ذکر ہے وہ جمعہ اور جمعہ کی رات کو مرنے والے کے بارے میں ہے۔ جو ان ایام کے

علاوہ کسی اور دن میں مرے اس کے لئے وعدہ نہیں چاہیے لے دفن جمعہ کی رات کیا جاوے یا جمعہ تک قبر پر پڑھنے والے بیٹھے رہیں۔

ما من مسلم یموت یوم الجمعة او لیلة الجمعة الا وقاه الله فتنة القبر قال القاری فتنة القبر ای عذابه وسؤاله وهو یحتمل الاطلاق والتقیید والاول هو الاولی بالنسبة الی فضل المولی (مرقاة صـ۲۸۲ ج ۲)

الجواب صحیح
محمد صدیق غفرلہ

۲/۱
۱۴۰۵ھ

محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

قبر زمین سے ایک بالشت اونچی ہو

قبر زمین سے کتنی اونچی ہونی چاہیے؟

الجواب: ایک بالشت اونچی ہونی چاہیے۔ ویسنم القبر قدر الشبر (عالمگیری ج ۱)

الجواب صحیح،
عبد الستار عفی عنہ

محمد انور
۹۵/۴/۲۲

خاوند بیوی کو قبر میں اتار سکتا ہے؟

کیا خاوند اپنی بیوی کو لحد میں اتار سکتا ہے؟ اور اس میں سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟

الجواب: زیادہ بہتر تو یہ ہے کہ عورت کو قبر میں وہ رشتہ دار اتاریں جو اس کے لئے محرم ہوں، یہ نہ ہوں تو پھر وہ جو رشتہ دار

ہیں۔ اگر محرم نہیں ہیں۔ یہ بھی نہ ہوں تو اجنبی اُتار سکتے ہیں۔ خاوند بھی اجنبیوں کے حکم میں ہے۔ وذو الرحم المحرم اولیٰ بادخال المرأة من غیرهم کذا فی الجوهرة النیرة وکذا ذو الرحم غیر المحرم اولیٰ من الاجنبی فان لم یکن فلا بأس للاجانب وضعها اھ

(عالمگیری ص۱۶۶) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

قبرستان زیرِ آب آجائے تو نعشوں کو منتقل کرنیکا حکم

ایک عالم باعمل کو قبرستان میں دفن کیا گیا بیس سال کے بعد سیلاب نے قبریں برباد کر دیں ان کی نعش کو دوسری جگہ منتقل کرا دیا گیا کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب بلا ضرورت اموات کو مکان سے منتقل کرنا جائز نہیں البتہ بوقت ضرورت جب کہ قبرستان کو پانی لگ رہا ہے۔ اور مُردہ کے بہہ جانے کا خطرہ ہو منتقل کرنا جائز ہے۔ تفسیر مظہری میں حضرت قاضی صاحب نے جوازِ نقل کا فتویٰ دیا ہے۔
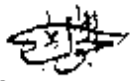
بہرحال اب صورتِ مسئولہ میں ضرورت عدم ضرورت کا فیصلہ مقامی علماء کر سکتے ہیں۔ اب دوسری جگہ عالم مذکور کو دفن کیا گیا ہے تو وہاں رہنے دینا چاہیئے اور تردّد اور نزاع کو ختم کر دینا چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

خادم الافتاء خیر المدارس۔ ملتان

دفن سے پہلے قبر میں سورۂ ملک پڑھنا

بعض لوگوں کا معمول ہے کہ مردہ کو قبر میں رکھنے سے پہلے قبر میں بیٹھ کر سورۂ ملک اور سورۂ یٰسین تلاوت کرتے ہیں؟

جواب: اس وقت سورۂ ملک پڑھنا اور سورۂ پڑھنا ثابت نہیں بلکہ مزید یہ ہیں اس کی بجائے کتب فقہ میں یہ الفاظ منقول ہیں۔

"بسم اللہ و باللہ وعلیٰ ملۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (درمختار)

شامی میں اس کے تحت لکھا ہے کہ یہ الفاظ ترمذی اور ابن ماجہ سے ثابت ہیں اس کے علاوہ ان پر مزید کوئی اضافہ نہ کیا جائے۔ (شامیہ ص ۸۳۵ ج ۱)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

چالیس قدم ہٹ کر دعا مانگنا

دفن کرنے کے بعد چالیس قدم ہٹ کر دعا مانگنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: چالیس قدم ہٹ کر دعا کرنا کسی حدیث سے ثابت نہیں محض رسم و بدعت ہے اس سے اجتناب کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم
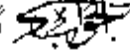
بندہ محمد انور عفی عنہ
۱۵/۵/۱۴۰۱

بحری جہاز میں مرنے والے کا حکم

ہم بحری جہاز سے حج پر جا رہے ہیں کئی دن کا سفر ہوگا اگر خدانخواستہ کسی کا انتقال ہو جائے تو کیا کریں؟

جواب: اگر تو کہیں ساحل قریب ہو اور اتر کر دفن کرنا ممکن ہو تو

یہ بہتر ہے ورنہ غسل دے کر کفن پہنا کر جنازہ پڑھ کر سمندر میں ڈال دیں۔

وإن مات المسلم في البحر في السفينة فإن كان
الشط قريبا يحبس ويحمل إلى الشط ويغسل ويكفن ويدفن وإلا
فيصلى عليه بعد الغسل ويلقى في البحر وصولة قبره
لأن التكليف بحسب الوسع اه (رسائل الأركان ص ۱۵۹)

فقط واللہ اعلم، فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۴/ ۱/ ۱۳۹۸ھ

اگر قبر احاطۂ مسجد میں آجائے تو اس کا کیا کریں؟

ایک قبر دوران توسیع احاطۂ مسجد میں آگئی ہے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر یہ قبر مسجد کی زمین میں ہے اور کافی پرانی ہے تو اس کو ہموار کر دیا جائے اور اس کے اوپر نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔ وقال الزیلعی ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ اھ (شامی ص ۸۳۵ ج ۱)

فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح	بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	۳/ ۸/ ۹۹ھ

قبر کے پاس تعزیت کرنا مکروہ ہے

دفن کے بعد قبرستان ہی میں لواحقین کے ساتھ اظہار افسوس کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: قبرستان میں قبر کے پاس تعزیت کرنا مکروہ ہے۔
ویکرہ التعزیۃ ثانیا وعند القبر اھ (در مختار علی الشامی ص ۲۴۲ ج ۱)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

میت کے لئے ڈھیلے کا استعمال

عام رواج یہ ہے کہ زندہ جیسے طہارت کرتا ہے ایسے ہی میت کے لئے بھی ڈھیلے استعمال کئے جاتے ہیں، کیا یہ شرعاً ثابت ہے ؟

الجواب کتب فقہ میں استنجا کرانے کا تو لکھا ہے مگر ڈھیلے استعمال کرانے کا نہیں لکھا بلکہ استنجا کی کیفیت یہ لکھی ہے کہ غسل دینے والا اپنے ہاتھ پر مکمل کپڑا لپیٹ لے اس کے بعد استنجاء والی جگہ کو دھوئے۔

ویستنجی عند ابی حنیفۃ ومحمدؒ کذا فی محیط السرخسی وصورۃ الاستنجاء ان یلف الغاسل علی یدیہ خرقۃ ویغسل السوأۃ لان مس العورۃ حرام کالنظر الیہا کذا فی الجوہرۃ النیرۃ۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۱۵۸ ج ۱)۔

فقط واللہ اعلم

۳/۳/۱۴۰۱ھ احقر محمد انور عفی اللہ عنہ

مُردے کے مصنوعی دانت نکال لئے جائیں

بچپن میں میرے دو دانت ٹوٹ گئے تھے۔ دوبارہ لگوانے پڑے تو دانت لگانے والوں نے کہا کہ سونے کے علاوہ باقی سب چیزیں بیکار ہیں۔ میں نے مجبوری سے لگوالئے یہ جائز ہے یا نہیں مرنے کے بعد اُتارے جائیں یا نہیں ؟

الجواب اگر دانت لگوالئے ہیں اور اب اتارنے میں تکلیف ہو تو رہنے دیجئے فی الجملہ گنجائش ہے مرنے کے بعد اُتار دینے چاہئیں۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ۔ خیر محمد عفا اللہ عنہ

۵/۱۲/ ۱۳۸۸ھ

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

میت کو غسل دیتے وقت کیا پڑھیں؟

۱۔ میت کو غسل دیتے وقت کیا پڑھنا چاہیئے؟

۲۔ قل جائز ہیں یا نہیں جبکہ مرنے والا قل شریف کے لئے رقم بھی چھوڑ کر گیا ہو؟

الجواب ۱۔ غسل دیتے وقت غفرانک یا رحمٰن پڑھتے رہیں۔ لقولہ علیہ السلام

یا علیؓ اغسل الموتیٰ فانہ من غسل میتاً غفرلہ سبعون مغفرۃ لو قسمت مغفرۃ منہا علی جمیع الخلائق لوسعتہم۔ قلت ما یقول من یغسل میتاً قال غفرانک یا رحمٰن حتی یفرغ من الغسل۔ رواہ ابو حفص ابن شاھین فی کتاب الجنائز (شرح نقایہ ج۱ ص۱۲۳)

۲۔ مروجہ قل بدعت ہیں۔

فقط واللہ اعلم

۱۱/۶/۱۴۰۶ھ بندہ عبد الستار عفا عنہ

جنبی کا غسل دینا مکروہ ہے

کیا حائضہ اور جنبی میت کو غسل دے سکتے ہیں؟

الجواب حائضہ اور جنبی کا غسل دینا مکروہ ہے۔ ویکرہ ان یکون الغاسل جنباً او حائضاً اھ (شرح نقایہ ج۱ ص۱۲۳)

فقط واللہ اعلم

۷/۵/۱۴۱۱ھ محمد انور عفا اللہ عنہ

مردہ بچے کے غسل کا حکم: جو بچہ مردہ پیدا ہو کیا اسے بھی غسل دیا جائے؟

الجواب اسے غسل نہ دیا جائے۔ ولو ولد میتاً روعی

عن ابی حنیفۃ ومحمد انہ لا یغسل لان الغسل لاجل الصلوٰۃ وھو لا یصلی علیہ اھ۔

لیکن خلاصۃ الفتاویٰ میں امام ابو یوسف کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اسے بھی غسل دیا جائے۔ وفی الخلاصۃ السقط الذی لم یتم اعضاؤہ لا یصلی علیہ ولکن یغسل ویدفن فی خرقۃ وکانہ اختار روایۃ ابی یوسف (شرح نقایہ ج ۱ صفحہ ۱۲۱)۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور

خنثیٰ مشکل کو کون غسل دے:

خنثیٰ اگر فوت ہو جائے اور اس وقت کوئی اور خنثیٰ موجود نہ ہو تو اس کو غسل کون دے، مرد یا عورت؟ اگر بوڑھا ہو تو اس کو غسل کون دے جوان اور نابالغ کو غسل کون دے؟ ___ قاری شرف الدین صدیقی مہتمم اشرف القرآن کھروڑ پکا

الجواب: خنثیٰ میں اگر مردوں والی علامات غالب ہیں تو مرد غسل دے اور اگر عورت والی علامات غالب ہیں تو عورت غسل دے اور اگر دونوں طرح کی علامات برابر ہیں تو یہ خنثیٰ مشکل ہے اس کو نہ مرد غسل دے نہ عورت بلکہ صرف تیمم کرا دیا جائے اگر چھوٹا بچہ ہو تو اسے مرد و عورت دونوں غسل دے سکتے ہیں۔

ویُیمم الخنثی المشکل لو مراھقا والا فکصغیر فیغسلہ الرجال والنساء اھ (درمختار علی ہامش الشامیۃ ج ۱ ص [illegible]) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

میت کو کون غسل دے

جب کوئی آدمی فوت ہو جائے تو اسے کون غسل دے عام طور پر رواج یہ ہے کہ اس کے لئے امام مسجد ہی کو منتخب کیا جاتا ہے کیا گھر والے خود بھی غسل دے سکتے ہیں؟

الجواب

بہتر تو یہ ہے کہ میت کا قریب ترین رشتہ دار اسے غسل دے بشرطیکہ وہ اچھی طرح حسب شرع غسل دے سکتا ہو۔ ورنہ کسی پرہیزگار صالح آدمی سے غسل دلایا جائے۔ ویکرہ ان یغسلہ جنب او حائض ... والاولیٰ کونہ اقرب الناس الی المیت فان لم یحسن الغسل فاھل الامانۃ والورع اھ (شامیۃ ص ۹۳۹ ج ۱)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

غسل کو وارث کے انتظار میں مؤخر کرنا

اگر کوئی آدمی فوت ہو جائے تو اس کے غسل وغیرہ کے لئے اس کے وارث کا انتظار ضروری ہے یا نہیں جبکہ کوئی وارث موجود نہ ہو۔؟

الجواب

وارث کے انتظار میں تاخیر نہ کی جائے۔ (کذا فی الظہیریۃ والشامیۃ ص ۹۹۳ ج ۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور ۲۱/۳/۱۴۰۹ھ

عورت کو کوئی بھی غسل دینے کے لئے تیار نہ ہو تو کیا کریں؟

ایک عورت فوت ہو گئی اب اس کو کوئی عورت یا محرم غسل دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ کیا خاوند غسل دے سکتا ہے؟

الجواب

عورتوں پر واجب ہے کہ غسل دیں ورنہ سخت گناہگار ہوں گی۔ کسی غسالہ کو اجرت دے کر بھی انتظام کیا جا سکتا ہے۔ انتہائی درجہ اضطرار میں خاوند ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر تیمم کرا دے۔ وقیل لا تمنع فی ثیابھا اعنی ... بلا مس ... اھ (ہندیہ)

فقط واللہ اعلم

عبد الستار عفا اللہ عنہ
۱۶/۱/۱۴۰۵ھ

کفن پر کلمہ طیبہ لکھنے کا حکم

کفن پر کلمہ طیبہ، آیت کریمہ روشنائی وغیرہ سے لکھنی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: روشنائی سے لکھنا درست نہیں وقد افتی ابن الصلاح بانہ لا یجوز ان یکتب علی الکفن یٰسین والکہف ونحوھما خوفاً من صدید المیت اھ (شامی صـ۸۴۸ ج ۱)

الجواب صحیح ۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

جنازہ پر کلمہ طیبہ لکھی ہوئی چادر ڈالنا

بعض لوگ میت پر چادر ڈالتے ہیں جس کے اوپر کلمہ طیبہ اور قرآن شریف کی آیات لکھی ہوتی ہیں اور چادر پاؤں تک ہوتی ہے کیا یہ درست ہے؟

الجواب: ایسی چادر پاؤں سے نیچے گھٹنوں تک رہنی چاہیے فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ ۔ ۹۵/۱۲/۲۴ھ

محرم کو عام میت کی طرح کفن دیا جائے

اگر کوئی ساتھی سفرِ حج میں بحالتِ احرام انتقال کر جائے تو اُسے ویسے اُسی حالت میں دفن کر دیں یا باقاعدہ غسل دے کر عام مُردوں کی طرح کفنائیں۔؟

الجواب: محرم کو بھی عام مُردہ کی طرح غسل دیا جائے اور کفن پہنایا جائے اور خوشبو وغیرہ بھی لگائی جائے۔

(قولہ والمحرم کالحلال) اھ حنفی رحمہ اللہ وتہذیب

کالمنه شلاً فالشافعی رحمه الله تعالیٰ . شامیه ص۲۰۳ فقط واللہ اعلم ،

محمد انور عفا اللہ عنہ

مسجد میں کفن سینے کا حکم : کفن مسجد میں سینا جائز ہے یا کر نہیں ؟

الجواب : نہیں ۔ فقط واللہ اعلم ،

بندہ عبد اللہ عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ۲/۷ ، ۹۲ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

عورت کے کفن کی تفصیل : اگر میت ہو جائے تو اس کو کس طرح نہلانا چاہیئے اور جس کو الفنی یا کفنی کہتے ہیں آگے پیچھے سے برابر ہونی چاہیئے یا پیچھے سے چھوٹی ۔ بعض لوگ آگے سے بڑی اور پیچھے سے چھوٹی کر دیتے ہیں کیا یہ ٹھیک ہے اور بعض لوگ زنانہ کا سر بند جسے کہتے ہیں ٹوپی سیکر پہنا دیتے ہیں کیا یہ ٹھیک ہے اور کفن پر کلمہ شریف لکھتے ہیں کیا یہ ٹھیک ہے ؟

الجواب : میت کے نہلانے کا طریقہ بہشتی زیور میں تفصیل سے لکھا ہوا ہے ۔ وہاں دیکھ لیجئے ۔ (۱) کفنی کندھے سے لیکر نصف ساق پنڈلی تک ہونی چاہیئے ۔ یہ کپڑا اڑھائی گز لمبا ، چودہ گرہ یا پندرہ گرہ عرض کا تیار ہوتا ہے ، دو برابر حصے کرکے گلے میں ڈال دیا جاتا ہے ۔ (۲) ۔ ٹوپی سی کر نہیں پہنانا چاہیئے بلکہ ڈیڑھ گز کپڑا جس کا عرض بارہ گرہ ہو سر کے بال کے دو حصے کرکے اس میں لپیٹ کر دائیں بائیں جانب سینہ پر رکھے جائیں ۔

الجواب صحیح

عبد اللہ غفر اللہ لہٗ

فقط واللہ اعلم ،

لہٗ

۱۳۷۷ / ۲ / ۹ھ

جنازہ پر پھولوں کی چادر ڈالنا

کوئی بڑا سیاستدان یا اعلیٰ افسر فوت ہوجاتا ہے تو اس کے جنازہ پر پھولوں کی چادر ڈالی جاتی ہے اور اخبارات وغیرہ میں اسکی تصویر بھی آتی ہے کہ فلاں صاحب فلاں مرحوم کے جنازہ پر پھولوں کی چادر چڑھا رہے ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب: میت پر پھولوں کی چادر چڑھانا مکروہ تحریمی اور بدعت ہے اور تصویر کھچوانا حرام ہے اعاذنا اللہ من ھاذہ السیئات۔

حضرت شاہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مسائل اربعین میں فرماتے ہیں:

"چادر گل بر جنازہ انداختن بدعت است ومکروہ تحریمی اھ (ص ۵۴)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

میت پر کفن سے زائد چادریں ڈالنا

ہمارے علاقے میں میت پر کفن کے علاوہ کپڑے ڈالتے ہیں اور ثواب سمجھتے ہیں پھر اس کو گورکن اُتار لیتے ہیں گورکن چاہے صاحبِ نصاب ہوں۔ ثواب ہوگا یا نہ؟

الجواب: میت پر مسنون کفن سے زائد کپڑے ڈالنا شرعاً درست نہیں بلکہ زائد کپڑے اُتار لینا شرعاً مامور بہ ہے۔ مراقی میں ہے۔

ويقص ان زاد العدد في ثيابه على كفن السنة الخ

جو میت نادار ہو یا لاوارث ہو اس کو کفن دینا باعث اجر عظیم ہے، ورنہ یہ رسم ہے یا بدعت ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ — الجواب صحیح

۱۴ / ۹ / ۱۴۰۹ھ — بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

عالم میت کو کفن میں عمامہ پہنانا

ہمارے چچا مظاہر علوم سہارنپور کے فارغ التحصیل تھے اور عالم شباب میں انتقال کر گئے۔ ہمارے دوسرے چچا جو کہ مظاہر علوم ہی کے مستند ہیں کہنے لگے کہ کفن کے ساتھ سر پر ان کے سر پر عمامہ بھی باندھا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، کیا یہ درست ہے؟

بشیر احمد انور پیر سکندری

الجواب حامداً ومصلیاً

میت عالم ہو یا عام آدمی سب کے لئے کفن مسنون پر اکتفا کیا جائے عمامہ کی زیادتی مکروہ ہے۔ والاصح انہ تکرہ العمامۃ بکل حال اھ (شامی ص ج ۱)

فقط واللہ اعلم
۱۴/۷/۱۴۰۱ھ
محمد انور عفی عنہ

غلاف کعبہ کا ٹکڑا کفن کے ساتھ رکھنا

اگر غلاف کعبہ کا کچھ ٹکڑا جس پر آیت یا کلمہ وغیرہ نہ لکھا ہوا ہو یا اور کوئی ایسا متبرک کپڑا کفن کے ساتھ بطور تبرک رکھ سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً

رکھ سکتے ہیں، امید ہے فائدہ ہوگا۔ وفی هذا ندب ان یجعل الثوب المتبرک فی الکفن نادٍ علیہ۔

(رسائل الارکان للشیخ العیاش عبد العلی محمد بحر العلوم صـ)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفی عنہ
۹/۳/۱۴۱۱ھ

کفن دیتے وقت عورت کے بال کیسے رکھے جائیں؟

کفن کے وقت عورت کے سر کے بالوں کو کیسے رکھا جائے؟

الجواب: بالوں کی دو لٹیں بنا کر پیچھے سے نکال کر سینہ پر رکھ دی جائیں یجعل شعرها ضفیرتین علی صدرها فوق الدرع اھ

(رسائل الارکان صــ۱۵۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفولہ

بالغ اور نابالغ کے کفن کا فرق:

بالغ مرد اور نابالغ لڑکے کے کفن میں کوئی فرق ہے یا نہ؟

الجواب: بہتر یہی ہے کہ نابالغ لڑکے کو بالغ کے موافق کفن دیا جائے لیکن اگر ایک یا دو کپڑوں میں نابالغ کو کفنایا جائے تو یہ بھی جائز ہے، درمختار میں ہے کہ والمراهق کالبالغ ومن لم یراهق ان کفن فی واحد جاز الخ (شامی ج۱) فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق خیر المدارس ملتان ۱۲/۸/۹۱ھ

محتضر (قریب المرگ) کے پاس حائضہ وغیرہ نہ بیٹھے

عام رواج ہے کہ جب کسی کی روح نکلنے لگتی ہے تو سارے دیکھنے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں۔ کیا مرد اور کیا عورت ایک جمگھٹا سا لگ جاتا ہے کیا یہ درست ہے؟

محمد یونس۔ بکھیر والا

الجواب: ایسے وقت میں سورۃ یٰسین پڑھنی چاہیئے۔ اور خوشبو وغیرہ چھڑکنی چاہیئے اور حیض یا نفاس والی عورت اور جنبی مرد وہاں سے چلے

جائیں تو بہتر ہے۔ وفي التتمة أنه يحشى عنده بسنّ ويحضر الطيب ويخرج من عنده الحائض والنفساء والجنب (جامع الرموز ص ۱۵۹)

فقط واللہ اعلم

محمد انور غفرلہ

موت کا یقین ہو جانے کے بعد تجہیز و تکفین میں تاخیر کیجائے

مرنے کے بعد میت کو کتنی دیر تک رکھ سکتے ہیں؟

الجواب: موت کا یقین ہو جانے کے بعد تجہیز و تکفین میں دیر کرنا صحیح نہیں فوراً ان کاموں میں مشغول ہو جانا چاہیے۔ بہت مجبوری میں کچھ معمولی دیر ہو جائے تو ضرورت کی حد تک گنجائش ہے۔

قوله ويسرع في جهازه لما رواه أبو داؤد عنه صلى الله عليه وسلم لما عاد طلحة بن البراء وانصرف قال ما أرى طلحة إلا قد حدث فيه الموت فإذا مات فآذنوني حتى أصلي عليه وعجلوا به فإنه لا ينبغي لجيفة مسلم أن تحبس بين ظهراني أهله اهـ والصارف عن وجوب التعجيل الاحتياط للروح الشريفة فإنه يحتمل الإغماء وقد قال الأطباء إن كثيرين ممن يموتون بالسكتة ظاهراً يدفنون أحياء لأنه يعسر إدراك الموت الحقيقي بها إلا على أفاضل الأطباء فيتعين التأخير فيها إلى ظهور اليقين بنحو التغير اهـ وفي الجوهرة وإن مات فجأة ترك حتى يتيقن بموته اهـ (شامی ص ۵۹۹ ج ۱)

ولنعم ما قيل ويستحب تعجيل خمسة أشياء جمعت في هذه الأبيات

وخمسة قدر أن تعجيلها حسنا

وفي سواها تأنٍ واسع المهل

ثم وجه کفه پر ومیت هاک ثالثها

دفع الديون وتب ليلة صف زلل

والغاصب الضيف اذا يأتيك في منزل

فقم له بحيث المجد واحتفل

(الطحاوی ص ۱۳۱) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیرالمدارس ملتان

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیرالمدارس ملتان ۱۹ / ۶ / ۱۴۰۲

قریب المرگ کے بارے میں مسنون عمل

جس شخص پر موت کے آثار ظاہر ہونے لگیں اس کے ساتھ کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟

الجواب: سنت یہ ہے کہ اس کو قبلہ کی طرف متوجہ کر کے لٹا دیا جائے۔ بشرطیکہ یوں لٹانا اس کے لئے تکلیف دہ نہ ہو، اور کلمہ شہادت کی تلقین کی جائے، اس طرح کہ اس کے بھائی اور دوست احباب وغیرہ اونچی آواز سے پڑھیں مگر اس کو پڑھنے پر مجبور نہ کریں۔ خدا نخواستہ کہ وہ انکار کر بیٹھے جب وہ ایک دفعہ پڑھ لے تو یہ کافی ہے بار بار پڑھانے کی کوشش نہ کی جائے۔ کیونکہ جو مقصود تھا وہ حاصل ہوگیا کیونکہ آخری کلام کلمہ طیبہ ہو۔ ہاں اگر اس کے بعد کوئی دنیوی بات کرے۔ تو پھر دوبارہ پڑھ لینا چاہیئے۔

وسن للمحتضر أن يوجه الى القبلة مضطجعا على يمينه وهذا اذا لم يشق عليه وَالاَّ ترك على حاله وجعل رجلاه الى القبلة ويستثنى منه المرجوم فانه لم يوجه كما في المجتبى واختير في بلادنا الاستلقاء على قفاه لانه ايسر

لخروج الروح ان الاول مواسمة ويلقن اى يذكر عنده الشهادة فيجب على اخوانه واصدقائه ان يقولوا عنده كلمة الشهادة ولا يقولوا له قل لكيلا يأبى عنه كما في شرح الطحاوي والكرماني فلو قال تلك الكلمة فيها من كان آخر كلامه لا اله الا الله دخل الجنة فاذا قالها مرة كفاه ولا يكثر عليه مالم يتكلم بعده اذ الغرض من التلقين ان يكون آخر كلامه تلك الكلمة كما في الزاهدي

(جامع الرموز ص ۲۸۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور غفرلہ

○

جنازہ سے پہلے میت کے مدیون ہونے کی تحقیق کرنا

بعض روایات میں آتا ہے کہ آنحضرت علیہ السلام میت کا جنازہ پڑھنے سے پہلے تحقیق فرماتے تھے کہ اس پر قرض ہے یا نہیں؟ اگر پتہ چلتا کہ قرض ہے تو آپ خود نماز جنازہ ادا نہ فرماتے بلکہ صحابہ کرامؓ کو فرماتے کہ تم پڑھ لو۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ اب بھی کسی کا جنازہ پڑھنے سے پہلے تحقیق کر سکتے ہیں کہ اس پر قرض ہے یا نہیں؟ اگر قرض ثابت ہو تو جنازہ سے انکار کر سکتے ہیں؟

(حافظ بشیر احمد گلی حاکم رائے محلہ ساون خان گوجرانوالہ)

الجواب آنحضرت علیہ السلام کے دریافت فرمانے میں جو مصلحت تھی وہ کسی اور کے ذریعہ پوری نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اب کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ جنازہ سے پہلے یہ تحقیق کرے کہ میت پر قرض ہے یا نہیں۔ نیز آنحضرت علیہ السلام کا یہ تحقیق فرمانا بھی فتوحات سے پہلے کا عمل ہے بعد میں جب اللہ تعالیٰ نے وسعت دیدی تو آپ مقروض کا جنازہ بھی پڑھا دیتے اور قرض اپنے پاس سے ادا فرما دیتے اسی سلسلہ میں آپ نے ارشاد فرمایا من ترک مالا فلورثته ومن ترک کلاً فالینا او

(بخاری ص ۳۲۳ ج ۱) ۔ بخاری شریف میں اسی حدیث کے حاشیہ پر ہے :

قلت الدين من كل ما يتكلف ومطابقته للترجمة من حيث ان هذا الحديث روي عن ابي هريرةؓ من وجوه منها ما مر في آخر كتاب الكفالة في باب الدين وفيه من جملة الا فانا من ترك دينا فعلي قضاؤه ويجيء في الفرائض وفي سورة الاحزاب قال ابن بطال هذا ناسخ لتركه الصلوة على من مات وعليه دين قلت ذلك لانه صلى الله عليه وسلم كان لا يصلي عليه قبل فتح الفتوحات فلما فتح الله تعالى منها ما فتح صار صلى الله عليه يصلي عليه فصار فعله هذا ناسخاً لفعله لا قول حضا قاله ابن بطال (حاشیہ ص ۳۲۳ ج ۱)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ   ۱۱ / ۳ / ۱۴۰۹ھ

زانی، چور اور سود خور کی نماز جنازہ جائز ہے

زانی اور چور اگر موقع پر قتل کر دیئے گئے ہوں یا اپنی موت مر جائیں تو اس صورت میں ان کا نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں نیز کیا سود خور اور ناجائز منافع خور اور حقوق العباد کھانے والے شخص کا جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ فتویٰ دے کر عند اللہ ماجور ہوں۔ والسلام ، ماسٹر عبد الرشید خان لغاری بستی اللہ بخش

الجواب ـــــ مذکورہ لوگوں کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اور ان کو غسل بھی دیا جائے گا ـــــ البتہ مقتدا اور بڑے علماء حضرات برائے حصول عبرت نماز جنازہ میں شرکت نہ کریں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ، بندہ عبد الستار غفرلہ

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ
جامعہ خیر المدارس ملتان ۴ / ۲ / ۱۴۱۱ھ

باپ کے قاتل کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے

زید کا زمین کے انتقال پر باپ سے جھگڑا ہوگیا دونوں باپ بیٹا طیش میں آگئے زید اندر سے ریوالور لایا اور باپ کو گولی ماردی جس پر زید کے دوسرے بھائیوں نے اسے اتنا مارا کہ زید بھی مرگیا تو کیا زید کا جنازہ پڑھا جائے یا نہ؟

الجواب باپ کو قتل کرنا شدید ترین کبیرہ ہے ایسے شخص کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے۔

ولا یصلی علی قاتل احد ابویہ عمداً ظلماً اہانۃً لہ اہ (مراقی)

قولہ عمداً اخرج بہ ما ہو من الخطاء فانہ یغسل ویصلی علیہ، قولہ ظلماً اخرج بہ من قتل اباہ الحربی والباغی۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم واستغفر اللہ العظیم۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

باہر سے کسی امام کو بلا کر جنازہ پڑھوانا

ہمارے دیہات کے ایک محلہ میں رواج ہے کہ محلہ کے امام سے جنازہ نہیں پڑھواتے بلکہ باہر دور سے ایک مولوی صاحب کو بلاتے ہیں وہ آکر جنازہ پڑھاتے ہیں کیا یہ درست ہے؟

الجواب محلہ کے امام کی تقدیم بشرط افضلیت حسب تصریح ہے درمختار میں ہے

وتقدیم امام الحی مندوب فقط بشرط ان یکون افضل من الولی، کذا فی الحلبی اہ

نیز وہاں سے نقل کیا ہے امام مسجد الجامع اولیٰ من امام الحی اہ

الجواب صحیح ۔ فقط واللہ اعلم ۔
بندہ عبدالستار غفرلہٗ ۱۲/صفر ۱۴۰۲ھ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

میت کو مزار کے سامنے رکھ کر جنازہ پڑھنے کا حکم

اگر نمازِ جنازہ مزار کے سامنے رکھ کر اس نیت سے ادا کی جائے کہ میت کی بخشش ہو جائے گی جبکہ وہ جگہ جہاں نمازِ جنازہ بھی ناپاک ہو ۔

الجواب جنازہ کو بہ نیتِ بخشش مزار کے سامنے رکھ کر پڑھنا ثابت نہیں نیز ناپاک جگہ پر کھڑے ہو کر نمازِ جنازہ ادا کرنا صحیح نہیں ہے ۔

کما فی الدر المختار طہارۃ مکانہ ای موضع قدمیہ او احدہما ان رفع الاخری (ص ۲۷۰ ج ۱) فقط واللہ اعلم ۔

محمد انور مفتی خیر المدارس

۹/۲/۱۴۰۲

مقروض کا جنازہ پڑھنے کا حکم

جس شخص نے قرض دینا ہو اور مر جائے اس کا جنازہ پڑھایا جا سکتا ہے ۔ جبکہ اس قرض کی ادائیگی کا کوئی ذمہ بھی نہ لے ، یا نہیں ؟

الجواب ایسی میت کا بھی جنازہ پڑھا جائے ۔ (کبیری ص ۵۲۳) وکذا فی الشامیہ ص ۵۹۰ ج ۱ ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ۔ محمد انور غفرلہٗ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء ۲۰/صفر ۱۴۰۲ھ مفتی خیر المدارس ملتان

فرائض کے وقت جنازہ آجائے تو کب پڑھا جائے ؟

۱۔ صلوات خمسہ کے وقت میں جنازہ آجائے تو کس کو مقدم کیا جائے۔ ؟
۲۔ ایسے ہی عیدین کی نماز کے وقت جنازہ آجائے تو کس کو پہلے ادا کیا جائے ؟
(امام بخش ، مدرسہ سعیدیہ ، بھکر)

الجواب بحر میں حلبی سے منقول ہے کہ جنازہ سنتوں اور فرضوں کے بعد ادا کیا جا سکتا ہے لکن فی البحر عن الحلبی الفتوی علی تاخیر الجنازة عن السنة اھ (شامی ص ۶۶۵ ج ۱)
اور در مختار میں ہے کہ عیدین کی نماز جنازہ کی نماز سے پہلے ادا کریں — وتقدم صلوتها علی صلوة الجنازة اھ۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح ! بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ

شارع عام پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

مسجد کے سامنے ایک بڑی سڑک ہے۔ جو شارع عام ہے اور ہر چیز وہاں چھوڑی رہتی ہے اور نالیوں اور گلیوں کا پانی بھی وہاں کبھی کبھی پھرتا رہتا ہے۔ ایسی جگہ بغیر صف بچھانے ننگی زمین پر نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں ؟ محمد شفیق صاحب

الجواب اگر زمین خشک ہو اور نجاست کا رنگ اور بُو بھی محسوس نہ ہو تو نماز جنازہ درست ہے کیونکہ زمین نجس خشک ہونے اور نجاست کا رنگ اور بُو ختم ہو جانے سے پاک ہو جاتی ہے۔ ویسے جو شرائط صحت صلوٰۃ کے لئے ہیں ، وہ سب نماز جنازہ کے لئے بھی ضروری ہیں۔ لما فی الھدایة و اذا اصابت الارض نجاسة فجفت بالشمس و ذهب اثرها جازت الصلوة علی مکانها اھ (ج ۱) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح ! عبد الستار عفا اللہ عنہ بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

جس کو درود و دعا وغیرہ نہ آتی ہو وہ نمازِ جنازہ میں شریک ہو یا نہ؟

س: اگر آدمی کو جنازہ نہ آتا ہو تو وہ جنازہ میں شریک ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب باسمہ تعالیٰ: جنازہ سیکھنے کی کوشش کرے، نہ آنے تک تکبیر کہہ کر ساتھ شریک ہو جائے اور امام کے مطابق تکبیرات کہتا رہے۔ علی

کذا فی فتاوی دار العلوم ص۳۴۲ ج۵ نقلاً عن الشامیۃ ص۸۱۳ ج۱

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفی عنہ — رئیس الافتاء ۱۴/۷/۱۴۰۲ھ — فقط واللہ اعلم، محمد انور مفتی خیر المدارس

علی — ولو کبّرها شیئان (ای التکبیرات) ولا دعاء، فالاولیٰ ذکرنا بعضاً لا شرط فلذا لم یجز بناء الخارج علیہ (ای القیام) فلم تجز قاعداً بلا عذر وسننها ثلاثة: التحمید، والثناء، والدعاء فیها۔ (در مختار علی الشامیۃ ص۸۱۳ ج۱)

امام محلہ ولی سے مقدم ہے

س: کیا نمازِ جنازہ کے لئے اجازت لینا ضروری ہے؟ اگر امام مسجد بغیر اجازت کے نمازِ جنازہ پڑھا دے تو نمازِ جنازہ ہو جائے گی؟ نمازِ جنازہ کے لئے اجازت کس سے لی جائے، وضاحت فرمائیں؟

الجواب باسمہ تعالیٰ: صورتِ مسئولہ میں امام محلہ صالح اور متقی ہو اور میت زندگی میں اس کی اقتداء کے لئے پسند کرتا ہو تو ولی سے مقدم ہے۔ اسے رسمی اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ ورنہ ولی حقدار ہے، وہ خود پڑھائے یا کسی سے پڑھا دے۔ شامی میں ہے:

وھو امام المسجد الخاص بالمحلۃ وانما کان اولیٰ لان المیت رضی بالصلوۃ خلفہ فی حال حیاتہ فینبغی ان یصلی علیہ بعد وفاتہ۔ (ص۲۲۰ ج۱)

ہندیہ میں ہے۔ اولی الناس بالصلوۃ علیہ السلطان

ان حضر عنا ان لم یحضر فالقاضی ثم امام الحی ثم الولی هکذا اکثر المتون (ص ۱۶۳ ج ۱) در مختار مع رد المختار میں ہے۔ وتقدیم امام الحی مندوب فقط بشرط ان یکون افضل من الولی والا فالولی اولی کما فی المجتبی (ص ۵۹۰ ج ۱)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

جنازہ میں چوتھی تکبیر رہ جائے تو جنازہ نہیں ہوا

ایک مشہور عالم شخصیت کے انتقال پر ایک بزرگ شخصیت نے ان کا جنازہ پڑھایا تو غلبۂ رقت کی وجہ سے تیسری تکبیر کے بعد مختلف دعاؤں کے بعد سلام پھیر دیا چوتھی تکبیر نہیں کہی گئی کیا جنازہ درست ہو گیا؟

الجواب نمازِ جنازہ میں تکبیر پہلی تکبیر کے باقی تکبیریں رکن ہیں ایک تکبیر بھی رہ جائے تو جنازہ نہیں ہوتا ایسی صورت میں چاہیے تھا کہ ایک تکبیر اور کہہ کر دوبارہ سلام پھیر لیتے تاکہ جنازہ مکمل ہو جاتا۔

وصلوٰۃ الجنازۃ اربع تکبیرات ولو ترک واحدۃ منها لم تجز صلوته هکذا فی الکافی (الی قوله) ولو سلم الامام بعد الثالثة ناسیاً کبر الرابعة ویسلم کذا فی التاتارخانیة اھ (عالمگیری ص ۱۶۴ ج ۱)

له فهی شرط من وجه ورکن من وجه اھ (شامی ص ۱۶۴ ج ۱)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

"ان سبقتمونی بالصلوٰۃ علیہ فلا تسبقونی بالدعاء لہ"

سے مراد اکیلے دعا کرنا ہے نہ کہ اجتماعی دعاء معروفہ

نمازِ جنازہ کے بعد وہیں بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر قبل از دفن ہیئتِ اجتماعی سے دعا کرنا واجب، سنت یا مستحب ہے؟ نیز کتبِ فقہ حنفی (درسی و فتاویٰ) میں اس کی کیا حیثیت ہے؟ اگر اس کی شرعی حیثیت کچھ نہیں تو اس کو شعار اہلِ سنت اور سنتِ نبوی قرار دینا اور اس کے تارک کو ملامتِ شدیدہ سے پریشان کرنا کیسا ہے۔ اگر کوئی شخص اس کو سنتِ نبوی اور شعار اہلِ سنت تصور کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتلائیں اگر ایک شخص اس کو فرض، واجب، سنت اور مستحب تو نہیں کہتا بلکہ ممنوع کہتے ہوئے بھی اس بارہ میں نرمی کرتا ہے اس کا موقف از روئے شرع کیسا ہے؟

اسماعیل قاری محمد علی، کبیر آباد ملتان

الجواب: نمازِ جنازہ کے بعد صفیں توڑ کر دعا مانگنا جائز ہے فرض یا واجب نہیں۔ حدیث شریف میں ہے۔ اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعاء۔ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ مبسوط میں فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازے پر آئے تو جنازہ ہو چکا تھا آپ نے فرمایا: ان سبقتمونی بالصلوٰۃ علیہ فلا تسبقونی بالدعاء لہ۔ البتہ تارک کو ملامت نہیں کرنی چاہیئے۔ البتہ جو شخص اس کو بدعت یا خلافِ شرع کہتا ہے وہ قابلِ ملامت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مفتی غلام مصطفیٰ رضوی ۱۲/۸/۸۸ء

الجواب: انوار الاسلام کا جواب صحیح نہیں۔ دونوں حدیثوں کا غلط مطلب بیان کیا گیا ہے۔ ان احادیث کا ہرگز یہ مطلب مفہوم نہیں اسی لئے حضرات فقہاء نے نمازِ جنازہ کے بعد دعا مانگنے کا ذکر نہیں کیا، بلکہ اس سے منع کیا ہے۔ بحرالرائق میں ہے۔ وقید بقولہ بعد الثالثة لانہ لا یدعو بعد التسلیم کما فی الخلاصة

مزید لکھتے ہیں : واشار بقوله وقليستين بعد الرابعة الى انه لا شئ بعدها غيرهما وهو ظاهر المذهب (صفحہ ۱۹۴ ج ۲)

حاشیہ مشکوٰۃ میں ہے . . لا یدعو للمیت بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانه يشبه الزيادة في صلوٰۃ الجنازۃ اھ (صفحہ ۱۴۵)

اگر حدیث کا وہی مطلب ہوتا جو انوار العلوم کے فتویٰ میں بیان کیا گیا ہے تو یہ دعا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہوتی کیونکہ فاخلصوا لہ الدعاء امر کا صیغہ ہے۔ نیز حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور حکم کے مقابلے میں اس دعا کو منع کیسے فرما سکتے تھے؟ اور عبداللہ بن سلام کی حدیث (جو فتویٰ میں دوسرے نمبر پر مذکور ہے) اس کا مطلب مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے یہ لکھا ہے کہ عبداللہ بن سلام نے فرمایا کہ اگر نماز میرے آنے سے پہلے ہو چکی ہے تو دعا کو بند نہ کرو میں اکیلے دعا کر لوں گا۔ (رسالہ النهی الحاجز عن تکرار صلوٰۃ الجنائز لاحمد رضا خان صاحب بحوالہ بینات شوال سنہ ۱۳۹۸ھ ص ۳۹) تو اس حدیث میں اکیلے دعا کرنے کی بات ہے۔ اس سے اجتماعی دعا ثابت نہیں ہوتی۔ بہرحال انوار العلوم کا فتویٰ درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم ۔ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۲۹ / ۱۲ / ۱۳۹۸ھ

نمازِ جنازہ میں دونوں طرف سلام پھیرنے کا حدیث سے ثبوت

امسال زیارتِ حرمین کا شرف حاصل ہوا وہاں نمازِ جنازہ حرم میں پڑھی جاتی ہے۔ جیسے کہ آپ کو معلوم ہوگا وہاں یہ عجیب بات دیکھی کہ نمازِ جنازہ کا سلام صرف ایک طرف پھیرتے ہیں، ہم ایک طرف سلام کے بعد منتظر رہے کہ دوسری طرف بھی سلام پھیریں گے کہ لوگ جنازہ اٹھا کر چل دیئے اس میں احناف کا جو مذہب ہو تحریر فرمادیں۔ (عتیق الرحمان نظام پورہ ۔ بہاول نگر)

الجواب باسمہٖ تعالیٰ احناف کے نزدیک نمازِ جنازہ میں دونوں طرف سلام پھیرنا چاہیئے اور یہ متعدد احادیث سے ثابت ہے۔

واما التسلیم فمذھب ابی حنیفۃ انہ یسلم تسلیمتین واستدل لہ بحدیث عبداللہ بن ابی اوفی انہ سلم عن یمینہ وشمالہ فلما انصرف قال لا ازیدکم علی ما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصنع او ھکذا یصنع رواہ البیھقی وقال الحاکم حدیث صحیح وفی المصنف بسند جید عن جابر بن زید والشعبی وابراھیم النخعی انھم کانوا یسلمون تسلیمتین وفی المعرفۃ روینا عن ابن مسعود انہ قال ثلاث کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفعلھن وترکھن الناس احداھن التسلیم علی الجنازۃ مثل التسلیمتین فی الصلوٰۃ اھ (اوجز المسالک ص۱۷۲ ج۲)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفااللہ عنہٗ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

جو چوتھی تکبیر کے بعد شریک ہو وہ بھی شریک سمجھا جائیگا

اگر ایک شخص جنازہ میں ایسے وقت پہنچا کہ امام چاروں تکبیریں کہہ چکا تھا۔ مگر ابھی سلام نہیں پھیرا تھا کہ یہ تکبیر کہہ کر شامل ہوگیا، تو اس نے جنازہ پالیا یا نہیں؟

الجواب: امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق مذکور شخص شریک جنازہ سمجھا جائے گا اور یہی مفتیٰ بہ ہے یہ شخص امام کے سلام پھیرنے کے بعد تین تکبیریں جلدی جلدی کہہ لے۔ وعن ابی یوسف یکبر فاذا سلم الامام قضی ثلاث تکبیرات وذکر فی المحیط ان علیہ الفتویٰ اھ قلت وذکر ایضاً فی الھندیۃ عن المضمرات انہ الاصح وعلیہ الفتویٰ شامی ص [illegible] ج ۲

فقط واللہ اعلم

۱۹ / ۱۱ / ۱۴۰۳ھ بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

اُونچی آواز سے نیّت کرنا:

بعض جنازہ کی نماز میں امام اونچی آواز سے نیت کرکے ہاتھ باندھ لیتا ہے تاکہ دوسروں کو یاد ہوجائے کیا یہ درست ہے؟

الجواب: بلند آواز سے نیت کرنا کہیں منقول نہیں۔ اسلئے رواج نہ دیا جائے ضرورت محسوس ہو تو پہلے سمجھا دینا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم

۲ / ۳ / ۱۴۰۱ بندہ محمد انور غفرلہ

غالی بدعتی کی اقتداء میں جنازہ

بدعتی کے پیچھے جنازہ کی نماز کی اقتداء کرنا کیسا ہے اگر لوگوں کے ساتھ مل کر کھڑا ہوجائے اور اقتداء کی نیت نہ کرے علیحدہ ہونے کی طرح نماز پڑھ لے یا اس

جنازہ میں شرکت ہی نہ کرے؟

الجواب: بدعتی غالی نہ ہو تو اسکی اقتداء میں جنازہ پڑھے مگر اسکی کسی بدعت میں شریک نہ ہو، بدعتی غالی ہو تو میت کے لئے جہاں ہے وہیں سے مخلصانہ دعا کر دے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح۔
عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ
۷/۳/۱۴۰۱

جنازہ لیکر دس دس قدم چلنا ثابت ہے یا نہیں؟

جنازہ لے کر جو چالیس قدم، دس دس قدم لوگ لگتے ہیں یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ حدیث درمختار میں نقل کی ہے۔ من حمل جنازۃ اربعین خطوۃ "کفرت عنہ اربعین کبیرۃ" اور شامی نے اس حدیث کو زیلعی سے نقل کیا ہے۔ اور بحر میں بدائع سے منقول ہے اور شرح منیہ میں ہے کہ اس کو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے پس اگر ضعیف بھی ہے تو عمل درست ہے۔ (فتاوی دارالعلوم ص ۲۷۸ ج ۵) فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس۔ ملتان

جنازہ کے وضو سے فرض ادا کرنا:

جنازہ کے لئے کئے گئے وضو سے فرض ادا کئے جا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: فرض ادا کئے جا سکتے ہیں، بلکہ الوضوء طہارۃ

مطلقاً ۔ فقط واللہ اعلم ۔ محمد انور عفی عنہ ۲۲/۱۰/۹۸ھ

مغرب سے چند منٹ پہلے جنازہ پڑھنے کا حکم

ایک مولوی نے نمازِ جنازہ نمازِ مغرب سے پانچ چھ منٹ پہلے ادا کی کیا وہ نمازِ جنازہ جائز ہے جس نے نمازِ جنازہ پڑھائی ہے کیا وہ قابلِ امامت ہے ۔ ؟

الجواب اگر جنازہ اسی وقت میں آیا ہے تو یہ نماز درست ہو گئی اور امام مذکور کی امامت میں کوئی حرج نہیں اور اگر جنازہ پہلے کا آیا تھا مگر پڑھا عین غروب کے وقت تو یہ نمازِ جنازہ درست نہیں ہوئی ۔ وکره صلوة ولو على جنازة وسجدة تلاوة وسهو مع شروق واستواء وغروب الخ (شامی ص ۲۳۷ ج ۱) فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۔ محمد انور عفی عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

جنازہ کی چارپائی کو بھی خوشبو کی دھونی دینا مستحب ہے

کتب فقہ میں لکھا ہوا ہے کہ جنازہ کی چارپائی کو بھی خوشبو لگائی جائے جبکہ ہمارے ہاں یہ معمول نہیں ہے کیا یہ مستحب متروک ہو گیا ہے ؟

الجواب میت کی چارپائی کو بھی وتراً خوشبو کی دھونی دینا مستحب ہے اسے بھی معمول بنایا جائے ۔

ويجمر السرير والكفن وقبل ترك الناس التجمير على الجنازة في ديارنا واقتصر التجمير على الكفن الخ (البناية ص ۲۳۱ ج ۲) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۳/۴/۱۴۰۹ھ

میت کے تمام احکام میں مُراہق بالغ کے حکم میں ہے

بارہ تیرہ سال کا اگر لڑکا یا لڑکی مرجائے تو اس کا حکم بالغ کا ہے یا نابالغ کا شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب اتنی عمر کا لڑکا اور لڑکی بالغ کے حکم میں ہے ۔ (قولہ والمراھق کالبالغ) ـــــ الذکر کالذکر والانثی کالانثی قال فی البدائع لان المراھق فی حیاتہ یخرج فیما یخرج فیہ البالغ عادۃ فکذا یکفن فیما یکفن فیہ اھ (شامی ص ۶۳۸ ج ۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

جنازہ کس حد تک تیز لیکر چلا جائے

عام مشہور ہے کہ جنازہ تیز تیز لیکر چلا جائے اس تیزی کی حد بیان فرمائیں کہ کس قدر تیز چلا جائے ؟ سائل : رب نواز عطر فروش مین بازار ۔ میاں چنوں

الجواب اس قدر تیز چلا جائے کہ میت چارپائی پر اِدھر اُدھر نہ ہو ۔ والاولیٰ ما فی البحر حیث قال وحدا لاسراع المسنون بحیث لا یضطرب المیت علی الجنازۃ (الطحاوی علی المراقی ص ۳۳۲) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور مفتی خیر المدارس ۔ ملتان

جنازہ مغرب کی سنتوں سے مؤخر اور نوافل سے مقدم کیا جائے

قبل از نماز مغرب جنازہ حاضر ہو تو مطابق قاعدہ شرعیہ بعد ادائیگی نماز

مغرب کے سُنّت و نوافل سے قبل نمازِ جنازہ ادا کریں گے یا بعد سُنّت و نوافل کے نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی ؟

الجواب مفتی بہ قول یہ ہے کہ سُنّت مغرب کو نمازِ جنازہ سے پہلے پڑھ لیا جائے ۔ اور بعد میں نمازِ جنازہ ادا کیا جائے ۔ البتہ نوافل سے جنازہ کو پہلے ادا کیا جائے ۔ کما فی التعلیق الشامیۃ ص ۵۸۰ ج ۱ وتقدم صلوٰۃ الجنازۃ علی الخطبۃ الا قولہ ولکن فی البحر عن الحلبی الفتویٰ علی تاخیر الجنازۃ عن السنۃ اقرہ المصنف کانہ الحاق لہا بالسنۃ ۔

الجواب صحیح ۔ بندہ محمد اسحٰق غفرلہٗ ۱۳۹۹/۷/۶ھ

عبد اللہ عفا اللہ عنہٗ ۱۳۹۹ھ

سود کو حلال کہنے والے کا جنازہ

ایک شخص سود کو حلال کہتا ہے اُس کی نمازِ جنازہ ادا کریں یا نہ کریں شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب یہ شخص کافر ہے اس کی نمازِ جنازہ ادا نہ کی جائے ۔

فقط ۔ بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہٗ

بغیر جنازہ پڑھی گئی لاش پر مٹی نہ ڈالی گئی ہو تو نکال کر جنازہ پڑھا جائے

کمیٹی والوں نے ایک لاوارث لاش کو عیسائیوں سے قبر کھدوا کر اس کے اندر رکھ دیا ، ابھی مٹی نہیں ڈالی تھی کہ پتہ چلا کہ انہوں نے جنازہ نہیں پڑھوایا تو اب کیا کرنا چاہیے تھا آیا قبر میں پڑے پڑے کا جنازہ پڑھا جائے یا باہر نکالا جائے ؟

الجواب حامداً ومصلیاً

مٹی ڈالنے سے پہلے علم ہو جائے تو نکال کر جنازہ پڑھا جاوے۔ لقولہ وان اہیل علیہ التراب فان لم یصلی
خروج یصلی علیہ حملا قدمناہ عن البحر شامی ص۲۲۵ ج۲۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ

جامعہ خیر المدارس۔ ملتان

صرف ہڈیوں کے ڈھانچے پر جنازہ پڑھنا

ایک مسلمان قتل ہو گیا۔ ایک ماہ بعد اسکی نعش اس حالت میں ملی کہ جنگلی جانور اس کا گوشت پوست کھا گئے تھے۔ صرف ہڈیاں بعد میں ملی ہیں۔ اور یہ ہڈیاں واقعی اسی کی ہیں اس کے جوتوں اور شناختی کارڈ سے پہچان کر لی ہے۔ کیا اس کا جنازہ پڑھا جائے گا؟ جو کتب فقہ میں ہے کہ بغیر جنازہ دفن ہوئے مسلمان پر گلنے سڑنے سے پہلے جنازہ پڑھا جا سکتا ہے بعد میں نہیں۔ کیا ان ہڈیوں کا بھی یہی حکم ہے وضاحت فرمائیں!

الجواب حامداً ومصلیاً

صورت مسئولہ میں صرف ہڈیوں کے ڈھانچے پر نماز جنازہ جائز نہیں۔ مراقی میں ہے کہ ویصلی علیہ ما لم یتفسخ اسکی تشریح علامہ طحطاوی نے یہ کی ہے: ای تتفرق اعضاؤہ فان تفسخ لا یصلی مطلقاً لانہا شرعت علی البدن ولا وجود لہ مع التفسخ ص۳۲۵۔ اس سے معلوم ہوا کہ پھٹنے کے بعد جنازہ جائز نہیں پھولنے پھٹنے کا عمل گوشت میں ظاہر ہوتا ہے۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ باقی ہوتا ہے۔ نیز لانہا شرعت علی البدن یہ تعلیل بھی صادق آتی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح:
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

۱۱ / ۴ / ۱۴۱۱ھ

شیعہ کے پیچھے نمازِ جنازہ پڑھنا جائز نہیں

اہلِ سنت کیسے شیعہ کا جنازہ پڑھیں جو علانیہ شیعہ ہو ۔ ۲۔ اہلِ سنت کا امام اہلِ شیعہ کا جنازہ پڑھتا ہے اور شیعہ اس کے پیچھے پڑھتے ہیں ، بعد ازاں اہلِ سنت کا امام شیعہ امام کی اقتداء میں نمازِ جنازہ ادا کرتا ہے کیا ایسا امام جو اہلِ سنت کا عقیدہ رکھتا ہے ، اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب اگر اس کے عقائد کفر تک پہنچے ہوئے ہوں تو اسکا نمازِ جنازہ پڑھنا درست نہیں ۔ اور اگر ایسا نہ بھی ہو تو تب بھی اس کے مبتدع ہونے میں کلام نہیں اور مبتدعین کے جنازہ میں دینی مقتدا کا شامل ہونا بھی زجراً و توبیخاً درست نہیں ۔ کما فی الحدیث .... مشکوٰۃ ص۲۲ پس امام مذکور کے لئے استغفار لازم ہے تائب ہونے کی صورت میں اسکی امامت درست ہے ۔

الجواب صحیح ۔ عبدالستار نائب مفتی خیر المدارس ملتان

عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ۱۸ / ۱ / ۱۳۸۸

نامحرم عورت کی میت کو کندھا دینا درست ہے

عورت کا جنازہ غیر محرم مرد قبرستان کی طرف لے جاتے وقت اٹھا سکتا ہے یا نہیں نیز اس میں امام شافعیؒ اور امام اعظمؒ کے نزدیک کیا اختلاف ہے کہ امام شافعی کے نزدیک ناجائز اور امام اعظمؒ کے نزدیک جائز ہے کیا یہ صحیح ہے ؟

الجواب ۱۔ عورت نامحرم کے جنازہ کو کندھا دینا بھی مستحب ہے اور ثواب ہے ۔ اور چاروں پاؤں کو اٹھانا مستحب ہے ۔ ہر ایک پائے کو دس دس قدم اٹھانا بہتر ہے ورنہ جیسے میسر ہو ۔ امام شافعیؒ کے نزدیک نامحرم عورت کے جنازہ کو نہ اٹھانا ، ہمیں نظر سے نہیں گزرا (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۳۸ ج۵)

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفی عنہ

نمازِ جنازہ کی لوگوں کو اطلاع دینا

نماز جنازہ کا آبادی، بازار وغیرہ میں اعلان کرنا کیسا ہے؟

الجواب جاہلیت کے طریقہ پر اور مروجہ طریق پر رکشوں پر سپیکر لگا کر تمام شہر اور گلی کوچوں میں اعلان کرنا پسندیدہ نہیں۔ ہاں بے تکلف جن جن حضرات اور عزیز واقارب کو اطلاع ہو سکے اسمیں مضائقہ نہیں، کیونکہ اتباع جنازہ بھی مسلم میت کے حقوق میں سے ہے اور یہ اطلاع ہی پر موقوف ہے۔

ویکرہ النداء فی الاسواق والمحلات لان ذالک تشبہ باھل الجاھلیۃ کذا ذکر الفقیہ ابو اللیث۔ قال صاحب الاختیار والاصح انہ لا یکرہ لان فیہ اعلام الناس فیئودون حقہ وفیہ تکثیر المصلین والمستغفرین لہ اھ (تبیین الحقائق ج۱ ص۲۴۲)

فقط واللہ اعلم۔ محمد انور غفرلہ ۱۴ / ۹ / ۱۴۱۱ھ

کیا جنات سے بھی حساب وکتاب ہوگا؟

قیامت کے روز جنات سے حساب وکتاب ہوگا یا نہیں اور دوزخ، جنت میں ان کا داخلہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب جنات سے حساب وکتاب اور اس کے بعد اس پر ثواب وعتاب متعدد احادیث میں وارد ہے۔ بعض نے دخولِ جنت کا بھی لکھا ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ ان کو عذاب سے بچاؤ ہی ان کے لئے جنت ہے۔ تفصیل مطلوب ہو تو دیکھیں حیاۃ الحیوان جلد اول۔ فقط واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفی عنہ ۱۳/ ۷/ ۱۴۰۰ھ

تعزیت کے لئے دریاں بچھا کر بیٹھنا

ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ جب کوئی فوت ہو جاتا ہے تو اہل میت اپنے مکان کے دروازہ پر چٹائی وغیرہ بچھا دیتے ہیں جہاں پر لوگ تعزیت کے لئے آکر بیٹھ جاتے ہیں کیا یہ شرعاً درست ہے۔؟

الجواب: تدفین کے بعد مستقل تعزیت کے لئے بیٹھنا مکروہ ہے اور رسم جاہلیت ہے۔ ہرگز ایسا نہ کیا جائے جو اتفاقاً جہاں ملے وقت کے اندر اندر تعزیت کر لے۔

ویکرہ التعزیۃ عند القبر وعند باب الدار (در مختار) (قولہ وعند باب الدار) وفی الظہیریۃ ویکرہ الجلوس علی باب الدار للتعزیۃ لانہ عمل اہل الجاہلیۃ وقد نہی عنہ. وما یصنع فی بلاد العجم من فرش البسط والقیام علی قوارع الطریق من اقبح القبائح اھ (شامی ۸۴۲/۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفی عنہ

جنازہ لیجاتے وقت سر آگے رکھیں

جنازہ قبرستان لیجاتے وقت سنت کے موافق سر آگے ہونا چاہیے مگر عوام اس کے برعکس کرتے ہیں کہ پیر آگے اور سر پیچھے جس سے مونڈھا دیتے وقت بھی سنت کی موافقت نہیں ہوتی اور ویسے بھی برا معلوم ہوتا ہے مگر وہ اس لئے کہ پیر میت کے قبلہ کی طرف ہوتے ہیں۔ مطلع فرمائیں ایسا کرنا چاہیے یا نہیں۔ قبرستان بستی سے جانب مشرق ہے۔

الجواب: وفی العالمکیریۃ ۸۲/۱ وفی حالۃ المشی بالجنازۃ یقدم الراس. روایت بالا سے معلوم ہوا کہ جنازہ کو قبرستان

کی طرف لیجاتے وقت سر آگے کی طرف ہونا چاہیے اگرچہ قبرستان مشرق ہی کی طرف ہو عوام کی باتوں کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح۔ بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ
عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان
مفتی خیر المدارس ملتان ۲۵ ۲/۱۳۸۴ھ

جس میت کے مسلمان ہونے کا علم نہ ہو اس کے جنازہ کا حکم

ایک عورت کی لاش ملی ہے مگر پتہ نہیں چلتا کہ مسلم کی ہے یا غیر مسلم کی کیا اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہیں؟

الجواب: مذکورہ عورت کی نماز جنازہ پڑھی جاوے۔ ولو وجد میت وقتیل فی دار الاسلام الصحیح انہ یغسل ویدفن فی مقابر المسلمین لحصول غلبۃ الظن بکونہ مسلماً بدلالۃ المکان وھی دار الاسلام وفیہ دخل یعمل بدلیل المکان وحدہ الصحیح انہ یعمل بہ لحصول غلبۃ الظن اھ بدائع (ص ۳۰۳/ ج ۱)۔

الجواب صحیح۔ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
محمد صدیق مدرس خیر المدارس ملتان ۱۹/ ۹/ ۹۶ھ

جماعت میں دیر ہو تو نماز جنازہ کو مؤخر نہ کیا جائے

زید کہتا ہے کہ جب نماز کا وقت داخل ہو جائے، چاہے جماعت کا وقت ایک آدھ گھنٹہ بعد ہو تو اب اگر ایک جنازہ آجائے تو پہلے فرض نماز پڑھی جائے، پھر جنازہ پڑھا جائے کیا زید کی بات صحیح ہے؟

۱. عصر کی نماز کے بعد نماز جنازہ درست ہے۔

۲. عصر کی نماز سے پہلے بھی نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: ۱،۲- زید کی بات درست نہیں تقدیم فرض علی الجنازۃ کا حکم ہر صورت میں نہیں، ہاں اگر جماعت تیار ہو تو پھر فرض وقت کو مقدم کیا جائے اگر جماعت میں اتنی دیر ہو جتنی سوال میں مذکور ہے۔ تو جنازہ ہی پہلے پڑھا جائے

وینبغی تقدیم الجنازۃ والکسوف حتی علی الفرض ما لم یضق وقتہ (رد المحتار ج۱) وکذا فی فتاوی دار العلوم ص ۳۶۳ ج ۵)

۳،۲ درست ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

کبھی نماز نہ پڑھنے والا جنازہ پڑھا سکتا ہے

تارک نماز پنج گانہ اگر نماز جنازہ پڑھا دے تو نماز ہو جائیگی یا نہیں؟

الجواب: نماز جنازہ ادا ہو جائے گی لیکن ایسے شخص کو امام بنانا ناجائز ہے۔ ویکرہ امامۃ الفاسق۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح، عبد اللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس — ۲۳/۳/ ۱۳۸۴ — بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

کل نفر کا جنازہ سات ہوں تو بھی طاق صفیں بنانا اولیٰ ہے

اگر جنازہ میں صرف چند آدمی ہوں تو بھی طاق صفیں بنائی جائیں یا ایک ہی صف بنائی جائے؟

الجواب: طاق صفیں بنانا اولیٰ ہے حتیٰ کہ اگر کل سات آدمی ہوں تو بھی تین

صفیں بنا نا اولیٰ ہے اس طرح کہ ایک امام بن جائے اس کے پیچھے پہلی صف تین آدمیوں کی ہو دوسری دو کی اور تیسری ایک کی۔

ولھذا قال فی المحیط ویستحب ان یصفوا ثلاثة صفوف حتی لو کانوا سبعة یتقدم احدھم للامامة ویقف وراءہ ثلاثة ثم اثنان ثم واحد (ص ۸۶ شامی ص ۳۱۰ ج ۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفی عنہ

کسی خاص شخص کے بارے میں جنازہ پڑھانے کی وصیت کی تو اسکا حکم

اگر کوئی یہ وصیت کر جائے کہ میری نماز جنازہ فلاں شخص پڑھائے کیا اس وصیت کا پورا کرنا ضروری ہے ؟

الجواب حامداً ومصلیاً اس وصیت کا پورا کرنا لازم نہیں۔ ہاں اگر کسی بزرگ شخص کے بارے میں وصیت کی ہو اور آسانی سے اس پر عمل ہو سکتا ہے تو مضائقہ بھی نہیں۔

ولو اوصی ان یصلی علیہ فلان فی الحیوان ان الوصیة باطلة ۔ فی نوادر ابن رستم جنازة ولیہا مرفلان بالصلوٰة علیہ قال صدر الشہید المفتوی علی الاول اھ (تبیین الحقائق ص ۲۳۹/۱) فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

جنازہ کے بارے میں عام مساجد کو حرمین پر قیاس نہ کیا جائے

مسجد میں نماز جنازہ سے روکا جائے تو بعض لوگ مسجد حرام کا حوالہ دیتے ہیں کہ وہاں ہوتا ہے لہذا یہاں بھی جائز ہونا چاہئے ۔اس اشکال کا مدلل جواب

تحریف ہے یہیں؟ کیا مسجد حرام پر عام مساجد کو قیاس کرنا درست ہے؟

الجواب بعون الوہاب حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً وکرامۃً اس حکم سے مستثنیٰ ہیں اور فقہاءِ کرام نے اس استثناء کی چند وجوہ ذکر فرمائی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

واما المسجد الحرام فمستثنیٰ کما صرح بہ ابن الضیاء اذ ھو موضوع لاداء المکتوبات والجمعۃ والعیدین وصلوٰۃ الکسوف والخسوف وصلوٰۃ الجنازۃ والاستسقاء ولعلہ لھذا المعنی جمع فی قولہ تعالیٰ انما یعمر مساجد اللہ او لکبرہ او وسعۃ قدرہ او لتعظیم امرہ او لاشتمالہ علی جہات کل جہۃ بمنزلۃ مسجد او لانہ قبلۃ المساجد کلھا اھ (شرح نقایہ ص ۱۴۰/۱)

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ

اُجرت طے کر کے جنازہ پڑھانا

بستی کے مولوی صاحب اتفاقاً نہ تھے باہر سے ایک مولوی صاحب آئے انہیں جنازہ کا کہا گیا تو انہوں نے کہا میں غریب آدمی ہوں میری کچھ خدمت ضرور کرنا چنانچہ پچاس روپے طے پائے تب انہوں نے جنازہ پڑھایا کیا یہ جنازہ ہو گیا؟

الجواب نمازِ جنازہ ادا ہو گئی اور نمازیوں سے فرض ساقط ہو گیا مگر اُجرت لینا حرام ہے۔

ولا یجوز اخذ الاجرۃ علی الطاعۃ کالمعصیۃ وفیہ ان اخذ الاجرۃ علی الطاعۃ لا یجوز مطلقاً عند المتقدمین واجازہ المتاخرون علی تعلیم القرآن والاذان والامامۃ للضرورۃ کما بین فی محلہ ومقتضاہ عدم الجواز ھنا ان وجد عندہ لانہ طاعۃ تعین اولاً ولا تخص عدم الجواز

بالواجب نعم الاستنجاء وعلی الواجب غیر جائز اتفاقاً الخ

وعبارۃ الفتح ولا یجوز الاستیجار علی غسل المیت ویجوز علی الحمل والدفن واجازہ بعضهم فی الغسل ایضاً شامیہ ج۲

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

مطلقہ رجعیہ اپنے خاوند کو غسل دے سکتی ہے

کیا مطلقہ خاوند کو غسل دے سکتی ہے؟

الجواب اصل تو مرد عزیز و اقارب کو غسل دینا چاہیے لیکن بہرحال اگر رجعیہ ہو اور عدت میں ہو تو غسل دے سکتی ہے۔

فلو کان طلقها ثم مات وهی فی العدة فان کان الطلاق رجعیا فلها ان تغسله لان الطلاق الرجعی لا یزیل الزوجیة وان کان بائنا لا تغسله اھ (تبیین الحقائق ص۲۳۵ ج۱)

محمد انور عفا اللہ عنہ

مرتد کو کیسے دفن کیا جائے؟

مرتد جب قتل کر دیا جائے تو اس کو کیسے دفن کیا جائے؟

الجواب گڑھا کھود کر کتے کی طرح اس میں پھینک دیا جائے۔

اذا قتل المرتد یحفر حفیرۃ ویلقی فیها کالکلب اھ (مجموعۃ الفتاوی ص۲۲۶ ج۱)

فقط واللہ اعلم

محمد انور

مرنے والا وصیت کر جائے تو تہائی مال سے زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے

عورت کا انتقال ہوگیا ہے اس نے کچھ نقد کچھ زیور اور کپڑے چھوڑے ہیں ان کے ذمہ کچھ زکوٰۃ بھی دینی باقی ہے خاوند ان کے مال میں سے زکوٰۃ ادا کرے یا اپنے پاس سے ادا کرے؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب — اگر متوفاۃ مذکورہ زکوٰۃ دینے کی وصیت کر گئی ہو تو اس کے تہائی مال میں سے ادا کر دی جائے اور اگر وصیت نہیں کر گئی تو پھر ورثاء پر اس کی طرف سے زکوٰۃ دینا لازم نہیں۔ ہاں اگر کوئی وارث خوشی سے اپنے مال سے اس کی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دے تو بہت بہتر ہے یا سب وارثان رضامندی کے ساتھ بشرطیکہ سب بالغ ہوں تو اس کے کل ترکہ میں سے قبل از تقسیم ادا کر دیں تو بھی درست ہے۔

فقط واللہ اعلم۔ الجواب صحیح۔

بندہ عبداللہ غفراللہ لہٗ — بندہ اصغر علی غفراللہ لہٗ ۲۵/۱/۱۳۸۰ھ

الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق غفراللہ لہٗ

قبر کے کتبہ پر کیا لکھنا چاہئے:

ہمارے میاں چنوں میں جامع مسجد محمدیہ میں حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ جو خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد عبدالقادر رائے پوریؒ تھے کی قبر ہے۔ اور مولانا محمد ابراہیم صاحب مرحوم کی قبر پر ان کے نام کی تختی لگی ہوئی ہے۔ اس تختی کے علاوہ اب ایک نمازی نے ان کے سرہانے کی طرف دیوار پر مندرجہ ذیل عبارت لکھوادی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یا اللہ، یا محمد، فاذکرونی اذکرکم افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ بنا انساں کو رحمت کے قابل، بنایا کہ ہر گھڑی ذکر الٰہی۔ اور بھی اشعار ہیں۔ اس سلسلہ میں نمازیوں نے مولانا کے صاحبزادے کو کہا کہ یہ تو آہستہ آہستہ مزار بن جائے گا اور عورتیں آنے لگیں گی۔ چادر چڑھانے لگ جائیں گے۔ آئندہ چل کر پرستش شروع ہو جائے گی۔ مولانا کی وصیت بھی ہے کہ مجھے قبرستان میں دفن کرنے کے بجائے

مسجد میں دفن کرنا کہیں میری قبر بھی شرک کا اڈہ نہ بن جائے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا مضامین اضافہ کرنے کی اجازت ہے یا نہ؟

الجواب بوقت ضرورت نام اور تاریخ وفات کی اجازت ہے اس سے زائد ممنوع ہے ـــــ بزرگان دین کا بھی یہی معمول ہے۔ لہذا اس پر اضافہ نہ کیا جائے۔ وان احتیج الی الکتابۃ حتی لا یذھب الاثر ولا یمتھن فلا بأس بہ فاما الکتابۃ لغیر عذر فلا اھ حتی انہ یکرہ کتابۃ شئی علیہ من القرآن او الشعر او اطراء مدح لہ اھ (شامی ص۶۶۲ / ج۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور ۱۴/۷/۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح:
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی

نمازِ جنازہ سرًا ادا کی جائے:

نمازِ جنازہ میں دُعا جہرًا مانگنا شرعاً دُرست ہے یا نہیں؟

الجواب نمازِ جنازہ دُعا و ذکر ہے اور اس کے بارے میں اخفاء اولیٰ ہے لہذا جہر نہ کیا جائے

ویخافت فی الدعاء فی التکبیر (کنز الدقائق) وفی الذخیرۃ ولا یجھر فی صلوٰۃ الجنازۃ بشئ فی الحمد او الثناء وصلوٰۃ النبی لانہ ذکر والاخفاء فی الذکر اولیٰ (تبیین الحقائق ص۲۴۱ / ج۱)

فقط واللہ اعلم،
محمد انور غفرلہ

نابالغ بچی جس کا باپ مرزائی مگر والدہ مسلمان ہو تو اس کا جنازہ پڑھا جائے

مولوی محمد طیب نے دو آدمی اور موجود تھے کہ چوہدری محمد شریف آیا اور اس نے

کہا مولوی صاحب ایک سال بھر کی لڑکی فوت ہو گئی ہے۔ جس کا والد مرزائی ہے اور والدہ اہلسنت والجماعت کی ہے آپ کا کیا خیال ہے جنازہ پڑھانے کا۔ مولوی صاحب نے کہا مرزائی جنازہ پڑھائیں گے۔ تو محمد شریف نے کہا کہ لڑکی کی والدہ تو اہل سنت والجماعت کی ہے۔ مولوی صاحب نے کہا بے شک لڑکی کی والدہ سنی ہے۔ مگر نطفہ کس کا ہے۔ محمد شریف نے کہا کہ نطفہ تو مرزائی کا ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ مرزائی جنازہ پڑھائیں گے تو محمد شریف چلا گیا۔ دس بارہ منٹ کے بعد محمد شریف پھر آگیا تو اس نے کہا کہ لڑکی کی والدہ کہتی ہے۔ اگر کوئی صورت ہو تو مولوی صاحب کو کہو کہ جنازہ پڑھا دیں ورنہ ہم بلا جنازہ پڑھائے دفن کر دیں گے۔ اور مرزائیوں سے جنازہ نہیں پڑھائیں گے۔ پھر مولوی صاحب نے کہا لاؤ میں جنازہ پڑھا دوں گا۔ پھر جنازہ آگیا اور حنفی اور اہل حدیث سب نے مل کر جنازہ پڑھ دیا۔ بعد میں ایک آدمی نے کہا کہ یہ جنازہ پڑھنے والے اور پڑھانے والے سب کافر ہو گئے اور ان سب کے نکاح ٹوٹ گئے ہیں۔ کیا یہ آدمی سچا ہے یا جھوٹا؟

الجواب: لڑکی مذکورہ کا جنازہ مسلمانوں ہی کو پڑھانا چاہیے تھا۔ لہذا جن لوگوں نے لڑکی کی نماز جنازہ پڑھی ہے انہوں نے درست کیا ہے۔

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ

حضرت تھانویؒ نہ ہی دعا بعد الجنازہ کے قائل تھے اور نہ ہی ان کے جنازہ کے بعد دعا ہوئی ہے

آپ کے مدرسہ کے مدرسین یا متعلقین میں سے کسی بزرگ نے حضرت تھانویؒ کے جنازہ میں یا کبھی ان حضرات کی اقتداء میں نماز جنازہ پڑھی ہو تو کیا یہ حضرات بعد از سلام نماز جنازہ

دُعا کرتے تھے ، جبکہ ایک امام صاحب کہتے ہیں کہ حضرت تھانویؒ تو ایسا کرتے تھے حضرت تھانویؒ کے جنازہ پر بھی دُعا ہوئی تھی۔

الجواب: یہ بہتان و افتراء ہے کہ حضرت تھانویؒ جنازہ کے بعد دعا کرتے تھے یا آپ کے جنازہ کے بعد یہ مروجہ دعا مانگی گئی۔ حضرت تھانویؒ کی نماز جنازہ میں شرکت کرنیوالے بہت سے لوگ ابتک زندہ ہیں بلکہ پڑھانیوالے بھی بقید حیات ہیں، سب اسکی تصدیق کریں گے کہ مذکورہ بالا دونوں باتیں جھوٹی ہیں۔

الجواب صحیح

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۱۱/۱۰/۹۷ھ

ایکسیڈنٹ میں فوت شدہ شہید آخرت ہے

زید کسی ایکسیڈنٹ میں ، یکدم مرگیا تو یہ شہید ہے یا نہیں اگر شہادت میں شامل ہے تو کون سی شہادت ہے گی ایسے شہید کو غسل اور کفن دیا جائے گا۔ اور اسکا امتحان اور عذاب قبر معاف ہے یا نہیں ؟ ۲- زید بلا قصد مقدمۂ قتل میں ملوث ہوگیا اسکو پھانسی ہوگئی تو مظلومیت کی بناء پر شہید ہے یا نہیں اور شہید والے احکام اس پر مرتب ہوں گے یا نہیں ؟

الجواب: ایکسیڈنٹ کی صورت میں موت واقع ہونے اور مقدمۂ قتل میں بلا قصد ملوث کر پھانسی ہو جانے سے جو موت واقع ہو جائے دونوں کو بلا تامل غسل دیا جائے گا اور کفن دیا جائے گا۔ اور نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔ یہ شہید ہیں مگر احکام آخرت کے اعتبار سے نہ کہ احکام دنیا کے اعتبار سے کیونکہ جس شہید کے لئے احکام دنیا بدلتے ہیں اسکی تعریف ان پر صادق نہیں آتی وہ تعریف یہ ہے۔

هو كل مكلف مسلم طاهر قتل ظلما بجارحة اي بما يوجب القصاص ولم يجب بنفس القتل مال بل قصاص وكذا لو قتله باغ او حربي او قاطع طريق ولو تسبباً او بغير آلة جارحة او وجد جريحاً ميتاً في معركتهم كذا في الدر المختار ص ۲۴۶ ج ۱

منکر نکیر کے سوال کے بارے میں رد المحتار میں ہے کہ شہید اس سے مستثنیٰ ہے۔

ثم ذكر ان من لا يسأل ثمانية الشهيد والمرابط والمطعون والميت زمن الطاعون ص ۲۳۸ ج ۱ اهـ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

کفار کی فوج میں شریک مسلمان مرجائے تو وہ شہید ہوگا یا نہیں؟

اگر پاکستان اور ہندوستان کے درمیان جنگ ہو اور ہندوستان کی فوج میں کچھ مسلمان بھی موجود ہوں اور وہ اپنے ملک کی طرف سے لڑتے ہوئے مارے جائیں تو کیا ہم انہیں بھی شہید کہیں گے یا کوئی اور حکم لگائیں گے۔ جبکہ ان مسلمان فوجیوں کو جبراً جنگ میں لایا جاتا ہے اور انکار کی صورت میں جان کا خطرہ ہے۔ آپ سے عرض ہے کہ مسئلہ کا جواب تحریر فرمائیں عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔

الجواب اگر کافروں کی فوج میں مسلمان ہیں اور ان کو جبراً مسلمانوں کے سامنے لایا جاتا ہے تو مسلمان فوج کافروں کو مارنے کی نیت سے گولی چلائے اور قتال وجہاد کریں ان کی گولی سے اگر کوئی مسلمان مرجائے تو مسلمان فوج نہ تو عند اللہ مجرم ہے اور نہ ہی قتل مسلم کے احکام دنیاوی مرتب ہوں گے۔ ہندیہ میں ہے۔

ولا بأس برميهم وان كان فيهم مسلم اسير او تاجر وان تترسوا بالصبيان المسلمين او بالاسارى لم يكفوا عن

ومعہم ویقصدون بالرمی الکفار وما اصابوہ لا منہم
دیۃ علیہم ولا کفارۃ (ص ۳۰۳ ج ۲)

کفار کی طرف سے جو مسلمان مر گیا وہ آخرت کے اعتبار سے تو شہید ہے۔ حکم دنیاوی کے اعتبار سے (مثلاً عدم غسل وغیرہ) امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک شہید نہ ہوگا. البتہ امام ابو یوسفؒ شہید قرار دیتے ہیں۔ ہندیہ میں ہے۔ او رمی مسلم الی المشرکین فاصاب مسلماً (الی ان قال) وما فی یغسلون خلافاً لابی یوسفؒ (ج ۱ / ۶۶)

الجواب صحیح　　　　محمد　　　　فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ　　۹/۴/۲۰　　بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

شہید زخمی ہونے کے بعد ہوش میں نہ آئے تو اُسے غسل نہ دیا جائے

ڈیرہ اسماعیل خان سے علمائے کرام کا وفد حضرت مولانا حق نواز جھنگوی شہیدؒ کی نماز جنازہ میں شرکت کے لئے گیا۔ اس وقت معلوم حضرت شہیدؒ کی میت ہسپتال میں تھی۔ وہاں سننے میں آیا کہ آپ نے فتویٰ دیا ہے کہ مولانا کو غسل نہ دیا جائے کیا یہ صحیح ہے؟ نیز دورِ حاضر میں اگر کوئی مسلمان کسی باطل فرقے کے ہاتھوں مثلاً شیعہ، قادیانی، مودودی، خارجی وغیرہ کے ہاتھوں شہید ہو جائے تو کیا اسے غسل دیا جائے یا نہیں؟ مدلل جواب دیں؟

مولانا اللہ بخش، مدرس ناظم دار العلوم عثمانیہ مریالی

الجواب باسمہ تعالیٰ تنویر الابصار میں شہید دنیوی واخروی کی تعریف درج ذیل ہے۔
"ھو کل مکلف مسلم طاہر قتل ظلماً بجارحۃ ولم یجب بنفس القتل مال ولم یرتث وکذا لو قتلہ باغ او قاطع طریق ولو بغیر آلۃ جارحۃ الخ"

مذکورہ دونوں شقوں کے لحاظ سے حضرت جھنگویؒ شہید ہیں جس شخص میں بھی مذکورہ اوصاف موجود ہوں تو وہ شہید کہلائے گا۔ خواہ قاتل کا تعلق کسی فرقے سے ہی

کیوں نہ ہو ۔ فقط واللہ اعلم ۔ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۔

(ف) ۔ واقعات کے مطابق مولانا مظلوم شہید زخمی ہوتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑے اور اسی حالت بے ہوشی میں انہیں ہسپتال لے جایا گیا ، اور ہسپتال پہنچنے سے قبل ہی روح پرواز کر گئی ۔ لہذا ارتثاث بھی نہیں پایا گیا ۔ اسلئے غسل نہیں دینا چاہیے تھا ۔ وفی الشامیۃ " فلو لم ینقل لا یغسل وان زاد علی ...

یوم و لیلۃ ۔ (شامی ص ۶۲۲ جلد اول) والجواب صحیح ۔

۱۹ / ۸ / ۱۴۱۰ ھ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۔

زنا کرتے ہوئے قتل ہو جانیوالا شہید نہیں

ایک شخص زنا میں مبتلا ہے اُسے اُس کو دوسرا شخص اسی وقت عورت کے اوپر اُس کو جان سے مار ڈالتا ہے مرنے والا شہید ہے یا نہیں ؟

الجواب حامداً و مصلیاً: ایسا مقتول شہید نہیں جبکہ قاتل کی بیوی وغیرہ سے فعل بد کی صورت میں مقتول ہوا ہو ۔ کما تدل علیہ هذه الجزئیۃ لو کان مع امرأته وهو یزنی بها او مع محرمه وهما مطاوعان قتلهما جمیعاً (درمختار ص ۶۲۸ / ۱) ۔ فقط واللہ اعلم ۔ بندہ محمد اسحاق غفرلہ ۔

الجواب صحیح ۔ خیر محمد عفا اللہ عنہ ۔ ۴ / ۲ / ۸۶ ھ

شہید کو غسل نہ دیا جائے :

ایک بے گناہ لڑکی قتل ہوئی ہے اسکی باپ نے اس کو چھری سے قتل کیا ہے وہ اُس سے فعل بد کرنا چاہتا تھا تو اب اُسے اپنی کپڑوں میں دفن کیا جائے یا نہ ؟ محلے کے لوگ یہ تصدیق کرتے ہیں کہ لڑکی حق بجانب تھی ۔

الجواب: وهو فی الشرع من قتله اهل الحرب والبغی الخ

او قتلہ مسلم ظلماً ولم تجب بقتلہ دیۃ کذا فی البحر الرائق

ولو وجبت الدیۃ بصلح او بقتل الاب ابنہ لا تسقط

الشہادۃ اھ (ہندیہ صـ۱۶۸ ج ۱)

وحکمہ ان لا یغسل و یصلی علیہ و یدفن بدمہ اھ کذا

فی الہندیۃ صـ۱۶۷ ج ۱

جزئیات بالا کی بنا پر یہ مظلوم لڑکی شہید ہے لہٰذا اسے غسل نہ دیا جائے

بلکہ اپنی خون آلود کپڑوں میں کفن دے کر نمازِ جنازہ پڑھا کر دفن کر دیا جائے اگر یہ

کپڑے کفن سنت سے کم ہوں تو مزید کپڑا کفن میں شامل کیا جا سکتا ہے فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

۵/۹/۸۹ھ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

نیم پاگل ڈوب کر مر جائے تو شہید ہوگا یا نہیں؟

نیم پاگل اگر کنوئیں میں گر کر مر جائے تو اس کو شہادت حکمی کا درجہ ملے گا یا نہیں

الجواب: اگر کچھ دین ایمان کو سمجھتا ہے تو امید ہے کہ یہ موت ضرور رفع

درجات کا سبب بنے گی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۷/۳/۱۴۰۱

ہجوم میں دب کر مرنے والا حکماً شہید ہے

ایک شخص اسلامی کانفرنس پر گیا اس غرض سے کہ شاہی مسجد میں شاہ فیصل

کے پیچھے نماز جمعہ بھی ادا کریں گے تو نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد ہجوم کے اندر دب

کر فوت ہوگیا۔ کیا یہ متوفی شہید ہے یا نہیں؟

الجواب یہ شخص حکماً شہید ہے لیکن اسے غسل وغیرہ دیا جائے گا۔

فقط، بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح، بندہ محمد عبداللہ عفی عنہ ۹ / ۲ / ۹۲ھ

جلسے جلوسوں میں مرنے والا شہید ہوگا یا نہیں؟

۱۔ ایک شخص موجودہ جلسے اور جلوسوں میں شمولیت کرتا ہے یعنی قومی اتحاد کے جلسے اور جلوسوں میں اور ان میں تشدد کا نشانہ بن جائے یا قتل ہو جائے کیا یہ شخص شہید ہے یا نہیں؟

۲۔ ان جلسوں اور جلوسوں میں بغیر اذن والدین کے شرکت کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب دنیاوی احکام کے لحاظ سے اگر اس پر شہید کی تعریف صادق آتی ہو تو اس پر شہید کے احکام جاری ہوں گے مگر انجام کا دارومدار نیت پر ہے لقولہ علیہ السلام انما الاعمال بالنیات۔

۲۔ جہاد بھی جب تک فرض کفایہ کے درجہ میں ہو تو والدین کی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

خیر المدارس۔ ملتان

۲ / ۶ / ۹۸ ۱۳ھ

جنازہ کب فرض ہوا ؟

نمازِ جنازہ کب فرض ہوئی ہجرت سے قبل یا بعد کیا حضرت خدیجہؓ کی نمازِ جنازہ پڑھائی گئی یا نہ اگر پڑھائی گئی تو کس نے پڑھائی ؟

الجواب نمازِ جنازہ کی مشروعیت ہجرت کے پہلے سال ہوئی ہے ہجرت سے قبل جو حضرات وفات پاگئے تھے انکی نمازِ جنازہ نہیں پڑھائی گئی اوجز المسالک میں ہے وفی الدر ان صلاة الجنازة شرعت بالمدينة المنورة فی السنة الاولی من الهجرة فمن مات بمكة المشرفة لم يصل عليه (ص ۱۹۱ / ج ۲) فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح — بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ — ۳ / ۱ / ۱۳۹۰ھ

جنازہ پڑھاتے وقت امام کے سامنے مصلیٰ بچھانا

نمازِ جنازہ پڑھاتے وقت امام کے سامنے مصلیٰ بچھانا جائز ہے یا کیا ہے ؟

الجواب ضروری نہیں ۔ اور جو فعل شرعاً ضروری نہ ہو اسے لازم قرار دینا بدعت ہے ۔ فقط واللہ اعلم ۔ محمد اسحاق

مدرسہ خیر المدارس ملتان — ۱۳ / ۶ / ۹۱ھ

میت کو بوقتِ جنازہ چارپائی کے بجائے زمین پر رکھنا

بعض علاقوں میں جنازہ پڑھتے وقت میت کو چارپائی سے نیچے اتار دیتے ہیں کیا یہ کرنا سنت ہے یا مستحب یا مباح ؟

الجواب شریعت میں ایسا فعل ثابت نہیں ہے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفی عنہ ۲۸ / ۲ / ۱۴۰۱ھ

نماز نہ پڑھنے کی قسم کھائی تو جنازہ پڑھنے سے حانث نہ ہوگا

ایک شخص نے قسم کھائی کہ میں نماز نہیں پڑھوں گا یا نہ پڑھاؤں گا۔ اگر وہ نمازِ جنازہ پڑھ لے یا پڑھا دے۔ آیا حانث ہوگا یا نہیں؟

الجواب دونوں صورتوں میں حانث نہ ہوگا۔ ففی الہندیۃ ولو حلف لا یصلی فقام وقرأ ورکع لم یحنث وان سجد مع ذالک ثم قطع حنث کذا فی الھدایۃ۔ جب قیام و قرأت و رکوع پائے جانے کے باوجود حانث نہیں ہوتا تو جنازہ پڑھنے یا پڑھانے سے بطریق اولیٰ حانث نہیں ہوگا نیز اس لئے کہ نماز سے مراد صلوٰۃ مطلقہ ہے جو رکوع سجدے والی ہوتی ہے۔ جنازہ اس میں داخل نہیں۔ وفیہا ایضاً رجل حلف ان لا یؤم احداً (الی ان قال) ولو ام الناس فی صلوٰۃ الجنازۃ وسجدۃ التلاوۃ لا یحنث لان یمینہ تنصرف الی الصلوٰۃ المطلقۃ وھی المکتوبۃ والنافلۃ وصلوٰۃ الجنازۃ لیست بصلوٰۃ مطلقۃ ص۲۱۳-۲/۱۱ اور ابن الہمامؒ کی بحث صورت مسئولہ میں جاری نہیں۔ علاوہ ازیں فتاویٰ الشامی ص۱۲۱ ج۳ اور بحرالرائق ص۳۹۹ ج۴ میں بھی یہ مسئلہ مصرح ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیرالمدارس ملتان ۹/۹/۱۴۰۱ھ

مجذوم جنازہ پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

زید فوج میں اپنے مقام پر فوت ہو گیا۔ فوجیوں نے کفن وغیرہ دے کر جنازہ پڑھ دیا اور لاش ورثاء کو پہنچا دی۔ جب لاش پہنچی تو باپ نے امام مسجد سے کہا کہ جنازہ پڑھاؤ۔ امام نے کہا کہ میں تو نہیں پڑھا سکتا تم ولی ہو۔ تم دوبارہ پڑھا سکتے ہو۔ مگر تم جذام کے مریض ہو لہٰذا تمہاری امامت درست نہیں۔ نتیجۃً بغیر جنازہ کے ہی دفن کر دیا گیا۔

الجواب: ولی یعنی باپ امام صاحب کو اجازت دے کر امام صاحب سے جنازہ پڑھوا سکتا تھا ولی کو حق ہے خود پڑھے یا کسی سے پڑھوائے البتہ مجذوم کی امامت مکروہ ہے۔ وَلَہٗ ای للولی ومثلہ کل من یقدم علیہ من باب اولٰی الاذن لغیرہ فیہا لانہ حقہ فیملک ابطالہ اھ درمختار ص ۲۲۲ ج ۱۔ محمد انور ۲۱/۶/۱۴۰۳ھ

ناپاک کپڑوں میں جنازہ کا حکم:

ناپاک کپڑوں کے ساتھ نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب: ناپاک کپڑے پہن کر نماز جنازہ درست نہیں۔
فقط واللہ اعلم، بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح۔ نائب مفتی خیر المدارس۔ ملتان
محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۲۷/۲/۹۱ھ

جنازہ پر رشتہ دار جو چادریں ڈالتے ہیں وہ انہیں کی ملک ہیں

ایک عورت جس کا خاوند پہلے فوت ہو چکا تھا اس عورت کے مرنے کے بعد اور دفن کرنے سے پہلے جو چادریں برادری کی عزت کے لئے اس پر ڈالی گئیں وہ چادریں کس کا حق بنتی ہیں اس عورت کا باپ کہتا ہے کہ لوگوں نے میری عزت کے لئے ڈالی ہیں اور مرنے والی کے خاوند کا بھائی کہتا ہے کہ یہ چادریں میری عزت کے لئے ڈالی گئی ہیں۔ لہذا میرا حق ہے۔ اب وہ شرعاً کس کا حق ہیں؟

الجواب: وہ چادریں ڈالنے والوں کی ملکیت ہیں ان سے استفسار کیا جاوے۔
الجواب صحیح۔ فقط واللہ اعلم۔
عبد الستار عفا اللہ عنہ۔ ۳/۴/۹۹ھ بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

نابالغ کی قبر پر فاتحہ بقرہ پڑھنے کا حکم

نابالغ لڑکا یا لڑکی فوت ہو جائے تو تدفین کے بعد اسکی قبر پر اول آخر سورۃ بقرہ کی تلاوت کی جائے یا نہیں ؟

الجواب: کان ابن عمرؓ یستحب ان یقرأ علی القبر بعد الدفن اول سورۃ البقرۃ وخاتمتها (شامی ص ۲۳۷ ج ۱)

مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ عن عبد اللہ بن عمرؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا مات احدکم فلا تحبسوہ واسرعوا بہ الی قبرہ ولیقرأ عند رأسہ فاتحۃ البقرۃ وعند رجلیہ بخاتمۃ البقرۃ رواہ البیہقی فی شعب الایمان وقال والصحیح انہ موقوف علیہ (ص ۱۴۹ ج ۱)۔ حدیث پاک میں چونکہ کسی میت بالغ کی شرط نہیں لگائی اس سے بظاہر حکم میں تعمیم معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا نابالغ کی قبر پر بھی اول وآخر سورۃ بقرہ کی تلاوت کی جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۲/۶/۱۴۰۸ھ

قبر میں میت کے نیچے چادر یا چٹائی وغیرہ نہ بچھائی جائے

بعض علاقوں میں رواج ہے کہ لحد میں میت کے نیچے چٹائی بچھا دیتے ہیں اور چادر وغیرہ بچھا دیتے ہیں کیا درست ہے ؟

الجواب: لحد میں کوئی چیز نہ بچھائی جائے مٹی پر میت کو لٹا دیا جائے۔

وفی الاختیار اشعار بانہ لا یلقی الحصیر فی القبر تحت المیت فانہ مکروہ اھ (جامع الرموز ص ۱۹۳)

ولا یجوز ان یوضع فیہ مضربۃ۔ (درمختار)

(قولہ ولا یجوز الخ) ای یکرہ ذلک قال فی الحلیۃ ویکرہ ان یوضع تحت المیت فی القبر مضربۃ او مخدۃ او حصیر او نحو ذلک اھ ولعل وجھہ انہ اتلاف مال بلا ضرورۃ فالکراھۃ تحریمیۃ ولذا عبر بلا یجوز اھ (شامی ص۸۵۹ ج۱)

فقط واللہ اعلم ، محمد انور ۱۱/۹/۱۳۹۸ھ

پسماندگان کے بارے میں بدعات وغیرہ کرنے کا اندیشہ ہو تو وصیت کر جائے

س: فرمائیے کہ وصیت کے لئے وصیت نامہ لکھنے تاکہ مرنے کے بعد کسی رسم و رواج میں مبتلا نہ ہوں مرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ اپنے عزیز و اقارب کو وصیت نامہ بنا کر سمجھا دوں اور میری تجہیز و تکفین عین سنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور شریعت مطہرہ کے مطابق ہو؟

ج: الجواب باسمہٖ تعالیٰ: ورثاء کو تلقین کر دیں کہ کوئی امر خلاف شرع و سنت نہ کریں، مثلاً بلند آواز سے رونا وغیرہ تجہیز و تکفین میں حتی الوسع دیر نہ کی جائے۔ کسی کی شرکت کی وجہ سے جنازہ میں تاخیر نہ کی جائے۔ قبر میں ٹھیک داہنی کروٹ پہ قبلہ رخ لٹا دیا جائے۔ صرف چہرے کا رخ قبلہ کی طرف کر دینا کافی نہیں۔ ایصال ثواب کے لئے کوئی خاص دن یا کوئی خاص چیز متعین نہ کی جائے۔ چند عام پیش آنے والی باتیں لکھ دیں کیونکہ آپ کے علاقے کے رسم و رواج کی ہمیں تحقیق نہیں ورنہ تفصیل لکھ دیتے کہ یہ چیز سنت کے مطابق ہے یہ مخالف۔ بہشتی زیور میں میت کا بیان دیکھ لیں۔

فقط واللہ اعلم ،

محمد انور عفا اللہ عنہ — الجواب صحیح ،

۲/۶/۱۳۹۸ — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

جانور کے مشابہ بچہ پیدا ہو تو اس کا حکم

ایک عورت کا بچہ پیدا ہوا اس کا منہ بہت چھوٹا اور دونوں طرف چھوٹے چھوٹے سینگ تھے گھر والوں نے اس بچہ کا گلا دبا کر مار دیا اور جنازہ پڑھا گیا اسی طرح اور بھی کئی واقعات ہوئے ہیں۔

الجواب: مسخ اشکال شامت اعمال کا نتیجہ ہے۔ گلا گھونٹ کر خود مار نا درست نہیں ایسے بچے ویسے ہی زندہ نہیں رہتے۔ اُسے قتل کرنا سخت گناہ ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۰ / ۷ / ۱۴۰۲ھ

زیارت قبور کا مسنون طریقہ

زیارت قبور کے متعلق یہ سائل نے طلب کیا گیا تھا لیکن تسلی نہیں ہوئی کیونکہ مندرجہ ذیل فتویٰ کے متعلق مندرجہ ذیل کتب میں یہ عبارت مذکور ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

عن الباب السادس عشر من باب الكراهية ويبلغ المقبرة ويخلع نعليه ثم يقف مستدبر القبلة مستقبلاً لوجه الميت ويقول السلام عليكم يا اهل القبور يغفر الله لنا ولكم و اذا اراد الدعاء يقوم مستقبل القبلة (الخ) و عن ابن مسعود قائما يدعو كما كان يفعله رسول الله صلى الله عليه وسلم في الخروج الى البقيع (كبرى منه ايضاً و يدعو قائماً مستقبل القبلة منه) وقد كانت الصحابة تدعو الله وهم مستقبلين القبلة ولم يرو عنهم استقبال القبر عند الدعاء صح بله واختلف الأئمة في استقباله عند السلام عند ابي حنيفة

رحمہ اللہ انہ لا یستقبل بل یستدبر و استقبل القبلۃ والصحیح المعمول علیہ انہ یستقبل وقت السلام وعند الدعاء یستقبل القبلۃ الخ (روح المعانی للعلامۃ آلوسی ص۱۵۶) وبہ عملہ مستقبل القبلۃ مجمع الانہر ص۲۲۵) اور مجالس الابرار میں دعا کے بارے میں یوں ہے استقبل القبلۃ وجعل ظہرہ الی جدار القبر ثم دعا وھذا لا نزاع فیہ بین العلماء وانما نزاعھم فی وقت السلام قال ابو حنیفۃؒ یستقبل القبلۃ عند السلام ایضاً فانہ ایضاً دعاء والدعاء لا تکون عند القبر اھ (مجالس الابرار ص۳۴۲) بحوالہ جواب ع جواہر الفتاوی ص۲۲۱ میں ہے۔ قال فی الاحیاء والمستحب فی زیارۃ القبور ان یقف مستدبر القبلۃ مستقبلاً وجہ المیت وان یسلم ولا یمسح القبر ولا یقبلہ ولا یمسہ فان ذلک من عادۃ النصاریٰ ھکذا فی شرح الشرعۃ قال فی شرح المشکوٰۃ بعد کلام وحدیث عائشۃؓ فیہ دلالۃ علی ان المستحب فی حال السلام علی المیت ان یکون لوجھہ وان یستمر کذالک فی الدعاء ایضاً وعلیہ عمل عامۃ المسلمین خلافاً لما قالہ ابن حجر الخ

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ بوقت دعا استقبال لوجہ المیت مستحب ہے

الجواب صحیح ۔ فقط واللہ اعلم ۔ بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

خیر محمد عفا اللہ عنہ ۳۰ / ۳ / ۸۹ ھ

خنثیٰ کے جنازہ اور اس میں دعا کا حکم

جو آدمی پیدائشی خسرہ ہو۔ اس کا جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو کون سی دعا پڑھنی چاہیئے؟

الجواب اگر خسرہ بالغ شخص ہے تو اسکی نماز جنازہ میں بالغ مرد و عورت کی دعا پڑھی جائے اور اگر خسرہ نابالغ ہے تو اس کی علامات کی تحقیق کی جائے گی۔ اگر علامات مذکر غالب ہوں تو لڑکے والی دعاء پڑھی جائے اور اگر علامات مؤنث غالب ہوں تو مؤنث والی (لڑکی والی) دعاء اور تحقیق سے کچھ تعین نہ ہو سکنے کی صورت میں دونوں دعاؤں میں اختیار ہے۔ خواہ لڑکے والی دعا پڑھے یا لڑکی والی دعاء جو بھی پڑھے جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس الافتاء خیر المدارس ۳/۳/۱۴۰۹ھ

رمضان المبارک میں علانیہ کھانیوالے کا جنازہ

جو شخص نماز کا پابند نہیں ہے اور روزے نہیں رکھتا رمضان شریف کا احترام نہیں کرتا۔ علی الاعلان کھاتا پیتا ہے۔ سگریٹ اور حقہ نوشی کرتا ہے۔ باہر مرتبہ میں روٹی منگواتا ہے تو کیا ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہیں؟

الجواب ایسا شخص فاسق ہے۔ شرعاً اس پر نماز جنازہ ترک نہیں کی جا سکتی ہاں اگر تنبیہاً ترک کی جائے کہ آئندہ لوگ ایسی حرکات سے باز رہیں تو پھر گنجائش ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ بندہ اصغر علی غفرلہ معین مفتی

الجواب صحیح: جمال الدین غفرلہ خیر المدارس۔ ملتان

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ غفرلہ ۱۰/۹/۱۳۷۳ھ

نہر سے نکالی ہوئی لاش بلا غسل دفن کر دی گئی ہو تو بھی قبر پر جنازہ پڑھا جائے

نہر سے ایک تازہ لاش بہتی ہوئی ملی۔ چند دیہاتیوں نے نکال کر یہ سوچ کر کے کہ پانی سے نکالی گئی ہے غسل کی ضرورت محسوس نہ کی اور قبر نما گڑھا کھود کر اس میں مکمل دفن کر دیا۔ آیا اس پر نماز جنازہ پڑھی جاوے یا نہیں؟

الجواب اس پر نماز جنازہ پڑھی جاوے۔ (قوله ادرجها بلا غسل) هذا رواية ابن سماعة والصحيح انه لا يصلى على قبره في هذه الحالة لانها بلا غسل غير مشروعة كذا في غاية البيان لكن في السراج وغيره قيل لا يصلى على قبره وقال الكرخي يصلى وهو الاستحسان لان الاولى لم يعتد بها لترك الشرط مع الامكان والآن زال الامكان فسقطت فرضية الغسل وهذا يقتضي ترجيح الاطلاق وهو الاولى ملهر. شامية ص۲۲۲ ج۱) فقط واللہ اعلم۔ محمد انور، مدرسہ خیر المدارس ملتان

شیعہ سُنیوں کے جنازہ میں شریک ہوں تو بجائے دعا کے بددعا کرتے ہیں

بعض دفعہ اہل تشیع بھی سُنیوں کے جنازہ میں آ کر شریک ہو جاتے ہیں۔ آیا انکی یہ شرکت دُرست ہے؟

الجواب اہل تشیع کو شریک نہ کیا جائے کتب شیعہ میں لکھا ہے کہ اوّل تو سُنی کا جنازہ نہ پڑھا جائے۔ اگر بضرورت پڑھنا پڑے تو دعا کے بجائے بددعا دیں۔ تحفۃ العوام ص۱۴۸ ج۱ میں ہے۔ اگر سُنی خلاف مذہب ہو اور بضرورت اس کا جنازہ پڑھنا پڑے تو بعد چوتھی تکبیر کے یہ کہے۔

اللھم اخز عبدک فی عبادک و بلادک اللھم اصلہ

حر نارک اللھم اذقہ اشد عذابک ۔

ترجمہ: اے خدا اس بندے کی میت کو اپنے بندوں اور اپنے شہروں میں

ذلیل و رسوا کر ۔ اے خدا اس بندے کی میت کو نار جہنم میں جلا ۔

اے خدا اسے سخت ترین عذاب دے ۔

یہ چونکہ مشتی میت پر بددعا کرتے ہیں اس لئے شرکت کی اجازت نہ دی جائے

الجواب صحیح ، فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد عبداللہ عفااللہ عنہ

احقر محمد انور عفااللہ عنہ

قریب المرگ کی زبان کوئی نامناسب کلمہ نکلے تو اسکا کوئی اعتبار نہیں

محتضر اگر بوقت تلقین کلمہ سے انکار کر دے یا کلمہ کفر یہ کہدے تو اس پر مسلمان کے

احکام جاری ہوں گے یا غیر مسلم کے ؟

الجواب: اس کو مسلمان ہی سمجھا جائے گا ۔ وہ حالت بہت سخت ہوتی ہے

اسوقت حواس مختل ہو جاتے ہیں اس لئے ایسے وقت کی ہوئی باتوں

کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ عین ممکن ہے وہ صحیح ہی کہنا چاہتا ہو مگر غلطی سے کوئی کلمہ نکل

گیا ہو ۔ وان صدر عنہ الانکار فی تلک الحالۃ اعاذ نا اللہ منہ لا

یلتفت الی انکارہ و لا یحکم بکفرہ و یجری علیہ احکام المؤمن

و یوکل سریرہ الی اللہ تعالیٰ لان ذالک الوقت وقت

ذھاب الحواس و تعطلھا ۔ و ایضاً انہ تلفظ بکلمۃ الکفر بسبق

دون قصد بل عسی ان یکون ارادتہ التکلم بکلمۃ الاسلام

و ھی کلمۃ الکفر بسبقۃ اللسان اھ ارسائل الارکان ملخصاً

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفااللہ عنہ

میت معقول وجہ سے امام محلہ سے ناراض ہو تو دوسرے کو بلا سکتے ہیں

زید اپنے محلہ کے امام صاحب سے کبیدہ خاطر رہتا تھا ان کے پیچھے نماز بھی نہیں پڑھتا تھا۔ اب زید فوت ہو گیا ہے تو وہی امام محلہ نماز پڑھائے یا کسی دوسرے کو بلا سکتے ہیں؟

الجواب: اگر زید کسی معقول وجہ سے امام محلہ سے ناراض تھا تو جنازہ کے لئے دوسرے کو بلا سکتے ہیں۔ قُلتُ هذا لو علم انه كان غير راضٍ به حال حياته ينبغي ان لا يستحب تقديمه اهـ قلت هذا مسلم ان كان عدم رضاه به لوجهٍ صحيحٍ والا فلا تأمل اھ (شامی ج۱)

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ،
بندہ عبدالستار معاف اللہ عنہ

کس صورت میں چند اموات کو اکٹھے دفن کر سکتے ہیں؟

جب ایام وبا میں اموات کی اتنی کثرت ہو جائے کہ الگ الگ دفن کرنا مشکل ہو جائے تو اکٹھے دفن کرنا بھی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر کوئی ایسی صورت پیش آ جائے کہ مثلاً زلزلہ یا وبا یا سیلاب کی وجہ سے اموات بے شمار ہو جائیں۔ دفن کرنے والے بہت کم ہوں تو ایسی صورت میں کئی میتوں کو ایک قبر میں دفن کر سکتے ہیں۔ دونوں مردوں کے درمیان مٹی کی دیوار کر دی جائے۔

ومن الضرورة المبيحة لجمع ميتين فصاعدا في قبر واحد ابتداء على ما ذكره ابن امير حاج قلة الدافنين او اشتغالهم بما هو اهم وليس منها دفن الرجل

مع الرجل قریبه ولا ضیق محل الدفن فی تلک المقبرة
مع وجود غیرها وإن کانت تلک المقبرة مما یتبرک بالدفن
فیها لمجاورة الصالحین فضلاً عن هذه الأمور لما
فیه من هتک حرمة المیت الأول وتفریق أجزائه
فیمنع من ذلک أمر ویجعل بین کل اثنین بالتراب ندبا
إن أمکن کما فی ابن أمیر حاج لیکون فی حکم
قبرین کما فی العینی علی البخاری ([illegible])

۱۲/ ۲/ ۱۴۰۲ھ — فقط واللہ اعلم · محمد انور عفی عنہ

مرزائی کے جنازے کا حکم

۱۔ مرزائیوں کے جنازہ میں مسلمانوں کا شامل ہونا کیسا ہے؟ ۲۔ مرزائی کے مرنے کے بعد مرزائی کے وارثوں کے پاس فاتحہ خوانی کے لئے جانا کیسا ہے؟ ۳۔ اہل السنت والجماعت کے جنازہ میں مرزائی کا شامل ہونا کیسا ہے۔ ۴۔ مسلمانوں کے قبرستان میں مرزائی کا دفن کرنا کیسا ہے؟ ۵۔ پہلی صورت میں مرزائی کا جنازہ پڑھنے والوں کا نکاح باقی ہے یا نہیں؟

الجواب: ۱۔ اگر مرنے والے کا مرزائی ہونا معلوم تھا، تو اس کا جنازہ پڑھنے والوں نے سخت غلطی کی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی ہندو یا سکھ کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے۔ ان مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنی چاہئے اور مجمع عام کے سامنے اس فعل پر ندامت کا اظہار کر کے توبہ کریں۔

۲۔ اگر پڑوسی ہو تو تعزیت کی کچھ گنجائش ہے، فاتحہ ہرگز نہیں پڑھنی چاہئے۔

۳۔ وہ شامل ہو کر یہ دھوکا دینا چاہتے ہیں کہ ہم بھی مسلمان ہیں، لہٰذا ان کو شامل نہ کیا جائے۔

۴۔ ناجائز ہے۔ شرعاً کافر کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جاسکتا۔

۵۔ اگر انہوں نے مرزائیوں کو مسلمان سمجھ کر جنازہ پڑھا ہے تو وہ احتیاطاً اپنے

اپنے ایمان و نکاح کی تجدید کریں ۔ فقط واللہ اعلم ۔ محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ۔ بندہ محمد عبد الستار عفا اللہ عنہ

جس نے کبھی نماز نہ پڑھی ہو اس کا جنازہ پڑھنا

ایک شخص نے تمام عمر نماز نہیں پڑھی اور نہ کسی نے اس کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ۔ مگر ہے کلمہ گو اور موحد اور مصدق بالرسالت تو ایسے شخص پر نماز جنازہ پڑھنی جائز ہے یا کہ نہیں اگر جائز ہے تو اس حدیث شریف کا مطلب کیا ہے ؟ من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر ؟

الجواب مسلمان تارک صلوٰۃ پر نماز جنازہ پڑھنی جائز ہے ۔ حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جس نے قصداً نماز ترک کر دی وہ کافروں جیسا کام کرنے والا ہو گیا نہ کہ خود کافر ہو گیا ۔ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح ۔ بندہ محمد عبد اللہ غفر لہ خادم الافتاء
خیر محمد عفا اللہ عنہ ۔ خیر المدارس ۔ ملتان ۔ ۵ ۔ ۱ ۔ ۸۰ھ

وضو کرنے سے جنازہ فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم کا حکم

نماز جنازہ ہو رہا ہے ۔ اگر وضو کرے تو نماز جنازہ نہ ملنے کا اندیشہ ہے اب وضو کرے یا تیمم ؟

الجواب نماز جنازہ فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم سے پڑھ سکتا ہے ۔

ویجوز التیمم اذا حضرت جنازۃ والولی غیرہ فخاف ان یشتغل بالطہارۃ ان تفوتہ الصلوٰۃ ولا یجوز للولی الخ قولہ یجوز لہ التیمم اذا خاف

لتضمیرہ بالصلوٰۃ الخ (عالمگیری ص ۱۶۲) فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، محمد انور، مفتی خیر المدارس۔ ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۷؍ صفر ۱۴۰۲ھ

جنازہ سامنے سے گزرے تو اسے دیکھ کر کیا پڑھا جائے؟

جب جنازہ سامنے سے گزرتا ہے تو لوگ مختلف طریقے پر عمل کرتے ہیں۔ بعض دیگر کے سر پر کپڑا لپیٹ کر کھڑے ہو جاتے ہیں، بعض بیٹھے رہتے ہیں، اور بعض زیرِ لب کچھ پڑھتے بھی ہیں آپ شرعی حکم سے آگاہ کریں؟

الجواب: جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونا کوئی سنت نہیں البتہ جب جنازہ سامنے سے گزرے یا جنازہ پر نظر پڑے تو یہ پڑھے۔

"سبحان الذی لا یموت لا الٰہ الا ھو الحی القیوم۔"

اور میت کے لئے دعاءِ خیر کرے اور منکر کے جواب میں میت کے ثابت قدم رہنے کی دعا کرے اور بعض کتب میں یہ دعا منقول ہے۔

ھذا ما وعدنا اللہ ورسولہ وصدق اللہ ورسولہ اللھم زدنا ایمانا وتسلیما اھ۔ ویستحب لمن مرت علیہ جنازۃ او رآھا ان یقول سبحان الذی لا یموت لا الٰہ الا ھو الحی القیوم ویدعو للمیت بالخیر والتثبیت اھ وفی شرعۃ الاسلام اذا رآھا یقول ھذا ما وعدنا اللہ ورسولہ وصدق اللہ ورسولہ اللھم زدنا ایمانا وتسلیما اھ (طحطاوی ص۳۲۲)

فقط واللہ اعلم،

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ

بچہ کان میں اذان دینے سے پہلے مر جائے تو جنازہ کا حکم

بعض شہروں کے اندر رواج ہے کہ مسلمان کے گھر بچہ یا بچی اگر زندہ پیدا ہو اور اذان کان میں پڑھنے سے پہلے ہی مر جائے تو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے ہمارے ہاں کئی بچے بچیاں زندہ پیدا ہوئے جو کہ اذان پڑھنے سے پہلے ہی فوت ہو گئے تو ان کی نماز نہیں پڑھی گئی۔ آیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب جو بچہ یا بچی زندہ پیدا ہو، خواہ کان میں اذان پڑھی جائے یا نہ، اس کا نام بھی رکھا جائے اور اسے غسل بھی دیا جائے، اور اس پر نماز جنازہ بھی پڑھی جائے۔ حسب ذیل ہے۔

ومن استھل بعد الولادۃ سمی وغسل وصلی علیہ ص ۱۲۰

دفن کرنے کے بعد قبر سے نکالنے کی اجازت نہیں۔ پھولنے پھٹنے سے پہلے قبر پر نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — محمد عبداللہ عفی عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس۔ ملتان شہر

پاگل کی نماز جنازہ میں کونسی دعا پڑھی جائے

ہمارا ایک بھائی پاگل تھا، تھوڑا عرصہ ہوا اس کا انتقال ہو گیا اس کی نماز جنازہ کے وقت بعض مولوی حضرات میں اختلاف ہو گیا کہ کونسی دعا پڑھی جائے بعض کہتے تھے کہ بچے والی دعا پڑھی جائے اور بعض کہتے تھے کہ بالغ والی۔ آپ صحیح حکم سے مطلع فرما دیں۔ محمد زبیر۔ جھنگ صدر

الجواب اگر تو وہ پیدائشی پاگل تھا تو اس پر بچے والی دعا پڑھی جائے اور اگر بالغ ہونے کے بعد پاگل ہوا تھا تو پھر بالغوں والی دعا،

پڑھی جائے۔ والمجنون کالطفل ذکرہ فی المحیط وینبغی ان یقید بالمجنون الاصلی لانہ لم یکلف فلا ذنب لہ کالصبی بخلاف العارضی فانہ قد کلف وعروض الجنون لا یمحو ما قبلہ بل ھو کسائر الامراض وانما ھو فیما یاتی لا فیما مضی اھ

(کبیری ص ۵۳۹، وکذا فی الشامیہ ص ۸۵۵ ج ۱)

فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۴ / ۴ / ۱۴۰۳ ھ

ثناء میں وجل ثناءک کی زیادتی شاذ ہے

دعائے جنازہ میں جو ثناء پڑھی جاتی ہے جس میں وجل ثناءک کی زیادتی ہے یا اسی طرح درود شریف میں زیادتی ہے۔ آیا یہ حدیث سے ثابت ہے۔؟

الجواب ثناء کے متعلق جو مشہور روایات ہیں ان میں وجل ثناءک کے الفاظ نہیں ہیں۔ حدیث ابن عباس اخرجہ ابن ابی شیبہ اور ابن مردویہ نے اپنی کتاب الدعاء میں ثناءک کے ساتھ ذکر کی ہے نیز حدیث ابن مسعود میں بھی موجود ہے۔ عن ابن مسعود ان من احب الکلام الی اللہ عز وجل ان یقول العبد سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک وجل ثناءک ولا الہ غیرک رواہ الحافظ ابو شجاع فی کتاب الفردوس (فتح القدیر ص ۲۰) درود پاک کے حدیث میں مختلف صیغے وارد ہوئے ہیں۔ زیادتی والی روایت بیہقی میں موجود ہے۔ عن ابن مسعود عنہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا تشہد احدکم فی الصلوۃ فلیقل اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد وبارک علی محمد وعلی آل محمد وارحم محمدا وآل محمد کما صلیت وبارکت وترحمت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم انک

حمید مجید (فتح القدیر صفحہ ۲۶۲ ج ۱) صاحب عنایہ نے درود شریف مذکور حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ ۔ ابن مسعودؓ اور جابرؓ سے نقل کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ثنا ء میں وجل ثناءک اور درود شریف میں ترحمت وغیرہ کی زیادتی احادیث میں موجود ہے۔ گو احادیث مشہورہ اس سے خالی ہیں۔ اس لئے اس کے پڑھنے کی بھی گنجائش ہے۔ اگرچہ بہتر یہی ہے کہ وہی ثناء اور درود شریف پڑھنا چاہیئے جو احادیث مشہورہ میں منقول ہے

الجواب صحیح۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہم — بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مروجہ اسقاط کا حکم:

ہمارے ہاں جو کوئی فوت ہو جاتے تو مقامی علماء جنازہ پڑھنے کے بعد مردہ کو دفن نہیں کرتے بلکہ مردہ اسی جگہ پڑا رہتا ہے۔ علماء اور دیگر غریب اس کے پاس بیٹھ کر اسقاط کرتے ہیں۔ اسقاط کا طریقہ یہ ہے کہ جنازہ کے بعد دفن کرنے سے پہلے میت والا گھر سے کچھ مٹھائی اور ایک چھاج میں تھوڑی گندم اور نمک کا ایک ڈبہ اور قرآن مجید اور کچھ نقدی لے آتا ہے۔ جنازہ خواں مولوی صاحب دل میں اس پر کچھ پڑھتا ہے پھر اپنی دائیں طرف والے کو کچھ کہتا ہے کہ یہ چیزیں میں نے تجھے بخشی ہیں۔ پھر وہ دوسرے کو کہتا ہے۔ اسی طرح کرتے کرتے اگر لوگ بہت ہوں تو گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ مردہ کو دفنانے میں تاخیر ہو جاتی ہے۔ ایک دفعہ وہ جنازہ خواں مولوی صاحب ایسا کر رہے تھے تو کسی نے کہا کہ ایسا کرنے کا کہیں ثبوت ہے؟ تو وہ مولوی صاحب بگڑ گئے۔ اور کہنے لگے کہ شیطان کا کام ہے لڑائی کرانا۔ یہ شخص بھی شیطان ہے۔ اور اس کی ساری جماعت شیطان ہے اور کافر ہے۔ اب معروض ہے کہ یہ اسقاط حضور اکرم یا صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے کیا ہے۔ اگر نہیں تو اس مولوی صاحب نے اس شخص کو شیطان یا کافر کہا اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب: اسقاط مروج ناجائز اور بدعت ہے چند وجوہ سے۔ قال فی الشامیۃ

ونص علیه فی تبیین المحارم فقال لا یجب علی الولی فعل الدور وان اوصی به المیت لانها وصیة بالتبرع والواجب علی المیت ان یوصی بما یفی بما علیه ان لم یضق الثلث عنه فان اوصی باقل وامر بالدور وترک بقیة الثلث للورثة او تبرع به لغیرهم فقد اثم بترک ما وجب علیه اھ وبه ظهر حال وصایا اهل زماننا فان الواحد منهم یکون فی ذمته صلوات کثیرة وغیرها من زکوٰة واضاحی وایمان ویوصی لذلک بدراهم یسیرة ویجعل معظم وصیته لقراءة الختمات والتهالیل التی نص علماؤنا علی عدم صحة الوصیة بها الخ شامیہ ص [illegible] ۔

جب وصیت کے باوجود ولی کے ذمہ ضروری نہ ہوا تو عدم وصیت کے وقت کیسے ضروری ہوگا۔

۲۔ جس اسقاط کی اجازت منقول ہے اس کی شرط یہ بھی ہے کہ جبکہ وہ فقیر کے لئے ہو یا ثلث سے فدیہ ادا نہ ہو سکتا ہو، یہ صورت کبھی اتفاقیہ پیش آتی ہے۔ اس لئے مستقل ہر میت کے لئے حیلہ بنا لینا درست نہیں۔ درمختار میں ہے: ولو لم یترک مالا یستقرض وارثه الخ (شامی ص [illegible])

۳۔ حیلہ کے جواز میں تملیک فقیر ضروری ہوتی ہے، وہ مروجہ اسقاط میں صحیح معنوں میں نہیں ہوتی۔

۴۔ اس سے عوام کو گویا ترک صلوٰۃ وصوم پر دلیری ملتی ہے کہ خواہ ساری عمر نماز نہ پڑھے، آخر میں یہ عمل کر کے گویا ان سے بری کر دیا ہے۔

۵۔ یہ حیلہ اعمال تکفین کا جزو سمجھا جاتا ہے، حالانکہ ایسا نہیں۔

۶۔ اگر کوئی شخص مثلاً افلاس کی حالت میں فوت بھی ہو گیا تو اسقاط کرنے کے لئے قرآن کی تخصیص بھی کی جاتی ہے، لہٰذا یہ فعل واجب الترک ہے۔ دو کیلئے ولیے کو کافی سمجھا جیسے فعل ہے فقط واللہ اعلم۔ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبد الستار عفا اللہ عنہ

۲۸/۲/۱۴۰۲ھ

قبر بہت بوسیدہ ہو جائے تو وہاں نئی قبر بنانا جائز ہے

قبور کو کب تک آباد کرنا چاہئے اور کون سے وقت میں ان پر مسجد آباد کرنا اور مکان بنانا اور مزارعت کرنا جائز ہو جائے گا اور اگر ان پر مٹی ڈالنی ہو تو اس کے لئے کوئی دن مخصوص ہے یا جس دن چاہیں ڈال لیں دسویں محرم کو ڈالنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً: قبریں جب خراب ہو جائیں تو پھر ان کو محفوظ رکھنے کے لئے مٹی ڈالنا یا لیپنا جائز ہے۔ کما فی العالمگیریۃ ص۱۶۶ ج۱ وإذا خربت القبور فلا بأس بتطيينها كذا فی التاتارخانية وهو الأصح وعليه الفتوى۔ لیکن اس لیپنے یا مٹی ڈالنے کے لئے کوئی دن مقرر کرنا جائز نہیں ہے۔ اور قبریں جبکہ بالکل بے نشان ہو جائیں اور میت بھی ان میں گل سڑ کر مٹی ہو گئی ہو تو پھر وہاں دوسری قبر بنانا، مکان بنانا اور زراعت کرنا جائز ہے۔ کما فی العالمگیریۃ ص۱۶۷ ج۱

ولو بلى الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه كذا في التبيين۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح، بندہ اصغر علی غفرلہٗ معین مفتی خیرالمدارس ملتان

بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ خادم الافتاء خیرالمدارس ۱۲/۲/۱۳۹۴ھ

معتکف جنازہ کے لئے مسجد سے نکل سکتا ہے؟

اگر کوئی امام مسجد رمضان المبارک میں اعتکاف بیٹھا ہوا ہے، کیا نماز جنازہ کے لئے باہر جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں جا سکتا تو کیا وہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً: اگر اعتکاف بیٹھنے سے پہلے یہ شرط کیا تھا کہ نماز جنازہ کے لئے باہر

جایا کریں گے تو پھر نماز جنازہ کے لئے باہر جانا جائز ہے ورنہ اعتکاف فاسد ہو جائیگا مسجد اندر جنازہ پڑھنا مکروہ ہے۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ محمد اسحاق غفرلہ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۲/۱۰/۸۰ھ

مسلمانوں اور کفار کی لاشوں میں پہچان ممکن نہ ہو تو جنازہ کا حکم

پچھلے دنوں کھٹمنڈو میں ایک بین الاقوامی ہوائی جہاز حادثے کا شکار ہو گیا جس میں مسلمان اور غیر مسلم لاشیں مل گئی تھیں۔ ایسے حالات میں جبکہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کی نعشیں مل جائیں۔ اور پہچان ممکن نہ رہے تو مسلمان نعشوں کی نماز جنازہ کس طرح ادا کی جائے گی۔ اکثر فضائی حادثات میں اسطرح ہو جاتا ہے اس لئے وضاحت سے جواب مرحمت فرما کر عنداللہ مشکور اور عنداللہ ماجور ہوں۔ سائل: ذکریا مجاہد۔ ملتان

الجواب ایسی صورت میں جب کفار کی لاشیں علیحدہ نہ کی جا سکیں اور کوئی علامت نہ ہو تو سب پر جنازہ پڑھا جاوے مگر نیت یہ ہو کہ ان میں جو مسلمان ہیں ان کا جنازہ پڑھ رہے ہیں۔

اختلطوا موتانا بكفار ولا علامة اعتبر الاكثر فان استووا غسلوا واختلف في الصلوة عليهم اه (درمختار) (قوله واختلف في الصلوة عليهم) فقيل لا يصلى لان ترك الصلوة على المسلم مشروع في الجملة كالبغاة وقطاع الطريق فكان اولى من الصلوة على الكافر لانها غير مشروعة لقوله تعالى ولا تصل على احد منهم مات ابداً. وقيل يصلى ويقصد المسلمين لانه ان عجز عن التعيين لا يعجز عن القصد كما في البدائع قال في الحلية

فصلی هٰهنا ینبغی ان یصلی علیهم فی الحالة الثانیة ایضاً ای حالة ما اذا کان الکفار اکثر لانه حیث قصد المسلمین فقد لم یکن مصلیاً علی الکفار والا لم تجز الصلوٰة علیهم فی الحالة الاولیٰ ایضاً مع ان الاتفاق علی الجواز فینبغی الصلوٰة علیهم فی الاحوال الثلاث کما قالت به الائمة الثلاثة وهو اوجه قضاءً لحق المسلمین بلا ارتکاب منهی عنه اھ ملخصاً (شامی ج ۱)۔ فقط واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

دعا بعد الجنازہ کو خطبۂ جمعہ پر قیاس کرنا جہالت ہے

س زید اور بکر دونوں میں اختلاف ہے اس بات کا کہ وعظ اور تقریر جو کہ جمعہ کے روز دونوں اذانوں کے درمیان کی جاتی ہے بدعت ہے اور اس کا ثبوت کہیں سے نہیں تھا۔ اور اگر اس کو صحیح مان لیں تو ہماری بعد صلوٰۃ جنازہ دعا بھی صحیح اور غیر بدعت ہے۔ آیا یہ قیاس صحیح ہے؟

الجواب باسم ملهم الصواب اس وعظ و تقریر پر دعا بعد الجنازہ کو قیاس کرنا غلط ہے کیونکہ شریعت میں اس دعا کی ممانعت صراحۃً مذکور ہے۔

قال فی البحر قید بقوله بعد الثالثة لانه لا یدعو بعد التسلیم (بحر ص ۱۹۶) وقال فی حاشیة المشکوٰة ولا یدعو للمیت بعد صلوٰة الجنازة لانه یشبه الزیادة فی صلوٰة الجنازة (مشکوٰة ص ۱۴)

اور وعظ مذکور کی ممانعت مذکور نہیں اس لئے کہ وعظ مذکور کو چھوڑنے پر تارک پر نکیر نہیں کی جاتی اور دعا مذکور نہ کرنے والے کو بے دین وہابی وغیرہ کہا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ لوگ عقیدۃً اس کو ضروری اور حکم شرعی سمجھتے ہیں۔ پس یہ بدعت ہوگی

اور وعظ مذکور ایسے نہیں ثالثاً وعظ سے مقصود تذکیر و نصیحت ہے اور خطبہ بھی تذکیر ہے لیکن عربی میں ہونے کی وجہ سے مخاطبین اس کا فائدہ حاصل نہیں کر سکتے اس مقصود شرعی کے پیش نظر خطبہ سے قبل وعظ کرتے ہیں تاکہ خطبہ کا فائدہ لوگوں کو پہنچے اور جنازہ سے مقصود شرعی دعا ہے۔ جو کہ شارع علیہ السلام کے تجویز کردہ طریقہ کے مطابق ہو چکی ہے۔ اس کو ناکافی سمجھتے ہوئے ایک اور دعا کا اضافہ کرنا اور تمام لوگوں پر اس کا لازم کرنا خود شارع بننا ہے۔ اور تجویز شارع کی العیاذ باللہ توہین کے قریب ہے۔ الغرض دعا مابعد جنازہ بدعت ہے ——————— اور وعظ مذکورہ بدعت نہیں مگر لمبا چوڑا وعظ جیسا کہ آج کل رواج ہے شرعاً پسندیدہ نہیں کیونکہ اس سے جمعہ میں تاخیر ہو جاتی ہے اور حکم تعجیل کا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح

محمد عبد اللہ عفی اللہ عنہ

بندہ عبد الستار عفی اللہ عنہ

۱۴/۶/۱۳۹۲ھ

لاوارث لاش پر عمل جراحی کی مشق کرنا

ڈاکٹر کو ایک مریض کی تشخیص کے لئے عموماً یہ صورت پیش آتی ہے کہ اس کو مریض کے سارے جسم کا ہاتھوں سے چھو کر معائنہ کرنا پڑتا ہے یہاں تک کہ بعض حالات میں اعضاء مخصوصہ کا معائنہ بھی ضروری ہو جاتا ہے اور سب میں مہارت حاصل کرنے کے لئے مردہ جسم پر عمل جراحی کروائی جاتی ہے براہ کرم جواب مفصل مرحمت فرمائیں۔

الجواب مرض کی تشخیص اور اس کے علاج کے لئے جن مواضع کا چھونا یا دیکھنا لابدی ہو تو مجبوری کی حالت میں ان کے دیکھنے اور چھونے کی اجازت ہے جبکہ بدون اس کے تشخیص و علاج درست نہ ہو سکتا ہو، البتہ انسانی جسم پر عمل جراحی برائے مہارت سو بوجوہ ذیل شرعاً اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

(وجہ اول) مسلمان میت کو غسل دینا کفن پہنانا اور پھر دفن کرنا شرعاً تمام اہل اسلام

کے ذمہ فرض کفایہ قرار دیا گیا ہے کما فی الدر المختار وغیرہ من المعتبرات اور عمل جراحی کی مشق کے لئے مُردہ جسم کو محفوظ رکھنے کے ساتھ احکام بالا کی تعمیل کا ہونا ممکن نہیں۔

(وجہ دوم) حق تعالیٰ سبحانہٗ نے انسان اور باقی تمام اشیاء (مثلاً معدنیات، نباتات، حیوانات) کے مقاصد تخلیق میں بنیادی طور پر فرق رکھا ہے پورے عالم میں پھیلی ہوئی اجناس متعددہ کی ان گنت اشیاء کو اس لئے وجود میں لایا گیا تاکہ مختلف انسانی حاجات کی برآری اور زندگی کے گوناگوں تقاضوں کی تکمیل ہو سکے۔ قرآن کریم میں ہے۔ ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً (۲) وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعاً الآیۃ

لوہا، پیتل، چاندی، سونا اور تمام معدنیات (دھاتیں) غلے، سبزیاں اور دیگر نباتات اسی طرح حیوانات ان سب اشیاء کو انسان کے تصرف میں دیدیا گیا ہے۔ انسان مختلف طریقوں سے اپنی زندگی کو باضابطہ آسودہ اور محفوظ بنانے کے لئے ان اشیاء کو استعمال میں لاتا ہے کوئی چیز پیس کر کام آتی ہے کوئی کوٹ کر، کسی کو گرم کرکے کارآمد بنایا جاتا ہے کسی کو ٹھنڈا کرکے۔ کسی چیز کو چیر پھاڑ کر کام میں لایا جاتا ہے تو کسی کو سی کر، پھر کہیں تحلیل ہوتی ہے کہیں ترکیب، تجزیہ ہوتا ہے کہیں تنقید۔ الغرض ان اشیاء کو انسان کے استعمال ہی کی غرض سے پیدا کیا ہے اور ان کی حیثیت محض سامان زندگی اور متاع انسانی ہونے کی ہے۔ پس ان میں سب تصرفات درست رہے۔ بخلاف انسان کے کہ اسے خداوند قدوس نے سامان اور متاع کی حیثیت میں پیدا نہیں کیا کہ ضروریات زندگی میں اسے بھی چیر پھاڑ کر یا کوٹ چھان کر یا گلا پگھلا کر لگایا اور استعمال کیا جا سکے۔ بلکہ انسان کو صاحب متاع اور فطرتی طور پر ان اشیاء میں تصرف کنندہ بنایا ہے۔ اسی بنیادی فرق کی وجہ سے اسے تکریم خداوندی کا مورد ٹھہرایا گیا ہے۔ دیکھئے آیت میں اسی خصوصیت انسانی پر کس صراحت سے نص کی گئی ہے۔ ولقد کرمنا بنی آدم وحملنٰھم فی البر والبحر ورزقنٰھم من الطیبٰت الخ اور پھر ایسے ہی فطرتی تفوق اور فضائل کی بناء پر تکریم سے بڑھ کر خلافت خداوندی کا تاج اس کے سر پر رکھا گیا ہے۔ واذ قال ربک للملٰئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ۔ پس انسان کی اس

مندرفانہ حیثیت اور دیگر اشیاء کی اس خادمانہ حیثیت اور متاعی حیثیت کو برقرار رکھنا صریح تقاضائے فطرت اور عین منشاءِ خداوندی کے مطابق ہے جب بھی ان میں سے کسی ایک نوع کو اس کے فطری مقام سے پست و بالا کیا جائے گا قانون فطرت کی خلاف ورزی اور حدود خداوندی کی شکست و ریخت لازم آئے گی اور یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ انسانی جسم پر عمل جراحی کی مشق یہ اسے دائرۂ انسانیت سے نکال کر متاع و جمادات کی نوع میں داخل کرنا ہے تو کسی انسان یا کسی خاص طبقہ انسانی کو یہ کیسے حق دیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی فنی تکمیل کے لئے کسی دوسرے انسان یا اسکے کسی عضو کو تختۂ مشق بنانے اور اس کے ساتھ وہی معاملہ کرے جو ایک لوہار لوہے کے ساتھ یا ایک بڑھئی لکڑی کے ساتھ یا ایک درزی کپڑے کے ساتھ اور ایک قصاب گوشت کے ساتھ کرتا ہے آخر خدائی حدود کی شکست و ریخت کو کیسے جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔

(وجہ سوم) مُردہ انسان کو عمل جراحی کے لئے تختۂ مشق بنانے میں انسانی جسم کی توہین و تذلیل ہے جو کہ مقام تکریم کے قطعاً خلاف ہے۔ پس عدم جواز ظاہر ہے۔

(وجہ چہارم) بعض احادیث میں آتا ہے کہ مُردہ کی روح بھی اسی طرح درد و الم کو محسوس کرتی ہے جیسا کہ زندہ انسان کی روح اور مُردہ کو بھی ایذاء پہنچتی ہے اور عمل جراحی میں ایذاء ہونا ظاہر ہے اور ایذاء سے احتراز کرنا واجب ہے۔

(وجہ پنجم) کوئی سلیم الفطرت اپنے ساتھ یا اپنے کسی عزیز کی لاش کے ساتھ اس معاملہ (عمل جراحی مجوزہ) کو پسند نہیں کرتا تو جو چیز اپنے لئے پسند نہیں کی جاتی تو آخر لاوارث اور غرباء کی لاشوں کے لئے وہ کیسے پسند کی جاتی ہے؟ اسلام کی نظر میں نفس ہونے کی حیثیت سے شاہ و گدا، امیر و غریب، زبردست و زیردست سب برابر ہیں اور انسانی حقوق میں سب یکساں ہیں۔

(وجہ ششم) لاوارث، غرباء، مساکین کی لاشوں کے ساتھ یہ معاملہ کرنا قساوت قلبی اور سخت معاشرتی بے رحمی ہے معاشرہ کا فرض ہے کہ لاوارث لاشوں کا اسی طرح احترام کرے جیسا کہ ہر شخص اپنے اقرباء کی لاشوں کا کرتا ہے۔ اقرباء کی لاشوں کا

انتہائی احترام کرنا اور لاوارث نعشوں کو فنی تکمیل کی بھینٹ چڑھا دینا آخر یہ کہاں کا انصاف ہے اور انسانی ہمدردی کی کونسی قسم ہے غربا پروری اور عدل کی کونسی نوع ہے ؟

مختصراً تو یہ ہوا اُمید ہے کہ انسانی مُردہ جسم پر عمل جراحی کی شرعی حیثیت کے بارے میں آپ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے اس پر قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ عمل جراحی مذکور ناجائز ہوا تو فن جراحی میں تکمیل کی کیا صورت ہوگی اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو یہی مخدوش ہے کہ بدون اس کے تکمیل و تحصیل فن ممکن نہیں ثانیاً یہ کہ یہ ایک مشترکہ انسانی حاجت ہے ۔ اس کے لئے کوئی جائز طریقہ تجویز کرنا ماہرین فن کا کام ہے اگر کہا جائے کہ تکمیل مذکور کے لئے کوئی دوسرا طریقہ تجویز کیا جانا دشوار ہے تو جواب یہ ہے کہ ناجائز سہل کے مقابلہ میں جائز دشوار کو اختیار کرنا عین عقل کا تقاضا ہے اور انسانی خصوصیت ہے ۔ آخر چوری اور جائز کسب میں یہی فرق تو ہے ۔ دیگر واضح ہے کہ یہ مشکل شریعت کی طرف سے نہیں بلکہ موجودہ نظام تعلیم کو ترتیب دینے والوں کی طرف سے ہے کہ انہوں نے موجودہ نظام تعلیم کی ترتیب کے وقت جائز و ناجائز کی تفریق کو پیش نظر نہیں رکھا یہ تو در کنار جو بزرگ غالباً اس کے ابتدائی شعور سے بھی بے بہرہ ہوں گے ۔ تو ایسے لوگوں کا مرتب کردہ کوئی نظام جب بھی ان لوگوں پر چالو کیا جائے گا جو لوگ جائز و ناجائز کی تفریق کے قائل ہیں آخر مشکلات اور دشواریاں ان کو پیش آئیں گی ۔ فالی اللہ المشتکیٰ ۔ فقط واللہ اعلم ؛

الجواب صحیح ؛ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

بندہ عبد اللہ غفرلہ ۹ / ۷ / ۱۴۰۱ھ

ساتھ آنے والوں کا میت کو رکھنے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے

جب جنازہ قبرستان لیجاتے ہیں تو کوئی کسی طرف سے قبرستان میں داخل ہوتا ہے، کوئی کسی طرف تو جو پہلے دفن کی جگہ تک پہنچ جائیں وہ کھڑے رہیں یا بیٹھ سکتے ہیں؟

الجواب باسمہ تعالیٰ جنازہ کے ساتھ آنے والوں کا جنازہ کو زمین پر رکھنے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے۔

وکرہ الجلوس لمن تبع الجنازۃ قبل وضعھا فلا بأس بالجلوس بعد وضعھا کما فی الکافی وفیہ اشعار بان القیام اولیٰ قال البقالی الصحیح ان القیام یستحب حتی یدفن۔ اھ (جامع الرموز ص ۱۹۳)

فقط واللہ اعلم۔ محمد انور ۲/۹/۱۳۹۸ھ

قبر کتنی گہری ہو؟

قبر کھودتے وقت قبر کتنی گہری کھودی جائے؟

الجواب باسمہ تعالیٰ اصل تو یہ ہے کہ قبر اتنی گہری ہو کہ بدبو وغیرہ باہر نہ آئے اور وحشی درندوں سے محفوظ ہو جائے اس کی تحدید فقہاء نے یوں فرمائی ہے کہ کم از کم میت کے نصف قد کے برابر ہو اس سے بھی زیادہ گہری ہو تو زیادہ اچھا ہے۔

وحفر قبرہ فی غیر دار مقدار نصف قامۃ فان زاد فحسن اھ (درمختار)

(قولہ مقدار نصف قامۃ الخ) او الی حد الصدر وان زاد الی مقدار قامۃ فھو احسن کما فی الذخیرۃ فعلم ان الادنیٰ نصف القامۃ والاعلیٰ القامۃ وما بینھما شرح المنیۃ وھذا حد العمق والمقصود منہ المبالغۃ فی منع الرائحۃ ونبش السباع

وفی القہستانی وطولہ علی قدر طول المیت وعرضہ علی قدر نصف طولہ اھ (شامیہ ص۸۳۵ ج۱) ۔ فقط واللہ اعلم ۔ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

تدفین کے لئے دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم

(۱) میت کی جہاں وفات ہو اسی جگہ دفن کرنا چاہیئے یا اس کو وطن میں لے جا سکتے ہیں۔

(۲) اگر ولی باوجود موجود ہونے کے جنازے میں شامل نہ ہو تو جنازہ متعدد بار کرایا جا سکتا ہے۔

(۳) اگر ولی عالم ہے تو جنازہ پڑھانے میں حق جو محلے کا امام ہو اس کا حق مقدم ہے یا ولی کا۔

ولی امام کے علاوہ کسی اور کو کہہ سکتا ہے۔

سائل عبداللہ ۔ مظفر گڑھ

الجواب: مستحب ہے کہ اسی جگہ دفن کیا جائے جہاں پر وفات ہوئی ہو مسافت بعیدہ کے لئے فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔ مگر بعض فقہاء نے اپنے شہر کی طرف منتقل کرنے کی اجازت دی ہے۔ (فتاویٰ ص...)

(۲) اگر جنازے میں امام، امام اعظم سلطان یا قاضی یا امام الحی ہو تو اب ولی کو لوٹانے کا حق نہیں۔ لان حق [illegible] اداء [illegible] وان کان غیرہم فلا ولی لہ ان یعید (فتاویٰ عالمگیری ص۱۶۳)

(۳) ولی سے محلہ کا امام زیادہ حقدار ہے بشرطیکہ افضل ہو، ورنہ ولی احق ہوگا۔ (طحطاوی حاشیہ مراقی ص۳۲۲) ثم امام الحی المراد بہ امام مسجد محلتہ لکن بشرط ان یکون افضل من الولی والا فالولی اولی منہ کما فی النہر وفی الشرح والصلوۃ فی الاصل حق الاولیاء لقربہم الا ان الامام والسلطان یقدمان لعارض الامامۃ العظمی والسلطنۃ، الی ان قال واما امام الحی فیستحب تقدیمہ عن طریق الافضلیۃ (طحطاوی ص۳۲۲)

اور جس شخص کے لئے حق تقدم حاصل ہو۔ وہ دوسرے کو اجازت دے سکتا ہے۔

فقط واللہ اعلم ۔ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

شہید کی اقسام اور ان کے احکام

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیانِ عظام ـــــ
مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) شہید کسے کہتے ہیں؟ شہید کے کتنے درجے ہیں؟ یعنی کتنے قسم کے شہید ہیں؟

(۲) جو آدمی آگ میں جل جائے کیا وہ بھی شہید ہے؟

(۳) اسی طرح جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم اور ان کے مسلمان رفقاء جو طیارہ میں ہلاک ہوئے تھے۔ ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(۵) اگر کوئی شخص مکان گرنے سے مرجائے ـ یا ـــ

(۶) کسی حادثہ میں مرجائے تو کیا وہ بھی شہید ہے؟

(۷) کوئی دن پہلے جو ایک جہاز گم ہوگیا ہے کیا اس میں سوار تمام حضرات شہید ہیں؟

مستفتی کی طرف سے آپ حضرات سے گزارش ہے کہ آپ براہ مہربانی ان تمام مسائل کے بارے میں تفصیل سے آگاہ فرمائیں۔ ـــ فیاض محمد عثمانی جامعہ امدادیہ ملتان

الجواب: (۱) ـــ شریعت میں شہادت کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) ایسی شہادت جس کی وجہ سے اس شہید پر دنیا میں بھی شہید کے احکام جاری ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی اسے شہیدوں کا ثواب ملتا ہے، اور شہیدوں کا سا اعزاز و اکرام اس کے ساتھ کیا جاتا۔ ایسا شہید ہر وہ مکلف مسلمان ہے جو ظلماً آلۂ جارحہ سے قتل کیا جائے ایسا قتل جو موجب قصاص ہوتا ہے اور وہ مقتول حدث اکبر سے پاک ہو اور زخمی ہونے سے لیکر وفات تک زندگی کا کوئی تسلسل مثلاً کھانا پینا اور دوا وغیرہ نہ پایا جائے اور جو باغیوں، ڈاکوؤں، دہشت گردوں اور کافروں کے ہاتھوں مارا جائے وہ بھی شہادت کی اسی قسم میں داخل ہے خواہ وہ اسے کسی ذریعے سے قتل کریں ایسے شہید کا حکم یہ ہے کہ اسے غسل نہ دیا جائے بلکہ انہی کپڑوں سمیت (بشرطیکہ وہ کفن بن سکتے ہوں) جنازہ پڑھ کر دفن کردیا جائے۔

هو (اى الشهيد) كل مكلف مسلم طاهر قتل ظلما بجارحة ولم يجب بنفس القتل مال ولم يرتث وكذا لو قتله باغ او حربي او قاطع طريق ولو تسببا بغير آلة جارحة فان مقتولهم شهيد باى آلة قتلوه لان الاصل فيه

شهداء أحد ولم يكن كلهم قتيل سلاح اهـ (درمختار)

قوله ولو تسبباً لأن موته يكون مضافاً إليهم فلو أوطئوا أو ابتعثوا مسلماً أو نفروا دابة مسلم فرمته أو رموا ناراً في سفينة فاحترقت ونحو ذلك فهو شهيد اهـ

(شامی صفحہ ۹۹۶ ج ۱)

شہید کی تعریف کے لحاظ سے ظاہر یہی ہے کہ مظلوم صدر ضیاء الحق مرحوم اور ان کے مسلمان رفقاء شہید کی اسی قسم میں داخل ہیں اور وہ دنیوی احکام اور آخرت کی درجات کے اعتبار سے ہر طرح شہادت سے سرفراز ہوئے ہیں۔ اعلی اللہ درجاتھم و تجاوز عن سیئاتھم۔

(۲) ایسی شہادت جس میں آخرت میں تو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے اور انہی جیسا اعزاز و اکرام کیا جاتا ہے لیکن ان پر شہید کے دنیوی احکام جاری نہیں ہوتے۔ ایسی شہادت پانے والوں کی تعداد بہت ہے علامہ شامی نے چالیس سے زائد نقل کئے ہیں اور لکھا ہے کہ بعض نے پچاس سے بھی زائد نقل کئے ہیں۔ آگ میں جل کر مرنے والا، مکان کے نیچے دب کر مرنے والا اور اتفاقی حادثے میں مرنے والا بھی انہی میں داخل ہے۔

وكل ذلك في الشهيد الكامل وإلا فالمرتث شهيد الآخرة وكذا الجنب ونحوه ومن قصد العدو فأصاب نفسه والغريق والحريق والمهدوم عليه والمبطون والمطعون والنفساء والميت ليلة الجمعة وصاحب ذات الجنب ومن مات وهو يطلب العلم وقد عدهم السيوطي نحو الثلاثين. اهـ (درمختار)

وبذلك زادت على الأربعين وقد عدها بعضهم أكثر من خمسين وذكرها الرحمتي منظومة فراجعه اهـ (شامی صفحہ ۹۰۲ ج ۱)

(۳) وہ شخص کافروں کے ہاتھوں مارا جائے اور اس میں ظاہری شرائط وہی پائی جائیں جو پہلی صورت میں ذکر کی گئیں مگر اس کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ نہ ہو بلکہ محض شہرت یا کسی اور غرض سے جنگ میں شریک ہوا ہو، ایسا شخص آخرت کے اعتبار سے شہید نہیں مگر دنیا میں اس کے ساتھ شہیدوں کا سا معاملہ کیا جائے گا۔

(قوله في الشهيد الكامل) وهو شهيد الدنيا والآخرة وشهادة الدنيا بعدم الغسل إلا لنجس أصابه غير دمه وشهادة الآخرة بنيل الثواب الموعود للشهيد أفاده في البحر والمراد بشهيد الآخرة من قتل مظلوماً أو قاتل لإعلاء كلمة الله حتى قتل ومن قاتل لغرض دنيوي فهو شهيد دنيا فقط تجري عليه أحكام الشهيد

فی الدرمیاعلیہ فا لشہداء ثلاثۃ اھ (شامی ص ۲۴ ج ۲)

۔ اگر وہ جہاز حادثہ کا شکار ہو گیا ہے تو اس میں مرنے والے بھی شہید ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح ۔ — محمد انور

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — ۱۴۰۰/۲/۱۴ ھ

کفن کیسے کپڑے کا دیا جائے؟

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں۔ مسئلہ صورت یہ ہے کہ کیا چادر بڑا جاپانی بوسکی کا کفن پہنانا جائز ہے یا نہیں؟ فقط والسلام۔

حاجی امیر محمد صاحب

الجواب: میت اپنی زندگی میں جمعہ وعیدین جیسے اجتماعات پر جیسے اچھے کپڑے پہنتا ہو ویسا ہی کفن دیا جائے نیز کفن میں یہ بھی ملحوظ ہے کہ وہ سفید ہو صاف ستھرا ہو زیادہ قیمتی نہ ہو۔ جاپانی بوسکی اگر اس اصول کے تحت آتی ہو تو اس کا کفن درست ہے۔

ویحسن الکفن لحدیث حسنوا اکفان الموتی اھ (وبعدہ) قولہ ویحسن الکفن بان یکفن بکفن مثلہ وھو ان ینظر الی ثیابہ فی حیاتہ للجمعۃ والعیدین وفی المرأۃ ما تلبسہ لزیارۃ ابویھا کذا فی المعراج فقول الحدادی وتکرہ المغالاۃ فی الکفن یعنی زیادۃ علی کفن المثل ونھی لحدیث لہ وفی صحیح مسلم عنہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کفن احدکم اخاہ فلیحسن کفنہ وروی ابو داؤد عنہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تغالوا فی الکفن فانہ یسلب سلبا سریعا وجمع بین الحدیثین بان المراد بتحسینہ بیاضہ ونظافتہ لاکونہ ثمینا اھ (شامی ص ۲۲۲ ج ۲) فقط:

واللہ اعلم۔ — محمد انور

الجواب صحیح
منظور احمد نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

۱۴۰۰/۲/۲ ھ

۳ صفر المظفر ۱۴۰۰ھ مطابق
۲۰ ستمبر ۱۹۸۰ء

اب سوال یہ ہے کہ ایسی میت کی ایسی حالت ہو اس کا نماز جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں۔ نیز شامی وغیرہ کتب فقہ میں صلی علی قبرہ مالم یغلب علی الظن تفسخہ جو وارد ہے کیا تفسخ صرف قبر والی میت کے لئے علت ہے یا قبر سے باہر بھی جس میت میں تفسخ پایا جائے اس کا بھی یہی حکم ہے یا ان کا الگ حکم ہے۔ نیز یہ بھی تفصیل سے بیان فرمادیں کہ تفسخ کی ابتدا کہاں سے شروع ہوتی ہے۔ کیا تعفن سے تفسخ کی ابتداء شروع ہوتی ہے یا نہیں اور تعفن تفسخ میں داخل ہے یا نہیں؟

یا تفسخ کی ابتداء اس وقت شروع ہوتی ہے جب بال اور کھال جسم سے الگ ہونے شروع ہوں یا گوشت اعضاء کو چھوڑنے لگیں۔ براہ مہربانی تفصیل سے تفسخ کی تشریح فرمادیں، ابتداء اور انتہا کی وضاحت فرمادیں۔ نیز ایسی حالت میں جسم پر پٹی کو قبر کی حیثیت دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب جب غالب گمان یہ ہو کہ نعش میں تفسخ ہو گیا ہے تو جنازہ نہ پڑھنا چاہئے۔

ولو بقی تحت التراب یخرج فیغسل ویصلی علیہ ما لم یتفسخ (مراقی)

قولہ ما لم یتفسخ ای تتفرق اعضاءہ وبعد تفسخہ لا یصلی علیہ مطلقا لانہا شرعت علی البدن ولا وجود لہ مع التفسخ اھ (طحطاوی [illegible])

تفسخ عام ہے خواہ قبر میں ہو یا باہر کما یفہم من عموم قولہ ولا وجود لہ مع التفسخ۔ شامی میں ایک مقام پر انتفاخ، تمعط اور تفسخ کا فرق کرتے ہوئے تفسخ کی تعریف یہ کی ہے کہ اعضاء الگ الگ ہو جائیں۔

قولہ انتفخ ای تورم وتغیر عن صفۃ الحیوان وقولہ تمعط ای سقط شعرہ

وقولہ او تفسخ ای تفرق اعضاءہ عضوا عضوا اھ (شامی [illegible])

فقط واللہ اعلم

محمد انور

۲۹ [illegible] ھ

دُعا بعد الجنازہ کے بارے میں اہلِ بدعت کے پمفلٹ کا مفصل جواب

جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی طور پر دعا مانگنا شرعاً ثابت ہے یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب نے ہمیں ایک پمفلٹ بھیجا ہے، اس میں اس دعویٰ کے اثبات کے لئے مندرجہ ذیل دلائل دیئے ہیں۔ … اور یہ بھی کہا ہے کہ صحابہ کرام سے بھی یہ دعا ثابت ہے اور عام مسلمان بھی اسے اچھا سمجھتے ہیں۔

۱۔ ولنا ما روی عن ابن عباس وابن عمر رضی اللہ عنہما انہما فاتتہما الصلوٰۃ علی الجنازۃ فلما حضرا ما زادا علی الاستغفار لہٗ وعبد اللہ بن سلام فاتتہ الصلوٰۃ علی جنازۃ عمر فلما حضر قال ان سبقتمونی بالصلوٰۃ علیہ فلا تسبقونی بالدعاء لہ اھ۔ (مبسوط سرخسی ص ۶۷/۲)

۲۔ اِنَّ الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جہنم داخرین الآیۃ

۳۔ واعبدوا ربکم وافعلوا الخیر لعلکم تفلحون الآیۃ۔

۴۔ عن عمل امتی کلہ نصف العبادۃ والدعاء نصفہٗ۔

۵۔ اذا اراد اللہ بعبدٍ خیراً الجأہ قلبہٗ للدعاء اھ

۶۔ اذا فرغ احدکم من صلوٰۃ فلیدع۔

۷۔ اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعاء (ابوداؤد) اس کی تفسیر یہ ہے اذا فرغتم من الصلوٰۃ فاخلصوا لہٗ الدعاء ——— (بیہقی)

(۱۸)۔۔ ولا یقوم بعد صلوٰۃ الجنازۃ اللہم لا تحرمنا اجرہ الخ

(بحر الرائق شرح کنز الدقائق باب الجنازۃ)

یہ اٹھارہ دلائل مولوی صاحب نے دیئے ہیں آپ ان دلائل پر تبصرہ فرما دیں اور سوال میں جو نمازی حنفیہ کہے ہیں ان کا جواب فقہ حنفی کے مطابق عنایت فرما دیں۔

الجواب:- ایک انسان جب دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو یہ وقت اس کے لئے نہایت ہی پریشانی ولاچاری اور بے بسی کا ہوتا ہے کیونکہ ایک اجنبی اور ایسی دنیا میں قدم رکھتا ہے جس کے مالک کی نافرمانی میں عمر گزاری نہ معلوم یہاں کیا کیا مشکلات پیش آئیں اور کون کون سے مصائب کا سامنا کرنا پڑے، پلّے کوڑی نہیں اور ضروریات کروڑوں ہیں بلکہ ان گنت۔

اس بیکسی کی حالت میں شریعت مقدسہ نے اہل اسلام کے ذمہ مرنے والے کی اعانت کو ضروری قرار دیا یہ اعانت مالی نہیں بلکہ فعلی یعنی قولی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مرنے والے کو سپرد خاک کرنے سے پہلے سب مسلمان مل کر بالحاح بارگاہ خداوندی میں یہ درخواست کریں کہ اے اللہ مرنے والے نے اپنی زندگی میں جتنے تیرے قصور کئے ہیں ان پر مؤاخذہ نہ فرما بلکہ اسے آرام وچین کی زندگی اور نئی دنیا میں ہر قسم کی سہولتیں مہیا فرما نیز وہی کا سوال ہم اپنے لئے بھی کرتے ہیں یہ حقیقت ہے نماز جنازہ کی جیسا کہ حضرات فقہاء نے تحریر فرمایا مگر چونکہ درخواست کے قبول ہونے میں الفاظ کے مضمون کا اور درخواست پیش کنندگان کی ہیئت وغیرہ امور کو بڑا دخل ہے کوئی عجب نہیں کہ ایک درخواست صحتِ مضمون کے باوجود امور بالا میں مزاج شاہی کی رعایت نہ ہو سکنے کی وجہ سے رد کر دی جائے لہٰذا آداب بارگاہ خداوندی پر مطلع ذات محمدیت سے آگاہ فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کے حق میں درخواست مذکور پیش کرنے کے لئے سب سے بہترین صورت اس کی مکمل تفصیلات کے ساتھ ہمیں تعلیم فرما دیں ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم فرمودہ صورت سے بہتر صورت کی تجویز ممکن نہیں اور آپ کی تعلیم ہر لحاظ سے مکمل اور جامع ہے لہٰذا مزید کسی ترمیم واصلاح اور حک واضافہ کی محتاج نہیں کیونکہ تعلیم نبوی کو بھی اگر محتاج اصلاح سمجھا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے مصلح کو آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم سے اَعْلَمُ یقین کیا ہے کیونکہ مصلح کا طالبِ اصلاح کی نسبت اعلم ہونا لازمی ہے تو اس میں تنقیص شانِ نبوی ہے جو مستلزم کفر ہے ۔

پس ثابت ہوا کہ تعلیم نبوی ہرگز قابلِ اصلاح و کمی و اضافہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سُنّتِ نبویہ اور طریقۂ صحابہ کو نہایت مضبوطی سے تھامنے کی سخت تاکیدات وارد ہیں اور اس کے خلاف کرنے پر وعیدیں آئی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ نہایت ہی مؤثر وعظ کے ضمن میں ارشاد فرمایا کہ میرے اور خلفاء راشدین کے راستے (سُنّت) کو اپنے اوپر لازم کر لو اور اس کے ساتھ چمٹ جاؤ اور نیز فرمایا کہ اس راہِ سُنّت کو دانتوں کے ساتھ مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھو (کہیں چھوٹنے نہ پائے) آخر میں ارشاد فرمایا کہ نئے نئے پیدا ہونیوالے کاموں سے اپنے آپ کو بچائے رکھو کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اس حدیث کے پیشِ نظر اہلِ اسلام پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ ہر کام میں سُنّت طریقہ کو اپنا معمول بنائیں اور عبادات اور تعلیمات نبویہ پر کی جانے والی کمی اور زیادتی سے کلی احتراز کریں۔ پس نماز جنازہ کی وہی شکل جو زمانۂ نبوت میں یا خیر القرون میں موجود تھی اسی پر عمل کیا جائے اور اس پر ہونے والی زیادتی کو مردود ٹھہرایا جائے اور ذخیرۂ احادیث اس پر شاہد ہے کہ خیر القرون میں دعاء مذکورہ کا نشان تک نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہؓ سے نمازِ جنازہ کی کیفیت بطریق شہرت ثابت ہے وہ صرف یہی ہے کہ تکبیرات ہیں اور ان کے اثناء میں حمد و درود کے بعد دعاء ہے اور بعد ازاں سلام پھیر کر نماز ختم ہو جاتی ہے اور بس ۔

کسی حدیث میں یہ زیادتی موجود نہیں کہ سلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرات صحابہؓ کرام دعاء مانگا کرتے تھے ۔ اگر خیر القرون میں مانگی جاتی ہوتی تو یقیناً منقول ہوتی ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ درمیان والی دعاء بصراحت احادیث کثیرہ میں منقول ہو اور بعد والی منقول نہ ہو ۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرات صحابہؓ سے نمازِ جنازہ کی جو کیفیت منقول ہے یہ تھا ۔ نجاشی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نمازِ جنازہ اس طرح پڑھی :

وَخَرَجَ إِلَى الْمُصَلَّى فَصَفَّ بِهِمْ فَكَبَّرَ أَرْبَعَ تَكْبِيرَاتٍ ۔ الخ

(اخرجاہ بروایت ابی ہریرۃ رضؓ [illegible])

ایک مسکینہ کی نماز جنازہ میں آپ شرکت نہ فرما سکے تو قبر پر تشریف لے گئے تو نماز جنازہ یوں پڑھا: فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی صف بالناس علی قبرھا فکبر اربع تکبیرات۔ (موطا)

امام طحاوی نے کثیر روایات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کا تکبیرات پر اختتام پذیر ہونا ثابت کیا ہے نیز حضرت عثمان، علی، ابن عباس، عقبہ، جابر، براء بن عازب رضی اللہ عنہم وغیرہم صحابہؓ کا بھی معمول نقل کیا ہے۔ (طحاوی ج ۱)

ان احادیث سے تکبیرات ثابت ہوئیں۔ درمیانی دعاء وسلام وغیرہ حدیث ذیل سے ثابت ہیں۔ قال ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ انا لعمر اللہ اخبرک اتبعھا من اھلھا فاذا وضعت کبرت وحمدت اللہ وصلیت علی نبیہ ثم اقول اللھم عبدک وابن عبدک (الخ موطا) قال الشارح صلیت بعد التکبیرۃ الثانیۃ ثم ادعو بالدعاء الاتی بعد التکبیرۃ الثالثۃ۔ وما اخرج البیھقی فی المعرفۃ عن ابی امامۃ بحدیث سعید بن مسیب قال ان السنۃ فی صلوۃ الجنازۃ ان یقرأ بفاتحۃ الکتاب ویصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم یخلص الدعاء للمیت حتی یفرغ ولا یقرأ الا مرۃ واحدۃ ثم یسلم اخرج مالک عن نافع ان عبد اللہ بن عمر کان اذا صلی علی الجنائز یسلم الی آخرہ۔ عینی نے بروایت عبد اللہ بن ابی اوفی مرفوعاً نماز جنازہ کے آخر پر سلام کو ذکر کیا ہے (بذل جلد ۴ ص ۱۶۵)

الحاصل احادیث مشہورہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا نماز جنازہ پڑھنا صرف سلام پھیرنے تک منقول ہے اس کے بعد دعا ہرگز منقول نہیں پس یہ دعا مانگنا تعلیم نبوی پر زیادتی ہوئی جس کی شرعاً ہرگز اجازت نہیں دی جا سکتی جیسا کہ اوپر کہا گیا تھا کہ اگر کوئی شخص تعلیم نبوی میں کوئی کمی زیادتی کرتا ہے گویا کہ وہ تعلیم نبوی کو نعوذ باللہ من ذلک ناقص سمجھتے ہوئے اس کی اصلاح وتکمیل کرتا ہے اور اپنے تئیں گویا کہ شارع علیہ الصلوۃ والسلام سے زیادہ عالم اور امت کے حق میں آپ کی بہ نسبت زیادہ شفیق ہونے کا مدعی ہے العیاذ باللہ ورنہ بتلائے کہ اگر یہ دعا جنازہ تو تعلیم نبوی کے

کہاں ہونے پر ایمان رکھنے کے باوجود وہ کون سا داعیہ ہے جو اِس زیادتی کا محرک بنا۔

چونکہ احادیث میں نمازِ جنازہ بصرف سلام تک وارد ہے اس لئے فقہاء کرام نے بھی اتنی ہی نماز جنازہ بتلائی چنانچہ ملاحظہ ہو صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

والصلوٰة ان یکبر تکبیرة ویصلی علی النبی صلی الله علیه وسلم ثم یکبر تکبیرة یدعو فیها لنفسه وللمیت وللمسلمین ثم یکبر الرابعة ویسلم (ہدایہ) وفی التنویر وهی اربع تکبیرات یرفع یدیه فی الاولٰی فقط ویثنی بعدها ویصلی علی النبی صلی الله علیه وسلم بعد الثانیة ویدعو بعد الثالثة ویسلم بعد الرابعة ولا قراءة ولا تشهد فیها الخ

تنویر کے شارح صاحب درمختار بھی یہاں خاموشی سے گزر گئے ہیں اور سلام کے بعد دُعا کا ذکر نہیں کیا ہے نیز درمختار کے شارح علامہ شامی نے دُعا کی زیادتی کو بیان نہیں کیا صاحب کنز بھی یہی ارشاد فرماتے ہیں ملاحظہ ہو: وتسلیمتین بعد الرابعة فلو کبر الامام خمسا الخ اِس میں دعا مذکورہ کا نشان نہیں سلام تک بیان فرما کر آگے دوسرا مسئلہ شروع فرما دیا۔ حسن شرنبلالی نور الایضاح میں فرماتے ہیں: ویسلم بعد الرابعة من غیر دعاء فی ظاهر الروایة ولا یرفع یدیه فی غیر تکبیرة الاولٰی الخ سلام پر نماز جنازہ ختم ہو گئی۔ آگے دوسرا مسئلہ بیان کیا۔ الغرض تمام کتب فقہ میں نماز جنازہ کی یہی کیفیت منقول ہے۔ بات طویل ہو جائے گی ورنہ ساری کتب فقہ سے اسی قسم کی نقول پیش کی جاتیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ فقہ حنفی کی کوئی معتبر کتاب ایسی نہیں جس میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہو اور اس میں سلام کے بعد دُعا کا اضافہ بھی ہو بلکہ ائمہ اربعہ کی فقہ سے ایک ہی امر بدیہی معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ کا جزء ہونے کی حیثیت سے شرعاً ثابت نہیں۔ پس جب ذخیرۂ احادیث اور ائمہ اربعہ کی فقہ کی رو سے یہ امر پایۂ ثبوت تک پہنچ گیا کہ دُعاء مذکورہ نماز جنازہ کا جزء نہیں اور تعلیم نبوی ہے جسے تمام ائمہ مجتہدین نے بلا کسی اصلاح و ترمیم یا کمی و زیادتی کے قبول کیا وہ سلام پھیرنے پر ختم ہو جاتی ہے۔ پس یہ دُعا تعلیم نبوی پر زیادتی اور خیر القرون کے بعد کی پیداوار ہوئی۔ پس بعینہٖ حدیث من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو

رَدٌّ: یہ زیادتی مردود ہوگی نیز بنص حدیث فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ زیادتی مذکورہ بدعت اور گمراہی بنے گی۔ لہٰذا یہ دعا واجب الترک ہے۔

تنبیہ: فقہ کے اس متفقہ فیصلہ سے کہ نماز جنازہ سلام پر ختم ہو جاتی ہے۔ یہ امر بھی بخوبی واضح ہو گیا کہ پورے ذخیرۂ احادیث میں جس جگہ تک ہم کوتاہ بینوں کی رسائی بھی ممکن نہیں کہیں بھی کوئی ایسی صحیح قابلِ استناد حدیث موجود نہیں جس سے دعاء مذکورہ کے اثبات میں استدلال کیا جا سکے۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ ائمہ ہدیٰ اربعہ اور ان کے اصحاب پر ایسی حدیث مخفی رہ جاتی۔ انتہا یہ ہے کہ کسی امام مجتہد کا مذہب تو کیا اختلاف روایات بھی تو منقول نہیں کہ جنازہ کے بعد دعاء کی جائے لیکن اس تفصیل سے ضمنی طور پر اس حدیث کا جواب ہو گیا جسے خصم کی جانب سے اثباتِ دعاء مذکورہ کے لئے بطور دلیل کے پیش کیا جاتا ہے کہ ایسی ساری احادیث یا تو صحیح اور قابلِ استناد ہی نہیں یا پھر مفیدِ مدعا نہیں۔

تفصیل بالا سے روز روشن کی طرح واضح ہو چکا ہے کہ دعائے مذکورہ نہ نماز جنازہ کا رکن ہے نہ شرط نہ واجب نہ سنت نہ مستحب بلکہ بدعت ہے۔ لیکن بالفرض اگر تھوڑی دیر کے لئے اسے بدعت نہ بھی تسلیم کیا جائے تو اس خصوصی عمل کے اعتبار سے زیادہ سے زیادہ اسے مباح یا غایت ما فی الباب مندوب کہا جائے گا۔ مگر عوام نے عملاً اور اعتقاداً چونکہ اس دعاء کو واجب کر رکھا ہے جس کی علامت یہ ہے کہ تارک پر نکیر شدید کرتے ہیں اور خود اس پر اصرار کرتے ہیں بلکہ راقم الحروف کا خود مشاہدہ ہے کہ لوگوں کو دعاء کرنے والوں کے متعلق کہتے سنا ہے کہ اگر انھوں نے دعاء نہیں کرنی تھی تو جنازہ گاہ میں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ گویا کہ وہ بدون دعائے مذکورہ کے جنازہ کے پڑھنے نہ پڑھنے کو برابر سمجھتے ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ جب یہ حالت ہو چکی ہو عوام کے فسادِ عقیدہ کی کہ جس مباح یا مستحب پر عمل کرنے سے عوام کے فسادِ عقیدہ کا اندیشہ ہو وہ مباح یا مستحب واجب الترک ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

فتاوی عالمگیری ج

وما یفعل عقیب الصلوۃ مکروہ لان الجہال یعتقدونہا [illegible]
وکل مباح یؤدی الیہ فمکروہ ھکذا فی الزاھدی

دیکھئے سجدہ مذکورہ اگرچہ اس عمل کے اعتبار سے مباح تھا لیکن عوام کے فسادِ عقیدہ

کے سبب سے ناجائز اور مکروہ قرار دیا گیا۔ سجدہ مذکورہ کی مخالفت بوجہ احتمالِ فساد کے مصرح ہے تو جو فعل شرعاً ثابت نہ ہو بلکہ بدعت ہونے کا احتمال یقیناً متعین ہو اس کے باعث میں عوام کا فسادِ عقیدہ بھی محقق ہو تو اسے کرنے کی کیونکر اجازت دی جا سکتی ہے اور دعاء مذکورہ ایسے ہی ہے لہٰذا یہ ہرگز جائز نہ ہوگی۔

(۴): آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو سورتیں نماز میں تلاوت فرمایا کرتے تھے (مثلاً جمعہ کی فجر میں الٓمٓ سجدہ اور دہر وغیرہ) ان کا مذکورہ نمازوں میں پڑھنا مستحب ہے لیکن ان سورتوں کا مقرر کر لینا کہ ان نمازوں میں یہی سورتیں ہمیشہ پڑھا کرے، ایہامِ اباحت کی وجہ سے تمام فقہاء نے اسے مکروہ لکھا ہے یعنی ایسی توقیت [illegible] ہے جو واجب الترک ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

(الف): ویکرہ ان یوقت بشیء من القرآن بشیء من الصلوٰۃ لما فیہ من ہجر الباقی وایہام التفضیل — اس پر محقق ابن ہمام کچھ کلام کے بعد فیصلہ فرماتے ہیں کہ:

(ب): فالحق انہ ایہام التعیین [illegible] المعتبر۔ علامہ شامی اس مسئلہ سے گزرتے ہیں تو فرماتے ہیں: اقول حاصل معنی کلام ہذین الشیخین یعنی الطحاوی والاسبیجابی بیان وجہ الکراہۃ فی المداومۃ وہو انہ ان رأی ذلک حتماً یکرہ من حیث تغییر المشروع والا یکرہ من حیث ایہام الجاہل (صفحہ [illegible] ج ۱)

(ج): یہی علامہ شامی صاحب بحر سے وتر کی سورِ ثلاثہ کے بارے میں نقل فرماتے ہیں کہ ہمیشہ انہی کو پڑھنا درست نہیں۔

واستنان السور الثلاثۃ ای الاعلیٰ والکافرون والاخلاص
لکن فی النہایۃ ان التعیین علی الدوام یفضی الی اعتقاد بعض
الناس انہ واجب وہو لا یجوز (شامی صفحہ [illegible] ج ۱)

دیکھئے ان سورتوں کا مخصوص نمازوں میں پڑھنا مستحب ہے، مگر عوام کے خرابیٔ عقیدہ کے اندیشہ سے اسے مکروہ لکھا ہے تو دعا بعد نماز جنازہ جس کے بارے میں عوام کا فسادِ عقیدہ مشاہد ہے کیونکر جائز ہوگی۔ جیسا ہم لکھ چکے ہیں کہ اگر بالفرض دعائے مذکورہ کو مستحب بھی

مان لیا جائے تو موجودہ حالات میں عوام کے عقیدہ کی اصلاح کے پیش نظر اس دعا کو چھوڑ دینا چاہیئے۔

(۵):۔ دعائے مذکور کو چھوڑ دینے کی پانچویں وجہ یہ بھی ہے کہ مباح و مستحب تو کیا اگر بالفرض اس سے بڑھ کر دعائے مذکور کا کسی درجہ میں سنت ہونا بھی تسلیم کر لیا جائے جس کا دلائل کی روشنی میں قطعاً کوئی امکان نہیں جیسا کہ مفصل گزرا تو پھر چونکہ اس میں بدعت ہونے کا قوی احتمال ہے لہٰذا قابلِ ترک ہوگی اس لئے کہ جو فعل بدعت اور سنت ہونے میں متردد اور دائر ہو جائے اُسے چھوڑ دینا ہی ضروری ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ فقہاء کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ بحر الرائق میں ہے۔ ان ما تردد بین بدعة وسنة یترك احتیاطاً (ص ۲ ج ۲)

پس یہ دعا قابلِ ترک ہے۔

(۶):۔ دعائے مذکورہ کے ترک کی چھٹی وجہ یہ ہے کہ خود محققین فقہاء نے بالتصریح اس دعا سے ممانعت فرمائی ہے حوالے سے قبل ایک ضروری امر ذہن نشین کر لینا چاہیئے وہ یہ ہے کہ ایک مقلد کے لئے اُوپر کی بحثوں میں جانے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ جبکہ مسئلہ خود فقہ میں موجود ہو کیونکہ قرآن و حدیث سے استنباطِ مسائل کی صلاحیت و استعداد جس شخص میں موجود ہو اُسے مقلد بنانا ہی درست نہیں۔ مقلد وہی بنتا ہے جو اپنے اندر ایسی صلاحیت نہیں پاتا تو اس کے لئے فقہ کی تصریحات بس ہیں۔ پس چونکہ ہم مقلد ہیں تو اس سلسلہ میں فقہاء کی تصریحات ہی کافی سمجھنی چاہیئے ورنہ ہماری حنفیت ختم ہو جائے گی۔ سو ملاحظہ ہو صاحب بحر الرائق محقق العصر علامہ ابن نجیم تحریر فرماتے ہیں کہ دعا نہ مانگی جائے۔ وقید بقوله بعد الثالثة لانه لا یدعو بعد التسلیم کما فی الخلاصة۔ (ص ۲ ج ۲ مصری)

(۷):۔ علامہ صدر صاحب نے محیط سے نقل کیا ہے کہ جنازہ کے بعد دعا کرنا مکروہ ہے۔

ان الدعاء بعد صلوٰة الجنازة مکروه۔

(۸):۔ حضرت ملا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔ ولا یدعو للمیت بعد صلوٰة الجنازة لانه یشبه الزیادة فی صلوٰة الجنازة (ص ۲ ج ۲)

(۹):۔ مظاہر حق شرح مشکوٰۃ میں بھی تقریباً انہی الفاظ سے جنازہ کے بعد دعا کرنے سے ممانعت کی گئی ہے " جنازے کی نماز کے بعد دعا نہ مانگے کیونکہ یہ نماز جنازہ میں زیادت کے مشابہ"

(١٠) محرر اشی مالا بد منہ میں ہے۔ وبعد تکبیر چہارم سلام گوید وبعد آں ہیچ دعا نخواند اھ تحقیق الدعاء
واضح ہے کہ اصل حواشی مذکورہ مفتی محمد سعد اللہ صاحبؒ کے ہیں اور علامہ حافظ سید محمد عبداللہ بلگرامی اور فاضل ناخدا مفتی عنایت احمد صاحب نے ان پر نظر ثانی فرمائی ہے۔ جیسا کہ "مالا بد منہ" کے خاتمۃ الطبع سے ظاہر ہوتا ہے۔

(١١) فتاوی سعدیہ میں مفتی سعد اللہ صاحب مرحوم تحریر فرماتے ہیں: خالی از کراہت نیست زیرا کہ اکثر فقہاء بوجہ زیادت بر امر مسنون منع میکنند۔ (تحقیق الدعاء ص٢٩)

(١٢) علامہ فہامہ محقق العصر ابن نجیمؒ "بحر الرائق" میں فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں تکبیر رابعہ کے بعد اور کچھ نہیں جس کے عموم میں دعا بعد الجنازہ کا منع ہونا بھی آجائے گا۔ ملاحظہ ہو۔

وأشار بقوله وتسليمتين بعد الرابعة إلى أنه لا شيء بعدها غيرهما۔ (ص١٩٧ ج٢)

(١٣) مبسوط سرخسی میں ہے: وفي ظاهر الرواية ليس بعد التكبيرة الرابعة دعاء سوى السلام۔ (ص٦٤ ج٢)

(١٤) شرح نقایہ میں ملا علی قاریؒ نے بھی اسی کے قریب قریب الفاظ اس بارے میں نقل فرمائے ہیں۔

(١٥ تا ٢٠) تحقیق الدعا بعد صلوٰۃ الجنازۃ کے مؤلف نے مزید کتب سے بھی دعا بعد الجنازہ کی مخالفت ذیل کے الفاظ میں نقل کی ہے ہم ایک کتاب کے الفاظ نقل کر کے دوسری کتب کے حوالے پر اکتفا کریں گے۔ جسے تفصیل مطلوب ہو اصل رسالہ کی طرف مراجعت کرے۔

خلاصۃ الفتاوی میں ہے۔ ولا يقوم بالدعاء بعد صلوة الجنازة۔ خلاصة الفتاوى، فتاوی سراجیہ، شرح وقایہ برجندی، قنیہ، جامع الرموز، ازادالآخرت۔

مجموعہ خانیہ میں ہے: دعا نخواند وفتوی برین قول است۔ کذا في المنهاج الواضح للعلامة ابي الزاهد ص١٩٦۔

مذکورہ بالا دلائل صریحہ سے صراحۃً یہ امر محقق ہو چکا ہے کہ دعا بعد الجنازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، صحابہؓ و تابعین میں بھی اس کا نشان نہیں ملتا۔ ائمہ مجتہدین نے بھی اجتماعی طور پر نماز جنازہ کی جو کیفیت بتلائی ہے، اس میں یہ دعا موجود نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر

یہ ہے کہ فقہاء نے اس دعا کی صراحت کر کے اسے مکروہ و ناجائز لکھا ہے۔ جیسا کہ مفصل بیان ہوا ہے پس ایک منصف مسلمان کے لئے تعیین بالا کے پیش نظر یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ دعاء بعد الجنازہ بدعت ہے اور اسے ترک کرنا ضروری ہے پس ان عربی عبارتوں کا جواب دینے کی ضرورت نہیں رہتی جو بطور مغالطہ کسی صاحب نے اثبات دعاء مذکورہ کے لئے استفتاء میں تحریر کی ہیں مگر چونکہ وہ ان عبارتوں کو دلیل سمجھ رہا ہے اس لئے ان کا سرسری جائزہ لینا ضروری ہوا۔

مقصود سے قبل ایک مقدمہ ذہن نشین کر لینا ضروری ہے تاکہ فہم جواب میں سہولت ہو۔ وہ یہ ہے کہ دلیل مطلق سے کسی مخصوص دعویٰ کا ثابت کرنا درست نہیں نہ عقلاً نہ شرعاً۔ مثلاً دیکھئے کہ زید قتل کے جرم میں ماخوذ ہے مقدمہ عدالت میں پیش ہوتا تو گواہ یہ گواہی نہیں دیتے کہ زید سے قتل کا جرم ہمارے سامنے سرزد ہوا ہے بلکہ ان کی گواہی صرف اتنی ہے کہ قتل کا وقوع ضرور ہوا ہے لیکن تعیین قاتل سے ساکت ہیں۔ تو کیا ان کی گواہی سے زید پر قتل کی فرد جرم عائد کر دی جائے گی۔ دنیا کے کسی عقلمند کے نزدیک ایسا کرنا درست نہ ہوگا۔ کیونکہ دعویٰ خاص ہے اور گواہی مطلق ہے۔ پس دلیل مطلق سے دعویٰ خاص ثابت نہیں ہو سکے گا۔ شرعاً بھی یہی ہے کہ کسی امر کی فضیلت میں اگر کوئی نص مطلقاً وارد ہو تو اس نص مطلق سے امر مذکور کے کسی خاص موقع پر مستحب ہو جانے کا قول کرنا درست نہیں ہوتا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو کہ ذکر اللہ کی عام حالت میں بہت سی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں لیکن کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ کسی مخصوص ذکر کو کسی مخصوص وقت میں خاص اجر و ثواب کا وعدہ ذکر کرے یا اس وقت خصوصی استحباب کا قائل ہو جائے۔

چنانچہ بحر الرائق میں ہے: لان ذکر اللہ اذا قصد بہ التخصیص بوقت دون وقت او بشیء دون شیء لم یکن مشروعاً ما لم یرد بہ الشرع ([illegible])

اسی طرح مصافحہ کرنا عام حالات میں سنت ہے تو اس کے لئے کسی خاص وقت کی تخصیص کرنا درست نہیں۔ سنت ہونے کے باوجود اس خاص محل میں بوجہ تخصیص کے بدعت بن جائے گا۔ اور سنیت مصافحہ کی دلیل مطلق سے تخصیص مذکور پر استدلال کرنا باطل ہوگا۔ چنانچہ بعض لوگوں میں نمازوں کے بعد مصافحہ کرنے کا رواج پڑ گیا تھا مگر فقہاء

نے اس خصوصی مصافحہ کو دلیلِ مطلق کے تحت داخل نہ مانتے ہوئے اسے بدعت قرار دیا ہے اور
ناجائز ٹھہرایا ہے۔

اسی طرح بعض لوگوں نے ایک نماز صلوٰۃ الرغائب کے نام سے ایجاد کی تھی۔ مگر فقہاء نے
لوگوں کو اس سے بڑی سختی کے ساتھ منع فرمایا! اور نماز کے فضائل میں وارد ہونے والی مطلق
احادیث کے تحت اس نماز کو داخل نہیں سمجھا۔ بلکہ اس کے واضع کو طعون قرار دیا ہے۔
علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

وقد صرح بعض علمائنا وغیرهم بکراهة المصافحة المعتادة
عقب الصلوات مع ان المصافحة سنة وما ذاك الا لکونها لم تؤثر
فی خصوص هذا الموضع فالمواظبة علیها توهم العوام بانها
سنة فیه ولذا منعوا عن الاجتماع لصلاة الرغائب التی احدثها
بعض المتعبدین لانها لم تؤثر علی هذه الکیفیة فی تلك
اللیالی المخصوصة وان کانت الصلاة خیر موضوع الخ

پس جب یہ دعویٰ محقق ہو گیا کہ دلیلِ مطلق سے دعویٰ خاص پر استدلال کرنا باطل ہے
تو اس سے یہ امر بھی بخوبی واضح ہو گیا کہ دعا بعد الجنازہ کے اثبات کے لئے کسی ایسی حدیث
یا آیت سے استدلال کرنا ہرگز صحیح نہیں ہے جو آیت یا حدیث مطلق دعا کی فضیلت میں وارد
ہوئی ہو کیونکہ دعویٰ دعائے مخصوص کا ہے اور دلیل مطلق دعا کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔
واضح رہے کہ استفتاء میں مذکورہ اکثر دلائل ایسے ہی ہیں۔ پس یہ مفید مدعا نہیں ہوں گے۔ مگر
تحریر کنندہ اپنی نادانی سے ان کو دلائل سمجھ رہا ہے۔ یہ صرف ان کا قصور نہیں بلکہ جو شخص بھی
بدعت کو سنت بنانے کی ناکام کوشش کرے گا اسے یہی کچھ کرنا پڑے گا۔ چنانچہ رسالہ
"ایذان الاجر فی اذان القبر" دیکھ لیا جائے۔ اس اجمالی جواب
کے بعد اب ہم عبارات مذکورہ کا تفصیلی جواب دیتے ہیں۔ واللہ الموفق۔ نیز واضح رہے کہ اختصار کے
پیشِ نظر جواب میں دلیل کا اعادہ نہیں کیا گیا بلکہ دلیل کا نمبر ذکر کر کے جواب لکھا گیا ہے۔

دلیل نمبر ۱: کا جواب یہ ہے کہ آیاتِ مذکورہ سے متنازعہ عقیب دعا کا ثابت کرنا
محض دھوکہ یا خود فریبی ہے۔ ان آثار کو مقصد سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

امام سرخسیؒ اس مسئلہ کو بیان فرماتے ہیں کہ جب ایک دفعہ نماز جنازہ پڑھی جا چکی ہو تو بعد میں آنے والوں کو اعادہ کا حق حاصل نہیں۔ جبکہ یہ غیر ولی ہوں۔ یہ حنفیہ کے نزدیک ہے۔ مگر امام شافعیؒ اعادہ کے قائل ہیں تو امام سرخسیؒ نے حنفیہ کے مسلک کی تائید میں آثار مذکورہ کو پیش کیا ہے کہ دیکھو ان حضرات نے جنازہ کا اعادہ نہیں کیا بلکہ صرف دعا کرنے پر اکتفاء کیا۔ جبکہ نماز جنازہ میں یہ حضرات شرکت نہ کر سکے تھے۔ تو اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ جو لوگ نماز جنازہ پڑھیں وہ جنازہ کے اختتام پر اسی اجتماعی حالت میں دعا بھی مانگا کریں۔ نیز ان آثار میں یہ بھی مذکور نہیں کہ یہ حضرات نماز ہو چکنے کے کتنی دیر بعد میں پہنچے تھے۔ تقریباً دس منٹ، بیس منٹ، گھنٹہ، آدھ گھنٹہ، بلکہ آثار اس سے بھی ساکت ہیں کہ ان حضرات کی تشریف آوری جنازہ کی موجودگی میں ہوئی یا دفن کے بعد؟ تو ان کی دعا سے جس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ نماز جنازہ کے متصل بعد ہوئی یا کب ہوئی؟

نماز جنازہ کے متصل بعد میں کی جانے والی دعا کے اثبات پر استدلال کیونکر صحیح ہوگا۔ پس ان حضرات کے دعا کرنے سے دعا بعد الجنازہ ثابت کرنا محض لغو ہے ان آثار کا حاصل صرف اتنا ہے کہ اگر کسی شخص سے جنازہ فوت ہو جائے تو وہ جس وقت بھی قبرستان یا جنازہ گاہ میں پہنچے تو ویسے ہی مایوس ہو کر نہ لوٹ جائے بلکہ اپنے طور پر مُردہ کے لئے دعائے مغفرت کرے۔ اس سے بھی مُردہ کی حق رسی ہو جائے گی۔ کیونکہ نماز جنازہ کی حقیقت بھی دعائے مغفرت ہی ہے لیکن اس کے لئے کچھ مخصوص شرائط ہیں۔ جن کی عدم موجودگی میں یہ صحیح نہیں ہوتی اور نفس دعا مانگنے کے لئے اجتماعیت وغیرہ کی شرط نہیں۔ انفرادی طور پر جب بھی چاہے دعا مانگ سکتا ہے۔ یاد رہے کہ اس انفرادی دعا مانگنے کے ہم بھی مخالف نہیں۔ تو جب کسی شخص سے مخصوص دعائے مغفرت یعنی نماز جنازہ فوت ہو جائے اور اس کا اعادہ بھی ممکن نہ ہو تو صرف دعائے مغفرت ہی کر دینا چاہیئے۔ اس میں تو کسی کی تخصیص نہیں۔ نہ ہی کسی وقت کی قید یہی مطلب ہے ابن عمرؓ کے قول کا کہ ان سبقتمونی بالصلوٰۃ علیہ فلا تسبقونی بالدعاء لہ کہ اگر نماز جنازہ میں تم مجھ سے بازی لے گئے ہو کہ تم نے پڑھ لی اور میں شامل نہ ہو سکا۔ اور اس کا اعادہ بھی ممکن نہیں۔ تو نفس دعائے مغفرت تو کوئی ایسی چیز نہیں جو تمہارے ساتھ مخصوص ہو کہ تم کر سکو اور میں نہ کر سکوں بلکہ

یہ تو تم بھی کر سکتے ہو اور میں بھی کر سکتا ہوں۔ لہٰذا تم اس دعا میں بُعد سے بازی نہیں لے جا سکو گے۔ اگر کہا جاوے کہ سبقت متحقق ہے قبل از نیت کو تو جواب ہے کہ پھر سبقت فی بالصلوٰۃ علیہ میں بھی سبقت اسی کی متقاضی ہوگی جس سے حضرت عبداللہ بن سلام کو جنازہ پڑھنا بھی ثابت ہو جائے گا حالانکہ یہ خلاف واقعہ ہے۔

جواب نمبر ۲:

اگر آثار مذکورہ مفید دعا ہوتے تو کم از کم امام سرخسیؒ بھی اس کے قائل ہوتے کہ جنازہ کی نماز کے بعد دعا مانگی جائے۔ حالانکہ آپ نے بھی دیگر ائمہ اور فقہاء کی طرح نماز جنازہ کے بعد دعا کا ذکر نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو۔

ویسلم تسلیمتین بعد الرابعۃ ولا تعا جاہ او ان الفصل

وذالک بالسلام الا ان قال فان کبر الامام خمسا الخ

دیکھیے نماز جنازہ کی تسلیمتین تک بحث کر کے دوسرا مسئلہ شروع کر دیا۔ بعد میں دعاء مذکورہ ہوتی تو یقیناً بیان فرماتے کیونکہ محل بیان ہے۔ چنانچہ دیکھیے صلوٰۃ کسوف میں نماز کے بعد دعا وارد ہے تو سب فقہاء نماز میں اختتام پر دعاء کا ذکر فرماتے ہیں۔ ھدایہ میں ہے۔

ویدعو بعدھا حتی تنجلی الشمس (ص ۱۵۲ ج ۱)

صلوٰۃ کسوف کے بعد دعا ہے فقہاء اسے بیان فرماتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ نماز جنازہ کے بعد دعا ثابت ہو اور فقہاء بیان نہ فرمائیں۔

جواب دلیل نمبر ۲،۲:

دلیل نمبر ۲،۳ سے وجہ استدلال سمجھ میں نہیں آئی کہ دعا بعد الجنازہ ان سے کیسے ثابت ہوتی ہے؟

افسوس ہے کہ شوقِ اجتہاد میں ضروری امور کو بھی بیان نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اکڑنے والے یقیناً جہنم میں جائیں گے لیکن ان کو دعا سے کیا تعلق؟ اللہ کی عبادت و نیکی کرنے والے یقیناً اسعد اور فتح و کامیابی ہیں۔ مگر دعا بعد الجنازہ اس سے کیسے ثابت ہوئی؟ دعویٰ کچھ اور دلیل کچھ۔ سوال از آسمان جواب از ریسمان۔ اگر ایسی ہی عمومی نصوص سے دعا ثابت ہو سکتا ہے تو اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ ہر نماز کے بعد دو سو مرتبہ کلمہ شریف پڑھنا ضروری ہے کیونکہ یہ بھی عبادت اور نیکی ہے اور نیکی عبادت کرنا بنص قرآنی فرض ہے لہٰذا یہ کلمہ شریف بھی ہر نماز کے بعد پڑھنا فرض ہے اور جو

شخص اسے تسلیم نہ کرے وہ جہنمی ہے کیونکہ یہ عبادت ہے اور عبادت سے تحجر کرنیوالے جہنم میں داخل ہوں گے تو شخص مذکور کے استدلال مذکور کا کیا جواب ہوگا؟

جو جواب اس کا ہوگا وہی جواب اُن کا ہے جو ان نصوص سے دعا بعد الجنازہ کا مثبت ہے۔ اگر جہلاء کے لیے ایسے استدلالات کی اجازت دے دی جاتے تو شریعت کا پورا نظام درہم برہم ہو جائے گا ہر وظیفہ بالعقود فرض ہوگا جتنی نمازوں کو مزید چاہو فرض بنالو۔ جتنے روزوں کا اضافہ کر لو۔

پس ایسی عمومی نصوص سے دعا بعد الجنازہ کو ثابت کرنا ہرگز درست نہیں بلکہ ایسی آیت یا حدیث سے اثبات ہونا چاہیے جس میں یہ تصریح ہو کہ نماز جنازہ کے بعد دعاء مانگی جائے وغیرہ مطلق فضائل دعاء کی نصوص سے مدعا کو کوئی تعلق نہیں۔

جواب دلیل نمبر ۴-۵:

بفرض صحت احادیث ان سے مطلق دعاء کی فضیلت ظاہر ہو رہی ہے اور پہلے ہم یہ بالتحقیق ثابت کر چکے ہیں کہ ایسی مطلق احادیث سے مخصوص دعا کے اثبات کے لئے استدلال باطل ہے بلاریب، دعا بہت فضیلت رکھتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسے جس عبادت کا چاہیں جزو بنا دیں اور جس مقام پر چاہیں امت کے ذمہ اس کا مانگنا فرض و واجب یا سنت و مستحب قرار دیا جائے۔ مثلاً دیکھئے نماز کی احادیث میں بہت فضیلت وارد ہوئی ہے مگر ان فضائل کے پیش نظر کسی مجتہد کے لئے اس کی اجازت نہیں کہ وہ یہ کہہ دے کہ مثلاً ظہر کی سنت قبلیہ سے پہلے دو رکعت پڑھنا سنت ہے اور اسے امت کے ذمہ عملاً لازم قرار دے۔ یاد رکھئے عمل خاص کی مشروعیت و استحباب کے لئے نص خاص کا وارد ہونا ضروری ہے۔ علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں:

ألا ترى أن ابن عمر قال في صلوة الضحى إنها بدعة لأنه لم يثبت عنده فيها دليل ولم يرَ إدراجها تحت عمومات الصلوة لتخصيصها بالوقت المخصوص وكذلك قال في القنوت كان يفعله الناس في عصر إنه بدعة ولم يرَ إدراجه تحت عمومات الدعاء (احکام الاحکام ص ۴۲)

پس اثبات دعا مذکور کے لئے کوئی ایسی حدیث پیش کی جاوے جس میں بالتصریح مذکور ہو کہ نماز جنازہ کے بعد کی دعا کی جاوے۔

جواب دلیل نمبر ۱: اس حدیث میں لفظ صلوٰۃ مطلق ہے اور مطلق کا استعمال جب بلا کسی قید کے کیا جائے تو اس سے مراد فرد کامل ہوا کرتا ہے۔ والمطلق اذا اطلق یراد به الفرد الکامل ــــ قاعدہ کلیہ ہے اور صلوٰۃ کا فرد کامل صلوٰۃ مکتوبہ ہے پس حدیث میں صلوٰۃ سے مراد یہی صلوٰۃ مکتوبہ ہوگی تو حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ فرض نماز کے بعد دعا کی جائے کیونکہ محل اجابت دعا ہے۔ جیسا کہ دوسری احادیث میں وارد ہے۔

عن ابی امامۃ قال قیل یا رسول اللہ ای الدعاء اسمع قال جوف اللیل الاخیر ودبر الصلوات المکتوبات۔ (مشکوٰۃ ص)

پس اس حدیث سے دعا بعد الجنازۃ کا اثبات غلط ہے حدیث مذکور بیہقی میں مل نہ سکی اس لئے سند کی تحقیق نہ ہو سکی۔ اگر مکمل تحقیق مطلوب ہو تو حوالہ بقید صفحہ دیا جائے۔

جواب دلیل نمبر ۲: حدیث مذکور کی یہ تفسیر من گھڑت ہے بتلایا جائے کہ یہ تفسیر کس شارح سے منقول ہے جب تفسیر من گھڑت ہے تو یہ حجت نہیں اور متن حدیث سے مدعا ثابت نہیں ہوتا پس اس حدیث سے استدلال کرنا غلط ہوا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب تم نماز جنازہ پڑھو، تو میت کے لئے اخلاص سے دعا کرو، ــــ کذا ترجمہ صاحب مظاہر حق فلیراجع یعنی وہی دعا جو نماز جنازہ میں پڑھی جاتی ہے۔ الدعا پر الف لام کا دخول معہود ہے دعا کی طرف مشعر ہے اور معہود دعا صرف وہی ہے جو تیسری تکبیر کے بعد پڑھی جاتی ہے جنازہ کے بعد والی دعا، تو شرعاً ثابت ہی نہیں تو معہود کہاں سے ہوگی بلکہ ائمہ مجتہدین اور فقہاء عظام نے تو اسے مکروہ لکھا ہے اور یہ دعا مانگنے سے منع کیا ہے۔

پس دعا بعد الجنازہ اس الدعاء کا مصداق ہرگز نہیں بن سکتی بلکہ وہی دعا مراد ہے جو معہود فی الشرع اور تمام ائمہ کے نزدیک مشروع ہے۔

نمبر ۳۔ اگر حدیث کی وہی تفسیر صحیح ہوتی جو سوال میں مذکور ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ فقہاء کرام اس کا

استحباب منقول نہیں بلکہ اسے مکروہ قرار دے رہے ہیں۔ نیز کے متصل تعقیب بلا تراخی ہونے سے استدلال صحیح نہیں کیونکہ یہ لازم نہیں۔ دیکھئے ارشاد باری اذا قمتم الى الصلوٰة فاغسلوا الخ اسی طرح اذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ۔ الخ پس حدیث کی تفسیر مذکور غلط ہے۔

نمبر۲: سنن الکبریٰ للبیہقی میں کتاب الجنائز باب الدعاء فی صلوٰۃ الجنازۃ ص۴۰ ج۴ کے تحت اس حدیث اذا صلیتم على الميت ۔ الخ ــــ کو نقل کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضرات محدثین کے نزدیک بھی الدعاء سے مراد وہی دُعاء ہے جو نماز جنازہ کے اندر پڑھی جاتی ہے۔ نیز ملا علی قاری نے ابن ملک سے اس حدیث کی یہ تاویل ذکر کی ہے۔ ويمكن ان يكون معناه اجعلوا له الدعاء خالصا في القلب وان كان عاما في اللفظ الخ ـــــــ

اور ظاہر ہے کہ تاویل مذکور کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ جنازہ کے اندر پڑھی جانے والی دعاء کے الفاظ عام ہیں جو سب مسلمانوں کو شامل ہیں اور حدیث کے ظاہری الفاظ مقتضیٔ خصوص ہیں پس تاویل سے دونوں کو جمع کر دیا تو اس سے بھی ظاہر ہوا کہ شراح حدیث کے نزدیک بھی الدعاء سے مراد نماز جنازہ میں مانگی جانے والی دُعاء ہے ورنہ تاویل شراح لغو ہوگی۔

جواب دلیل نمبر ۸:

کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے بلکہ اثبات احکام میں حجت نہ ہوگی۔ لہٰذا استدلال ساقط ہے۔

ابراہیم الہجری نہایت ضعیف اور منکر الحدیث ہے۔ امام بخاریؒ اور نسائیؒ اسے منکر الحدیث ٹھہراتے ہیں وغیرہ۔ (تہذیب التہذیب بحوالہ منہاج ص۱۲۳ ج۱)

ثانیاً یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ کہاں مذکور ہے کہ آپ نے سلام پھیرنے کے بعد دعاء مانگی جو متنازعہ دُعاء ہے۔ بلکہ ظاہر حدیث تو یہ ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے قبل دُعاء مانگی جیسا کہ بعض مشائخ احناف بھی اس کے قائل ہیں۔ پس اس حدیث سے استدلال کرنا خبط محض ہے۔ صاحب منہاج الواضح نے علامہ نوویؒ کی اذکار سے بھی روایت نقل کی ہے جس میں تصریح ہے کہ یہ دُعاء قبل از سلام تھی اس کے آخری الفاظ یہ ہیں:

ثم سلم عن يمينه وعن شماله۔ (ص۲۰۳)

جواب دلیل نمبر ۹:

(۱) واقدی کی روایت احکام میں معتبر نہیں کما لا یخفیٰ علیٰ اھل الفن پس روایت مذکورہ احکام کے بارے میں حجت نہیں بن سکتی (۲) نیز ابراہیم حلبی کبیری ص۵۳۲ میں روایت ھذا کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ علی ان طریقۃ منیفۃ خارق المغازی مرسل الخ

پس جب حدیث مذکورہ مرسل ناقابل احتجاج ٹھہری تو اس سے استدلال کرنا کیسے درست ہوگا۔ فتح القدیر میں بھی محقق ابن الہمامؒ نے اسے مرسل قرار دیا ہے تقریباً یہی الفاظ ہیں۔ تیسرا جواب یہ ہے واؤ مطلق جمع کے لئے ہوتی ہے پس الفاظ حدیث سے دعاء کا جنازہ کے بعد متصل ہونا ہرگز ثابت نہ ہوگا۔ لہذا اس سے استدلال کرنا باطل ہوگا۔ اگر عطف تفسیری نہ مانا جائے تو حدیث سے قواعد کے لحاظ سے صرف اتنی بات معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے دعاء بھی فرمائی اور نماز جنازہ بھی پڑھا لیکن تقدیم تاخیر سے حدیث ساکت ہے پس مفید مدعا نہیں اور ظاہر تو یہی ہے عطف تفسیری مان لیا جاوے تاکہ دوسری احادیث کے ساتھ تطبیق ہو جائے واللہ اعلم۔

جواب دلیل نمبر ۱۰:

کا یہ ہے اگر حضرت ابن عمر نماز جنازہ ہو چکنے کے بعد جنازہ گاہ میں پہنچے اور دعاء کر کے واپس تشریف لے گئے تو اس سے دعاء بعد الجنازہ کیسے ثابت ہوئی۔ آپ تو نماز جنازہ میں شامل ... نہیں ہو سکے تو ان کے دعاء مانگنے سے استدلال کرنا کیسے صحیح ہے — ہاں جو لوگ جنازہ پڑھ چکے تھے انہوں نے اگر فوراً دعاء مانگی ہوتی تو استدلال صحیح بن سکتا تھا۔ مگر ان کا دعاء مانگنا منقول نہیں

لہٰذا حاصل یہ جنہوں نے جنازہ پڑھا انہوں نے دعاء نہیں مانگی اور جنہوں نے دعا مانگی انہوں نے نماز جنازہ نہیں پڑھی پس آپ کے استدلال باطل کی کیا صورت معلوم ہوتی ہے کہ سائل کے نزدیک صرف عربی عبارت ہی نقل کر دینا اپنے دعویٰ کی دلیل بن سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے جس حدیث میں دعاء کا لفظ دیکھتے ہیں جھٹ اس کو اپنے دعویٰ کی دلیل بنا لیتے ہیں۔ ایسے جاہل کا جواب دینا بھی محض اضاعت وقت ہے مگر کیا کیا جائے جہالت کی حکمرانی ہے۔ لوگ ایسے غیر متعلق مضامین کو دلائل سمجھنے لگتے ہیں۔ اسی رعایت سے لکھنا پڑتا ہے۔

اب دلائل مذکورہ از نمبر ۱ تا ۱۵ پر مکرر نظر ڈالیے اور بتائیے کہ ان میں سے کون سی عبارت

ایسی ہے جس سے دُعاء بعد الجنازہ کا ثبوت ہوتا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہو یا آپ نے یہ ارشاد فرمایا ہو۔ نمازِ جنازہ ختم کر کے دُعا مانگا کرو۔ یا کسی صحابیؓ نے جنازہ کے بعد دُعاء مانگی ہو اور آپؐ نے اس پر نکیر نہ فرمایا ہو۔ آخر عبارات مذکورہ کو مُدعا سے کیا تعلق۔ اگر ان کے عموم سے تمسک کیا گیا ہے تو ان کا باطل ہونا بالتفصیل پہلے گزر چکا۔ مزید اعادہ کی حاجت نہیں۔ اگر یہ عبارات دُعاء بعد الجنازہ کی مثبت ہیں تو دُعاء قبل الجنازہ کی بھی مثبت ہیں۔

نیز ایک ہی دفعہ کے لئے مثبت نہیں بلکہ جیسیوں دفعہ کے لئے مثبت بن سکتی ہیں تو بعد الجنازہ ہی کیوں دُعاء کی جاتی ہے۔ قبل از جنازہ بھی اجتماعی طور پر کرلیا چاہیئے نیز ایک ہی دفعہ پر اکتفاء کرنا درست نہیں۔ جب استغفار للمیت افضل ٹھہرا تو فضیلت زیادہ سے زیادہ حاصل کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ فہم سلیم نصیب فرمائے۔ آمین!

جواب دلیل نمبر۱۰ قرأۃ فاتحہ بقصد تبرک سے جوازِ دُعاء بعد الجنازہ کیسے ثابت ہوا۔ خواہ قرأت مذکورہ بعد الجنازہ ہی کیوں نہ ہو عجب ہے۔ احتمال ہے کہ یہ قرأت فاتحہ قبل از نمازِ جنازہ ہوئی ہو جیسا کہ مصرح ہے۔ تو اس سے استدلال کیوں کر صحیح ہوگا اس لئے کہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ استدلال تو اس صورت میں درست ہو سکتا ہے کہ جب یہ شق متعین ہو کہ قرأۃ مذکورہ نمازِ جنازہ کے بعد متصلاً ہوئی۔ یہ بھی بر بنائے تنزل کے طور پر ہے۔ ورنہ اصل تو یہ ہے حدیث مذکور کو ہمارے مُدعا سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

جوابِ نمبر۲: یہ حدیث ضعیف ہے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد قوی نہیں اس کا راوی ابراہیم منکر الحدیث ہے۔ مظاہر حق ص۳۳ جلد۲۔ تو احکام میں حدیث مذکورہ سے استدلال درست نہیں۔ امام ترمذیؒ کے الفاظ یہ ہیں:

حدیث ابن عباسؓ لیس اسنادہ بذالک القوی ابراہیم بن عثمان ھو ابو شیبۃ الواسطی منکر الحدیث ص۱۲۲ ج۱ مطبع مجیدی

جواب دلیل نمبر۱۱۔ مجموعہ خانی ہمارے پاس اور مدرسہ کے کتب خانہ میں موجود نہیں کہ اس کی اصل عبارت کو دیکھ لیا جاتا کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ ہمیں حوالہ مذکورہ کی صحت میں شبہ ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ علامہ سرفراز صاحب گکھڑوی نے منہاج الواضح میں ص۱۹۲ میں مجموعہ خانی سے دُعاء بعد الجنازہ کی ممانعت پر فتویٰ نقل کیا ہے چنانچہ ملاحظہ ہو۔ ان کی اصل عبارت یہ ہے

اور فقہ کی مشہور کتاب مجموعہ خانی میں ہے :

" دعاء بخوانند وفتویٰ بریں قول ست " (مجموعہ خانی قلمی ص۲۹)

پس جب تک یہ تحقیق نہ ہو جائے کہ اصل میں صحیح عبارت کون سی ہے ، تب تک فیصلہ مشکل ہے ۔ البتہ دوسرے فقہاء کی تصریحات جو عدم جواز دعاء مذکور کے بارہ میں ہم پہلے نقل کر چکے ہیں ان کے پیش نظر صحیح عبارت وہی معلوم ہوتی ہے جو منہاج الواضح میں نقل کی گئی ہے ۔ اگرچہ ان عبارات میں یہ تصریح نہیں کہ فتویٰ عدم جواز دعاء مذکور پر ہے لیکن فقہاء کے جم غفیر کا دعاء بعد الجنازہ کے عدم جواز کو نقل کرنا یہ خود اس پر دال ہے کہ معمول بہ اور مفتیٰ بہ یہی قول ہے بلکہ فقہاء کے ہاں اس کے مقابلہ میں سرے سے کوئی دوسرا قول موجود ہی نہیں حقیقت یہ ہے تو اس کے مفتیٰ بہ ہونے کا کیا معنی ؟ پس درست وہی عبارت ہے جو منہاج الواضح میں منقول ہے ۔ واللہ اعلم ۔

اور اگر بالفرض یہ امر پایۂ ثبوت تک پہنچ جائے کہ صحیح عبارت دعاء بخوانند ہے تو بھی یہ عبارت حجت نہیں بن سکتی ۔ کیونکہ کتب فقہ کا معتد بہا ذخیرہ جو اہل علم کے مابین متداول ہے ہمارے پاس موجود ہے اس میں تصریحات موجود ہیں کہ لا یدعو بعد الدعاء بعد صلاۃ الجنازۃ مکروہ ۔ وغیرہ وغیرہ اور اس کے مقابلہ میں دعائے مذکور کے استحباب یا سنیت کا سرے سے کوئی قول ہی موجود نہیں ۔ تو اس صورت میں صرف صاحب مجموعہ خانی کے یہ تحریر کرنے سے کہ بخوانند ، دیگر فقہاء کی تصریحات سے آنکھیں بند کر لینا کیسے درست ہے ۔ نیز تمام فقہاء کی تصریحات کے علی الرغم صرف مجموعہ خانی کوئی ایسی کتاب نہیں جسے حنفیہ کے متون معتبرہ اور شروح متداولہ نیز کتب فتاویٰ کے ہم پلہ قرار دیا جا سکے ۔ پس اس کا کوئی نقل قابل قبول نہیں ہے جو کتب مشہورہ متداولہ کے خلاف ہو ۔

جواب دلیل نمبر ۱۸ :

نہر الفائق مدرسہ کے کتب خانہ میں موجود نہیں ۔

اور فتاویٰ نظامیہ کسی غیر معروف شخص کا ہے اس کے علم و دیانت کے بارہ میں ہمیں تحقیق نہیں کہ وہ کس پایہ کے ہیں لہٰذا نقل حوالہ مذکور پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا ۔ تاوقتیکہ اصل کتاب کو نہ دیکھ لیا جائے ۔ بشرط ثبوت اس کا محمل ہمارے نزدیک انفرادی دعاء ہے تاکہ دوسرے فقہاء کی تصریحات کے ساتھ اس کا تعارض نہ ہو ۔

تفصیل بالا سے یہ واضح ہو گیا کہ استفتاء مذکورہ کی عبارت میں سے صرف ایک دو عبارتیں ایسی ہیں جن سے دعاء بعد الجنازہ کے جواز کا شبہ ہو سکتا تھا جن کا بحمدہٖ تعالیٰ شافی جواب دیا جا چکا ہے۔ باقی عبارات کو متنازعہ فیہ دعاء سے قطعاً کوئی تعلق نہیں محض عوام کی جہالت سے فائدہ اُٹھانے کے لئے انہیں استفتاء میں درج کیا گیا۔ مگر جیسا کچھ تھا ان کا جواب تحریر ہو چکا۔ اور اس کے مقابلہ میں دُعائے متنازعہ فیہ کے عدم جواز میں ۱۲ دلائل پیش کئے گئے جو ایک منصف مسلمان کے لئے کافی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل موجود ہے کہ یہ دُعا آپ نے نہیں فرمائی۔ حضرات صحابہؓ نے یہ دُعاء نہیں کی ائمہ اربعہ سے اس کا ثبوت نہیں۔ مذاہب اربعہ کی فقہ اس سے خالی ہی نہیں بلکہ اس دُعاء کی مخالفت اور اسکی کراہت کے بارے میں تصریحات ہیں۔

تو کیا یہ ایک مسلمان کے لئے کافی نہیں، واللہ کافی ہے پس سب اہل اسلام پر لازم ہے کہ اس طریقہ سنت کو اپنائیں اور اسی کو اپنا معمول بنائیں اور اس کے مقابلے میں جو سلام پھیرنے کے بعد دُعاء مانگنے کی بدعت بطور رواج چل گئی ہے اُسے مٹانے کی کوشش کریں۔

اس زمانۂ فساد میں سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ پر عمل سے قائم رہنا اجر عظیم رکھتا ہے فرمان نبوی ہے:

من تمسك بسنتي عند فساد امتي فله اجر مائة شهيد۔ او كما قال وما علينا الا البلاغ۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح — بندہ عبدالستار عفی عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

خیر محمد مہتمم خیر المدارس ملتان — الجواب صحیح

عبداللہ غفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان

حاشیہ نمبر ۱: مطلب یہ ہے کہ اگر "ف" کے متعقب ہونے کی وجہ اس حدیث کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو میت کے لئے اخلاص سے دُعا کرو۔ تو یہی "ف" اس آیت میں بھی موجود ہے۔ اذا قمتم الى الصلوٰة فاغسلوا وجوهكم۔ تو آپ کے قول کے مطابق ترجمہ یہ ہونا چاہیئے۔ کہ جب تم کھڑے ہو چکو نماز کے لئے تو اس وقت وضو کرو۔ نیز اس

آیت میں بھی وہی "ف" موجود ہے۔ اذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ تو اس کا
ترجمہ یہ ہونا چاہیئے کہ جب تم قرآن پڑھنے سے فارغ ہو چکو تو اللہ کی پناہ پکڑو۔ اور اسی
طرح ۔ اذا سألتموهن ۔ کا ترجمہ ایسے ہونا چاہیئے کہ تم ان سے کوئی چیز مانگ چکو تو
ان سے پس پردہ مانگو ۔ وغیرہ وغیرہ ۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سب تراجم غلط اور خلاف مقصود
ہیں پس معلوم ہوا کہ "ف" کو تعقیب مذکور لازم نہیں۔ اور اگر کوئی تاویل ان آیات کے
ترجمہ کے لئے کی جاتی ہے تو وہی تاویل اس حدیث میں بھی جاری کی جائے گی۔

حاشیہ نمبر ۲: کبھی فریق مخالف کی طرف سے امام فضلی کا قول لا بأس به بطور
دلیل کے پیش کیا جاتا ہے ۔ اس کا جواب بھی دیا جاتا ہے اولاً
اس کا جواب یہ ہے کہ لا بأس به کے معنی یہ نہیں کہ دعا بعد الجنازہ سُنت یا مستحب
ہے بلکہ یہ ہیں کہ اس میں کراہیت تنزیہی ہے اگرچہ جائز ہو اور کراہت تنزیہی بھی قابلِ ترک
ہی ہے اگرچہ واجب الترک نہ ہو پس اس سے بھی ترکِ دُعا کا اولیٰ ہونا معلوم ہوا نہ کہ
دُعا کا اولیٰ ہونا۔

ثانیاً یہ ہے کہ امام فضلی کا یہ قول تمام فقہاء کے سامنے تھا مگر اس کے باوجود پھر
اُنہوں نے اِس دُعا کی ممانعت یا کراہیت کی تصریح کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے
نزدیک امام فضلی کا یہ قول قابلِ اعتماد اور لائقِ عمل نہیں۔ بلکہ مرجوح اور ناقابلِ التفات ہے
یہی وجہ ہے کہ اکثر فقہاء نے اِس قول کو اپنی کتابوں میں نقل کرنے تک سے احتراز کیا
ہے پس ایسا قول ہرگز حجت نہیں بن سکتا ۔

ثالثاً یہ ہے کہ ممکن ہے کہ امام فضلی کے زمانہ کے اندر دعاء بعد الجنازہ کے بارے
میں عوام اس جہالت میں مُبتلا نہ ہوں جس جہلِ مرکب میں آج کل کے لوگ مُبتلا ہیں کہ اسے ضروری
سمجھتے ہیں اور تارک پر نکیر شدید کرتے ہیں۔ اور ان کے زمانہ میں اپنے طور پر کوئی شخص دُعا
کرے یا نہ کرے کوئی تعرض نہیں کرتا تھا۔ تو ایسے حالات میں آپ نے لا بأس به
فرمایا ہو۔ واللہ اعلم۔

مپندار سعدی کہ راہِ صفا
توان رفت جز بر پئے مصطفےٰ

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْھَا وَالْمُؤَلَّفَۃِ قُلُوْبُھُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ط فَرِیْضَۃً مِّنَ اللّٰہِ ط وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ○ (سورۃ توبہ)

خیر الفتاوٰی

(جلد سوم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام کا نظام ربوبیت

عہد جاہلیت میں غریب پروری کا کوئی نظام تو کجا زیر دستوں اور کمزوروں کو انسان ہی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ہر قسم کی بیگار ان سے لی جاتی تھی اور ان کی مزدوری بھی ادا نہیں کی جاتی تھی۔

قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کا ابتدائی تعارف ہی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ سے کرایا ہے۔ الحمد للہ رب العلمین۔ رحمانیت اور رحیمیت بھی ربوبیت کی فروع ہیں۔ جسمانی نشوونما اور روحانی تربیت جس کے لئے سلسلۂ نبوت جاری ہوا، یہ سب حق تعالیٰ شانہ کی ربوبیت عامہ کے مظاہر ہیں۔ اس وقت جسمانی ربوبیت پیش نظر ہے —

تمام عالم کی ربوبیت کا جو غیبی نظام ہمارے سامنے آرہا ہے۔ وہ بالکل کامل اور مکمل ہے۔ ہر چیز کو اس کے مناسب تربیت پھر اس کی بقاء و نشوونما کے اسباب و وسائل مہیا فرمائے۔ دور حاضر کا ایک بہت بڑا مسئلہ غریب پروری ہے۔ سرمایہ داری کے رد عمل کے طور پر کمیونزم اور سوشلزم وجود میں آئے جن کی بنیاد پر بلند بانگ دعوے کئے گئے لیکن غور سے دیکھا جائے تو یہ بھی زیردستوں کے مزید استحصال اور ان پر مظالم کی ایک شکل ہے جن ممالک میں کمیونزم اور سوشلزم رہا ہے۔ ان ممالک کی تاریخ نے یہ بتایا کہ کمیونزم اور سوشلزم بھی غریب و مزدور کو بے وقعت بنانے کی اور اسے غریب سے غریب تر اور مجبور سے مجبور تر کرنے کی ایک صورت ہے۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے۔

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے جبکہ غریب کی حمایت کا تصور ہی خال خال تھا۔ غریب پروری کا ایسا مکمل نظام دیا کہ اگر اس پر عمل کر لیا جائے تو حقیقت میں غربت کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جن حکمرانوں نے حقیقتاً اسلام کو نافذ کیا ان کے دور میں قدرت کی طرف سے اس قدر فراوانی ہوئی کہ لوگ صدقات و زکوٰۃ کا مال اٹھائے پھرتے تھے اور کوئی مصرف نہ ملتا تھا۔ خلافت راشدہ کے دور کی تاریخ

اس کا شاہد بن جاتا ہے۔ اسلام نے اپنے احکام کے تمام ابواب میں غریب کو بھی فراموش نہیں کیا بلکہ کسی نہ کسی طرح اس کی معاونت کی راہ پیدا کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اغنیاء پر اتنی زکوٰۃ فرض فرمائی ہے اگر صحیح طور پر اس کو ادا کر دیں تو کوئی بھوکا رہے نہ ننگا رہے۔

حدیث پاک کے الفاظ ہیں۔ مَا جَاعُوْا وَلَا عَرُوْا

موجودہ غربت و افلاس ظاہری اسباب میں مالداروں کے بخل کی وجہ سے ہے۔ ہم مختصراً یہاں اسلام کے نظام غریب پروری کو اجمالی طور پر بیان کرتے ہیں۔

۱ — حق جل شانہ نے تمام مالداروں پر زکوٰۃ فرض فرمائی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ سونا، چاندی زیورات، اموال تجارت اور نقدی کا ۱/۴۰ حصہ غریبوں کو دینا فرض قرار دیا۔ بازار اور منڈیاں، کارخانے اور فیکٹریاں، کروڑوں اربوں کے اموال تجارت سے بھری ہوتی ہیں۔ اگر ہر سال صحیح طور پر ان کا ۱/۴۰ حصہ بطور زکوٰۃ غرباء کو دے دیا جائے تو شاید ہی بھوک سے کوئی کسی کے سامنے ہاتھ پھیلا سکے۔

۲ — شریعت نے پورے ملک میں لاکھوں ایکڑ میں پھیلی ہوئی زمینی پیداوار میں بھی غریب کو شریک ٹھہرایا۔ ارشاد باری ہے: وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ (سورۃ انعام)

حدیث پاک میں ہے: مَا أَخْرَجَتِ الْأَرْضُ فِيهَا الْعُشْرُ

جو کچھ زمین سے پیداوار ہو اس کا عشر غریب کو دینا ضروری ہے۔

باغات کی اربوں کی آمدنی میں بھی غریب کو شریک ٹھہرایا گیا ہے۔ اس کا ۱/۱۰ غریب کا ہے حتیٰ کہ پھل کے مکمل پکنے سے پہلے اگر مالک کسی ضرورت کے لئے کچھ پھل توڑے یا فصل کاٹے تو اس میں سے بھی غریب کا حصہ لازماً ادا کرنا ہوگا۔

۳ — جنگلوں میں چرنے والے جانور بھیڑ بکریاں، گائے بھینس، اونٹ وغیرہ ان سب میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے نظام ربوبیت کے تحت غریبوں کو ان کا حصہ دینا ضروری قرار دیا۔ ایسے ہی مختلف دھاتوں کی قدرتی کانوں میں بھی غریب کو شریک ٹھہراتے ہوئے اس کا ایک حصہ متعین کیا گیا۔ یہ تو غریب کا ایک معروف اجمالی خاکہ تھا۔ اس کے علاوہ تقریباً تمام ابواب فقہیہ میں غریب پروری کی کوئی نہ کوئی صورت موجود ہے۔ مثلاً کتاب الطہارۃ میں ہے کہ جو آدمی بیوی سے حالت حیض میں مباشرت کر بیٹھے وہ ایک دینار (اشرفی) صدقہ کرے۔ ایسے ہی کتاب الصلوٰۃ میں ہے کہ اگر کسی کی نمازیں رہ جائیں اور وہ مرتے وقت فدیہ ادا کرنے کی وصیت کر جائے تو غریب کو اس کی نمازوں کا فدیہ ادا کرنا ضروری ہے جس کی مقدار ایک صاع کی مقدار

تقریباً نوسو گرسنہ شکم بھی ہے۔ ایسے ہی کتاب الصوم میں ہے کہ جن کے روزے رہ جائیں یا دوسری عذر سے رکھنے
رکھنے پر قادر نہ ہو جیسے شیخ فانی یا مریض مایوس تو ان پر روزانہ ایک مسکین کا فدیہ دینا واجب ہے جو غریبوں کو ادا
کیا جائے گا۔ ایسے ہی اگر کوئی روزہ رکھنے کے بعد عمداً اسے توڑ دے تو غلام آزاد نہ کر سکنے کی صورت میں
ساٹھ مسکینوں کو صبح شام کھانا کھلانا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ کتاب النکاح میں ہے کہ شادی کے بعد
ولیمہ مسنون ہے۔ اس ولیمہ میں بھی غرباء کو شریک کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اور شریک نہ کرنے کی صورت
میں اس کھانے کو بدترین کھانا کہا گیا۔ حدیث میں فرمایا گیا۔

شر الطعام الوليمة يدعى لها الأغنياء ويترك لها الفقراء

کتاب الطلاق میں کفارہ ظہار کا حکم ہے جس میں ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کے کھانا کھلانے
کا حکم دیا گیا ہے

کتاب الاعتاق میں معمولی معمولی بات پر غلام کو آزاد کرنے کی تاکید فرمائی گئی۔ ایسے تمام کفارات میں
مثلاً قسم کا کفارہ، قتل خطا کا کفارہ، یا عمداً روزہ توڑنے کا کفارہ، ان میں بھی بنیادی چیز غلام کو آزاد
کرنا قرار دیا گیا ہے۔ پھر حج میں قربانی اور حج فاسدہ کے بارے میں حکم دیا کہ ان کو صدقہ کر دیا جائے
ہے یہ بھی غریبوں ہی کو ملیں گے۔ مال مغصوب کے منافع کو بھی غریب ہی کے لئے مختص کر دیا گیا۔ قربانی کی
کھالوں کی قیمت کا بھی غریب کو دینا ضروری قرار دیا گیا۔

وصیت کے بعد کتاب الوصایا آتی ہے۔ گو اب تو لوگوں میں یہ معمول نہیں رہا مگر متمول مسلمانوں کی تاریخ
ماضی دیکھیں تو تقریباً سب ہی کا یہ معمول تھا کہ اپنے مال سے کچھ نہ کچھ مال کی غرباء، مدارس، مساجد، مسافر خانے
اور کنوؤں وغیرہ کے لیے وصیت کر جاتے تھے۔ کسی وقت میں بنگال کے صرف اوقاف کی آمدنی حکومت کے
سالانہ بجٹ کے برابر یا کچھ کم ہوتی تھی جس کا اکثر حصہ غرباء اور مساکین کے لئے مختص ہوتا تھا۔ عید کی خوشیوں
میں غریبوں کو شریک کرنے کے لئے مالداروں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ نماز کے لئے جانے سے پہلے صدقہ فطر ادا
کر کے جائیں۔ یہ تو ابواب فقہ کا ایک سرسری جائزہ تھا۔ اگر کوئی صاحب خود سے تتبع کریں تو سیکڑوں ایسی
مثالیں اور بھی مل سکتی ہیں۔

ان تفصیلات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی معنی میں اسلام ہی غریب پرور مذہب ہے۔ رب العالمین
نے اپنی کمزور اور ضعیف مخلوق کو کسی حال میں بھی فراموش نہیں فرمایا۔ اور مختلف نوع کے احکام کے ساتھ غریب پروری
کو منسلک فرما دیا۔ یہ اسلام کی حقانیت کی ایک بیّن دلیل ہے۔ اور اس میں کمیونزم اور سوشلزم جیسے نظام

مرکزی وزارتِ مالیات

کی طرف سے زکوٰۃ و عشر سے متعلق انتالیس سوالات پر مشتمل ایک سوالنامہ

محترمی السلام علیکم۔

جیسا کہ آنجناب کو علم ہوگا کہ حکومت پاکستان نے ایک زکوٰۃ کمیٹی مقرر کی ہے جو زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ کے مسئلہ پر غور کر رہی ہے۔ زکوٰۃ کمیٹی نے ایک سوالنامہ مرتب کیا ہے جس کی ایک نقل ارسالِ خدمت ہے۔ کمیٹی شکر گزار ہوگی اگر آپ اپنے قیمتی وقت میں سے تھوڑا سا وقت نکال کر سوالنامے کا جواب عنایت فرمائیں گے۔ چونکہ کمیشن کو اپنی رپورٹ جلد از جلد حکومت کو پیش کرنا ہے۔ لہٰذا درخواست ہے کہ آنجناب ۳ اگست ۱۹۷۹ء سے پہلے اپنا جواب مرحمت فرمائیں۔ والسلام

وقار احمد سیکرٹری زکوٰۃ کمیشن وزارت مالیات حکومت پاکستان

زکوٰۃ کا لغوی و اصطلاحی معنیٰ اور اس سے متعلق کچھ توضیحات

سوال نمبر ۱: زکوٰۃ کی تعریف کیا ہے؟

الجواب: زکوٰۃ کے لغت میں دو معنی مشہور ہیں۔ "طہارت" اور "نماء" یعنی پاکیزگی اور افزائش (زیادتی) اور اصطلاحِ شریعت میں زکوٰۃ کا معنی یہ ہے کہ ایک مسلمان عاقل، بالغ اپنے اس مال میں سے جو شرعی نصاب کو پہنچ چکا ہو ایک حصہ معینہ جو شریعت میں اس کے لیے مقرر ہے کسی ایسے مسلمان فقیر اور محتاج کی تملیک کرے جو نہ تو سید ہاشمی ہو اور نہ اس کا آزاد کردہ غلام ہو، اور اس کا یہ خرچ کرنا بحیثیت ادائیگی زکوٰۃ ہو۔ اور تملیک کرنے والے کو اس تملیک میں ذاتی منفعت بالکل مقصود نہ ہو۔ در مختار ۲ج ص ۳ میں ہے۔

وھی تملیک جزء مال عینہ الشارع من مسلم فقیر غیر ھاشمی ولا مولاہ مع قطع المنفعۃ عن المملک من کل وجہ للہ تعالیٰ

لغوی و شرعی معنی میں مناسبت

اس طرح سے اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنے سے مال پاک ہونے کے ساتھ ساتھ بڑھتا بھی ہے اس لئے اس فعل کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے ۔

توضیحات

۱ ۔ عاقل، بالغ، اور مسلم کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ دیوانے، نابالغ اور کافر پر زکوٰۃ فرض نہیں ۔ وشرط افتراضها عقل وبلوغ واسلام وحرية ۔ (درمختار مع شامیہ ج ۲ ص ۴)

۲ ۔ شرعی نصاب کی قید سے وہ مال خارج ہو گیا جو نصاب کو نہ پہنچا ہو ۔ اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ۔

۳ ۔ جزء متعین کی قید سے صدقات نافلہ خارج ہو گئے کیونکہ ان میں تعیین نہیں ہوتی ۔

۴ ۔ مسلمان فقیر کی تملیک کی جو نہ ہاشمی ہو اور نہ اس کا آزاد شدہ غلام ہو ۔ اس عبارت سے کافر خارج ہو گیا ۔ اس کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی ۔ اسی طرح جو مسلمان ہو لیکن فقیر نہ ہو بلکہ غنی ہو اسے بھی زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی ۔ اسی طرح جو مسلمان ہو لیکن سید ہاشمی ہو، یا اس کا آزاد کردہ غلام ہو وہ بھی بوجہ اپنی عظمت و حرمت کے زکوٰۃ نہیں لے سکتا ۔

تملیک کے لفظ سے واضح ہونا چاہئے کہ زکوٰۃ کے روپیہ وغیرہ کو ضروری ہے کہ کسی فقیر کی تملیک کیا جائے ۔ لہذا زکوٰۃ کا روپیہ ہر اس جگہ جہاں تملیک اور قبض نہ ہو خرچ نہیں ہو سکتا مثلاً مسجد پر براہ راست خرچ نہیں ہو سکتا ۔ اس لئے کہ مسجد میں اہلیت قبض و تملیک نہیں ۔ ایسے ہی یہ روپیہ کسی میت پر کفن وغیرہ میں خرچ نہیں ہو سکتا ۔ کیونکہ میت اہل تملک و قبض نہیں ہے ۔

۵ ۔ خرچ کرنا بہ نیت ادائیگی زکوٰۃ کی قید اس لئے لگائی گئی کہ زکوٰۃ عبادت ہے اور عبادات بغیر نیت کے ادا نہیں ہوتیں ۔

۶ ۔ اور تملیک کرنے والے کو اس تملیک میں ذاتی منفعت مقصود نہ ہو ۔ اس قید سے اس طرف اشارہ کیا گیا کہ زکوٰۃ دینے والا اپنی زکوٰۃ اپنے اصول (والد، دادا، والدہ وغیرہم) اور اپنے فروع (بیٹا، پوتا، اور بیٹی، نواسا وغیرہم)[1] کو نہیں دے سکتا ۔ اسی طرح کوئی

---

[1] اور اسی طرح خاوند بیوی باہم ایک دوسرے کو نہیں دے سکتے (مرتب)

شخص اپنے غلام کو تنخواہ میں زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔ کیونکہ اس میں زکوٰۃ دہندہ کی ذاتی غرض پائی جاتی ہے۔

وجوبِ زکوٰۃ کی شرائط سوال ۲: کن کن لوگوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں عورت، مرد، نابالغوں، مسافروں، قیدی، فاتر العقل افراد، مستامنوں یعنی غیر ملک میں مقیم لوگوں کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب: زکوٰۃ کے وجوب کے لئے چار شرطیں ہیں۔ عقل۔ بلوغ۔ اسلام، حریت۔ بہنا ؤ علیہا۔

ا: عورت و مرد کے درمیان وجوبِ زکوٰۃ میں کوئی فرق نہیں۔ جیسے مرد پر زکوٰۃ فرض ہے ایسے ہی عورت پر بشرطیکہ صاحبِ نصاب ہو۔

ب: نابالغ پر زکوٰۃ فرض نہیں بوجہ فقدانِ شرط نمبر ۲۔

ج: قیدی جب کہ صاحبِ نصاب ہو اور شرائط مذکورہ بالا اس میں پائی جاتی ہوں تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔

د: مسافر پر بھی فرض ہے جب کہ وہ غنی اور صاحبِ نصاب ہو۔

ہ: فاتر العقل (مجنون) لوگوں پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ بوجہ فقدانِ شرطِ اول۔

و: اگر مستامن سے مراد وہ کفار ہیں جو اسلامی ملک میں رہتے ہیں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ بوجہ شرطِ اسلام کے نہ ہونے کے اور اگر مسلمان مراد ہیں جو غیر اسلامی ملک میں امان لے کر مقیم ہیں تو ان پر زکوٰۃ فرض ہے۔

وجوبِ زکوٰۃ کیلئے حدِ بلوغ سوال ۳: زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہونے کے لئے کتنی عمر کے شخص کو بالغ سمجھا جانا چاہیئے؟

الجواب: اگر علاماتِ بلوغ جو مرد کے لئے احتلام و احبال وغیرہ اور عورت کے لئے حیض وغیرہ ہیں ظاہر نہ ہوں تو عمر کے لحاظ سے پندرہ سال قمری یعنی چاند کے اعتبار سے مقرر ہیں۔ عالمگیری، ج ۲، ص ۹۰۳۔

بلوغ الغلام بالاحتلام او الاحبال او الانزال والجارية بالحيض او الاحتلام او الحبل۔ وفي الدر المختار والتبيين

الذی یحکم ببلوغ الغلام و الجاریة اذا استتم الیه خمس عشرة سنة عند ابی یوسف و محمد و هو روایة عن ابی حنیفة و علیه الفتوی ۔ (حوالہ ۔ ۔)

زیورات میں بھی زکوٰۃ واجب ہے

سوال ۔ زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہونے کے لئے عورت کے ذاتی استعمال کے زیور کی حیثیت کیا ہے؟

الجواب زیورات کے اندر زکوٰۃ واجب ہے جب کہ وہ حد نصاب کو پہنچ جائیں چاہے وہ استعمال کے ہوں یا تجمل اور زیب و زینت کے لئے رکھے ہوں۔

در مختار مع حاشیہ ج ۲ ۔ و اللازم فی مضروب کل منہما و معمولہ و لو تبرا و حلیا مطلقا مباح الاستعمال او لا و لو للتجمل و النفقة لانہما خلقا اثمانا فیزکیہما کیف کانا ۔ (حوالہ ۔)

کمپنیوں کے اموال پر زکوٰۃ کا حکم

سوال ۔ کیا کمپنیوں کو زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے یا ہر حصہ دار کو اپنے اپنے حصہ کے مطابق فرداً فرداً زکوٰۃ ادا کرنے کا مجاز ٹھہرایا جا سکتا ہے؟

الجواب شریعت میں ہر حصہ دار کو اپنے اپنے حصہ کی زکوٰۃ ادا کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ عبادات میں سے ہے ۔ جیسے نماز ہے اور کوئی عبادت بغیر نیت کے ادا نہیں ہو سکتی ۔ اس لئے ہر مکلف پر لازم ہوگا کہ وہ زکوٰۃ خود ادا کرے ۔ اور ادا کرتے وقت یا مال کو زکوٰۃ کے لئے جدا کرتے وقت نیت کرے ۔ دوسری چیز اس باب میں یہ بھی ہے ۔ کہ زکوٰۃ میں نیابت جاری ہو سکتی ہے ۔ یعنی اگر کوئی شخص دوسرے کو اپنے زکوٰۃ کے لئے وکیل اور نائب بنا دے تو یہ بھی جائز ہے ۔ لیکن نیابت جاری ہونے کے لئے اجازت ضروری ہے ۔ یعنی صاحب زکوٰۃ کسی شخص کو مثلاً کمپنی کے کسی حصہ دار یا منیجر کو اجازت دے دے کہ تم میرے مال میں سے زکوٰۃ ادا کر دو ، تو یہ بھی جائز ہوگا ۔ حاصل یہ ہے کہ کمپنی اور اس کے ڈائریکٹر زکوٰۃ ادا کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں ۔ لیکن حصص خود ذمہ دار ہیں ۔

کارخانوں اور تجارتی اداروں سے زکوٰۃ لینے کا حکم

سوال ۵: کارخانوں اور تجارتی اداروں پر زکوٰۃ کے وجوب کے حدود بیان کیجئے؟

الجواب: واضح رہے کہ زکوٰۃ کی حیثیت ایک عبادت کی ہے اس کی حیثیت ٹیکس کی نہیں جو کہ ہر کارخانہ اور تجارتی ادارہ پر لازم کر دیا جاسکے۔ لہٰذا سوال کے اندر کارخانوں اور تجارتی اداروں پر زکوٰۃ کے وجوب اور اس کے حدود کا دریافت کرنا بے معنی ہے، ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر کارخانہ یا تجارتی ادارہ جس کا مال حدِ نصاب کو پہنچ جانے اور اس کا مالک شرائط وجوب زکوٰۃ کا حامل ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

کمپنیوں کے قابلِ انتقال حصص کی زکوٰۃ کا حکم

سوال ۶: جن کمپنیوں کے حصے قابلِ انتقال ہیں ان کے سلسلے میں تشخیصِ زکوٰۃ کے وقت کس پر ادائیگی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ خرید کنندہ پر یا بیچنے والے پر؟

الجواب: احتمالِ اول اگر حصہ اتنی مالیت کا ہے کہ نصاب کو پہنچ جاتا ہے تو دونوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ بائع پر زکوٰۃ اس لئے واجب ہوگی کہ وہ اتنی مالیت رکھتا ہے کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو سکتی ہے۔ اور اگر بیچ دیا ہے تو اس کے بدلے میں بھی مال لے رہا ہے اس لئے اس پر بھی زکوٰۃ لازم رہے گی۔ لیکن ادائیگی زکوٰۃ بعد گزرنے سال کے واجب ہوگی۔ ہاں اگر وہ سال کے گزرنے سے پیشتر فقیر ہو جائے تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی مشتری پر زکوٰۃ اس لئے واجب ہوگی کہ وہ غنی ہے۔ اور اتنی مالیت رکھتا ہے جس سے وہ ایسا حصہ خرید رہا ہے جو نصاب شرعی کو پہنچ سکتا ہے۔ لہٰذا وہ جب سے غنی ہوا ہے اس وقت سے اس پر زکوٰۃ واجب رہے گی۔ اور خریداری حصص سے اس کی مالیت کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ صرف اتنا ہوتا ہے کہ پہلے اس کی مالیت نقدی کی تھی اب تجارتی سامان میں منتقل ہو گئی۔ لہٰذا زکوٰۃ کا وجوب جو غنی شرعی پر ہے، قائم رہے گا۔ اگر کمپنی کا حصہ یا حصے جو فرد خرید رہا ہے وہ اتنی تھوڑی رقم کے ہیں جو نصاب شرعی کو نہیں پہنچ سکتے۔ مثلاً کمپنی کا حصہ پانچ یا پندرہ کے دو حصے ہیں کل قیمت دو سو کے حصے ہیں جو آج کل کے حساب سے نصاب کو نہیں پہنچ سکتے تو ایسی صورت اگر بائع اور مشتری کے پاس اور کوئی مال نہ ہو تو زکوٰۃ کسی پر بھی لازم

نہ ہوگی۔ نہ بائع پر نہ مشتری پر۔

کن کن اموال پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے

سوال ۸: کن کن اثاثوں اور چیزوں پر اور موجودہ سماجی حالات کے پیش نظر کن کن حالات میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔؟

بالخصوص

ان چیزوں کے بارے میں یا ان سے پیدا شدہ حالات میں کیا صورت ہوگی؟

ا: نقدی، سونا، چاندی، زیورات اور جواہرات۔

ب: دھات کے سکے (جن میں طلائی، نقرئی اور دوسری دھاتوں کے سکے شامل ہیں) اور کاغذی سکے۔

ج: بینکوں میں یا بطور امانت یا کسی دوسری جگہ حفاظت میں رکھی ہوئی چیزیں، لیے ہوئے قرضے اور دیئے ہوئے قرضے، مرہونہ جائیداد، اور ایسی جائیداد جو قابل ارجاع یا واپسی ہو۔

د: عطیات

ہ: بیمہ کی پالیسیاں اور پراویڈنٹ فنڈ کی رقمیں۔

و: مویشی، کارخانہ کی مصنوعات، زرعی پیداوار یعنی اناج، سبزیاں، پھل، اور پھول۔

ز: معدنیات۔

ح: برآمد شدہ دفینے۔

ط: آثار قدیمہ۔

ی: جنگلی یا پالتو مکھی کا شہد۔

ک: جھیل، حوض اور پانی سے نکلنے والی دوسری چیزیں۔

ل: پیشہ وروں۔

م: درآمد، برآمد۔

شرائط وجوب زکوٰۃ جو مال کی طرف راجع ہوتے ہیں، باعتبار قواعد کے درج ذیل ہیں۔

۱۔ شرط اوّل یہ ہے کہ مال مملوک ہو، وقف کے جانوروں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

۲۔ ملک کامل ہو یعنی یداً و رقبۃً مملوک ہو۔ پس مال ضمار پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ مال ضمار کی تفسیر یہ ہے کہ ہر وہ مال کہ جس سے انتفاع حاصل کرنا قدرت سے خارج ہو اگرچہ ملک کے اندر داخل ہے۔ مثلاً بھاگا ہوا غلام، گم شدہ مال وغیرہ۔

۳۔ مال کا نامی ہونا یعنی سونے چاندی کے سوا میں تجارت اور سامت کے ذریعہ سے تحقیقاً یا تقدیراً بڑھنے والا ہونا۔ یا بلحاظ دیگر سونے چاندی کے سوا میں حاجت اصلیہ سے فارغ ہونا۔ پس جو مال کہ ضروریات و حاجات اصلیہ میں مشغول ہے اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

۴۔ حولان حول یعنی سال کا گزر جانا۔ پس اگر کسی کے پاس مال آگیا تو مال حاصل ہوتے ہی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی بلکہ بعد از سال۔

۵۔ نصاب کو پہنچنا۔ شریعت میں کچھ مقدار مقرر ہے۔ جب مال اس مقدار کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔ ان قواعد کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ کے سوال کا جواب یہ ہے۔

الف۔ نقدی، سونا، چاندی، زیورات پر زکوٰۃ واجب ہے جب کہ مملوک بملک تام ہوں کیونکہ یہ اشیاء خلقۃً مال نامی ہیں۔ البتہ جواہرات مثلاً لعل، یاقوت، زمرد وغیرہ اور موتی اگر تجارت کی نیت سے نہ ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ اور بہ نیت تجارت جب نصاب کو پہنچ جائیں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔

در مختار۔ ج ۲۔ ص ۱۲۔ ولا زکوٰۃ فی اللآلی والجواهر وان ساوت الفا اتفاقا الا ان تکون للتجارۃ الخ (حوالہ ۵)

ب۔ دھات کے تمام سکے سونا چاندی وغیرہ اور نوٹ کاغذی سکے سب میں زکوٰۃ واجب ہے۔ لیکن سونے اور چاندی میں زکوٰۃ باعتبار وزن کے واجب ہوگی اور باقی سکوں میں باعتبار مالیت۔ جب ان کی مالیت اتنی ہو کہ ان کی قیمت نصاب زکوٰۃ کو

پانچ جائے۔

واذا کان الغالب علی الورق الفضۃ فھوفی حکم الفضۃ و اذا کان الغالب علیھا الغش فھو فی حکم العروض یعتبر ان تبلغ قیمتہ نصابا۔ (شرح ہدایہ)۔ (حوالہ ۴)

ج : بینکوں میں جمع شدہ رقوم بینکوں یا کسی دوسری جگہ حفاظت میں رکھی ہوئی رقوم اور زیورات، اور سامان تجارت، اور ہر وہ مال جو قابل زکوٰۃ ہے اور دوسرے مقام میں امانتاً رکھا ہوا ہے اگرچہ اپنے پاس نہیں ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

د - لئے ہوئے قرضے، دیئے ہوئے قرضے:

اس میں یہ تفصیل ہے کہ لیا ہوا قرضہ اگر اتنا ہے کہ اس کے ادا کرنے کے بعد مال نصاب زکوٰۃ کو پہنچ جاتا ہے تو قرضہ کی رقم مستثنیٰ کر کے باقی رقم کی زکوٰۃ ادا کرنی واجب ہو گی۔

دیا ہوا قرضہ اگر قابل وصول ہے تو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔

اور اگر ایک شخص ایسا ہے جس نے قرضہ دیا ہوا ہے اور کسی سے خود لیا بھی ہے۔ تو ایسی صورت میں اس کے لئے ہوئے اور دیئے ہوئے قرض کو منہا کرنے کے بعد اگر رقم قابل زکوٰۃ حد نصاب کو پہنچے والی بن سکتی ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی ورنہ نہیں۔

ہ - مرہونہ جائیداد (تعمیر شدہ و غیر تعمیر شدہ جائیداد وغیرہ) :

جائیداد دو قسم کی ہے۔ ایک وہ جو بغرض تجارت نہ ہو جیسے بغرض سکنیٰ ہو یا کرایہ پہ دے رکھی ہو۔ اور دوسری وہ جو بغرض تجارت ہو۔ یعنی ایک شخص جو زمینوں کا کاروبار کرتا ہے۔ خرید کرتا ہے اور پھر نفع پر فروخت کرتا رہتا ہے۔ اس کی زمین بغرض تجارت ہے تو وہ جائیداد جو بغرض تجارت ہے اس کی قیمت اور منافع دونوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اور جو جائیداد بغرض تجارت نہیں ہے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

- فی الدر المختار ولا فی ثیاب البدن و اثاث المنزل ودور السکنی ونحوھا۔ قولہ ونحوھا کثیاب البدن الغیر المحتاج الیھا وکالحوانیت و العقارات۔ (ج ۲ ص) (حوالہ ۵)

البتہ مرہونہ جائیداد اگر تجارتی ہے تو اس قرضہ کو منہا کیا جائے گا اس کے بعد اس میں

زکوٰۃ واجب ہوگی۔

ز) عطیات سرکاری یا غیر سرکاری اگر نقود کی قسم سے ہوں تو بعد حولانِ حول کے زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ اور اگر اراضی اور جاگیر کی قسم سے ہوں تو بغیر نیت تجارت زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اور اگر عروض اور سامان کی قسم سے ہوں جیسا کہ جہیز میں عورتوں کو دیا جاتا ہے تو اس میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

ليس في دور السكنى وثياب البدن واثاث المنازل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكوة۔

(شرح مع الهداية، ج۲ ص[illegible]) (حوالہ م)

ح) بیمہ کمپنی میں جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ واجب ہے جو اصل رقم ہے اور جو رقم سود کی کمپنی کی طرف سے ملتی ہے وہ حرام ہے۔ اس کو لے کر اپنے استعمال میں بھی لانا جائز نہیں اور نہ اس پر زکوٰۃ ہے۔

پراویڈنٹ فنڈ

پراویڈنٹ فنڈ کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک حصہ وہ جو کہ تنخواہ سے کاٹ کر ہر ماہ سرکار کے خزانہ میں جمع ہوتا ہے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ پراویڈنٹ فنڈ کے اس حصہ میں زکوٰۃ ہے یا نہیں۔ راجح قول یہ ہے کہ اس میں زکوٰۃ نہیں[1] اور دوسرا حصہ وہ ہوتا ہے جو کہ گورنمنٹ اپنی طرف سے ملازم کو عطا کرتی ہے۔ وہ عطیات کے حکم میں ہے۔ عطیہ اور ہبہ بغیر قبضہ کے تام نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ ملازم کے ملک میں تب آئے گا جب کہ اس کا قبضہ ہوگا۔ جب پراویڈنٹ فنڈ وصول ہوگا اس وقت سے اس پر بعد گزرنے سال کے زکوٰۃ واجب ہوگی۔

و) مویشی، شیر خانہ کی مصنوعات، زرعی پیداوار مع اناج، سبزیاں، پھل۔

۱) واضح رہے کہ مویشی چند قسم پر ہیں۔ ایک وہ کہ جو جنگل میں اس مقصد کے لئے چرائے جاتے ہیں کہ ان کی نسل بڑھے اور دودھ حاصل ہو۔ سو ایسے جانوروں پر زکوٰۃ واجب ہے اور

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ رسالہ "پراویڈنٹ فنڈ" مؤلفہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب۔ (مرتب خیر الفتاویٰ)

وہ زکوٰۃ تجارت کے جانوروں کی زکوٰۃ سے مختلف ہے جس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

۲۔ دوسرے وہ مویشی جو بغرض سواری، بار برداری اور گوشت حاصل کرنے کے لئے پالے جاتے ہیں ان میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

۳۔ تیسرے وہ مویشی جو تجارت اور خرید و فروخت کے لئے رکھے جاتے ہیں۔ ان میں زکوٰۃ واجب ہے۔ اسی طریق سے جو کہ مال تجارت میں ہوتی ہے۔ ۱/۴۰ حصہ ان کی قیمت سے ادا کرے۔

اما صفة نصاب السائمة فله صفات منها ان يكون معدا للاسامة وهو ان يسيمها للدر والنسل لما ذكرنا ان مال الزكوة هو المال النامي وهو المعد للاستنماء والنماء في الحيوان بالاسامة اذ بها يحصل النسل ويزداد المال فان اسيمت للحمل او الركوب او اللحم فلا زكوة فيها ولو اسيمت للبيع والتجارة ففيها زكوة مال التجارة۔

(بدائع ج ۲ صـ ۳۰ ؛ حوالہ ۹)

شیرخانہ کی مصنوعات — اگر شیرخانہ اس لئے قائم کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعے سے دودھ، مکھن، بالائی اور دودھ کی مصنوعات، مٹھائیوں وغیرہ کی تجارت کی جائے تو اس میں یقیناً زکوٰۃ واجب ہوگی۔ بوجہ مال نامی اور معد للتجارۃ ہونے کے۔

زرعی پیداوار مع اناج سبزیاں اور پھل — واضح رہے کہ عشری زمین سے جو پیداوار ہو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے اور اس زکوٰۃ کو عرف شرع میں "عشر" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے لئے یہاں اس قدر بیان کافی ہوگا کہ اگر آبپاشی پانی خرید کر کرتا ہے یا پانی مفت ہے مگر کنوئیں کے پانی سے کھینچ کر آبپاشی کرتا ہے تو اس صورت میں کل پیداوار کا ۱/۲۰ حصہ دینا واجب ہے۔

اور اگر بارش کے پانی سے آبپاشی کرتا ہے تو اس صورت میں ۱/۱۰ حصہ دینا واجب ہے۔

یہ عشر اناج، ساگ، ترکاری، پھل، پھول، میوہ وغیرہ ہر چیز میں واجب ہے۔ چاہے

یہ تمام کا تمام پانے والے کا ہوگا کوئی خمس اور پانچواں حصہ لازم نہیں ۔

حکم قسم سوم

مٹی کا تیل وغیرہ علاوہ ان تمام چیزوں میں بھی کوئی خمس اور پانچواں حصہ واجب نہیں ۔ تمام کا تمام پانے والے کا ہوگا ۔ ہاں اگر پارہ ہو تو امام اعظم رح کے نزدیک اس میں خمس واجب ہے ۔

نوٹ : یہ تمام احکام کتاب " البدائع الصنائع " سے لئے گئے ہیں جو فقہ حنفی کی معتبر کتاب ہے ۔

برآمد شدہ دفینہ

دارالاسلام میں برآمد شدہ دفینہ دو قسم کا ہے

١ : الف : جو کسی کو اپنی مملوکہ زمین کی کھدائی کرنے سے حاصل ہو ۔

٢ : ب : جو غیر مملوکہ زمین مثلاً پہاڑ ، جنگل وغیرہ سے مل جائے ۔ پھر یہ دفینہ باعتبار علامات بھی دو قسم پر ہے ۔

١ : الف : " ما فیہ علامۃ الاسلام " جس میں اسلامی علامات مثلاً نقش کلمہ طیبہ ، مسجد کی تصویر وغیرہ ہو ۔

٢ : ب : " ما فیہ علامۃ الکفر " جس میں زمانہ کفر کے علامات ہوں بت پرستوں ، یا صلیب نصاری وغیرہ کل چار قسمیں ہوگئیں ۔

زمین غیر مملوکہ میں حاصل ہونے والا		زمین مملوکہ سے حاصل ہونے والا	
جس پر علامت کفر ہو	جس پر اسلامی علامت ہو	جس پر علامت کفر ہو	جس پر اسلامی علامت ہو
اس کا حکم غنیمت کا ہے خمس کرے پانچواں حصہ [illegible] بیت المال میں داخل کرے باقی [illegible] [illegible] ۔ [illegible] [illegible] [illegible] الاموال المختلطہ ۔	وہ بھی لقطہ کے حکم میں ہے کیوں کہ یہ مال مسلمانوں کا ہے غنیمت نہیں بن سکتا ۔ اور لقطہ کے تمام مسائل اس کے متعلق جاری کئے جاتے ہیں ۔	اس کا خمس نکال کر باقی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ۔	یہ بھی لقطہ کے حکم میں ہے ۔ کما جاء فی عبارۃ البدائع والدر المختار وشرحہ ۔

یہ چار صورتیں ان دفینوں کی ہیں جو دار الاسلام میں پائے جائیں اور جو دار الحرب میں پایا جائے۔ اس کی تفصیلات اور ہیں۔ چونکہ وہ نادر الوقوع ہیں اس لئے ان کی تفصیل یہاں درج نہیں کی جاتی۔

مسائل لقطہ

۱۔ "لقطہ" اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی غیر محفوظ جگہ پر پڑی ہو۔ اور اس کا مالک معلوم نہ ہو۔

۲۔ اگر اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو اٹھا لینا بہتر ہے۔

۳۔ ضائع ہونے کا خطرہ نہ ہو تو اٹھانا مباح ہے۔

۴۔ اس نیت سے اٹھانا کہ خود استعمال کریں گے حرام ہے۔ اس طرح اٹھانے میں ضمان واجب ہے۔

۵۔ اٹھاتے وقت گواہ بنانا اپنے آپ کو ضمان سے بچانے کے لئے ضروری ہے۔ اگر گواہ نہ بنائے تو جب تک مالک تصدیق نہ کرے ضمان سے نہیں بچ سکتا۔ گواہ بنانے کی صورت یہ ہے کہ لوگوں میں کھڑا ہو کر اعلان کرے کہ میرے پاس مال لقطہ موجود ہے جس کا سامان گم ہوا ہو اسے میری طرف روانہ کیا جائے۔

۶۔ اٹھانے کے بعد اس مال کی تشہیر کرنا ضروری ہے۔ مساجد کے دروازوں اور عام مجمعوں میں بھی اعلان کرنا ضروری ہے۔

۷۔ "دس درہم" (تقریباً اڑھائی روپیہ) اور اس سے زائد کی مالیت کے لئے ایک سال تعریف کی جائے۔

۸۔ تین درہم سے دس درہم تک ایک ماہ تک۔ ایک درہم سے تین درہم تک ایک ہفتہ اور اس سے کمتر ایک دن۔ اور ایک پیسہ پانے کی صورت میں ادھر ادھر دیکھ کر فقیر کو دے دینا کافی ہے۔

۹۔ بعد تعریف کے اگر مالک نہ ملے تو فقیر پر خرچ کر دے۔ اگر خود فقیر ہو تو اپنے اوپر بھی صرف کر سکتا ہے۔ لیکن اگر بعد میں مالک آ گیا تو واپس کرنا لازم ہوگا۔

آثار قدیمہ

واضح رہے کہ آثار قدیمہ سے مراد اگر پرانے کھنڈرات ہیں تو ان پر کوئی چیز واجب نہیں ہے اور نہ اس کا کتابوں میں مستقل کوئی ذکر آتا ہے۔ البتہ اگر ان سے

نوٹ: دس درہم سے مراد دو تولے ساڑھے سات ماشے چاندی کی مالیت مراد ہے جس قدر میں اسکی جو بھی قیمت ہو (مرتب خیر الفتاوی)

کچھ مال و متاع برآمد ہو تو اس کا حکم " برآمد شدہ دفینہ " کے ذیل میں آچکا ہے۔

جنگلی یا پالتو مکھی کا شہد — شہد کے اندر چاہے وہ جنگلی مکھی کا ہو یا پالتو مکھی کا عشر لازم واجب ہے بشرطیکہ زمین عشری سے برآمد ہو۔ اگر شہد زمین خراجی سے برآمد ہو اس میں عشر واجب نہیں۔

ثم انما یجب العشر فی العسل اذا کان فی ارض العشر فاما اذا کان فی ارض الخراج فلا شئ فیہ۔ (بدائع - ج ۲ ص ۶۱)۔

جنگلی اور پالتو مکھی کے اندر فرق تتبع روایات سے معلوم نہیں ہوتا، دونوں میں عشر واجب ہے۔ امام اعظم رح کے نزدیک شہد کے اندر دیگر زروع و ثمار کی طرح نصاب شرط نہیں، قلیل و کثیر میں عشر واجب ہے۔

مچھلی، موتی اور پانی سے نکلنے والی دوسری اشیاء

ان اشیاء میں جو سمندر سے برآمد ہوتی ہیں۔ مثلاً موتی، مونگا، عنبر وغیرہ ان پر کوئی چیز واجب نہیں۔ اسی طرح مچھلی بھی از قسم شکار ہے، اس میں بھی کوئی عشر یا خمس واجب نہیں۔

فاما المستخرج من البحر کاللؤلؤ والمرجان والعنبر وکل حلیۃ تستخرج من البحر فلا شئ فیہ فی قول ابی حنیفۃ ومحمد وھو للواجد وعند ابی یوسف فیہ الخمس۔

(شامی ج ۲ ص ۶۸)۔

پٹرول — اس کا ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔ پٹرول، مٹی کا تیل اور ہر وہ چیز جو مائع متحرک اور دوڑنے والی (بہنے والی) ہو وہ بالکلیہ پانے والے کے لئے ہوتی ہے اس میں کوئی خمس وغیرہ نہیں۔

واما المائع کالقیر والنفط فلا شئ فیہ ویکون للواجد لانہ ماء وانہ مما لا یقصد بالاستیلاء فلم یکن فی ید الکفار حتی یکون من الغنائم فلا یجب فیہ الخمس۔

(بدائع ج ۲ ص ۶۸)۔

درآمد، برآمد: مال کی درآمد اور برآمد پر جو ڈیوٹی اور کسٹم موجودہ زمانہ میں حکومتوں کی طرف سے لگایا جاتا ہے، اس کی نظیر ہمیں شریعت میں نہیں ملتی۔ اور نہ اس کے جواز کے لئے کوئی ثبوت ہاتھ میں آتا ہے۔ البتہ کتب فقہ میں یہ ملتا ہے۔

الف: اگر اس کا مالک مسلمان ہے تو اس سے ۱/۴۰ حصہ بطور زکوٰۃ وصول کر لیا جائے اور اسے مصارف زکوٰۃ پر خرچ کیا جائے، اس کے مال سے اس سال کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔

ب: اگر اس کا مالک ذمی ہے تو اس سے ۱/۲۰ حصہ وصول کیا جائے۔ اگرچہ اس میں شرائط زکوٰۃ کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ لیکن اس کا صرف مصارف خراج پر ہوگا۔

ج: اگر اس کا مالک حربی ہے تو اس سے وہی ٹیکس لینا چاہئے جو کہ وہ ہمارے مسلم تجار سے لیتے ہوں۔ اگر وہ ۱/۲ لیں تو ہم بھی ۱/۲ لے سکتے ہیں۔ اگر وہ ۱/۴ لیں تو ہمیں بھی ۱/۴ لینا چاہئے۔ اگر ان کے متعلق معلوم نہ ہو سکے تو ۱/۱۰ وصول کر لیا جائے۔

(بدائع، ج ۲، ص ۳۶)۔

جن اموال میں زکوٰۃ واجب ہے کیا وہ تا قیامت وہی رہیں گے جو ابتدائے اسلام میں تھے

سوال ۹: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جن اموال پر زکوٰۃ واجب تھی کیا خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے ان کی فہرست میں کوئی اضافہ کیا؟ اگر کوئی اضافہ یا تبدیلی کی تو کن صورتوں میں؟

الجواب: آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں جن اموال پر زکوٰۃ واجب تھی حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے بھی انہی اموال پر زکوٰۃ کو عائد کیا۔ اور ان کے علاوہ دوسری چیزوں کی طرف تجاوز نہیں کیا۔ اور یہ حضرات اس معاملہ میں اپنی رائے سے دخل دے بھی نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ زکوٰۃ از قسم عبادات ہے یہ کوئی ٹیکس نہیں ہے کہ جس کے اندر زمانہ اور مصلحت کے لحاظ سے تبدیلی اور تغیر ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ یتیم کے مال پر نہیں۔ جو اموال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زکوٰۃ سے مستثنیٰ تھیں حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بھی مستثنیٰ رہیں۔

رائج الوقت سکوں کی زکوٰۃ کے بارے میں تفصیل

سوال ۱: کیا نکل کے سکوں اور سونے چاندی کے سوا دوسری دھاتوں کے رائج الوقت سکوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟ جو سکے رائج نہیں رہے، جو خراب ہیں یا جو حکومت نے واپس لے لئے ہیں، یا جو دوسرے ملکوں کے سکے ہیں، ان کا بھی اس سلسلہ میں شمار ہونا چاہیئے یا نہیں؟

الجواب: اس کی مختلف صورتیں ہیں۔

۱: وہ سکے جن میں سونا چاندی بھی ہے اور دوسری دھات بھی ہے، لیکن غالب اجزاء سونا اور چاندی ہیں تو اسے سونا اور چاندی تصور کیا جائے گا۔

فی الہدایۃ: وإذا كان الغالب على الورق الفضة فهو في حكم الفضة۔ اھ

۲: وہ سکے جن میں سونے اور چاندی کی مقدار کم ہے اور دوسرے اجزاء زیادہ ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ اصطلاح اور عرف میں مروّج سکے ہیں یا بغرض تجارت جمع کر رکھے ہیں تو ان کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اور اگر وہ اصطلاح اور عرف میں مروّج سکے نہیں ہیں اور نیت تجارت کی بھی نہیں ہے تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ البتہ ان سکوں میں اگر چاندی مخلوط ہے، وہ اگر اتنی مقدار کو پہنچ جائے جو چاندی کا نصاب ہے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ اھ بدائع میں اسی طرح ہے۔

وإن كان الغالب هو الغش والفضة مغلوبة فإن كانت أثمانا رائجة أو كان يمسكها للتجارة يعتبر قيمتها فإن بلغت قيمتها مائتي درهم من أدنى الدراهم التي تجب فيها الزكوة وهي التي الغالب عليها الفضة تجب فيها الزكوة وإلا فلا وإن لم تكن أثمانا رائجة ولا معدة للتجارة فلا زكوة فيها إلا أن يكون ما فيها من الفضة يبلغ مائتي درهم بأن

كانت كبيرة لأن الصفر لا تجب فيه الزكوة إلا بنية التجارة ۔ (بدائع ج ۲ صفحہ ۱۸)۔

۳۔ وہ سکے جو خالص پیتل، تانبے، قلعی وغیرہ دھاتوں کے ہیں ان میں سونے چاندی کی بالکل ملاوٹ نہیں ان کی دو صورتیں ہیں۔

ا۔ عرف اور اصطلاح میں مروج سکے ہیں اور لین دین میں کام آتے ہیں۔

ب۔ اب عرف اور اصطلاح میں مروج سکے نہیں رہے ہیں کسی زمانہ میں تھے۔

قسم اول کا حکم یہ ہے کہ اگر بغرض تجارت جمع کر رکھے ہیں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اگر ان کی قیمت نصاب شرعی چاندی کے برابر ہو جائے۔ یعنی دو سو درہم کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

اسی طرح قسم دوم کے سکے بھی عروض کے حکم میں ہیں۔ اگر نیت تجارت کے ساتھ جمع کر رکھے ہیں تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔ حوالہ کے لئے دیکھیں بدائع ج ۲ ص ۱۷۔

وهكذا روى عن الحسن عن أبي حنيفة فيمن كانت عنده فلوس أو دراهم رصاص أو نحاس أو مموهة بحيث لا يخلص فيها الفضة أنها إن كانت للتجارة يعتبر قيمتها فإن بلغت مائتي درهم من الدراهم التي تغلب فيها الفضة ففيها الزكوة وإن لم تكن للتجارة فلا زكوة فيها لما ذكرنا أن الصفر ونحوه لا تجب فيها الزكوة ما لم تكن للتجارة إلى قوله وإن لم تكن أثمانا رائجة فإن كانت سلعا للتجارة تعتبر قيمتها أيضا وإن لم تكن للتجارة ففيها الزكوة بقدر ما فيها من الفضة إن بلغت نصابا أو بالضم إلى ما عنده من مال التجارة ۔

۴۔ نوٹ: (ا) جو پاکستانی نوٹ ہیں ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اس حیثیت سے نہیں کہ یہ نوٹ خود مال ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ یہ ایک چیک، دستاویز اور وثیقہ مال ہے

جس شخص کے پاس اتنے نوٹ جمع ہو جائیں جن سے دو سو درہم چاندی حاصل ہو سکتی ہے تو اس مالیت پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

ب : غیر ملکی نوٹ اگر کسی کے پاس جمع ہوں تو ان کو پاکستانی نوٹوں کے ساتھ تبادلہ کر کے یا تبادلہ کا اندازہ کر کے جب دو سو درہم کی مقدار کو پہنچ جائیں تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

اموال ظاہرہ و باطنہ کی تعریف

سوال ؏۱ : مال ظاہر اور باطن کی کیا تعریف ہے ؟ اس سلسلہ میں بنکوں کے اندر جمع شدہ رقوم کی کیا حیثیت ہے ؟

الجواب حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ جو کہ قرآن و حدیث کے ماہر ہیں فرماتے ہیں کہ اموال زکوٰۃ دو قسم ہیں۔ ظاہرہ۔ باطنہ۔

ا : اموال ظاہرہ سے مراد مواشی ، اونٹ ، بکریاں ، گائے وغیرہ ہیں جو جنگل میں چرتے ہیں۔ اور وہ اموال تجارت بھی جو تجار کے ملک میں لے کر عشر کی شکل کے عامل کے پاس سے گزرتے ہیں۔

ب : اموال باطنہ سے مراد سونا ، چاندی اور وہ تجارتی مال ہے جو کہ دکان یا موضع تجارت میں رکھا ہوا ہو۔ قسم اول کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق امام اور اس کے نائبوں کو حاصل ہے چند شرائط کے ساتھ ، جس کی تفصیل کا اور مقام ہے۔

قسم دوم کی زکوٰۃ ارباب اموال کے سپرد ہے وہ خود ادا کریں۔ اور اگر وہ اپنی زکوٰۃ امام کی طرف سے ؟ تو امام کو قبول کرنے کا اختیار ہے۔

والدلیل علی ذالک ما فی البدائع - ج ۲ ص ۳۵ -

« اما الاول فمال الزکوٰۃ نوعان ظاهر وهی المواشی والمال الذی یمر به التاجر علی العاشر وباطن وهو الذهب والفضة واموال التجارة فی مواضعها اما الظاهر فللامام ونوابه وهم المصدقون من السعاة والعشار ولایة الاخذ .... ثم قال

بعد السعاة اما المال الباطن الذي يكون في المصر فقد قال عامة مشايخنا ان رسول الله صلى الله عليه وسلم طالب بزكاته وابو بكرؓ وعمرؓ طالبا و عثمانؓ طالب زمانا ولما كثرت اموال الناس ورأى ان في تتبعها حرجا على الامة وفي تفتيشها ضررا بارباب الاموال فوض الاداء الى اربابها وذكر امام الهدى الشيخ ابو منصور الماتريدي السمرقندي رحمه الله لم يبلغنا ان النبي صلى الله عليه وسلم بعث في مطالبة المسلمين بزكوة الورق واموال التجارة ولكن الناس يعطون ذالك ومنهم من كان يحمل ذالك الى الائمة فيقبلون منه ذالك ولا يسألون احدا عن مبلغ ماله ولا يطالبونه بذالك وقال في ملك لان زكوة الاموال الباطنة مفوضة الى اربابها اذا كانوا يتجرون بها في المصر۔ (بدائع)۔

اس سلسلہ میں بینک میں جمع شدہ رقوم اموال باطنہ کے ذیل میں داخل ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ رقوم شہروں میں اور مواضع تجارت میں ہوتی ہیں۔

اور اموال ظاہرہ میں شرط مرور علی العاشر موجود ہے۔ جو یہاں مفقود ہے۔ علاوہ ازیں بینکوں میں جمع شدہ رقوم کی حیثیت امانت کی ہوتی ہے۔ اگر ایک شخص کا روپیہ کسی کے پاس امانت ہو تو امانت کے اندر ہونا اس کے باطن ہونے میں مخل نہیں۔ لہذا بینکوں میں جمع شدہ رقوم اموال باطنہ ہیں [illegible] (محمد فرید مرتب)

سوال ۱۱ :- اغراض زکوٰۃ کے لئے مال نامی (نمو پذیر) کے حدود بیان کیجئے!

مال نامی سے کیا مراد ہے

کیا صرف مال نامی پر زکوٰۃ واجب ہوگی ؟ -

الجواب زکوٰۃ کے وجوب کے لئے تقریباً نو شرطیں ہیں۔ بعض شرطیں مالک کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں، اور بعض مال کے ساتھ۔

مکلف کے ساتھ تعلق رکھنے والی شرطیں۔

۱:- حریت ۔ ۲:- اسلام ۔ ۳:- بلوغ و عقل

مال کے ساتھ تعلق رکھنے والی شرطیں۔

۱:- مال کا نصاب ہونا ۔

۲:- ملک تام ہونا ۔

۳:- مال کا حاجت اصلیہ سے فارغ ہونا ۔

۴:- مال کا دین سے فارغ ہونا ۔

۵:- حولان حول ہونا ۔

۶:- مال کا نامی ہونا ۔

مال کا نامی ہونا ان شرائط میں سے ہے جن کے بغیر مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ نمو دو قسم ہے ۔ نمو حقیقی ۔ نمو تقدیری ۔

۱ ۔ نمو حقیقی : وہ ہے جو مویشی اور مال تجارت میں پایا جاتا ہے ۔ سال کے بعد حقیقۃً مویشی بذریعہ توالد و تناسل بڑھ جاتے ہیں ۔ اور مال تجارت بھی بوجہ منافع کے حقیقۃً بڑھ جاتا ہے ۔

۲ ۔ نمو تقدیری : وہ ہے کہ مال اس کے پاس یا اس کے نائب (امین ، وکیل) کے پاس رکھا ہو ۔ اگر وہ چاہے تو استثمار کر سکتا ہے ۔ پھر ہر ایک ان میں سے دو قسم پر ہے ۔ خلقی ، فعلی ۔

۱ ۔ خلقی : وہ ہے جو پیدائشی طور پر اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر رکھ دیا ہے جیسا کہ سونا اور چاندی ۔ ان دونوں دھاتوں کو اللہ تعالیٰ نے صفت "نماء" کے ساتھ پیدا فرمایا ہے ۔ کیونکہ ان دونوں کے ساتھ نفع اٹھانا بالاعیان ممکن نہیں جب تک کہ ان کی فروخت نہ کی جائے ۔ لہذا ان دونوں دھاتوں میں جب "نماء" خلقی ہوا تو اب دونوں میں زکوٰۃ واجب ہو جائے گی ۔ چاہے نیت تجارت کرے یا نہ کرے ۔

۲ : نماء فعلی یا فعلی : وہ ہے جو ان دونوں کے ماسوا ، باقی تمام اشیاء میں ہوتا ہے

مویشیوں میں بہ نیت اسامت ہوتا ہے اور اموال تجارت میں تجارت کی نیت کے ساتھ ہوتا ہے۔

تنبیہ — نیت تجارت و اسامت اس وقت معتبر ہوتی ہے جب کہ فعل تجارت، اور اسامت کے ساتھ متصل ہو۔ پھر نیت تجارت صراحۃً ہوتی ہے یا دلالۃً۔ صراحۃً کی مثال یہ ہے کہ خرید و فروخت کرتے وقت یہ ارادہ ہو کہ میں اس سامان میں تجارت کروں گا۔ اور دلالۃً یہ ہے کہ خریدتے وقت ارادہ کچھ نہ ہو لیکن خرید و فروخت عروض سے تجارت میں واقع ہو۔ پس نمو کی چار قسمیں ہو گئیں جن کی وضاحت کے لئے نقشہ ذیل ملاحظہ فرما دیں۔

نمو حقیقی — خلقی	نمو حقیقی — فعلی	نمو تقدیری — خلقی	نمو تقدیری — فعلی
اس کی مثال وہ سونا چاندی ہے جو تجارت میں لگایا گیا ہو اس کا نمو حقیقی ہو کہ تجارت کیونکہ حقیقۃً نمو حاصل ہے اور خلقی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے سونا چاندی کو وصف نما کے ساتھ پیدا فرمایا ہے	اس کی مثال عروض تجارت ہے جو سونا چاندی کے علاوہ ہو یا سوائم ان کا نما حقیقی ہوتا ہے لیکن چونکہ ارادہ اور نیت اور عمل تجارت یا اسامت کو اس میں دخل ہوتا ہے۔	سونا چاندی جو تجارت میں مشغول نہیں ہے اس کا نما تقدیری ہوتا ہے یعنی مالک اگر چاہتا تو اسے تجارت پر لگا سکتا ہے۔	سوائم اور عروض تجارت جن کے اندر نیت تجارت یا اسامت تو کر چکا ہے لیکن حقیقۃً ابھی تک نما نہیں ہوا۔

واضح رہے کہ بغیر وصف نما کے مال کے اندر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ یہ تمام مسائل فتاویٰ عالمگیری سے لئے گئے ہیں۔

کرایہ پر دی جانے والی اشیاء کی مالیت پر زکوٰۃ کا حکم

سوال ۱۳: جو مکان، زیورات دوسری چیزیں کرایہ پہ دی جاتی ہیں ان پہ اور ٹیکسی گاڑی موٹر وغیرہ پہ زکوٰۃ لگانے کے کیا قاعدے ہیں؟

الجواب جو چیز کرایہ پر چلائی جاتی ہے مثلاً مکانات، شامیانے، دیگیں، سائیکل، موٹر گاڑی وغیرہ اسی طرح طلح کے زیورات جو کرایہ پر دینے کے لئے تیار کئے گئے ہوں ان سب پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ البتہ ان سب کی آمدنی سے جو سرمایہ جمع ہوگا اس پر بعد حولانِ حول زکوٰۃ واجب ہوگی۔ ہاں اگر ایک شخص ان کو تجارت کے لئے خریدتا ہے تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ لیکن اگر پھر کرایہ پر دینا شروع کر دے تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔

البتہ سونے چاندی کے زیورات اگرچہ وہ کرایہ پر بھی دیئے جائیں تب بھی ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔ کیونکہ جب استعمال کرنے سے سونے اور چاندی کے زیورات کی زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی تو کرایہ پر دینے کی وجہ سے بھی ساقط نہیں ہو سکتی۔ عالمگیری قاضی خان (ج ۱ ص ۱۸۱)۔

ولو اشترى الرجل دارا او عبدا للتجارة ثم آجره يخرج من ان يكون للتجارة لانه لما آجره فقد قصد المنفعة ولو اشترى قدورا من صفر يمسكها او يؤاجرها لا تجب الزكوة۔

جانوروں کی زکوٰۃ کا حکم

سوال ۱۲۵ کسی آدمی کے کن کن مملوکہ جانوروں پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے؟ اس سلسلہ میں بھینسوں، مرغیوں، دوسرے پالتو اور شوقیہ پالے ہوئے جانوروں کی حیثیت کیا ہے؟ کیا ان کی زکوٰۃ نقدی کی شکل میں یا جنس کی صورت میں یا دونوں طرح دی جا سکتی ہے۔ کسی آدمی کے مختلف مملوکہ جانوروں کی کتنی مقدار پر اور کن حالات میں زکوٰۃ واجب ہونی چاہیئے؟

الجواب زکوٰۃ تمام جانوروں میں سے صرف مندرجہ ذیل جانوروں پر بمع ان شرائط کے جو درج ذیل ہیں واجب ہوتی ہے۔

(۱) اونٹ: ان میں عربی، بختی، ہر قسم کے اونٹ داخل ہیں۔

(ب) گائے: اس میں بیل، بھینس سب شامل ہیں۔

(ج) بکری: اس میں بھیڑ، دنبہ، سب شامل ہیں۔

ان کے علاوہ دوسرے کسی جانور پر مرغی، کبوتر، گدھا وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ جن جانوروں (اونٹ، گائے، بکری) پر زکوٰۃ واجب ہے اس کے لئے حسب ذیل شرائط ہیں۔

۱۔ ان جانوروں کو جنگل میں چرایا جاتا ہو۔ اگر گھر میں چرایا جاتا ہے اور چارہ ڈالا جاتا ہے تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ پہلی قسم کو "سائمہ" اور دوسری قسم کو اصطلاح میں "علوفہ" کہتے ہیں۔ اگر یہ صورت ہو کہ سال کے کچھ عرصہ میں گھر کے اندر چارہ ڈال کر چرایا جاتا ہے۔ اور کچھ حصہ سال میں جنگل کے اندر چرایا جاتا ہے تو اکثر کا اعتبار ہوگا۔ اگر اکثر حصہ سال کا جنگل میں چرتے ہیں۔ اور تھوڑے دنوں گھر میں تکلیف برداشت کی جاتی ہے تب تو یہ "سائمہ" ہیں ورنہ "علوفہ"۔

فان كانت تسام فى بعض السنة وتعلف فى البعض فان اسيمت فى اكثرها فهى سائمة والا فلا۔ كذا فى المحيط عالمگیری ج ۱ ص (۱۰)

۲۔ ان جانوروں کو جنگل میں چرانا (جیسے اصطلاح فقہاء میں "اسامت" کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے) بغرض نسل کشی اور دودھ ہو۔ لہٰذا جن جانوروں کی اسامت بغرض حمل، رکوب اور گوشت ہوگی ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ عالمگیری ج ۱ ص ۱۹۰ میں ہے۔

حتى لو اسيمت للحمل والركوب لا للدر والنسل فلا زكوة فيها كذا فى محيط السرخسى وكذا لو اسيمت للحم

بدائع ج ۲ ص ۳۰ میں ہے۔

منها ان يكون معدا للاسامة وهو ان يسيمها للدر والنسل لما ذكرنا ان مال الزكوة هو المال النامى وهو المعد للاستنماء والنماء فى الحيوانات بالاسامة اذ بها يحصل النسل فيزداد المال فان اسيمت للحمل او الركوب او اللحم فلا زكوة فيها ولو اسيمت للبيع والتجارة ففيها زكوة مال التجارة لا زكوة السائمة۔

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ جنس واحد ہو۔ مثلاً اونٹ اگر علیحدہ پہلے نصاب کو پہنچ جائیں اسی طرح اگر گائے ہو تو بھی نصاب کو پہنچ جائے۔ ایک جنس کا نصاب دوسری جنس سے پورا نہ کیا جائے گا۔ بدائع ج ۲ میں ہے۔

"ومنها ان يكون الجنس فيه واحداً من الابل والبقر (ص۳۰)۔"

زکوٰۃ کے اندر جنس بھی دیا جا سکتا ہے اور قیمت بھی دی جا سکتی ہے۔

"واداء القيمة اداء مال مطلق مقدر بقيمة المنصوص عليه بنية الزكوٰة فيجوز الى قوله بخلاف الهدايا والضحايا لان الواجب فيهما اراقة الدم اھ (بدائع ج۲ ص۳۹)۔"

اونٹوں کی زکوٰۃ کے لئے نصاب کم از کم پانچ مقرر ہے۔ پانچ سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ اس کے بعد جب اونٹوں کی تعداد بڑھتی جائے تو زکوٰۃ کی مقدار بھی بڑھتی جاتی ہے۔ زیادہ تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

بکریوں کی زکوٰۃ کے لئے کم از کم تعداد شریعت میں چالیس مقرر ہے۔ اس سے کم تعداد میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ جب بکریاں چالیس کی مقدار کو پہنچ جائیں تو ان میں سے ایک بکری کی ادائیگی واجب ہو جاتی ہے۔

گائے بیل بھینس کے لئے نصاب مقرر تیس ہے۔ جب ان کی تعداد تیس ہو جائے تو ان میں ایک بچھڑا جس کی عمر ایک سال ہو اور دوسرے سال میں داخل ہو چکا ہو، دینا لازم ہے۔ اسے اصطلاح میں تبیع کہتے ہیں۔

کس مال میں کتنی زکوٰۃ واجب ہوگی

سوال ۱۰: جن مختلف سامانوں اور چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ان پر زکوٰۃ کس شرح سے لی جائے؟

الجواب: جانوروں کے متعلق ابھی ابھی تحریر ہو چکا ہے۔ سونا چاندی اور اموال تجارت پر ۱/۴۰ زرعی پیداوار پر بعض حالات میں ۱/۱۰ اور بعض حالات میں ۱/۲۰ واجب ہوتا ہے۔ اور معادن و دفینہ میں ۱/۵ جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کسی کو شرح زکوٰۃ میں تبدیلی کی اجازت نہیں

سوال ۱۱: خلفاء راشدین کے دور میں نقدی، منقولہ، مویشیوں، سامان تجارت، زرعی پیداوار پر زکوٰۃ کی شرح میں کوئی تبدیلی کی گئی ہے؟ اگر ایسا ہو تو سند کے ساتھ تفصیل

وجوہ بیان کیجئے۔

الجواب ہمارے علم میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ہے کہ حضرات خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مقادیر زکوٰۃ میں اپنی رائے سے تبدیلی کی ہو۔ بلکہ مقادیر سب آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیان فرمودہ ہیں۔ فی خمس ذود من الابل شاۃ۔ اور اس قسم کی مقادیر جو اس باب میں ہیں ان میں کوئی قیاسی نہیں۔ جس طرح کہ تعداد رکعات فرض وغیرہ سب منقولات سے ہیں۔ پہلے عرض ہو چکا ہے کہ زکوٰۃ از قسم عبادات ہے نہ کہ از قسم ٹیکس وخراج۔ اس لئے اس میں سیاسی مصالح کو اور اپنی رائے کو دخل نہیں۔ حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے شرح زکوٰۃ میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی۔

دوسو درہم پانچ اوقیہ سکہ کے لحاظ سے کتنے بنتے ہیں

سوال ۸: نقدی کی صورت میں اگر زکوٰۃ دو سو نقرئی درہم اور بیس طلائی مثقال میں واجب ہو تو یہ سکے کتنے پاکستانی روپوں کے برابر ہوں گے۔ اناج کی صورت میں صاع و وسق پاکستان کے مختلف علاقوں میں کن مروجہ اوزان کے برابر ہوں گے؟

الجواب حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز بہشتی زیور کے اندر ارشاد فرماتے ہیں کہ: دو سو درہم کا وزن انگریزی روپوں کے حساب سے ساڑھے باون تولہ چاندی۔ اور بیس مثقال سونا ساڑھے سات تولہ سونے کا وزن ہوتا ہے۔ اور صاع کا وزن اسی تولے کے سیر سے تین سیر ۱۰ چھٹانک ہوتا ہے۔ اور ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ اس کے لحاظ سے ایک وسق میں پانچ من تیرہ سیر ۸ چھٹانک وزن آئے گا۔

نصاب اور مقدار واجب میں تبدیلی کا حکم

سوال ۹: کیا موجودہ حالات کے پیش نظر نصاب (درہم یا کم از کم سرمایہ جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے) اور زکوٰۃ کی شرح میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی؟ اس مسئلے پر اپنے خیالات دلائل کے ساتھ پیش کریں۔

الجواب: موجودہ حالات اور ما حضر یہ مستقبلہ حالات میں بھی کوئی وجہ جواز ان لوگوں کے لئے زکوٰۃ دوسرے مد میں تبدیلی کی پیدا نہیں ہوسکتی۔ سبب یہ ایک تعبدی تشریعی حکم ہے۔ کوئی سیاسی اور مبنی بر مصلحت نہیں تو اس میں تبدیلی کیسی!

کتنی مدت گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی

سوال ۱۹۱: مختلف اثاثوں اور سامانوں پر کتنی مدت گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہے؟

الجواب: جن چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہے اور جن پر نہیں، ان کی مشروح مدت بتفصیل سے گزر چکی ہے۔

سال میں جتنی پیداوار اٹھائی جائیں ہر پیداوار سے عشر دیا جائے

سوال ۱۹۲: اگر ایک سال میں کئی فصلیں ہوں تو کیا سال میں صرف ایک بار زکوٰۃ ادا کی جائے یا ہر فصل پر؟

الجواب: حولان حول یعنی سال گزرنے کی شرط زرعی پیداوار کے علاوہ اور چیزوں کے لئے ہے۔ زرعی پیداوار تو جب بھی اٹھائی جائے گی اس وقت اس کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگی۔ اگر سال میں دو مرتبہ پیداوار اٹھائی جائے تو دو دفعہ عشر دینا ہوگا۔ لقولہ تعالیٰ وآتوا حقہ یوم حصادہ۔ الآیۃ

زکوٰۃ میں قمری سال کا اعتبار ہے یا شمسی کا

سوال ۱۹۳: زکوٰۃ قمری سال کے حساب سے واجب ہونی چاہئے یا شمسی سال کے حساب سے؟ کیا زکوٰۃ کی تشخیص اور وصول کے لئے کوئی مہینہ مقرر ہونا چاہئے؟

الجواب: زکوٰۃ اور دیگر امور کے اندر مثلاً اجارہ بلوغ وغیرہ میں قمری سال کا اعتبار ہے زکوٰۃ کا وجوب بھی قمری سال سے ہوگا۔ جس دن سے ایک شخص نصاب کا مالک ہوتا ہے۔ اس دن سے قمری سال پورا ہونے کے زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہو جائے گی اور سال میں کوئی خاص مہینہ زکوٰۃ کے لئے مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ کیوں کہ زکوٰۃ کا وجوب ملک نصاب سے ہوتا ہے

جب غنا کے لئے اور ملک نصاب کے لئے کوئی ماہ مقرر نہیں تو وجوب ادا کے لئے تعیین ماہ کیسے کی جا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ سال کے مختلف حصوں میں زکوٰۃ ادا کرتے رہتے ہیں۔

مصارفِ زکوٰۃ کی تفصیل

سوال ۱۸۸: زکوٰۃ کی رقم کن مصارف میں خرچ ہونی چاہیئے؟

الجواب: زکوٰۃ کے لئے مندرجہ ذیل مصارف ہیں۔

(۱) فقیر: اصطلاح شریعت میں فقیر اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس تھوڑا بہت مال ہے لیکن اتنا نہیں کہ نصاب زکوٰۃ کو پہنچ جائے۔ یا اتنا مال و اسباب ہے کہ اس کی مالیت نصاب زکوٰۃ کو پہنچ جاتی ہے لیکن وہ حاجت اصلیہ کے ساتھ مشغول ہے تو ایسی صورت میں یہ شخص فقیر ہی رہے گا۔ اور مستحق زکوٰۃ ہو سکے گا۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۹۰)

مثلاً ایک شخص کے رہنے کا گھر اور پہننے کے لئے کپڑے اور کام کاج کے لئے نوکر چاکر اور گھر کا اثاثہ جو اکثر کام میں آتا ہے، موجود ہے۔ لیکن ان چیزوں کے علاوہ کوئی نقد مال و رقم جو نصاب کو پہنچے یا زیور جو نصاب کو پہنچ جائے، نہیں ہے۔ یا ہے لیکن قرض کے ساتھ مشغول ہے۔ ایسی صورت میں یہ شخص اصطلاحاً فقیر ہے۔

ولا بأس ان يعطى من الزكوة من له مسكن وما يتأثث به في منزله وخادم وفرس وسلاح وثياب البدن وكتب العلم لاهله۔ (شامی ج ۲ کتاب الزکوٰۃ)۔

۲۔ مسکین: اصطلاح شریعت میں "مسکین" اسے کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ مانگ کر کھاتا ہے۔ یہ شخص فقیر سے زیادہ محتاج اور مفلوک الحال ہوتا ہے۔

ومنها المسكين وهو من لا شيء له فيحتاج الى المسئلة لقوته او ما يوارى بدنه ويحل له ذلك بخلاف الاول حيث لا تحل له المسئلة فانها لا تحل لمن يملك قوت يومه بعد سترة بدنه كذا في الفتح۔

(عالمگیری ج ۱ ص ۱۸۸)

۳ : العاملین : اصطلاح فقہاء میں "عاملین" انہیں کہتے ہیں جن کو امام نے جزیہ و عشر و دیگر صدقات وصول کرنے پر مقرر کیا ہو۔ ایسے شخص کو ان ہی صدقات میں سے جنہیں وہ وصول کرے گا، بقدر کفایہ دیا جائے گا۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۸۸)

متعلقات : ا : واضح رہے کہ فقیر اور مسکین کا استحقاق بحیثیت حاجت ہے اور عامل کا استحقاق بحیثیت عمالہ ہے۔ لہذا عامل اگر غنی ہو تو بھی دینا درست ہے۔

ب : عامل کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ بحیثیت عمالہ ہے۔ اس قید سے واضح ہو جانا چاہئے کہ جو کچھ اسے ملتا ہے وہ اجرت نہیں کیونکہ اجرت میں جہالت مفسد عقد ہوتی ہے۔ یہاں جہالت مفسد نہیں ہوتی۔ امام اس کی ضروریات کو مدنظر رکھ کے اس زکوٰۃ میں سے کچھ حصہ نکال کر دے دیتا ہے جو کہ اسے کافی ہو جائے۔ لیکن اگر اس کی ضروریات اتنی زیادہ ہوں جو کہ اس کی وصول کردہ تمام زکوٰۃ کو محیط ہو جائیں تو اس صورت میں نصف سے زائد نہ دیا جائے گا۔

(عالمگیری نقلاً عن البحر ص ۱۸۸)

ج : عامل کو جو کچھ دیا جائے گا اس کی وصول کردہ زکوٰۃ سے دیا جائے گا۔ حتیٰ کہ اگر اس کی وصول کردہ زکوٰۃ ضائع ہو گئی تو اس کی عمالہ بھی ضائع ہو جائے گی۔

۴ : فک الرقاب : چوتھا مصرف زکوٰۃ "فک رقاب" ہے۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ کسی ایسے غلام کی امداد کی جائے جس نے اپنے مولیٰ کے ساتھ عقد کتابت کیا ہوا ہے۔ اور روپیہ جمع کر کے اپنے مولیٰ کو دے کر اپنے آپ کو آزاد کرانا چاہتا ہے۔ سو ایسے غلام کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ اگرچہ وہ غنی ہو۔ کیونکہ اس کا حق مشغول بالحاجت ہے۔

ومنها الرقاب ، هم المكاتبون ، يعانون في فك رقابهم كذا في محيط السرخسي ويجوز الدفع الى مكاتب غنى علم بذالك اولم يعلم كذا في العالمگيری ج ۱ ص ۱۸۸

۵ : الغارمین : غارمین غارم کی جمع ہے۔ اصطلاح میں غارم اسے کہتے ہیں جس پر قرضہ کا بوجھ ہو اور وہ نصاب کا مالک نہ ہو، یا نصاب کا مالک تو ہے لیکن وہ نصاب قرض کے اندر مستغرق ہے۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۸۸)

۶۔ "وفی سبیل اللہ" : اس کی تفسیر میں "صاحب ہدایہ" نے تحریر فرمایا ہے کہ "فی سبیل اللہ" سے مراد انواع خیر و جملہ عبادات مراد ہیں۔ اس میں حج یا غزوہ کی تخصیص مناسب نہیں۔ لہٰذا ہر وہ شخص جو ان عبادات میں اور وجوہ خیر میں کوشش کرنے والا ہو، مثلاً طلباء علوم دینیہ، مبلغین اسلام کو زکوٰۃ دینی جائز ہے بشرطیکہ محتاج ہوں۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں اس سے مراد فقراء غزاۃ ہیں اور امام محمدؒ کے نزدیک منقطع محتاج مراد ہیں۔

۷۔ "وابن السبیل" : وہ مسافر جس کا سفر میں زاد راہ ختم ہو گیا، اگرچہ وطن میں مال موجود ہے اور غنی رکھتا ہے۔ لیکن چونکہ فی الحال یہ فقیر ہے لہٰذا اس کو بھی زکوٰۃ دیا جاتا ہے۔

فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے

سوال ۲۳ : قرآن حکیم میں جن آٹھ مصارف میں زکوٰۃ خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ان کی حدود بیان کیجئے بالخصوص اصطلاح "فی سبیل اللہ" کے معنی و مفہوم کی وضاحت کیجئے۔

الجواب : سوال نمبر ۲۲ میں مصارف دریافت کئے گئے تھے اس کے جواب میں آیت شریفہ "انما الصدقات للفقراء والمساکین" الآیۃ کے اندر جو آٹھ تعین اور ان کے انواع مذکور ہیں۔ ہم نے ان کی تشریح کر دی ہے بحمد اللہ تعالیٰ۔ اب دو امر باقی ہیں۔

"مؤلفۃ القلوب" جو قرآن میں مذکور ہے مگر ہم نے مصارف میں نہیں لکھا، اور "فی سبیل اللہ" کی وضاحت۔

"مؤلفۃ القلوب" : یہ رؤساء قریش میں چند وجاہت والے لوگ تھے جیسے ابو سفیان بن حرب، صفوان بن امیہ، اقرع بن حابس، عیینہ بن حصن وغیرہ ان لوگوں کو شان و شوکت حاصل تھی اور ان کے اتباع کثیر تھے۔ بعض ان میں سے حقیقۃً اسلام لے آئے تھے اور بعض علی وجہ النفاق مسلمان ہو چکے تھے۔ ان لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقات میں سے کچھ حصہ دیتے تھے تاکہ اسلام میں مضبوط ہو جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اکثر حضرات ان میں سے مخلص مسلمان بن گئے۔

صفوانؓ بن امیہ فرماتے ہیں کہ جب آپؐ نے مجھے عطا فرمایا تو آپؐ میرے نزدیک مبغوض ترین تھے پھر آپ مجھے برابر دیتے رہے حتیٰ کہ آپ میرے نزدیک محبوب ترین خلائق ہو گئے۔

یہ حصہ مؤلفۃ القلوب کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک تک تھا۔ بعد وفات
آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کا حصہ ساقط ہو گیا۔ چنانچہ خلافت صدیقی میں یہ لوگ حضرت
ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک فرمان لکھوا کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس
لائے کہ " ہمیں زکوٰۃ دی جائے " حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ خط لے کر
پھاڑ دیا۔ اور فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ لوگوں کو دینا تالیف قلب کے لئے تھا
تاکہ تم لوگ اسلام پر پکے رہو۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اسلام کو قوت اور شوکت عطا فرمائی
ہے۔ اگر اسلام پر قائم رہو گے تو بہتر، ورنہ ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔
اس بات کو سن کر یہ لوگ واپس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور
کہا کہ خلیفہ آپ ہیں یا حضرت عمرؓ؟ تو حضرت صدیق رضؓ نے فرمایا " ان شاء ھو "
یہ جملہ فرما کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمرؓ کے فعل کی تصویب فرمائی۔ اور
تمام صحابہ رضؓ اس پر متفق ہو گئے۔ اس طرح یہ اجماع قائم ہو گیا۔ واضح رہے کہ یہ سقوط سہم
الاسباب انتہاء الحکم بانتہاء العلۃ سے ہے۔

بعض احکام ایسے ہوتے ہیں جو کسی علت کے ساتھ معلول ہوتے ہیں اور معلق ہوتے ہیں جب
علت ختم ہو جائے تو حکم بھی ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اس چیز کی معرفت حضرات صحابہ کرام رضؓ یا
تابعین رہ کو تھی۔

فی سبیل اللہ

فی سبیل اللہ کے متعلق پہلے بیان ہو چکا ہے کہ امام ابو یوسف رہ کے نزدیک اس
سے مراد فقیر غازی رہا ہے۔ کیونکہ سبیل اللہ کا اطلاق عرف شرع میں
جہاں بھی آیا ہے اس سے مراد یہی ہوتا ہے۔ اور امام محمد رہ کے نزدیک وہ شخص ہے جو حج کو گیا
لیکن بوجہ اتلاف زاد راہ منقطع ہو گیا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنا اونٹ اللہ کی
راہ میں وقف کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس پر حاجی کو سوار کرو۔

لیکن " صاحب بدائع " فرماتے ہیں کہ اس کو عام رکھنا مناسب ہے۔ ہر وہ شخص جو اللہ
کے دین کے لئے سعی کرتا ہے اور عبادات میں سرگرم رہتا ہے، مثلاً طلباء علوم دینیہ
اور مبلغین دین۔ اگر یہ محتاج ہوں تو ان کو دینا فی سبیل اللہ ہو گا۔

مصارفِ زکوٰۃ میں سے کسی ایک مصرف کو بھی ساری زکوٰۃ دے سکتے ہیں !

سوال ۲۲۱ : کیا یہ لازمی ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کا ایک حصہ ان مصارف میں سے ہر ایک مصرف پر خرچ کرنے کے لئے الگ رکھا جائے جن کا قرآن کریم میں ذکر ہے۔ یا زکوٰۃ کی پوری رقم قرآن مجید میں بتائے ہوئے تمام مصارف پر خرچ کرنے کی بجائے ان میں سے کسی ایک یا چند مصارف میں بھی خرچ کی جا سکتی ہے ؟

الجواب: زکوٰۃ کا نصاب رکھنے والا اس کا پابند نہیں کہ وہ تمام مصارف مذکورہ فی القرآن پر زکوٰۃ صرف کرے۔ حاکم وقت بھی اس پابندی میں بصورت حرج اور تنگی ہے۔ بلکہ حکم شرعی جو سنت اور اجماعِ صحابہؓ سے ثابت ہے وہ تعمیم اور تخصیص ہے۔ اگر چاہے تو ان تمام مصارف پر برابر تقسیم کرے یا کمی بیشی کے ساتھ یا مصلحت کا لحاظ رکھتے ہوئے بعض مصارف کو ترجیح دے اور دوسرے بعض میں خرچ نہ کرے۔

(بدائع ج ۲ ۔ ص ۴۶ ، میں ہے ، "فله ان یصرف الی واحد من الاصناف بغیر خلاف بین اصحابنا" ۔)

مؤلفۃ القلوب کا حصہ ساقط ہو چکا ہے۔ غنی جسکے پاس کچھ نہ ہو اس کے لئے زکوٰۃ لینا منع ہے نیز سادات بنی ہاشم کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے

سوال ۲۲۲ : مستحقین زکوٰۃ کے ہر طبقہ میں کسی فرد کو کن حالات میں زکوٰۃ لینے کا حق پہنچتا ہے۔ پاکستان کے مختلف حصوں میں جو حالات پائے جاتے ہیں ان کی روشنی میں اس امر کی وضاحت کی جائے کہ سیدوں (بنی ہاشم) سے تعلق رکھنے والے دوسرے افراد کو زکوٰۃ لینے کا کہاں تک حق پہنچتا ہے ؟

الجواب: مصارف زکوٰۃ کے ضمن میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ آٹھ قسموں میں سے جو قرآن مجید میں مذکور ہیں "مؤلفۃ القلوب" کا حصہ ساقط ہو چکا ہے باجماعِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ باقی سات قسمیں جو مذکور ہیں ان میں سے عاملین کے سوا، باقی اقسام کو زکوٰۃ کا استحقاق بحالت فقر و احتیاج ہے۔ عاملین کا استحقاق بوجہ عمالہ ہے، غنی ہونے کے باوجود لے سکتے ہیں۔

۱ : انما الصدقات للفقراء ، بحالت فقر لے سکتا ہے نہ بحالت غنی ۔

۲ : والمساکین ۔ بحالت فقر لے سکتا ہے ۔ نہ بحالت غنی ۔

۳ : والعاملین علیہا ، بحالت غنی بھی لے سکتا ہے ۔

۴ : والمؤلفۃ قلوبہم ، اب ساقط ہو گیا ۔

۵ : وفی الرقاب ، مکاتب بحالت فقر لے سکتا ہے ۔ یا اگر غنی ہو جائے تب بھی لے سکتا ہے جب تک بدل کتابت ادا نہ کر دے یا بدل کتابت سے زائد رقم نہ جمع ہو جائے ۔

۶ : والغارمین ، بحالت فقر ۔

۷ : وفی سبیل اللہ ، بحالت فقر

۸ : وابن السبیل بحالت فقر ۔

فائدہ متعلقہ استحقاق زکوٰۃ کن حالات میں ہوتا ہے ؟

واضح ہے کہ ہمارے فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ غنی تین قسم پہ ہے ۔

۱ : ایک غنی وہ ہے جس کی وجہ سے زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے ۔ وہ یہ ہے کہ حاجات اصلیہ سے زائد دو سو درہم نقد یا کسی نصاب زکوٰۃ کا مالک ہو ۔

۲ : دوسرا غنی وہ ہے کہ جس کی وجہ سے زکوٰۃ تو واجب نہیں ہوتی ۔ لیکن صدقہ لینا حرام ہے اور اس صورت میں صدقۃ الفطر اور قربانی واجب ہو جاتی ہے ۔ جس کی صورت یہ ہے کہ ایسے اموال کا مالک ہو جو نامی نہیں ہیں ۔ اور ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی لیکن وہ اس کی ضرورت سے زائد ہیں اور دو سو درہم کی مقدار کو پہنچ جاتے ہیں مثلاً میزیں ، کرسیاں ، فرش ، مکانات ، نوکر چاکر ، مال مویشی موجود ہیں جو قدر حاجت سے زائد ہیں ۔ لیکن تجارت کے لئے نہیں ہیں ۔ تو اس صورت میں زکوٰۃ تو واجب نہ ہوگی لیکن صدقہ اور زکوٰۃ لینا حرام ہوگا ۔

۳ : تیسرا غنی وہ ہے کہ سوال کرنا اب بھی حرام ہے لیکن اگر بغیر سوال کے زکوٰۃ و صدقہ مل جائے تو لے لینا جائز ہے ۔ اس کی صورت یہ ہے کہ انسان کے پاس ایک دن کی خوراک موجود ہے اور پہننے کا کپڑا بھی ہے تو ایسی صورت میں سوال کرنا ٹھیک نہیں ۔ ہاں اگر کوئی حالات

پر موقوف ہو کہ از خود دے دے تو لینا جائز بلکہ اولیٰ ہے۔

لما روی عن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من سأل الناس عن ظہر غنی فانما یستکثر من جمر جہنم قیل یا رسول اللہ وما ظہر الغناء قال ان یعلم ان عندہ ما یغدیہم و یعشیہم۔ (ھذا کلہ من البدائع)۔

بنی ہاشم اس سے مراد مندرجہ ذیل افراد ہیں۔ آلِ علی، آلِ عباس، آلِ جعفر، آلِ عقیل، اولاد حارث بن عبدالمطلب۔ ان تمام حضرات کو زکوٰۃ لینا حرام ہے۔ اگرچہ فقراء اور حاجت مند ہوں۔ اسی طرح ان کے آزاد کردہ غلام کے لئے بھی زکوٰۃ لینا حرام ہے۔ وجہ حرمت ان کی عظمت اور رفعت شان ہے۔ درحقیقت زکوٰۃ مطہر مال ہوتی ہے۔ مال کے اندر سے ہر قسم کا خبث اور شبہات وغیرہ زکوٰۃ کے ذریعہ سے خارج ہو جاتے ہیں۔ اور زکوٰۃ کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کپڑوں کو دھونے کے بعد میل کچیل والا پانی۔ جیسا کہ وہ پینے کے قابل نہیں ہوتا ایسے ہی یہ مال زکوٰۃ درحقیقت اس قابل نہیں کہ استعمال کیا جائے لیکن فقراء کے لئے بوجہ ضرورت اجازت دی گئی ہے۔ مگر بنی ہاشم کو باوجود حاجت کے بھی اس کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ بنو ہاشم کے لئے زکوٰۃ کے عوض خمس غنائم مقرر کیا گیا ہے جو کہ طیب و طاہر ہے۔ پاکستان کے حالات بحمداللہ اچھے ہیں اقتصادی حیثیت سے کسی قسم کی مشکلات پاکستان کو درپیش نہیں۔ جس کی بناء پر ایسی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ سادات بنی ہاشم کے لئے دوسرے ذرائع مسدود کر کے زکوٰۃ کے کھانے پر مجبور کیا جائے۔

زکوٰۃ افراد کو دینی ضروری ہے یا اداروں کو بھی دے سکتے ہیں

سوال نمبر ٢٦: کیا زکوٰۃ صرف افراد کو دی جاتی ہے یا اداروں کو (مثلاً تعلیمی اداروں، یتیم خانوں اور محتاج خانوں) کو بھی دی جاسکتی ہے۔

جواب: دراصل زکوٰۃ کے مصارف تو وہی ہیں جو قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں۔ اب جو تعلیمی ادارے یا یتیم خانے وغیرہ ان مصارف پر خرچ کرتے ہیں۔ ان کو بحیثیت وکالت زکوٰۃ دی جاسکتی ہے کہ وہ زکوٰۃ کو مستحقین پر تملیک کے بعد خرچ کرتے ہیں

اس سلسلہ میں دینی مدارس کا ہی حق ہے جن میں طلبا علوم عربیہ کی تعلیم پاتے ہیں مقدم ہیں اور صحیح مصرف ہیں۔ کالج اور قومی اسکول جو کہ عام طور پر سرکاری امداد اور طلبا کی فیس پر گذارہ کرتے ہیں یہ حیثیت نہیں رکھتے۔ کیونکہ ان میں تعلیم پانے والے عام طور پر اغنیاء ہیں جو تعلیم کے مصارف کے علاوہ فیس وغیرہ ادا کرنے پر بھی قادر ہوتے ہیں۔ یہ حیثیت عمومی حالت کے پیش نظر لکھی گئی ہے اگر خصوصیت کے ساتھ بعض اسکول اور کالج ایسے پائے جاتے ہیں جن میں مستحقین تعلیم پاتے ہیں تو ان اداروں میں بھی دینا جائز ہوگا۔ بشرطیکہ ارباب اہتمام اس رقم کو مصرف شرعی میں بعد از تملیک خرچ کریں۔

زکوٰۃ بطور گزارہ الاؤنس دینے کا حکم

سوال ۲۱: کیا زکوٰۃ کی رقم میں سے محتاجوں، غریبوں، مسکینوں، بیواؤں اور ان لوگوں کو جو اپاہج یا ضعیف ہونے کی وجہ سے روزی کمانے سے معذور ہوں، عمر بھر کی پنشن کے طور پر گزارہ الاؤنس دیا جا سکتا ہے؟

الجواب: ان مستحقین کو بوجہ حاجت اور فقر کے دیا جا سکتا ہے۔ یکمشت دیں یا ماہوار لیکن ان باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

ا: زکوٰۃ میں قبض و تملیک ضروری ہے۔ اس لئے زکوٰۃ میں نقد رقم یا جنس ہی دی جا سکتی ہے نوٹ کے ذریعہ سے زکوٰۃ دی جائے تو ضروری ہے کہ وہ نوٹ کے بدلے میں کوئی چیز وغیرہ خرید کر اس پر قابض ہو جائے۔

ب: اس امر کی خبر گیری کا ضروری ہوگا کہ وہ مستحقین جن کو گزارہ الاؤنس مل رہا ہے ان کا استحقاق واقعی ہو۔ انسان کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔ کسی وقت تنگ دستی کسی وقت فراخ دستی۔ اگر کسی وقت ان کو غنیٰ حاصل ہو گیا تو پھر ان کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

مال زکوٰۃ کو رفاہ عامہ میں لگانے کا حکم

سوال ۲۲: کیا زکوٰۃ کی رقم رفاہ عامہ کے کاموں مثلاً مسجدوں، ہسپتالوں، سڑکوں، پلوں، کنوؤں اور تالابوں وغیرہ کی تعمیر پر خرچ کی جا سکتی ہے؟ جس سے ہر آدمی بلا لحاظ مذہب و ملت فائدہ اٹھا سکے۔

الجواب ان تمام مدات میں جن کا سوال میں ذکر ہے زکوٰۃ صرف نہیں ہو سکتی۔ اگر ان مدات میں خرچ کرنا جائز ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے مصارف میں سب سے پہلے ان کا ذکر فرماتے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے۔ مگر آپ نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا تؤخذ من اغنیاءھم وترد علی فقرائھم۔ اغنیاء سے وصول کر کے فقراء پر خرچ کرنے کا حکم دیا تاکہ نظام معیشت ٹھیک رہے۔ انما الصدقات للفقراء میں جو لام ہے یہ تملیک کے لئے ہے جو اشارہ کرتا ہے اس بات کی طرف کہ زکوٰۃ ایسے مصارف پر خرچ کی جائے جو تملیک پر قادر ہوں اور زکوٰۃ دینے والے کی طرف سے تملیک ہو۔

زکوٰۃ کی رقم بطور قرض دینے کا حکم

سوال ۴۹: کیا زکوٰۃ کی رقم کسی شخص کو قرضِ حسنہ یا قرض بلا سود کے طور پر دی جا سکتی ہے؟

الجواب زکوٰۃ کی رقم جب کسی وکیل کے حوالہ کی جائے تاکہ وہ اسے کسی فقیر یا مستحق پر صرف کر دے تو اسے اجازت نہیں کہ وہ اس رقم کو ادھار کے طور پر اٹھا دے کیونکہ یہ رقم اس کے پاس امانت ہے اور امانت میں کسی قسم کا تصرف ٹھیک نہیں۔

ایک جگہ کی زکوٰۃ دوسری جگہ کے فقراء کو دینے کا حکم

سوال ۵۰: کیا یہ ضروری ہے کہ زکوٰۃ جس علاقے سے وصول کی جائے اسی میں صرف کی جائے، یا اس علاقے سے باہر یا پاکستان سے باہر تالیف قلوب کے لئے یا آفات ارضی و سماوی مثلاً زلزلہ و سیلاب وغیرہ کے مصیبت زدگان پر خرچ کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں آپ کے نزدیک علاقہ کی تعریف کیا ہے؟

الجواب یہ ضروری تو نہیں لیکن بہتر ہے کہ زکوٰۃ جس علاقہ سے وصول کی جائے اسے وہاں کے مستحقین پر صرف کیا جائے۔ اگر زکوٰۃ کو دوسرے علاقہ میں حتیٰ کہ پاکستان کے باہر بھیجا جائے جب کہ وہاں ضرورت زیادہ ہو یا حادثہ آسمانی کی وجہ سے مصیبت زدہ لوگ زیادہ حاجت مند ہوں تو جائز ہوگا بشرطیکہ زکوٰۃ کا روپیہ مسلمان فقراء پر صرف ہو۔

متوفی کے ترکہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم

سوال ۴۱ : متوفی کے ترکہ سے زکوٰۃ وصول کرنیکا کیا طریقہ ہونا چاہیے۔

الجواب: واضح رہے کہ زکوٰۃ عبادت ہے جو کہ مکلف کو بذات خود ادا کرنی لازم ہے۔ اگر ایک شخص زندگی بھر زکوٰۃ ادا نہیں کرتا اور بغیر وصیت کے مر جاتا ہے تو اب یہ شخص بوجہ تارک زکوٰۃ ہونے کے گنہگار ہوگا۔ اور زکوٰۃ اس کے ذمہ سے احکام دنیا میں ساقط ہو جائے گی۔ اس کے ترکہ سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جا سکتی۔ البتہ اگر وہ وصیت کر چکا ہے کہ میرے ذمہ تمام سالوں کی زکوٰۃ واجب ہے ادا کی جاوے تو تہائی مال سے زکوٰۃ کی ادائیگی ہو سکتی ہے۔

ایسی تدابیر جن سے لوگ بخوشی زکوٰۃ ادا کرنے لگیں

سوال ۴۲ : ایسی کیا اصلاحی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں کہ لوگ زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنے کے لئے حیلے نہ کر سکیں؟

الجواب: سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ حکام اور رعایا قرآن اور اسلام کے دل و جان سے پابند ہوں اور اپنے اندر دینی فکر پیدا کریں۔ اسلام پر صرف قانونی گرفت سے بچنے کے لئے عمل نہ کریں۔ جب ایسی زندگی پیدا ہو جائے گی تو پھر انشاء اللہ مطالبہ کی ضرورت نہ رہے گی۔ حضرات صوفیہ فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کی زکوٰۃ یہ ہے کہ جلد اپنے پاس رکھتے ہیں اور بقیہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

وصولی زکوٰۃ کا کام وفاقی حکومت کرے یا صوبائی؟

سوال ۴۳ : زکوٰۃ کی تحصیل اور اس کا انتظام مرکز کے ہاتھ میں ہونا چاہیے یا صوبوں کے ہاتھ میں۔ اگر مرکز جمع کرے تو اسے صوبوں یا دوسرے علاقوں کے حصے مقرر کرنے کے کیا اصول ہوں؟

الجواب: زکوٰۃ ہمیشہ مرکز میں جمع ہوتی ہے۔ چنانچہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں زکوٰۃ عاملین مدینہ طیبہ ہی سے لاتے تھے اور آپ اسے حسب احتیاج لوگوں پر صرف کر دیا کرتے تھے اس میں علاقہ جات اور ان کے حصہ جات کی کوئی تقسیم نہ

تھی۔ اب اگر یہ ہو سکتا ہے تو ایسا ہونا چاہئے کہ زکوٰۃ کو ایک مرکز پر جمع کر کے بلحاظ صوبہ علاقہ صرف مستحقین پر صرف کی جائے اس قسم کا ناپ تول کرنے کی حاجت نہیں کہ فلاں علاقہ سے اتنی زکوٰۃ وصول ہوئی۔ لہذا اس علاقہ کا یا صوبہ کا اتنا حصہ متعین کر دیا جائے۔ چاہے وہاں کے باشندوں میں مستحقین کی تعداد نہ ہو یا بالکل کم ہو۔ اس میں بڑی خرابی اور نقصان یہ ہوگا کہ ایک علاقہ کے لوگ باوجود استحقاق کے تنگی میں رہیں گے اور دوسرے علاقہ کے لوگوں کا روپیہ فاضل ہو کر جمع ہوتا رہے گا۔

لہ فیہ نظر بما فی حدیث معاذ توخذ من اغنیائھم و ترد فی فقرائھم اھ وفی کتب الفقہ وکرہ نقلھا الی من بلد الی بلد آخر ویکرہ نقل الزکوٰۃ من بلد الی بلد وانما تفرق صدقۃ کل فریق فیھم لما روینا من حدیث معاذ اھ (شامیہ۔ جلد اول ج ۱ ص ۹۰)۔

وصولیٔ زکوٰۃ کے لئے علیحدہ محکمہ قائم کرنا موزوں ہے

سوال ۲۲۲: آپ کی نظر میں زکوٰۃ کے نظم ونسق کو چلانے کا بہترین طریقہ کیا ہے؟ کیا زکوٰۃ جمع کرنے کے لئے کوئی الگ محکمہ قائم کیا جائے یا حکومت کے موجودہ محکموں ہی سے یہی کام لیا جائے؟

الجواب: ہماری ناقص رائے میں زکوٰۃ کے نظم ونسق کو چلانے کی بہترین صورت تو یہ ہے کہ پورا نظام خلافت راشدہ کی طرز پر چلایا جائے۔ اگر اس کو چھوڑ کر صرف اس ایک شعبہ کی اصلاح مقصود ہو تو موجودہ حالات میں اس کی جو موزوں صورت نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ چند دین دار آدمیوں کی ایک امارت شرعیہ قائم کر دی جائے جس کے قیام و انتخاب کی تمام ذمہ داری حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ العالی جیسے معتبر و متدین علماء پر ڈال دی جائے، وہ اس امارت شرعیہ کے افراد کا انتخاب فرمائیں۔ پھر وہ زکوٰۃ کے وصول اور خرچ کے معاملہ پر شرعی نکتۂ نظر سے کام کریں۔

زکوٰۃ سرکاری محصول نہیں

سوال ۵۳ : کیا زکوٰۃ کو سرکاری محصول قرار دیا جائے یا وہ کوئی ایسا محصول ہے کہ حکومت محض اس کی وصولی اور انتظام کی ذمہ دار ہے ؟

الجواب زکوٰۃ ایک عبادت ہے سرکاری محصول نہیں ہے لیکن حکومت جیسا کہ دوسری عبادات کے سلسلے میں ذمہ دار ہے

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۔ الآیۃ

اسی طرح لوگوں سے زکوٰۃ کی عبادت ادا کرانے کی بھی ذمہ دار ہے ۔ حکومت کی ذمہ داری ادائے عبادات اور اعلائے کلمۃ اللہ ہے ۔ حکومت زکوٰۃ کی وصولی کرانے اور خرچ کرانے کی ذمہ دار ہے لیکن ٹیکس و محصول کی حیثیت سے نہیں بلکہ عبادت کی حیثیت سے ۔ یعنی لوگوں کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ زکوٰۃ کی عبادت کو ادا کریں اور ترک نہ کریں ۔ اس سلسلہ میں اولین ذمہ داری نماز کی ہے جو اہم العبادات ہے ۔ حکومت اس کی زیادہ ذمہ دار ہے ۔ کہ کوئی مسلمان ملک میں بے نماز نہ ہو ۔ بعد ازاں کوئی بے زکوٰۃ نہ ہو ۔

دورِ خیر القرون میں جبراً کوئی ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا

سوال ۵۴ : کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دورِ حکومت میں اغراضِ عامہ کے کاموں کے لئے زکوٰۃ کے علاوہ بھی کوئی سرکاری محصول وصول کیا گیا ہے ۔ اگر کیا گیا ہے تو وہ کیا تھا ؟

الجواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں نہ تھا ۔ ایسی بات تھی کہ محصول عائد کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی ۔ آپ کے زمانہ میں تو صورت یہ تھی کہ جب بھی کوئی حاجت پیش آتی تھی تو آپ مسلمانوں کو جمع فرما کر ذکر کر دیتے تھے پھر ہر شخص اپنی اپنی ہمت اور بساط سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا ۔ اور حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے برکت اطاعت خدا و رسول سے بہت فتوحات عطا کیں اور اس کثرت سے اموال و غنائم آئے کہ جس کی نظیر ملنا مشکل ہے ۔ اس لئے ایسی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور حضرات خلفاء رضہ کے زمانہ میں کوئی ٹیکس نظر نہیں آتا جو جبراً وصول کیا گیا ہو۔

زکوٰۃ کی وصولی کا طریقہ

سوال ۳۷ : اسلامی ملکوں میں زکوٰۃ کی وصولی اور انتظام کرنے کا کیا طریقہ تھا اور اب کیا ہے ؟

الجواب : ابتداء اسلام میں تو یہی طریقہ تھا کہ عاملین آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے جاتے تھے اور لوگوں سے اموال ظاہری کی زکوٰۃ وصول کر کے بیت المال میں جمع کرتے تھے۔ پھر بیت المال سے مستحقین پر صرف کی جاتی تھی۔ یہ نظام حضرات خلفاء رضہ کے زمانہ میں بھی رہا ہے۔ اس کے بعد یہ نظام بگڑ گیا۔ اب موجودہ اسلامی ملکوں کا کوئی خاص نظام ہماری نظر میں نہیں ہے۔

زکوٰۃ کی وصولی حکومت اور عوام کی مشترکہ نگرانی میں کی جائے

سوال ۳۸ : کیا زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ کا انتظام صرف حکومت کے پاس رہنا چاہئے یا کوئی مجلس انتظام مقرر ہو کر اس کا انتظام حکومت اور عوام کی مشترکہ نگرانی میں ہونا چاہئے ؟

الجواب : زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ خلیفہ کا کام ہے اور خلیفہ کے ساتھ ارباب حل و عقد اس کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اب موجودہ زمانہ میں چونکہ وہ صورت نہیں ہے لہٰذا زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ کی حکومت کو وہ صورت اختیار کرنی چاہئے جو "سوال نمبر [illegible]" کے جواب میں عرض کی گئی ہے۔

عمال زکوٰۃ کو اموال زکوٰۃ سے تنخواہ دینے کا حکم

سوال ۳۹ : زکوٰۃ جمع کرنے اور اس کا انتظام کرنے کے لئے جو عملہ رکھا جائے ان کی تنخواہیں، الاؤنس، پنشن، پراویڈنٹ فنڈ اور شرائط ملازمت کیا ہیں ؟

الجواب : اگر زکوٰۃ وصول کرنے کا نظام وہی ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں تھا، تب تو یہی صورت ہوگی کہ عاملین کو بطور عمالہ اسی کی وصول

کر وہ زکوٰۃ سے بقدر کفایت دی جائے گا۔ مگر " قدر کفایت " کا لفظ قابل غور ہے اگر قدر کفایت وصول شدہ سے بڑھ جائے تو نصف سے زائد دینا جائز نہیں۔ کما فی البحر الرائق وقد ذکرناہ من قبل۔

اور اگر زکوٰۃ کی وصول کا کوئی اور نظم قائم کیا جائے تو اس عاجز کے خیال میں زکوٰۃ وصول کرنے والے عمال کو دوسرے سرکاری فنڈ سے تنخواہ، الاؤنس اور پراویڈنٹ فنڈ وغیرہ دینا چاہئے یا اس کو امارت شرعیہ کی رائے پر چھوڑ دینا چاہئے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

مفتی مدرسہ عربی خیر المدارس ملتان۔ ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ

الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ

مہتمم مدرسہ عربی خیر المدارس ملتان ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ

جواب صواب ہے

عبد الشکور غفرلہ مدرس مدرسہ عربی خیر المدارس ملتان

بقلم احقر عزیز الرحمان عفا اللہ عنہ، مدرس مدرسہ عربی خیر المدارس ملتان۔

ائمہ مساجد کو بطور تنخواہ اور غنی طالب علم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں

عامۃ الناس ائمہ مساجد کو صدقات واجبہ کے علاوہ کچھ اور دینے کو تیار نہیں ہیں۔ اگر ائمہ مساجد یہ نہ لیں تو مساجد ویران ہو جائیں گی۔ کیا ذیل کی عبارات نقلیہ و دلائل عقلیہ سے اس اشد ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ائمہ مساجد پر صدقات واجبہ کے جواز کا استدلال کیا جا سکتا ہے؟ اور ائمہ مساجد میں غنی اور مفلس کا فرق بے معنی نہیں؟ کیوں کہ بوجہ اللہ امامت کوئی نہیں کرتا بلکہ اجرت غنی اور مفلس امام دونوں لیتے ہیں۔

واذا عینوا لامامھم شیئا من الاوقات والصدقات (الھدایا

وغيرها الى مصر ادائها ۔ (نقل از سلطان الفقہ ۔ ج ۲) ۔

اور علامہ ابن حیون رحہ کی کتاب " وجیز " ص ۴۴ پر ہے ۔

" وگر ظاہر گفتہ اند بوقت نصب وتقرر بطریقہ رسم ورواج و عادت بلا شرط اوریا امام کردند پس دریں صورت ہم حقہ مرسومہ آں فیاو برایشاں ادا کردن برائے نام خود واجب است ۔ لان المعروف کالمشروط " (سلطان الفقہ ۔ ج ۲ ص ۴۱) ۔

والهاشمي يعطى ولو غنيا لا من شيئا لانه فرغ نفسه لهذا العمل فيحتاج الى الكفاية والغنى لا يمنع من تناولها عند الحاجة كابن السبيل وبهذا التعليل يقوى ما نسب للواقعات من ان طالب العلم يجوز له اخذ الزكوة ولو غنيا اذا فرغ نفسه لافادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب والحاجة داعية الى ما لا بد منه ۔

علماء متقدمین کے نزدیک تعلیم قرآن ، امامت ، اذان و تدریس کتب دین پر اجرت لینا حرام تھا مگر متأخرین نے دیکھا کہ بقول شاعر

گر رہے یہی یہ نام بھی مٹ جائے نہ کہیں

مدت سے اسے دور زماں میٹ رہا ہے

تو تحفظ دین کے پیش نظر یہ سب امور کرنے جائز قرار دیدیئے ۔

ایسے ہی سادات بنی ہاشم پر صدقات واجبہ کو حرام قرار دیا گیا مگر جب دیکھا گیا کہ وہ بوجہ افلاس دریوزہ گری کر رہے ہیں تو علمائے متأخرین نے جائز قرار دے دیا ۔

ایسے ہی ضرورت محسوس کی گئی ہے کہ ائمہ مساجد کے لئے صدقات واجبہ کو جائز قرار دیا جائے ۔ اس لئے کتب معتبرہ وفتاویٰ مستندہ مثل فتاویٰ اشرفیہ ، عزیزیہ ، نظامیہ امدادیہ ، بحرالرائق ، فتح القدیر ، شامی ، روح البیان ، بیان القرآن ، سے استنباط کر کے اس اشد ضرورت کو پورا کر دیا جائے ۔

مقبول احمد ، ایبٹ آباد ، ہزارہ ۔

○

الجواب اگر کوئی امام مسجد مفلس و نادار اور مستحق زکوٰۃ ہے تو اس کو زکوٰۃ اور چرمِ قربانی بحیثیت مفلس و مصرف ہونے کے دینے جائز ہیں۔ بحیثیت تنخواہ دینا جائز نہیں۔ فتاویٰ امدادیہ ج ۱ ص ۱۴۸ میں ہے۔ قربانی کی کھال کے متعلق لکھتے ہیں۔

"اور چونکہ صدقہ واجب ہے اس لئے اس کے مصارف مثل مصارف زکوٰۃ کے ہیں۔ مدرسین کی تنخواہ میں ان کا صرف کرنا جائز نہیں"

اور اگر امام مسجد مالدار ہے تو اسے زکوٰۃ اور چرم ہائے قربانی کی رقوم دینا کسی صورت میں ٹھیک نہیں۔ نہ بطریق مصرف ہونے کے اور نہ بطریق اجرت و تنخواہ۔ استفتاء کے اندر جو نقول اور حوالہ جات پیش کئے ہیں اور امامت مساجد کو زکوٰۃ کے جواز کے لئے جو قیاس عامل ہاشمی پر کیا گیا وہ ٹھیک نہیں سب غلطی ہے۔ کما سنبیّن۔

طالب علم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اگر وہ فقیر اور حاجت مند ہو۔ اسی طرح "ابن السبیل" کے لئے بھی یہی شرط ہے۔ وهو محمل من لا مال له كما في الشامي۔

غنی طالب علم کے لئے اگرچہ بعض علماء نے زکوٰۃ کو جائز قرار دیا ہے۔ اور علامہ شامی رح نے اس قول کو نقل کیا ہے لیکن وہ قول مرجوح اور غیر معتمد ہے۔

درمختار میں نقل ہے۔ ان طالب العلم يجوز له اخذ الزكوٰة۔ اھ

یہ قول غیر معتمد ہے اس پر فتویٰ دینا یا اس پر قیاس کرنا جائز نہیں۔

قال في الطحطاوی وهذا فرع مخالف لاطلاقهم الحرمة في الغني ولم يعتمده احد۔ اھ۔

ہاشمی کو زکوٰۃ دینا بھی جائز نہیں۔ ظاہر الروایۃ اور مفتیٰ بہ قول یہی ہے۔ وہ روایت جس میں ہاشمی کو زکوٰۃ دینا جائز قرار دیا گیا ہے وہ روایت ابو عصمہ کی ابو حنیفہ سے ہے جو کہ نادر کی روایت ہے۔ یہ روایت غیر مفتیٰ بہ ہے۔

درمختار میں ہے۔

ظاهر المذهب اطلاق المنع اھ وقول العيني والهاشمي يجوز له دفع زكوته لمثله صوابه لا يجوز۔ الخ۔

تفصیل کے لئے دیکھئے ۔ فتاوی مولانا عبدالحئی صاحب رح ۔

عامل کو جو زکوۃ دی جاتی ہے وہ بحیثیت عمالہ کے ہے نہ بوجہ فقر کے اس لئے غنی کو دینا جائز ہے ۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ عامل کو زکوۃ دینا بوجہ نص کے ہے اور علت اس کی عمالہ ہے ۔ اس پر کسی مدرس کو قیاس کرنا جائز نہیں ۔ دیگر اور سلطان الفقہ کی عبارت اس بات پر مطلقاً دلالت نہیں کرتی کہ ائمہ مساجد کو زکوۃ وصدقات تنخواہ میں اور بعوض حق امامت دیئے جائیں ۔ بلکہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر لوگوں نے وقف میں سے یا صدقات اور ہدایا میں سے امام کے لئے کچھ رقم مقرر کی ہو تو اس رقم کا ادا کرنا واجب ہے کیونکہ یہ اجارہ ہے اور اجارہ میں اجرت ادا کرنا واجب ہے ۔ صدقات سے مراد ہدایا اور صدقات نافلہ لئے جائیں گے ۔ جیسا کہ آگے ہدایا کا لفظ دلالت کرتا ہے نہ کہ صدقات واجبہ ۔ تاکہ یہ روایت دوسری روایات کے موافق ہو جائے ۔ اور متاخرین نے جو متقدمین کے خلاف فتوی دیا ہے وہ اسی چیز میں ہے کہ متقدمین کے نزدیک استیجار علی الطاعات جائز نہیں تھا ۔ متاخرین نے امامت پر جائز قرار دیا نہ کہ زکوۃ میں سے ان کو دینا جائز قرار دیا ۔

البتہ اگر ضرورت شدیدہ ہو تو تملیک شرعی کے بعد دیئے جا سکتے ہیں جس کا طریقہ زبانی دریافت کر لیا جائے ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ ٢٧ ۔ ٢ ۔ ١٣٦٩ھ	مفتی خیر المدارس ملتان

ایک سیاسی جماعت کو زکوۃ دینے کا حکم

ایک مشہور جماعت زکوۃ ، چرم قربانی وغیرہ طلب امداد کے لئے اکٹھے کرتی ہے اور منظم طور پر فراہمی کی جدوجہد کرتی ہے اور باقاعدہ تحصیل وصول کرتے ہیں ۔ اس جماعت کے ارکان چاہتے ہیں کہ ان ذرائع سے سیاسی اقتدار حاصل کیا جائے ۔ اور ان مدات میں جو کچھ بھی جمع وصول کر کے یہ لوگ سیاسی مقاصد ۔ مقدمات ، الیکشن ، سیاسی کارکنوں کی تنخواہوں وغیرہ میں خرچ کرتے ہیں ۔ ان کو مذکورہ صدقات دینا کیسا ہے ؟ اور ان کا یہ استعمال درست ہے یا نہیں ؟

الجواب صدقات واجبہ ، مسجد کی مقاصد ، مقدمات ، الیکشن اور سیاسی کارکنوں کی تنخواہوں میں استعمال کرنے جائز نہیں۔ جو جماعت ان مصارف پر استعمال کرتی ہو اسے یہ صدقات نہ دیئے جائیں۔ مدارس دینیہ ان صدقات کا بہترین مصرف ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۵ / ۳ / ۱۳۹۰ھ

تحقیق کر کے مستحق کو زکوٰۃ دی تو زکوٰۃ ادا ہو گئی

ایک شخص نے کسی غریب رشتہ دار کو زکوٰۃ کا مصرف سمجھ کر زکوٰۃ دے دی۔ دوسرے سال معلوم ہوا کہ وہ زکوٰۃ کا مستحق نہ تھا۔ تو کیا زکوٰۃ ادا ہو گئی یا نہیں؟

(قاری محمد حنیف صاحب مہتمم مدرسہ تجوید القرآن ، موتی بازار ، لاہور)

الجواب اگر شخص مذکور نے اس رشتہ دار کو پورے غور و خوض کے بعد غریب سمجھا اور زکوٰۃ دے دی تو زکوٰۃ ادا ہو گئی اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ کما فی

الدر المختار - ج ۲ ص ۳۴۹ ، ۳۵۰ ... دفع بتحرٍ لمن یظنہ مصرفا الی قولہ وان بان غناہ او کونہ ذمیا الی ان قال لا یعید لانہ اتی بما فی وسعہ الخ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفرلہ
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس ملتان [illegible]

وکیل مستحق نے زکوٰۃ کی رقم خود صرف کر لی تو زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں

زید نے ایک عربی مدرسہ کے طالب علم بکر کو چالیس روپیہ زکوٰۃ کے دیئے کہ ان کو اپنے مدرسہ میں داخل کر دو۔ طالب علم نے اس خیال سے کہ میں بھی غریب اور مصرف زکوٰۃ ہوں اپنے اوپر صرف کر لئے۔ بکر کا یہ فعل مستحسن نہیں کیونکہ طالب صحیح مسئلہ نہیں جانتا۔ تو کیا زکوٰۃ ادا ہو گئی یا نہیں؟ اگر

بکر، مالک زید سے اجازت لے لے تو یہ کافی ہو جائے گا یا نہیں؟ اگر اجازت کافی نہیں تو بکر اپنے پاس سے دے یا نہیں؟

مولانا عبدالمجید مدرس دارالعلوم عیدگاہ کبیر والا

فی الدر المختار ج ۲ ص ۱۰ وللوکیل ان یدفع لولدہ الفقیر وزوجتہ لا لنفسہ الا اذا قال ربھا ضعھا حیث شئت اھ۔

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ اور جب کہ وہ رقم خرچ ہو چکی ہے تو مالک اجازت بھی دے دے تب بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ اور اگر بکر اپنے پاس سے رقم مدرسہ میں دے دے اور زید کو اس کی اطلاع نہ کرے تو بھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ البتہ اگر زید کو پوری تفصیل بتلا کر دوبارہ زید سے اجازت حاصل کر کے رقم جمع کرا دے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد اسحاق غفرلہ

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

مدیون کو زکوٰۃ دینا دوسروں کی نسبت افضل ہے

عبدالرحمن دس ایکڑ زمین کا مالک ہے اس نے اپنی مملوکہ زمین سو روپیہ سالانہ فی ایکڑ کے حساب سے احمد خان کاشتکار کو اجارہ پر دے دی یعنی آپس میں طے کیا کہ احمد خان ایک ہزار سالانہ اس زمین سے فائدہ اٹھانے کے عوض عبدالرحمن کو ادا کرے گا۔ معلوم نہیں سالانہ پیداوار زمین کی کم رہی یا احمد خان کے بال بچوں کی کثرت کی وجہ سے وہ ہر سال اجارہ کی پوری رقم ادا کرنے پر قادر نہ ہوتا تھا۔ ہر سال سو ڈیڑھ سو اس کے ذمہ باقی رہ جاتا۔ عبدالرحمن بھی وصولی میں سختی نہ کرتا۔ قریباً دس سال ایسے ہی چلتا رہا۔ میعادِ اجارہ پوری ہونے پر زمین اس سے واپس لے لی۔ لیکن مجموعی طور پر احمد خان کے ذمہ نو سو روپے باقی ہیں۔ اگر عبدالرحمن اپنے ذمہ واجب شدہ مال کی زکوٰۃ میں سے کچھ رقم احمد خان کو جو فقر و مسکنت کی وجہ سے مصرفِ زکوٰۃ ہے ادا کرے اور پھر اس سے سابقہ قرضہ طلب کر کے وہی رقم اس سے قرضہ میں لے لے تو کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟ استفسار کی وجہ یہ ہے جس کی بنا پر فتویٰ حاصل کر لیجئے

استفسار بھیجا جا رہا ہے۔

۲ ۔ اپنی مملوکہ زمین سے عقد اجارہ کے ذریعہ نفع حاصل کرنا اور سالانہ ایک متعین رقم لینا بلاشبہ جائز ہے یا اس میں کوئی شبہ ہے۔ کیا ہر ایک اجارہ واجب الاداء دین ہے؟

۳ ۔ ہر سال رقم اجارہ جو احمد خان کے ذمہ جمع ہوتی رہی اور کیا ہر سال اس سے وصولی نہ کرنا اور نرمی برتنا حکماً ابراء ہو سکتا ہے؟

۴ ۔ احمد خان بالکل مفلس اور تہی دست ہے یہ قرضہ اس سے کسی صورت وصول نہیں ہو سکتا بالکل ایک سوخت قرضہ ہے اس لئے پسند ہوتا ہے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم اسے تملیکاً دے کر پھر واپس لینا ناجائز حیلہ نہ ہو۔ کیونکہ عبدالرحمن کا مقصد یہ ہے کہ میری جیب سے زکوٰۃ میں کوئی نقد رقم نکل کر نہ جائے اس پرانے قرضہ ہی سے ذمہ داری ختم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اسے ٹھگنے والا معاملہ قرار نہ دیں۔

معین الدین بوساطت مفتی محمد سید حاجی الدین کاکاخیل۔

الجواب ۔۔ صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ اگر عبدالرحمن نے بقصد دینے احمد خان کو بہ نیت زکوٰۃ دے دے اور پھر وہی روپیہ اس سے اپنے قرض میں واپس لے لے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

کما فی الدر ج ۲ ص ۱۹ ۔ واعلم ان اداء الدین عن الدین والعین عن العین وعن الدین یجوز و اداء الدین عن العین وعن دین سیقبض لا یجوز وحیلة الجواز ان یعطی مدیونه الفقیر زکوٰته ثم یاخذها عن دینه ۔ اھ ۔

۲ ۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک زمین کو کرایہ پر دینا جائز ہے۔ نیز دیگر بہت سے فقہاء بھی اس کے قائل ہیں (کما فی شرح مسلم للنووی ج ۲ ص ۱۰) اور زمین سے انتفاع کے بعد طے شدہ اجرت واجب ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ دیگر سارے دیون۔ والظاہر من اطلاق المؤلف ان الاجرۃ تجب باستیفاء المنفعۃ۔ (تکملہ بحر)

۳ ۔ یہ ابراء نہیں۔

۴ ۔ یہ حیلہ محض ٹالنے والا معاملہ نہیں بلکہ اگر زکوٰۃ دہندہ کی نیت برأۃ ذمہ مدیون ہو تو اس

میں زیادہ ثواب ملنے کی امید ہے۔

قال فی الاشباہ وھو اقتصار منہ علی غیرہ الی ان قال لیصیر وسیلۃ الی ابراء ذمۃ المسلمین۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفرلہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	۲ / ۸ / ۱۳۸۰ھ

غنی طالب علم کو زکوٰۃ دینے کے بارے میں راجح قول

ایک مدرسہ ایک انجمن کے تحت چل رہا ہے اس میں کچھ ایسے طالب علم بھی ہیں جو غنی ہیں ان کو عشر و زکوٰۃ سے وظیفہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے جیسا کہ شامی نے لکھا ہے

یجوز اخذ الزکوٰۃ لطالب علم ولو کان غنیا۔

تو فقہاء کرام کے عام قاعدہ لا یجوز الزکوٰۃ للغنی کا کیا جواب ہے؟

الجواب طالب علم شرعی جس کی غرض حاصل ہو لیکن وہ اپنے آپ کو اکتساب معاش سے فارغ کر چکا ہو اور افادہ و استفادہ علم میں مشغول ہو تو اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ شامی ج ۲ ص ۹۵ میں ہے۔

وبھذا التعلیل یقوی ما نسب الی الواقعات من ان طالب العلم یجوز لہ اخذ الزکوٰۃ ولو غنیا اذا فرغ نفسہ لافادۃ العلم واستفادتہ۔

شامی کا یہ قول فقہاء کے عام قاعدہ لا یجوز دفع الزکوٰۃ الی الغنی کے مخالف نہیں۔ کیونکہ وہ ایک عام قاعدہ ہے اور یہ ایک استثنائی حکم ہے۔ ہر عموم میں کچھ نہ کچھ مستثنیٰ ہوا کرتے ہیں۔ فقط

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

تنبیہ حضرات فقہاء کرام نے اگرچہ غنی طالب علم کے لئے اخذ زکوٰۃ کو جائز رکھا ہے لیکن احتیاط اس میں ہے کہ غنی طالب علموں کے لئے وظیفہ اور کھانے وغیرہ کسی فقیر و مستحق کو تملیک کر کے دینا چاہئے۔ کیونکہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے دوسری جگہ تحریر فرمایا ہے

والاوجه تقييده بالفقير ويكون طلب العلم مرخصا لجواز سواله من الزكوة وغيرها وان كان قادرًا على الكسب اذ بدونه لا يحل له السوال ـ فقط

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

جواب صحیح ہے ۔ غنی طالب علم کو بلا تملیک زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی ۔

بندہ عبد الرحمٰن غفرلہ

ہذا ہو الاحتیاط وعلیہ الاعتماد ۔ خیر محمد عفا اللہ عنہ ۔ ۱ المحرم سنہ ۱۳۶۹ھ

چھوٹے بھائی کو زکوٰۃ دینا افضل ہے

زید کا چھوٹا بھائی نادار ہے زید اسے زکوٰۃ دے سکتا ہے ؟

الجواب افضل یہی ہے کہ زید اپنے چھوٹے بھائی کو زکوٰۃ دے ۔ والافضل فی الزکوٰۃ والفطر والنذور الصرف اولا الی الاخوة الخ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۹۰) فقط واللہ اعلم ۔

بندہ محمد صدیق غفرلہ

الجواب صحیح ۔ خیر محمد عفا اللہ عنہ ۔ ۱۰ رجب المرجب ۶۹ ۱۳ھ

زکوٰۃ حکومت وصول کرے یا لوگ خود ادا کریں

کیا زکوٰۃ کی وصولی حکومت کا فرض ہے یا اس کو انفرادی طور پر ادا کیا جا سکتا ہے ۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو کن وجوہ کی بنا پر انفرادی طور پر ادا کرنے کا حکم دیا ۔ ؟

الجواب اموال دو قسم پر ہیں ۔ اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ ۔ اول الذکر اموال کی زکوٰۃ حکومت وصول کر سکتی ہے اور ثانی الذکر اموال کی زکوٰۃ خود مالک ادا کریں گے ۔ کما فی البحر ج ۲ ص ۲۴۸ ۔

وحاصله ان مال الزكوة نوعان ظاهرة وهو المواشي

والمال الذي تجب فيه... يمر به التاجر على العاشر و باطن وهو الذهب و الفضة و اموال التجارة في مواضعها اما الظاهر فللامام و نوابه ولاية الاخذ الخ

اس میں اختلاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے مبارک عہد میں سونے چاندی کی زکوٰۃ بھی حکومت وصول کرتی تھی یا نہیں ؟ صاحب بدائع نے شیخ ابو منصور ماتریدی سے نقل کیا ہے۔

لم يبلغنا ان النبي صلى الله عليه وسلم بعث في مطالبة المسلمين بزكاة الورق و اموال التجارة و لكن الناس كانوا يعطون ذلك و منهم من كان يحمل ذلك الى الائمة فيقبلون منه ذلك ۔ (ج ۲ ص ۳۵ ۔ ۳۶)۔

عبارت ہذا سے معلوم ہوا کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ حکومت وصول نہیں کرتی تھی بلکہ اہل اسلام خود ادا کرتے تھے اور بعض لوگ از خود اپنی زکوٰۃ حکومت کی تحویل میں دے دیتے تھے اور حکومت ان سے قبول کر لیتی تھی۔ نیز اس کے وصول کرنے میں حرج اور اضرار بھی ہے کہ لوگوں کی مخفی دولت معلوم کرنے میں سخت تنگی اور دشواری واقع ہو سکتی ہے۔ اور متمول افراد کی مالی حیثیت کی شہرت ان کے اموال کے لئے ایک مستقل خطرہ بھی ہے۔ اسی سلسلہ میں صاحب بدائع نے دوسری رائے نقل کرتے ہوئے یہ الفاظ بھی لکھے ہیں۔

وعثمان طالب زمانا ولما كثرت اموال الناس و رأى ان في تتبعها حرجا على الامة وفي تفتيشها ضررا بارباب الاموال فوض الاداء الى اربابها ۔ (ج ۲ ـ ص ۳۵)۔

ان وجوہ کی بناء پر سونے چاندی کی زکوٰۃ کی ادائیگی خود مالک کے ذمہ ڈال دی گئی۔ اور اس معاملہ کو مالک کی دیانت داری پر چھوڑ دیا گیا۔ کیوں کہ اگر ان اموال کی زکوٰۃ بالفرض حکومت بھی وصول کرتی تو بھی اسے مالک کی دیانت داری پر ہی اعتماد کرنا پڑتا۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ   بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

سادات کو زکوٰۃ نہ دینے کی حقیقی علت

زکوٰۃ کا مصرف سادات کو کیوں نہیں ٹھہرایا گیا۔ حالانکہ اسلام میں ذات پات کی تفریق کا تصور موجود نہیں۔ اور یہ حکم ایک ذات کی برتری ظاہر کرتا ہے۔ دونوں میں تطبیق کیسے ہوگی؟

الجواب سادات کا مصرف زکوٰۃ نہ ٹھہرانے کی علت حقیقی علم خداوندی ہے۔

قال علیہ السلام یا بنی ھاشم ان اللہ حرم علیکم غسالۃ الناس واوساخھم الخ (ھدایۃ ج ۱ صفحہ ۱۸۵)

اور اس کا ظاہری سبب یہ ہے کہ زکوٰۃ لوگوں کی میل کچیل ہے۔ قرابت نبوی کے احترام کے پیش نظر انہیں اس کے استعمال سے ممانعت کر دی گئی۔ باقی یہ کہ اس سے سادات کا محترم ہونا سمجھا جاتا ہے۔ سو اس میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ کیونکہ سادات کرام بالاتفاق محترم ہیں۔ مگر یہ ہندوانہ ذات پات کی تفریق نہیں۔ کیونکہ اس میں دوسری ذاتوں کو انتہائی حقیر اور ناپاک سمجھا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ برہمن کے ساتھ اچھوت کھانا نہیں کھا سکتے۔ ان کے مندروں میں نہیں جا سکتے۔ اچھوت برہمن کے برتن کو ہاتھ لگا دے تو برتن ناپاک سمجھا جاتا ہے۔ باہمی نکاح نہیں ہو سکتا۔ لیکن اسلام نے سادات و غیر سادات میں ان سب احکام کو جائز رکھا ہے۔ کہ باہمی رشتہ داریاں بھی جائز ہیں۔ صرف ایک مسئلہ کی بنا پر اس کو ذات پات کی تفریق نہیں کہا جا سکتا۔

فقط واللہ اعلم	الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	خیر محمد عفا اللہ عنہ ۲۴/۲/۱۳۸۶ھ

صدقات واجبہ سے تیار ہونیوالا کھانا مدرس کو اجرت میں نہیں دے سکتے

مدرسہ میں صدقات واجبہ وغیرہ واجبہ سے طلباء کا کھانا تیار کیا جاتا ہے۔ اور مدرسہ میں جو مدرس رکھا گیا ہے اس کو تنخواہ کے ساتھ کھانا بھی مقرر کیا گیا ہے آیا اس کا کھانا مقرر کرنا درست ہے یا نہیں؟ اگر صرف صدقات واجبہ سے جو کھانا طلباء کھاتے ہیں۔ مثلاً گھر سے کھانا آتا ہے تو اس صورت میں مدرس کھانا لے سکتا ہے یا نہیں؟

مستفتی عبدالشکور مدرس مدرسہ اشاعت العلوم ۔ منڈی چشتیاں ۔ ضلع بہاولنگر۔

شریعت فتویٰ صادر فرمائیں کہ زکوٰۃ کی رقم میں سے پچیس ہزار روپیہ کا مکان ان کو خرید کر دینا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب ــــ صورت مسئولہ میں یہ لڑکا اپنے لئے اور اپنی والدہ کے لئے اس مکان کا سودا کرے تو مقروض ہو جانے کے بعد لڑکے اور والدہ کو اتنی رقم دینا درست ہے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳ ۔ ۳ ۔ ۱۴۰۲ھ

وکیل نے زکوٰۃ کو مصرف میں استعمال نہیں کیا تو کیسے بری ہو گا ؟

بہتم نے زکوٰۃ کو بغیر شرعی حیلہ کے مختلف مدات میں استعمال کیا تو کیا زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا ہو گئی ؟ زکوٰۃ ادا نہ ہونے کی صورت میں کیا صورت اختیار کی جائے ؟

الجواب ــــ زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی ۔ اصل تو یہ ہے کہ صورت حال بتلا کر مالکان سے اجازت لی جائے اور پھر ان کی طرف سے زکوٰۃ ادا کی جائے ۔ اگر اس میں مشکلات ہوں تو اتنی رقم معطین کی طرف سے باقاعدہ تملیک کرا کے مدرسہ میں خرچ کر دی جائے ۔ ایک قول کے مطابق گنجائش ہے امید ہے کہ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ۔

لکن قد یقال تجزی عن الآمر مطلقا لبقاء الاذن بالدفع ۔

(شامیہ ج ۲ ص ۔۔)

ولو جمع مالا من الناس لینفقه فی بناء المسجد فانفق تلک الدراهم فی حاجته ثم رد بدلها فی نفقة المسجد لا یسعه ان یفعل ذلک فان فعل ان عرف صاحبه رد علیه او سأله تجدید الاذن فیه ان لم یعرف صاحب المال رفع الامر الی الحاکم حتی یأمره بانفاقه وان تعذر علیه ذلک رجوت له فی الاستحسان ان ینفق مثل ذلک من ماله علی المسجد فیجوز ۔ الخ (هندیه ج ۲ ص ۴۸۰) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۵ / ۱ / ۱۳۹۱ھ

مہمان کو بہ نیت زکوٰۃ کھانا دینے سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں

زید کے ہاں مہمان آیا، اس نے تین دن ضیافت کے بعد زکوٰۃ کی نیت سے کھانا دینا شروع کیا، اور اس کے ملک کرتا رہا، اس طرح زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب فلو اطعم یتیما ناویا الزکوٰۃ لا یجزیہ الا اذا دفع الیہ المطعوم لانہ بالدفع الیہ بنیۃ الزکوٰۃ یملکہ فیصیر آکلا من ملکہ بخلاف ما اذا اطعمہ معہ۔

(شامی ج ۲ ص [illegible])

جزئیہ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اپنے ساتھ بٹھا کر کھلانے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، کیونکہ یہ اباحت ہے تملیک نہیں۔ اور اگر کھانا اس کو بہ نیت تملیک دے دیا ہے خواہ وہ کھالے یا بیچے، تو ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ الحاصل بصورت تملیک زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اور بصورت اباحت ادا نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح: بندہ محمد اسحاق غفرلہ ۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲؍۲؍۱۴۰۹ھ

غیر مسلم عامل زکوٰۃ کو زکوٰۃ نہ دی جائے

مصارف زکوٰۃ میں "العاملین علیہا" کے متعلق کیا حکم ہے؟ یہ عاملین کیف ما اتفق مستحق زکوٰۃ ہیں یا بشرط اسلام؟

احمد شعیب، امیر مجلس الطلباء، ڈی۔آئی۔خان۔

الجواب اصل میں ہے کہ عامل و محصل زکوٰۃ مسلمان ہوں، کافر مصرف زکوٰۃ نہیں۔ قال فی الدر ولا تدفع الی ذمی اھ (شامی ج ۲ ص ۶۷)۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۹؍۷؍۱۴۰۰ھ

زکوٰۃ بنام قرض دینے کا حکم

زید نے عمرو سے دس روپے قرض مانگا، عمرو نے دس روپے دے دیئے، جب زید وہ روپے واپس دینے لگا تو عمرو

نے کہا کہ میں نے تو بہ نیتِ زکوٰۃ دیئے تھے اور واقع میں اس نے دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت کی تھی۔ زکوٰۃ ادا ہوگئی یا نہیں ؟

الجواب ـــــ زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ ومن اعطی مسکیناً دراهم وسماها هبة او قرضا ونوی الزکوٰۃ فانها تجزیه وهو الاصح۔

(عالمگیری: ج ۱ صفحہ ۱) فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیرالمدارس ملتان ۲۴-۱۰-۱۳۸۸ھ

عباسیوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں

ـــــ عباسیوں کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں ؟

حاجی کرم داد، لوئر بازار مری۔

الجواب ـــــ بنو عباس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ خواہ رشتہ دار ہوں۔ ان کی دیگر مدات سے امداد کی جا سکتی ہے۔ ولا یدفع الی بنی هاشم وهم آل علی و آل عباس وآل جعفر وآل عقیل وآل حارث بن عبدالمطلب۔ اھ۔

(عالمگیری: ج ۱ صفحہ ۹۶)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	۲۹-۱۰-۱۳۹۶ھ

غیر مسلم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں

ـــــ غیر مسلم اگر بالکل غریب ہو تو آیا اس کو صدقہ وخیرات یا زکوٰۃ کا مال دیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟

حافظ حبیب احمد، مکتبہ امدادیہ، ٹی بی روڈ، ملتان

الجواب ـــــ صدقاتِ واجبہ، زکوٰۃ وعشر وغیرہ کے علاوہ دیگر صدقات غیر مسلم کو دیئے جا سکتے ہیں۔ ولا یجوز ان یدفع الزکوٰۃ الی ذمی ویدفع الیه ماسوی ذلک من الصدقة اھ۔ (ھدایہ: ج ۱ صفحہ ۲۰۵)۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۴-۱-۱۴۰۴ھ

اپنی اولاد کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے

کیا اپنی اولاد کو زکوٰۃ دینا درست ہے؟

الجواب جائز نہیں ہے۔ لا یصرف الی من بینہما ولاد۔ اھ۔ (الدر المختار علی الشامیہ ج ۲ ص ۔۔۔)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان [illegible]

وکیل نے زکوٰۃ کا پیسہ اپنی ضرورت میں استعمال کیا پھر اپنے پاس سے مستحق کو دیا تو زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں؟

زید نے عمداً یا کسی مغالطہ کی بناء پر زکوٰۃ کو شرعی حیلہ کے بغیر مدرسہ کی ضروریات یا اپنے ضروریات میں صرف کر لیا۔ پھر اتنی رقم جیب سے داخل کر دی تو کیا زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا ہو گئی؟ جب کہ پیسے مدرسہ میں داخل کر دیئے گئے۔

الجواب صحیح صورت حال مالکان کو بتلا کر پھر ان سے اجازت لی جائے تو پھر ان کی طرف سے زکوٰۃ ادا کی جائے۔ اور اگر اس میں مشکلات ہوں تو ایک قول کے مطابق امید ہے کہ زکوٰۃ ادا ہو گئی بشرطیکہ تملیک کے بعد مدرسہ میں استعمال کی گئی ہو۔

ولکن قد یقال تجزیہ عن الامر مطلقا لبقاء الاذن بالدفع اھ (شامی ج ۲ ص ۔۔۔)۔ رجل جمع مالا من الناس لینفقہ فی بناء المسجد فانفق تلک الدراھم فی حاجتہ ثم رد بدلہا فی نفقۃ المسجد لا یسعہ ان یفعل ذلک فان فعل فان عرف صاحب ذلک المال رد علیہ او سألہ تجدید الاذن فیہ وان لم یعرف صاحب المال استأذن الحاکم وان تعذر علیہ ذلک رجوت لہ فی الاستحسان ان ینفق مثل ذلک من مالہ علی المسجد فیجوز اھ (ھندیہ ج ۲ ص ۔۔۔)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ [illegible]

تعمیر مکان کے لئے جمع کردہ رقم پر زکوٰۃ

زید کے پاس تقریباً پانچ ہزار روپے جمع ہیں۔ جو مکان وغیرہ کی تعمیر اور لگانے خریدنے کے لئے جمع کر رکھے ہیں۔ اور زید کے چار چھوٹے بچے، بیوی اور والدہ ہے۔ کیا اس رقم پر حولان حول کے بعد زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟ نیز زید کے بیوی بچے جو غریب ہیں انکو انہیں اپنے کوئی رشتہ دار زکوٰۃ دیں تو ان کے لئے لینا درست ہوگا جبکہ زکوٰۃ دہندہ کوئی قریبی رشتہ دار بھی نہیں ہے۔

الجواب — جب تک نقدی کی شکل میں پیسے موجود ہیں زکوٰۃ فرض ہوگی۔ لہٰذا سال کے بعد ادائیگی ضروری ہے۔ اور ان شاء اللہ یہ زکوٰۃ ادا کرنا مال میں اضافے کا سبب بنے گا۔ البتہ آپ کی بیوی اور والدہ وغیرہ زکوٰۃ کا مصرف ہیں۔ کوئی دوسرا شخص انہیں زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ آپ کے نابالغ بچے آپ کی وجہ سے زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہو سکتے۔

ولا یجوز دفعها الی ولد الغنی الصغیر۔ اھ (عالمگیری ج ۱ صـ۱۸۹)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۳؍۱؍۱۳۹۸ھ

مال خبیث میں زکوٰۃ واجب نہیں

ایک شخص بنک میں ملازم ہے اپنی تنخواہ سے کچھ پیسے ماہانہ اکٹھا کرتا رہا اور یہ رقم نصاب کو پہنچ گئی ہے اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ مولوی محمد عبداللہ، حاصلپور قدیم۔

الجواب — مذکورہ مال نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں کیونکہ یہ سارا مال واجب التصدق ہے۔ فی القنیۃ لو کان الخبیث نصاباً لا یلزمه الزکوٰۃ لان الکل واجب التصدق علیه فلا یفید ایجاب التصدق ببعضه۔ اھ (شامیہ ج ۲ صـ۲۹۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۴؍۲؍۱۳۹۷ھ

ٹریکٹر کی مالیت پر زکوٰۃ نہیں ہے

ایک آدمی کے پاس ٹریکٹر ہے جو کہ ذریعہ معاش ہے بعض لوگوں کی زمینوں میں ہل وغیرہ چلا کر

اس کی آمدن حاصل کی جاتی ہے۔ آیا ٹریکٹر کی قیمت خرید پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟

الجواب: ٹریکٹر کی مالیت پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ البتہ اس سے جمع شدہ مالیت نصاب کو پہنچ جائے تو سال گزرنے کے بعد اس پر زکوٰۃ آئے گی۔

قولہ وکذا الات المحترفین ای سواء کانت مما لا تستھلک عینہ فی الانتفاع کالقدوم والمبرد اھ۔ (شامیہ ج ۲ ص ۲۰)

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۲/۶/۱۴۰۰ھ

زکوٰۃ میں دینے کے لئے رکھے ہوئے پیسوں کو بطور قرض دے سکتے ہیں

ایک آدمی کے پاس زکوٰۃ کے اپنے پیسے رکھے ہوئے تھے۔ کسی دوسرے آدمی کو ضرورت ہوئی تو کیا وہ دوست بطور قرض دے سکتا ہے۔ لیکن جب وہ واپس کرے گا تو وہ مستحق کو پہنچا دیئے جائیں گے۔؟ حسین علی نقشبندی درمدینہ مدرسہ ملتان۔

الجواب: فقیر کی ملکیت میں پہنچنے سے پہلے چونکہ یہ اسی کا مال ہے حسب منشاء اس کو صرف کر سکتا ہے۔ ولا یخرج عن العہدۃ بالعزل بل لا بالدفع للفقیر۔ اھ (درمختار مع الشامیہ ج ۲ ص ۱۵)

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۴/۲/۱۴۰۲ھ

حکومت جو زکوٰۃ کا پیسہ مدارس کو دیتی ہے وہ لے سکتے ہیں یا نہیں

موجودہ حکومت عشر و زکوٰۃ بالجبر وصول کرتی ہے اور عوام کے اندر تقسیم کرتی ہے۔ اور اسے زکوٰۃ کو مدارس عربیہ بھی لے رہے ہیں۔ اور اس میں چند امور قابل غور ہیں۔

کیا زکوٰۃ و عشر فی الحقیقت صحیح ہے جب کہ سود فنڈ سے جدا کیا جاتا ہے اور مالکان

رقوم سے اجازت بھی نہیں لی جاتی۔ کیا یہ زکوٰۃ و عشر کی رقم پبلک اور مدارس کے لئے حلال ہے یا حرام؟ اور بعض مدارس والے طیب اور حلال سمجھتے ہیں اور لے لیتے ہیں۔ اور بعض مدارس اس سے اجتناب کرتے ہیں۔

الجواب: حکومت کے طریق کار سے قطع نظر جن مدارس یا اصحاب کو یہ رقم جس نام سے دی جاتی ہے وہ اس کے مصرف ہوں تو ان کے لئے لینے کی گنجائش ہے۔

فقط واللہ اعلم۔ الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ۔

وکیل نے زکوٰۃ کے پیسے اپنی مستحق بیوی کو دیدیئے تو مؤکل کی زکوٰۃ ادا ہو گئی!

زید نے خالد کو دس روپے دیئے اور کہا کہ یہ زکوٰۃ کے روپے ہیں کسی مستحق کو دے دو۔ خالد نے سوچا کہ میری بیوی غریب ہے، صاحب نصاب نہیں ہے، اس لئے وہ دس روپے اپنی بیوی کو دے دیئے، آیا زکوٰۃ ادا ہو گئی یا نہیں، اور خالد گناہگار ہوا یا نہیں؟

۲: زید کسی مدرسے میں مدرس ہے، مکان مدرسہ والوں نے دیا ہے۔ اس مکان میں جو والی مدرسہ نے دیا ہے زید اس میں رہائش کرتا ہے۔ زید کو کسی نے زکوٰۃ کا روپیہ دیا، کہ مدرسہ میں دے دو یا کسی مستحق کو دے دو۔ زید دل میں سوچتا ہے کہ مدرسہ میں زکوٰۃ دینے کی بجائے اگر اس رقم سے دروازہ خرید کر مکان کو لگا دیا جائے تو مکان چونکہ مدرسہ کا ہے، دروازہ بھی مدرسہ کا ہو جائے گا اور مجھے جو تکلیف ہے کہ مکان کا دروازہ نہیں ہے وہ تکلیف بھی رفع ہو جائے گی۔ اگر زید اس زکوٰۃ والی رقم سے دروازہ خرید کر مدرسے کے مکان کو لگا دے تو زکوٰۃ ادا ہوتی یا نہیں؟

الجواب: ۱: زکوٰۃ ادا ہو گئی، خالد گناہگار نہیں ہوگا۔ وللوکیل ان یدفع لولدہ الفقیر وزوجتہ لا لنفسہ الا اذا قال ربہا ضعہا حیث شئت۔ (شامی ج ۲ ص ۱۵)۔ ۲: زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، اس لئے کہ تملیک نہیں پائی گئی۔ فقط واللہ اعلم۔

الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۳/۳/۱۴۰۳ھ

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

اپنے مدیون کو زکوٰۃ دے کر پھر قرض میں واپس لینے کا حکم

زید نے بکر سے تقریباً تین چار سال قبل مبلغ تیرہ ہزار روپیہ قرض حسنہ لیا تھا اور جب بکر نے واپسی کا مطالبہ کیا تو وہ کہتا ہے کہ میں جلدی دے دوں گا۔ لیکن اسی دوران میں زید نے ایک پلاٹ اپنی بیوی کے نام خرید کیا۔ کچھ اپنا پیسہ اور کچھ دوستوں سے لے کر جب مکان بنانے کا مرحلہ آیا تو زید نے کارپوریشن سے پلاٹ گروی رکھ کر سود پر قرض لیا۔ جو تقریباً ساٹھ ہزار کے قریب ہے۔ بکر نے جب زید سے اپنے تیرہ ہزار روپے کا مطالبہ کیا تو زید نے اپنی مجبوریاں ظاہر کرنی شروع کر دیں کہ میری اصلی ماہوار تنخواہ ہے۔ میرے گھر کا خرچہ مشکل سے پورا ہوتا ہے۔ بچے سکول میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اور تقریباً دس گیارہ بچے ہیں۔ کیا بکر اپنی زکوٰۃ میں سے یہ پیسے کاٹ سکتا ہے؟ جب کہ بکر موجودہ قرضہ سے کہیں زیادہ خدا کے فضل سے زکوٰۃ دیتا ہے۔

الجواب

زید کے مصرف زکوٰۃ ہونے کی صورت میں بکر اپنی زکوٰۃ زید کو دے سکتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک روپے والے نوٹ کی صورت میں زید کو زکوٰۃ دی جائے۔ پھر اس سے اپنے قرض میں وصول کی جائے۔

وحیلۃ الجواز ان یعطی مدیونہ الفقیر زکوٰتہ ثم یاخذھا من دینہ اھ۔ (درمختار علی الشامیۃ۔ ج ۲ ص ۱۴)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۰ر ۲ر ۱۴۰۲ھ	الجواب صحیح بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ہذا

بے روزگار کو زکوٰۃ دینے کا حکم

زید کے پاس کسی قسم کی مالیت کا نصاب نہیں لیکن بے روزگار رہتا ہے۔ کیا زید کو زکوٰۃ کا پیسہ دیا جا سکتا ہے؟

قاری غلام نبی ممتاز آباد۔ ملتان

الجواب

زید کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ بیک وقت نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ نہ دی جائے۔

ھو فقیر وھو من لہ ادنی شیء ای دون نصاب او قدر

نصاب غنی نامستغرق فی الحاجۃ ۔ اھ (ردالمحتار ج ۲ ص ...)

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم
الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۰/۲/۱۳۹۹ھ

قومی اتحاد کو زکوٰۃ دینے کا حکم

آج کل موجودہ تحریک جو کہ قومی اتحاد کے پلیٹ فارم سے چل رہی ہے اس تحریک کے بارے میں علماء نے جہاد کا فتویٰ دیا ہے آیا اس میں زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ ؟

حاجی محمد حنیف، صدر انجمن تاجران شہر بہاولنگر

الجواب زکوٰۃ و صدقات کا مصرف عام فقراء و مساکین ہیں جن کی تفصیل قرآن و حدیث اور فقہ میں مذکور ہے۔ قومی اتحاد ہر چند کہ مطلب برار تو جائز ہے مگر کوئی وجہ استحقاق زکوٰۃ نہیں ہے۔ زکوٰۃ تب ہی ادا ہوگی جب اس کے مصرف کو دی جائے۔ جب کوئی سیاسی یا دینی جماعت زکوٰۃ و صدقات کی اپیل کرتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اس زکوٰۃ کو مصرف تک پہنچا دیں گے۔ خواہ وہ جلسہ و جلوس کا انتظام اور کارکنان کی تنخواہ مال زکوٰۃ سے نہیں دی جا سکتی۔ البتہ جماعت میں جو فقراء شامل ہوں وہ مستحق زکوٰۃ ہیں۔ ویسے ہی جو زخمی ہوں اور مصرف زکوٰۃ ہوں۔ ان کی ادویات وغیرہ خرید کر زکوٰۃ کے مال سے دی جا سکتی ہیں۔

بہرحال اگر کسی جماعت کے پاس زکوٰۃ کو اس کے صحیح مصرف تک پہنچانے کا انتظام ہو: اور کارکنان پر اعتماد ہو کہ وہ اس میں خیانت نہیں کریں گے تو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے مگر اس کا اہتمام ضروری ہے۔ "اتوا الزکوٰۃ" کا مطلب صرف جیب سے پیسہ نکال دینا نہیں ہے بلکہ صحیح مصرف تک پہنچا دینا بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی
خیر المدارس ملتان ۱۵/۵/۱۳۹۸ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں

(۱) قریشی (۲) ہاشمی خاندان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں ؟ (۳) اگر غلطی سے زکوٰۃ دے

دی گئی ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ۱۔ باستثناء بنو لہب، بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ در مختار میں ہے

ولا الی بنی ہاشم الا من ابطل النص قرابتہ و

ہم بنو لہب فتحل لمن اسلم منہم کما تحل لبنی المطلب

ثم ظاہر المذہب المنع اھ۔

شامی میں ہے۔

عبد المطلب اعقب اثنی عشر تصرف الزکاۃ الی اولاد

کل اذا کانوا مسلمین فقراء الا اولاد عباس وحارث واولاد

ابی طالب من علی وجعفر وعقیل قہستانی اھ (ج ۲ ص ۶۰)۔

۲۔ زکوٰۃ ادا ہو گئی مگر علم ہونے کے بعد دوبارہ دے۔

عملاً علی روایۃ ابی حنیفۃ تسہیلاً علی المزکی اھ (امداد المفتیین ص ۲۰)

باستثناء مذکورین قریش کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

۲۸ / ۳ / ۱۳۹۹ھ

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کے پیسے امام مسجد کو دینے کا حکم

ائمہ مساجد کو زکوٰۃ و عشر و صدقۃ الفطر اور چرم قربانی وغیرہ دیئے جاتے ہیں۔ عام احوال عرف اور خود تجربہ کے پیش نظر چند امور پیش خدمت ہیں تاکہ ان کو ملحوظ رکھتے ہوئے تسلی بخش جواب سے مستفید فرمائیں۔

۱۔ اول یہ کہ دورِ اول تقرر امام کے وقت ایجاب و قبول صریحاً میں تحقیق اجرت کا نام اجرت نہیں ذکر کیا جاتا۔

۲۔ اگر یہ لوگ زکوٰۃ نہ دیں یا ان میں بعض نہ دیں تو اگرچہ امام کا گزارہ ہوتا ہے مگر امام ان سے مطالبہ کرتا ہے اور ناراض ہوتا ہے بلکہ جواب دے کر امامت چھوڑ دیتا ہے۔

۳۔ امام اگر اپنے فرائض میں کمی کرے یا نہ کرے جو بہت سارے فرائض ہیں، تو لوگ بھی زکوٰۃ کم

کچھ نہیں دیتے، بلکہ جواب دے دیتے ہیں

۳۔ بستی کے لوگ اگر کسی اور فقیر یا کسی عالم وغیرہ کو زکوٰۃ دیتے ہیں تو برا سمجھا کرتے ہیں یا اگر امام کو پتہ چلتا ہے تو ناراض ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عوام و خواص کی نظروں میں امام فقیر نہیں اس لئے مصرفِ زکوٰۃ نہیں مگر لوگ اجرت کے طور پر تنخواہ دینے کے لئے بھی تیار نہیں۔ اس صورت میں امام اجرت کے طور پر زکوٰۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟ باحوالہ جواب اور تفصیلی حکم سے مستفید فرمائیں۔

عبد الحفیظ: شریک دورۂ حدیث، مدرسہ بحر العلوم

نزد سریاب کسٹم مستونگ روڈ، کوئٹہ، بلوچستان

الجواب

زکوٰۃ کی رقم بطورِ اجرت امام صاحب کو نہیں دے سکتے۔ اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، کیونکہ زکوٰۃ کی تعریف یہ ہے۔

"تملیک المال من فقیر مسلم غیر هاشمی ولا مولاہ بشرط قطع المنفعة عن المملک من کل وجه لله تعالیٰ" (عالمگیری ج ۱ ص ۱۷۰)

مالِ زکوٰۃ بخشنے کے لئے یہ شرط ہے کہ دینے والے کی منفعت اس مال سے متعلق نہ ہو جیسا کہ خادم سے اس مال کے عوض منفعت حاصل کر چکا ہے۔ چنانچہ بحر میں ہے۔

"لو نوی الزکوٰۃ بما یدفع المعلم الی الخلیفة ولم یستأجرہ ان کان الخلیفة بحال لو لم یدفعه یعلم الصبیان ایضا اجزأہ والا فلا۔ (ج ۲ ص ۲۱۲)

اس جزئیہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ استیجار کی صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ نیز چرمِ قربانی کی قیمت کا حکم زکوٰۃ کی مثل ہے۔ اس قیمت کو ذابح یا قصائی کو بطورِ اجرت نہیں دے سکتے۔

ہدایہ میں ہے۔ "ولا یعطی اجر الجزار والذابح منها"۔ (ج ۴ ص ۴۵۰)۔

الحاصل اگر لوگ امام مسجد کو زکوٰۃ کی رقم بطورِ تنخواہ کے دیتے ہوں تو اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، ایسے لوگ دوبارہ اپنی زکوٰۃ ادا کریں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ | بندہ محمد عبد اللہ ۱۴۰۰/۳/۱ھ

اندازہ میں غلطی کی وجہ سے مقدار واجب سے زیادہ زکوٰۃ دے دی تو زائد کو آئندہ سال کے حساب میں شمار کر سکتے ہیں

اگر کوئی شخص اندازے سے زکوٰۃ نکالے اور بعد میں حساب کرنے پر معلوم ہو کہ سات آٹھ روپیہ زائد نکال دیئے۔ تو کیا اس زائد مقدار کو اگلے سال کی زکوٰۃ میں شمار کیا جا سکتا ہے؟

الجواب زکوٰۃ سے زائد رقم کو آئندہ سال کی زکوٰۃ میں شمار کر سکتے ہیں۔ شامی میں بحوالہ ولوالجیہ منقول ہے۔ ولو کان عندہ اربعمائۃ درھم فادی زکوٰۃ خمس مائۃ ظاناً انھا کذالک کان لہ ان یحسب الزیادۃ للسنۃ الثانیۃ لانہ امکن ان یجعل الزیادۃ تعجیلاً۔ (ج ۲ ص۱۲)

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ۔

مقروض معترف ہو تو زکوٰۃ واجب ہے

ایک شخص نے قرضہ لیا اس کا اقرار کرتا رہا۔ آخر چیدہ سال گزر گئے۔ مالک پر کتنے سالوں کی زکوٰۃ لازم ہے؟

الجواب اگر یہ رقم بقدر نصاب ہے تو گزشتہ چیدہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہے۔ وفی مقر بہ تجب مطلقا سواء کان ملیًا او معسرًا الخ (ھندیہ ج ۱ ص۱۷۵)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۲ / ۴ / ۱۳۹۵ھ

نوٹوں میں زکوٰۃ کے وجوب پر ایک شبہ کا جواب

آپ نے فرمایا ہے کہ نوٹ مال نہیں بلکہ ایک قسم کا چیک اور حوالہ ہے جب

بلکہ نوٹ مال نہیں تو پھر نوٹوں پر زکوٰۃ فرض ہی نہیں ؟

ہاں آپ نے لکھا ہے کہ کاغذ کے بدلے حکومت نقد روپیہ ادا کرنے کے لئے تیار ہے ۔ تو
پھر بیان سے معلوم ہوا کہ اصل مال کا جب وہ مالک بنے گا تو پھر اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی ، ورنہ ہرگز
نہیں ۔ کیونکہ اس کے پاس تو ایک قسم کا چیک ہے اصل مال نہیں ۔ جب اصل مال نہیں تو زکوٰۃ بھی
لازم نہیں ۔ ؟

تیسری بات یہ ہے کہ جیسے آپ نے لکھا ہے کہ " اگر خدانخواستہ وہ نوٹ فقیر کے ہاتھ سے گر
کر گم ہو جائے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی "

معترض نے اس پر یہ اعتراض اٹھایا ہے کہ ایک شخص غلہ خرید کرتا ہے ۔ وہ نوٹوں کی ایک رقم
ادا کرتا ہے مگر پھر جب وصول کر لیتا ہے تو اس کے بعد اس سے وہ گم ہو جاتے ہیں تو جو شخص
رقم ادا کر چکا ہے وہ ابھی قرض دار ہوا ۔ کیونکہ اصل چیز ادا نہیں کی ۔

۔ وہ دوسری بات یہ ہے کہ زکوٰۃ میں جو غلہ یا کپڑا وغیرہ بھی ادا کر سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب بعون الوہاب

پہلے آپ یہ بتائیں کہ اگر کسی کا کسی پر قرض ہو تو جو قرض میں مال دیا ہوا ہے
اس کی مالک پر زکوٰۃ ہے یا نہیں ؟ جب اس میں زکوٰۃ ہے تو نوٹ کا معاملہ
تو قرض سے بھی زیادہ اہم ہے ۔ کیونکہ قرض پر قبضہ کرنے کے لیے بہت سے مقدمات طے کرنے
پڑتے ہیں ۔ بلکہ قرض پر قبضہ اختیاری بھی نہیں ، وہ دوسرے کے اختیار میں ہوتا ہے ۔ بخلاف
نوٹ کے کہ جب چاہے جس وقت چاہے بینک سے یا دوسرے جہاں سے چاہے نوٹ دے کر
مال پر قبضہ کر سکتا ہے ۔

باقی آپ کا جو غلہ والا شبہ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات تو ٹھیک ہے کہ مشتری
بائع کو اصل مال نہیں دیتا بلکہ ایک چیک دیتا ہے اور حکومت کا حوالہ دیتا ہے کہ میرے حکومت
کے ذمہ اتنے روپے ہیں تم وصول کر لینا ۔ اور حکومت نے پہلے ہی سے حوالہ قبول کیا ہوا ہے کیونکہ
نوٹ پر لکھا ہوا ہوتا ہے کہ اتنے روپے عند المطالبہ سرکاری خزانہ سے دے دیئے جائیں گے ۔ اور
جب بائع وہ نوٹ لے لیتا ہے تو یہ بھی گویا اس کو قبول کر لیتا ہے ۔ تو جب حوالہ تام ہو جائے
پھر محتال کو محیل پر رجوع کا حق نہیں ہوتا ۔

ہاں اس وقت رجوع کا حق ہوتا ہے جب محتال علیہ سستی کرے ۔ اور یہاں تو محتال علیہ یعنی

حکومت کی طرف سے کوئی مستحق نہیں اور بعد حوالہ کے تام ہونے کے محیل دین سے بری ہو جاتا ہے

اذا تمت الحوالة برئ المحيل من الدين بالقبول (ہدایہ ج ۳)

اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ بائع اگر نوٹ گم کردے تو اس کو دوبارہ مشتری پر رجوع کا حق نہیں۔ اور نہ ہی مشتری اس کا مقروض متصور ہوگا۔ اور زکوٰۃ میں نقد وغیرہ وغیرہ ادا کرنا جائز ہے اس سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

بندہ احمد علی غفرلہ
۲۶ محرم الحرام ۱۳۷۶ھ

تنخواہ وصول ہونے سے پہلے نصاب میں شمار نہیں ہوگی

ایک شخص کچھ رقم کا مقروض ہے جس سے کم اس کے پاس نقد موجود ہے۔ لیکن مستاجر پر اس کی تنخواہ واجب ہے۔ کیا اس تنخواہ کو جو مہینہ ختم ہونے سے اس کا حق ہو چکی ہے مستاجر پر قرض شمار کر کے صاحب نصاب ہونے یا نہ ہونے میں یا مقدار زکوٰۃ کا حساب لگانے میں اس کو شمار کیا جائے گا یا نہیں؟

اور کیا جتنے دن مہینے کے گزر گئے ہوں اتنے دن کی تنخواہ کا بھی حساب لگانا چاہیئے؟

آفتاب احمد جالندھری وارد خیر المدارس ملتان

الجواب تنخواہ بدل منافع ہے اور عبید للتجارت کی اجرت کو دین ضعیف یا متوسط سے قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ ایک روایت دین قوی کی بھی ہے۔ دیکھئے

شامیہ، ج ۲ ص ۔

لیکن منافع حر کو مال قرار دینا دشوار ہے لہٰذا منافع حر کا معاوضہ دین ضعیف میں داخل ہوگا۔ اور دین ضعیف کا حکم بعد قبضہ جب کہ دوسرا مال نصاب موجود ہو وہی ہے جو مال مستفاد فی اثناء الحول کا ہے۔ کما فی الشامیہ، ج ۲ ص ۔

وهذا كله اذا لم يكن له مال غير الدين فان كان له غير ما قبض نصاب كامل فيضم اليه۔

پس صورتِ مسئولہ میں اختتامِ سال پر تنخواہ کو وصول شدہ تصور کرتے ہوئے نصاب کی تکمیل کا اندازہ نہیں لگایا جائے گا، تا وقتیکہ وصول نہ ہو جائے۔ البتہ بعد الوصول دوسرے مال کو ملا کر فوراً نصاب شمار ہو گا۔ جب کہ دوسرا مال موجود ہو۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۷/۷/۱۴۰۰ھ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

پاکستانی دو سو روپے پر زکوٰۃ واجب نہیں

علمائے چترال نے سونا چاندی نہ ہونے کی صورت میں دو صد پاکستانی روپے پر زکوٰۃ واجب کر رکھی ہے۔ برسوں سے اس پر عمل جاری ہے جب ان سے سند مانگی گئی تو انہوں نے یہ ذیل عبارت بطورِ سند پیش کی۔

وقال الولوالجي ان الزكوة تجب في الغطارفة اذا كانت مائتين لانها اليوم من دراهم الناس وان لم تكن من دراهم الناس في الزمن الاول وانما يعتبر في كل زمان عادة اهل ذالك الزمان اهـ (بحر الرائق ج ۲ - ص ۲۲۷)۔

نوٹ: غطارفہ اس سکہ کو کہتے ہیں جس میں چاندی نہ ہو۔

الجواب دو صد پاکستانی روپیہ پر زکوٰۃ واجب نہیں، بلکہ جب اتنی مقدار کو پہنچ جائے جس سے ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جا سکے تب زکوٰۃ واجب ہوگی۔ کیونکہ ان میں چاندی معدوم ہے تو یہ مثل فلوس ہو گئے۔ اور فلوس جب سکہ رائج ہوں تو ان کی قیمت میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ جب ان کی قیمت ادنیٰ نصاب کو پہنچے گی تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ شامی میں ہے۔

في الشرنبلالية الفلوس ان كانت اثمانا رائجة او سلعا للتجارة تجب الزكوة في قيمتها والا فلا۔ (ص ۳۲ مصری)۔

اور یہ حکم بعض معمولی تفاوت کے ساتھ دراہم مغشوشہ کا ہے جن پر کھوٹ غالب ہو۔ جیسے کہ بحر میں ہے۔

وان غلب الغش فليس كالفضة كالستوقة فينظر ان كانت رائجة او نوى التجارة اعتبرت قيمتها فان بلغت نصابا وجبت فيها الزكوة والا فلا ۔ اهـ (بحر ج ۲ ص ۲۲۶) ۔

یہی حکم پاکستانی روپیہ میں ہے، دونوں الفضہ ہو یا مغلوب الفضہ ہو، دونوں صورتوں میں اس کا حکم معلوم ہو گیا اور ولوالجی کا جو قول بحرالرائق سے سوال میں مذکور ہے ۔ اولاً تو وہ مقید ہے اس قید کے ساتھ کہ ان کی مالیت عہد نبوی کے دراہم سے کم نہ ہو ۔ فتح القدیر میں اس قول کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے ۔

لا انی اقول ینبغی ان یقید بما اذا کانت لہم دراہم لا تنقص عن اقل ما کان وزنا فی عہدہ صلی اللہ علیہ وسلم وہی ما تکون العشرۃ وزن خمسۃ لانہا اقل ما قدر النصاب بمائتین حتی لا تجب فی المائتین من الدراہم السعودیۃ الکائنۃ بمکۃ وان کانت دراہم قوم ۔ (بحر ج ۲ ص ۲۲۵)

ثانیاً یہ قول ولوالجی مرجوح ہے ۔ بحرالرائق ج ۲ ص ۲۲۵ دیکھئے ۔

فاما الغطارفة فقيل يجب فى كل مائتين منها خمسة منها عددا لانها من اعز الاثمان والنقود عندهم وقال السلف ينظر ان كانت رائجة او سلعة للتجارة تجب الزكوة فى قيمتها كالفلوس وان لم تكن للتجارة فلا زكوة فيها لان ما فيها من الفضة مستهلك لغلبة النحاس عليها فكانت كالستوقة وفى البدائع قول السلف اصح اهـ

اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غطارفہ میں بھی چاندی ہوتی ہے مگر مغلوب ہو ۔ تو یہ لکھنا درست نہیں کہ غطارفہ اس سکہ کو کہتے ہیں جس میں چاندی نہ ہو ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۲ / ۸ / ۱۳۹۸ھ

دینی اداروں کے مخلص جاں نثار کارکن جب ضعف پیری کے سبب خدمات سرانجام دینے کے قابل نہ رہیں تو ادارہ زکوٰۃ سے ان کی مستقل امداد کر سکتا ہے

علمائے کرام نے مغلیہ دور کے بعد انگریزی دور میں تقسیم ملک کے بعد پاک و ہند میں ہر قسم کی مصائب و مشکلات کے باوجود تبلیغی اور تدریسی مسند جاری رکھی اور دین کے بقاء کے لئے جان و مال قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ اوّل تو معاوضہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر معاوضہ ملا بھی گیا تو نہایت قلیل مقدار میں لیکن تبلیغ اسلام اور دینی تعلیم اور تربیت میں خلاء پیدا نہ ہونے دیا اور یہ دینی خدمات محض حسبۃً للہ انجام دیں۔ معاوضہ کے بارے میں نہ کبھی اضافہ کا اظہار کیا نہ کمی کا گلہ کیا۔

بہرحال زندگی بھر رضائے الٰہی کے لئے کام کرتے رہے۔ ایسے مخلص اور ایثار پیشہ لوگ سلف میں تو بہت پائے جاتے ہیں لیکن اس دورِ انحطاط و زوال میں تو ایسے بزرگوں کا وجود شاذ و نادر ہے۔ تاہم کچھ بزرگ آج بھی موجود ہیں جو دینی مدرسوں اور تبلیغی اداروں میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں اور قلیل مشاہرے کی وجہ سے پس انداز نہیں کر سکتے۔ اور جب دینی خدمات کے قابل نہیں رہتے اور ضعف و پیری وغیرہ کے سبب کوئی کام بھی نہیں کر سکتے جو اس وقت قوت لایموت کا ذریعہ بن سکے۔ تو کیا ایسے حالات میں ان علمائے کرام کو جنہوں نے اپنی تمام زندگی دینی مدارس کا ہوں یا تبلیغی اداروں میں کام کیا ہو، اور کام کی نوعیت بھی کماحقہ طرح خلوص و ایثار پر مبنی ہو، اور کام بھی جانفشانی کے ساتھ ہو، اور کوئی اولاد یا قریبی رشتہ دار بھی نہ ہو اور کوئی سبب انداز رقم یا جائیداد بھی نہ ہو جو ان کی ضروریات زندگی کی کفیل ہو سکے۔ اور ان کی حالت بعینہٖ ان کا مصداق ہو کہ جو عمر گئی اسے غنیمت ظہیر تر قبر سمجھا۔

کیا ایسے کارکنوں کو ادارہ جس میں انہوں نے زندگی بھر کام کیا ہے۔ ازروئے شریعت کسی قسم کی مالی امداد دے سکتا ہے؟ اس کی مقدار کیا ہو اور طریق ادائیگی کیا ہو؟

مستفتی: (حضرت مولانا) محمد علی جالندھری (رحمہ اللہ تعالیٰ)
ناظم مرکزیہ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان، ملتان

الجواب صورت مسئولہ میں ادارہ ایسے مخلص کارکنوں کی کئی صورتوں سے امداد کر سکتا ہے۔

۱۔ تخفیف کار اور تقلیل مشاہرہ۔ یعنی سابقہ کام کی نوعیت تبدیل کر کے شخص مذکور کو ایسا کام دیا جائے جو بآسانی کر سکتا ہو۔ اور مناسب تقلیل مشاہرہ طے کر لیا جائے جو بقدر کفایت ہو۔

۲۔ اگر یہ مبلغ اس قابل بھی نہ ہو، تو بشرط فقر زکوٰۃ سے اس کی اعانت کی جا سکتی ہے جبکہ تملیک کرا کے تعمیرات و مشاہرات پر رقم صرف ہوتی رہتی ہیں۔ اس سے اولیٰ یہ ہے کہ یہ وہ حصہ زکوٰۃ اپنے مصرف میں صرف ہو جائے گی۔

۳۔ ایسے مخلص کارکنان کی کفالت و سرپرستی کی مناسب صورت اور قابل عمل شرح تجویز کر کے اپنے ضوابط و آئین میں اس امر کا اضافہ کر لیں۔ چندہ دہندگان اور عوام الناس میں جب یہ معلوم ہو جائے گا تو اس مد پر خرچ بھی جائز ہو جائے گا۔ جیسے کہ دوسرے مدات میں خرچ کیا جاتا ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔

الجواب صحیح	الجواب صحیح
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۲۹/۱۱/۱۳۹۰ھ	بندہ محمد اسحاق غفرلہ ۲۵/۱۱/۱۳۹۰ھ

صرف بے آباد زمین ملکیت میں ہو تو زکوٰۃ لے سکتا ہے

سائل مشتاق احمد ٹانگوں سے معذور ہے کسی قسم کی نوکری اور مال میرے پاس نہیں ہے تھوڑی سی بے آباد زمین ہے جس سے کسی قسم کی آمدنی نہیں ہوتی کیا بندہ زکوٰۃ لے سکتا ہے؟

الجواب سائل کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔ مثل من له ضياع يزرعها او حانوت يستغلها او دار غلتها ثلاثة آلاف ولا تكفي لنفقته ونفقة عياله سنة يحل له اخذ الزكوة (شامی ج ۲)

فقط واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ ——— الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

مزدوری سے جمع شدہ غلہ کو تجارتی غلہ میں شامل نہیں کیا جائے گا

ایک شخص کے پاس ماہ جنوری [illegible] میں نصاب زکوٰۃ کی نقدی جمع ہوگئی۔ مالک نے اس نقدی کو غلہ گندم برائے تجارت کے رکھ دیا۔ پھر قبل از حولان حول اپنی مزدوری کا جمع شدہ غلہ بھی شامل ہوگیا۔ اب ماہ جنوری [illegible] میں زکوٰۃ دینی ہے کیا مستفاد غلہ سے بھی زکوٰۃ دینی پڑے گی؟

الجواب

مستفاد مذکورہ (مزدوری سے غلہ) میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ اگرچہ اسے فروخت کرنے کی بھی نیت ہو۔

" وفی اول الاشباہ ولو خارج النیۃ ما لیس بدل مال بمال لا تصح علی الصحیح " (درمختار ۔ ج ۲ ۔ مع شامی) ۔ پہلے غلہ میں زکوٰۃ واجب ہے۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبد اللہ عفا اللہ عنہ [illegible]	بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

نوٹ: ذیل کا جواب اس صورت میں ہے جبکہ مزدوری میں بعینہٖ غلہ حاصل کیا گیا ہو۔ اور اگر مزدوری یا تنخواہ کی رقم سے بغرض تجارت غلہ مستفاد خریدا گیا تو اس صورت میں غلہ مستفاد پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ خوب سمجھ لیا جائے۔ فقط

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

رہائش کیلئے خریدے ہوئے پلاٹوں کی مالیت پر زکوٰۃ کا حکم

ایک شخص کے پاس اپنے رہائشی مکان کے علاوہ دیگر پلاٹ وغیرہ بھی ہیں۔ جنہیں خریدتے وقت اس کی نیت یہ تھی کہ وہ یہ پلاٹ اپنے بھائیوں یا بچوں میں تقسیم کرے گا۔ زکوٰۃ ادا کرتے وقت اس کو ان پلاٹوں کی زکوٰۃ بھی ادا کرنی پڑے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مسئولہ پلاٹوں کی مالیت میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ البتہ اگر اس کی کچھ آمدنی ہو۔ مثلاً کرایہ وغیرہ آتا ہے۔ تو آمدنی میں صاحب نصاب پر سال پورا ہونے پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ درمختار میں ہے: ولا فی ثیاب البدن واثاث المنزل ودور

السکنی ونحوها۔

اس پر علامہ شامیؒ فرماتے ہیں۔

قوله ونحوها كثياب البدن الغير المحتاج اليها وكالحوانيت والعقارات اهـ (شامية ج ۲ ص ...) وكذا في فتاوى دار العلوم ج ۶ ص ۱۴۲)۔

الجواب صحیح
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

نصاب سے کم سونے کو چاندی کے ساتھ کیسے ملایا جائے

ایک شخص نصاب چاندی ۵۲½ تولہ کا مالک ہے اور پانچ تولہ سونا علاوہ چاندی کے ہے۔ کیا اس سونے کو چاندی کے ساتھ ملایا جائے گا اور زکوۃ ہوگی یا اتنی مقدار سونے پر زکوۃ نہیں ہے؟ احمد یار، دین پور متصل جیا دستگیر

الجواب: اس سونے کو چاندی سے قیمت کے لحاظ سے ملا کر زکوۃ دی جائے گی۔ یعنی سونے کی قیمت لگا کر اسے چاندی میں ملایا جائے گا۔

وقيمة العروض للتجارة تضم الى الثمنين لان الكل للتجارة وضعا وجعلا ويضم الذهب الى الفضة وعكسه بجامع الثمنية قيمة۔ (در مختار على الشامية ج ۲ ص ۴۵)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

کون کون سی اشیاء حوائج اصلیہ میں شمار ہوں گی

۱۔ ضروریات زندگی سے زائد سامان جو بقدر نصاب ہو، اس پر صدقہ فطر و قربانی کے وجوب کے فقہاء کرام قائل ہیں اس کی تفسیر کیا ہے۔

۲۔ ادائیگی زکوۃ میں تملیک کی شرط پر غالباً اجماع ہے۔ لیکن مولانا عثمانی مد ظلہ۔۔ "دل الکتاب"

کی تفسیر یوں فرماتے ہیں کہ یا خرید کر آزاد کئے جائیں یا فدیہ دیا جائے۔ یہ بظاہر اجماع اور کتب فقہ حنفی کے خلاف ہے۔ اس کی توجیہ سے مطلع فرمائیں۔

الجواب ۱۔ ضروری سامان بظاہر وہی ہے جو عام طور پر زیر استعمال رہتا ہے اور اس کے نہ ہونے سے تکلیف ہوتی ہے۔ مراقی الفلاح میں ہے۔

وهي مسكنه واثاثه وثيابه وفرسه وسلاحه وعبيده للخدمة الخ ۔ الشامية لا بأس ان يعطى من الزكوة من له مسكن وما يتأثث به في منزله وخادم وفرس الخ (ج ۲ - ص ۶۸)

ابن ملک نے حاجت اصلیہ کی تفسیر کی ہے۔

كما فسره ابن ملك بما يدفع عنه الهلاك تحقيقا كالنفقة ودور السكنى وآلات الحروب والثياب المحتاج اليها لدفع الحر او البرد او تقديرا كالدين ۔ اھ

بہشتی زیور میں ضروری سامان کی تشریح یوں لکھی ہے۔

" اور وہ سب کام میں آیا کرتا ہے (ج ۳ ص ۲۹) نیز ج ۲ ص ۳۲ پر ہے: " رہنے کا گھر پہننے کے کپڑے اور کام کاج کے لئے نوکر، اور گھر کی گرہستی جو اکثر کام میں رہتی ہے یہ سب ضروری سامان میں داخل ہیں " اھ

تشریحات بالا سے ظاہر ہے کہ ضروری سامان کی تعریف میں زیر استعمال ہونا اور اس کے نہ ہونے سے تکلیف ہونا داخل ہے۔ اس ضرورت و استعمال سے مراد اضطرار نہیں، بلکہ نفس حاجت ہے۔ اور مباح الاستعمال ہونا بھی لازم ہے۔ ہاں اس میں تقدیر نہیں کفایت کا اعتبار ہے

قال في المراقي والمعتبر فيه الكفاية لا التقدير ۔ اھ

جو اشخاص و حالات کے اعتبار سے مختلف ہو سکتی ہے۔ مثلاً ایک کیلئے سائیکل کافی ہے دوسرے کے لئے موٹر کار ضروری ہے۔ لیکن وجوب اضحیہ کا مدار قدرت ممکنہ پر ہے۔ اس لئے اس میں زیادہ توسیع منشائے شارع اور تصریحات فقہاء کے خلاف ہوگی۔ عبارات فقہاء رحمہم اللہ سے ... کا لحاظ ضروری ہے۔ کپڑوں کے تین جوڑے ضروری ہیں۔ زائد کو غیر ضروری قرار دیا ہے۔ کسان کے لئے ایک جوڑا بیلوں کا ضروری ہے۔ زائد غیر ضروری ہے۔ اسی طرح اس کے لئے کھیتی کے

غیر ضروری زائد قرار دیا ہے ۔

جیسے قریہ کے لئے ایک گھوڑا حاجت ہے ۔ زائد نہیں ۔

یہ جزئیات عالمگیری میں موجود ہیں ۔ عبارات بالا اور ان جزئیات میں کہیں اس امر کا اشارہ نہیں کہ جس سامان کا فقدان باعث عار ہو ۔ وہ بھی حوائج اصلیہ میں داخل ہے ۔ اس لئے موجودہ معاشرہ میں دلہن کے تمام جہیز مروج کو سامان ضرورت قرار دینا مشکل ہے ۔ ہاں جہیز میں اس جیسی دلہن کیلئے جو چیزیں زیر استعمال رہیں گی وہ ضروری ہیں ۔ اور اس سے زائد کا حساب کیا جائے گا ۔ جو بغرض زینت ونمائش اور تفاخر دی جاتی ہیں ۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں ۔

وسئلت عن المرأة هل تصير غنية بالجهاز الذي تزف به إلى بيت زوجها والذي يظهر مما مر أن ما كان من أثاث المنزل وثياب البدن وأواني الاستعمال مما لا بد لأمثالها منه فهو من الحاجة الأصلية وما زاد على ذلك من الحلي والأواني والأمتعة التي يقصد بها الزينة إذا بلغ نصابا تصير به غنية . اھ

۲ — اور وفی الرقاب ، کی تفسیر میں دو قول ہیں ۔

(۱) اس سے مراد مکاتب ہیں ۔ زکوٰۃ مکاتب کو دی جائے تاکہ وہ بدل کتابت ادا کر سکے ۔ اس میں تملیک متحقق ہو جاتی ہے جمہور اسی کے قائل ہیں ۔ اور بعض احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے ۔

(۲) عام مراد ہے ۔ مکاتب ہو یا دوسرا غلام خرید کر آزاد کر دیا جائے اس سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ۔ امام مالکؒ و احمدؒ و اسحاقؒ اسی کے قائل ہیں ۔

وأما الرقاب فروي عن الحسن البصري ومقاتل بن حيان وعمر بن عبد العزيز وسعيد بن جبير والنخعي والزهري وابن زيد أنهم المكاتبون وروي عن أبي موسى الأشعري نحوه وهو قول الشافعي والليث رضي الله عنهما وقال ابن عباس والحسن لا بأس أن تعتق الرقبة من الزكاة وهو مذهب إسحاق ومالك وأحمد أي

والرقاب اعم من ان يعطى المكاتب او يشترى رقبة فيعتقها

استقلالا (ابن کثیر، ج ۲، صفحہ [illegible])۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مسئلہ ابن کثیر رحمہ سے لیا ہے اور اسی کے مطابق تحریر فرمایا ہے۔ راجح و مرجوح کی بحث سے الگ ہو کر حضرت عام تفسیر فرما رہے ہیں۔ باقی یہ درست ہے کہ حنفیہ کے نزدیک اعتاق کی صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

ولا الى ثمن ما لا يعتق لعدم التمليك اى بعتقه للذى اشتراه بنية زكوة ماله. اھ (درمختار و شامی، ج ۲ ص [illegible])۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
۲۲ / ۵ / ۱۳۹۵ھ

سال کے شروع و آخر میں صاحب نصاب ہو تو زکوٰۃ فرض ہے اگر درمیان میں مال بالکل ختم نہ ہوا ہو

ایک شخص کو ہر مہینے کے شروع میں زکوٰۃ کے نصاب سے زائد رقم ملتی ہے لیکن ختم مہینہ تک نصاب سے کم رہ جاتی ہے بالکل ختم نہیں ہوتی۔ اسی طرح سال گزر جاتا ہے۔ اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: جب یہ شخص شروع مہینہ میں صاحب نصاب ہو گیا تو اسی وقت سے اس کو حساب لگانا چاہئے۔ اگر اس کے پاس آخر سال تک ایسے ہی رقم آتی جاتی رہی لیکن بالکل ختم نہیں ہوتی تو آخر سال میں نصاب کے برابر رقم موجود ہوئی تو زکوٰۃ واجب ہو گی۔ درمیان میں نصاب کی کمی و بیشی سے فرق نہیں پڑے گا بشرطیکہ کسی وقت مال بالکل ختم نہ ہوا ہو۔ لكن هذا الشرط يعتبر فى اول الحول وآخره لا فى خلاله (بدائع، ج ۲ ص [illegible])۔ وفيه ولا يعتبر فى هذا النصاب صفة زائدة على كونه فضة فى قوله اذا بلغت مائتى درهم وسواء كان يمسكها للتجارة او للنفقة او للتجمل او لم ينو شيئا (بدائع ص [illegible])۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ ۴ رجب ۱۳۷۰ھ

بندہ محمد صدیق غفرلہ
معین مفتی خیر المدارس ملتان

سالہائے گذشتہ کی زکوٰۃ دیتے وقت سونے چاندی کی موجودہ قیمت کا اعتبار ہوگا یا یوم وجوب کی قیمت کا؟

ایک شخص کے ذمہ قربانی و زکوٰۃ واجب ہوئی مگر کئی سال گزرنے کے بعد ادا کرنے کا ارادہ کیا اب وہ قربانی کی قیمت اور زکوٰۃ والے سونے کی قیمت ادا کرنا چاہتا ہے تو قیمت یوم الوجوب کی معتبر ہوگی یا یوم الاداء کی۔ نیز اگر سونا ہی زکوٰۃ میں دیوے تو مثلاً چالیس تولہ سونا میں سے پہلے سال کی زکوٰۃ ایک تولہ ہوگی۔ دوسرے سال انتالیس تولہ کا چالیسواں حصہ ادا کرے۔ یا چالیس تولوں کا چالیسواں حصہ؟ صورت یہی ہے کہ کئی سالوں کی زکوٰۃ اکٹھی ادا کرنا چاہتا ہے۔
اسی طرح قربانی میں مثلاً دس سال کی قربانی اس کے ذمہ ہے۔ تو ایک سال کا ٹے کی قیمت اور دوسری کاٹے کی قیمت کا تعین کس طریقہ سے ہوگا یا نہیں؟

محمد سرور۔ مدرس جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور

الجواب صاحبین کے نزدیک یوم الاداء کی قیمت لگائی جائے اور امام اعظمؒ کے نزدیک یوم الوجوب کی۔ صاحبینؒ کا قول انفع للفقراء ہے اور امام اعظمؒ کا قول انفع لصاحب المال ہے۔ کیونکہ آج کل قیمت بڑھی ہوئی ہے۔ اور یوم الوجوب والا مسئلہ میں قیمت کم تھی۔ مستفتی احتیاط پر عمل کرنا چاہے تو احوط قول صاحبینؒ کا ہوگا۔ نیز اول میں چالیس تولہ کی زکوٰۃ میں ایک تولہ نکال کر دوسرے سال انتالیس تولہ کی۔ وعلی ہذا الی آخرہ نکالنی ہوگی۔

دلیل المسئلۃ الاولی و تعتبر القیمۃ یوم الوجوب و قالا یوم الاداء وفی السوائم یوم الاداء اجماعاً و هو الاصح ، در مختار ج ۲ ص ۲۸۶۔
و دلیل المسئلۃ الثانیۃ المفهوم من عبارۃ البحر و وجوب الزکاۃ

مانع حال بقاء النصاب لانه ينتقص به النصاب۔ (ج ۲ صفحہ ۱)

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد شعیب اللہ عفا اللہ عنہ: ۱۱/۲/۶/۱۳۹۰ھ

حوائج اصلیہ خریدنے کے لئے جمع کردہ روپے میں زکوٰۃ کا حکم

ایک شخص کے پاس رہائش مکان نہیں، سواری کے لئے سائیکل نہیں ہے، جہاد کے لئے اسلحہ نہیں ہے، کاریگر ہے مگر کاریگری کے آلات نہیں ہیں، اس نے کچھ پیسے جمع کیا تاکہ یہ حوائج اصلیہ خرید سکے۔ ان پیسوں پر اگر یہ نصاب سے زائد ہوں تو سال گذرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب: مذکورہ بالا صورت میں جب کہ یہ پیسے حوائج اصلیہ کے لئے تیار کئے گئے ہوں سال گذرنے کے بعد ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ علامہ طحاوی عطی مراقی الفلاح، فقہ حنفی کی مشہور کتاب کے صفحہ ۳۹۰ میں ہے۔

فارغ عن الدين وعن حاجته الاصلية كثياب والمحتاج اليها لدفع الحر والبرد وكالنفقة ودور السكنى والات الحرب والحرفة الى قوله فاذا كان عنده دراهم اعدها لهذه الاشياء وحال عليها الحول لا تجب فيها الزكوة۔

ردالمحتار جزء ثانی میں ہے۔

وفارغ عن حاجته الاصلية وفسره ابن الملك اى فسر المشغول بالحاجة الاصلية والاولى فسرها وذلك حيث قال وهي ما يدفع الهلاك عن الانسان تحقيقا كالنفقة ودور السكنى واٰلات الحرب والثياب المحتاج اليها لدفع الحر والبرد او تقديرا كالدين فان المديون محتاج الى قضائه بما في يده من النصاب دفعا عن نفسه الحبس الذي هو كالهلاك فاذا كان له دراهم مستحقة ليصرفها الى تلك الحوائج صارت

كالمعدومة كما ان الماء المستحق يصرفه الى العطش كان كالمعدوم وجاز عنده التيمم ۔

علامہ شامی رح کی عبارت کا فیصلہ ہے کہ ایسے شخص کے ذمہ زکوٰۃ واجب نہیں۔ اور ایسے مال کو معدوم کہا جائے گا۔ اس لئے کہ حوائج اصلیہ میں مستغرق ہے۔

بحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۹ میں ہے۔

وشرط فراغه عن الحاجة الاصلية لان المال المشغول بها كالمعدوم وفسرها في شرح المجمع لابن الملك بما يدفع الهلاك عن الانسان تحقيقا او تقديرا فالثاني كالدين والاول كالنفقة ودور السكنى الخ

اس عبارت کا بھی وہی مضمون ہے جو علامہ شامی رح کی عبارت میں گزر چکا ہے۔ غرضیکہ فقہ حنفی کی مستند کتابوں سے یہی صریح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ایسے شخص کے ذمہ زکوٰۃ واجب نہیں ہے جس کا مال حوائج اصلیہ ضروریہ میں مشغول ہو اگرچہ اس پر سال گزر جائے۔

البتہ ایسے شخص کے لئے جس کا مال حوائج اصلیہ مذکورہ بالا میں مستغرق ہو زکوٰۃ کا لینا جائز ہے جیسا کہ طحطاوی ص ۴۳۳ باب المصرف میں ہے۔

وهو الفقير من يملك مالا يبلغ نصابا او يملكه وهو مستغرق في حاجته الاصلية فمن تحقق فيه هذا او هذا فهو فقير فقط هذا ما عندي والله اعلم بالصواب ۔

هذا هو الحق
ابو الوفاق محمد اسحاق خطیب ایبٹ آباد

محمد بشیر خطیب مسجد [illegible]
راولپنڈی

مجوزہ استفتاء کا جواب متذکرہ بالا بالکل صاف اور صحیح مسائل شرعیہ پر مبنی ہے، اور بالکل صحیح اور درست ہے۔ فاضل مجیب نے جن کتب فقہیہ کا حوالہ دیا ہے۔ اسی طرح فقہ حنفیہ کی دیگر کتب معتبرہ مثلاً تبیین الحقائق، زیلعی، فتح القدیر وغیرہ میں بھی موجود ہے۔ لہذا میرے نزدیک فاضل مجیب مذکورہ بالا فتوے دینے میں مصیب و صائب ہے۔

مولوی محمد شعیب مہتمم و خطیب مردان نگران جمعیت علماء مردان

الجواب صحیح والمجیب مصیب۔ محمد یوسف کان اللہ لہ مفتی دارالعلوم اکوڑہ خٹک پشاور

جو مال حاجت اصلیہ میں مستغرق ہو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

عبدالشکور غفرلہ مفتی جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک

ہذا ہو الحق وماذا بعد الحق الا الضلال بجہد نواحد خطیب مسجد راولپنڈی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایسا روپیہ جو نصاب کو پہنچا ہو یا نصاب سے زائد ہو اگر کسی شخص نے اس نیت سے جمع کر رکھا ہو کہ وہ اس روپیہ کو حوائج اصلیہ میں صرف کرے گا لیکن ابھی تک حوائج اصلیہ میں صرف کرنے نہیں پایا تھا کہ سال اس پر حولان حول ہو گیا تو اس روپیہ کے اندر وجوب زکوٰۃ میں اختلاف ہے۔ راجح قول یہ ہے کہ زکوٰۃ واجب ہو جائے گی جیسا کہ علامہ شامی نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ صاحب بحرالرائق و بدائع اور صاحب ہدایہ وغیرہ جمہور کا مسلک یہی ہے لہذا جواب محررہ بالا سے ہمیں اختلاف ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیرالمدارس ملتان ۱۳/ ۱۲/ ۷۶ء

مال مضاربت میں زکوٰۃ کے مسائل

زید نے عمرو کو کچھ رقم بطور مضاربت دی۔ اب اس کے متعلق چند سوالات کا جواب مطلوب ہے۔

۱۔ کیا زکوٰۃ صرف رب المال پر عائد ہوگی یا مال تجارت پر قبل از تقسیم منافع عائد ہوگی۔ اور حصہ رسدی اس میں سے عمرو بھی ادا کرے گا؟

۲۔ اگر تجارت میں بالفرض سارا پیسہ نہ لگایا جاسکے اور رب المال نے ساری رقم کارکن کے سپرد کر دی ہو تو جو رقم تجارت میں لگی ہوئی نہیں ہے اور کارکن کے قبضہ میں ہے کیا اس کی زکوٰۃ مشترک ہوگی یا صرف رب المال پر یا صرف کارکن پر؟

الجواب ۔۔۔ اگر مضاربت میں نفع نہیں ہوا صرف راس المال ہی ہے تو اس کی زکوٰۃ صرف رب المال پر واجب ہے۔ مضارب پر نہیں۔ اور اگر نفع ہو چکا ہے تو راس المال کی زکوٰۃ صرف رب المال پر واجب ہوگی۔ اور منافع کی زکوٰۃ علی قدر الحصص دونوں پہ ہوگی۔ لیکن یہ

رب المال کا حول راس المال کے وقت سے شروع ہوگا۔ درمیان سال میں جو نفع ہوتا رہا وہ راس المال کے ساتھ شامل ہوتا رہے گا۔ اور مضارب کا حول اس وقت سے شروع ہوگا جبکہ نفع مقدار نصاب کو پہنچا۔ یہاں سے اس کا حول شروع ہوگا۔ کما ھو المفهوم من قواعد الفقهاء۔

۲: صرف رب المال پر۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۷۲ھ

مختلف اموال ملک میں ہوں تو سب کی قیمت لگا کر مجموعہ پر زکوٰۃ ادا کرے

میں جوتوں کا کاروبار کرتا ہوں۔ باہر اور ملتان سے مال خرید کر جوتوں میں فروخت کرتا ہوں۔ دوکان میں اچھا اور پرانا مختلف قسم کا مال رکھتا ہوں۔ زکوٰۃ نکالنے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔؟

المستفتی محمد حنیف مالک پاک شو سٹور ملتان چھاؤنی

الجواب دوکان میں جتنا مال موجود ہے سب کی قیمت لگا کر رقم مشخص کر لی جائے اس میں مزید نقدی و زیورات وغیرہ اگر ہوں ان کی قیمت نیز جو آپ نے قرضہ جات لینے ہیں ان سب کو جمع کر لیا جائے۔ پھر اس مجموعی رقم سے چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ نکال دیجئے اگر کوئی قرضہ آپ کے ذمہ ہو تو یہ قرضہ مندرجہ بالا رقم مجموعی سے وضع کر کے پھر زکوٰۃ کا حساب لگایا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

پراویڈنٹ فنڈ میں زکوٰۃ نہیں ہے

بندہ ایک ریلوے ملازم ہے اور بندہ کو زکوٰۃ کے بارے میں مندرجہ ذیل فتویٰ درکار ہے۔

۱: ہر گورنمنٹ ملازم کے مستقل ہو جانے کے بعد پراویڈنٹ فنڈ ہر ماہ تنخواہ سے لازماً کاٹ لیا جاتا ہے جو کہ اس فنڈ کو ملازم اپنی ملازمت سے ریٹائر ہونے سے پہلے واپس نہیں لے سکتا کیا ایسی رقم پر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگی؟ البتہ ہر سال جتنی رقم کٹ جاتی ہے اس کا سود ڈالا دیا جاتا ہے۔

۲ ۔ آج کل بیمہ کمپنیاں زندگی وغیرہ کا بیمہ کرتی ہیں اور ماہانہ یا سہ ماہی قسط وصول کرتی ہیں۔ کیا بیمہ کرانا جائز ہے ؟

۳ ۔ کیا بیمہ شدہ رقم پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی ۔ یہ رقم بیمہ کی مدت ختم ہونے سے قبل نہیں مل سکتی۔

۴ ۔ حکومت یا ریلوے ملازم کو ریٹائرمنٹ کے بعد مذکورہ بالا پراویڈنٹ فنڈ کے علاوہ پنشن اور ختم ملازمت اور دونوں کا زائد سود بھی دیتی ہے ۔ کیا یہ سود لینا جائز ہے ؟ اگر لیا جائے تو کیا مصرف ہے ؟

الجواب: ۱ ۔ پراویڈنٹ فنڈ میں جمع شدہ روپیہ پر زکوٰۃ نہیں ۔

۲ ۔ بیمہ زندگی کرانا جائز نہیں ہے دو وجہ سے ۔ (الف) یہ سود ہے ۔ (ب) یہ قمار وجوا ہے ۔ اور یہ دونوں حرام ہیں ۔

۳ ۔ اس رقم پر زکوٰۃ ہے ۔ ۴ ۔ پراویڈنٹ پر پنشن کا لینا اور وصول کرنا جائز ہے ۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ — بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

عشر ادا کرنے کے بعد غلہ بیچا تو اس کی قیمت پر زکوٰۃ کا حکم

فصل کا عشر نکال دیا گیا باقی جنس فروخت کردی گئی تو اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں ؟

عبدالباری خان [illegible]

الجواب: اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی جب کہ اس پر سال گزر جائے یا کسی دوسری رقم پر سال گزر جائے جو اس شخص کے پاس پہلے سے موجود ہو ۔ ففی البدائع لو کان له طعام فادی عشرہ الخ ثم باعها یضم الی اصل النصاب اھ (ج ۲ ص ۱۴)

فقط واللہ اعلم ۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۳ / ۱۰ / ۱۴۰۰ھ

سونا چاندی جس شکل میں بھی ہوں ان پر زکوٰۃ واجب ہے

کیا سونے کی کوئی صورت ایسی بھی ہے کہ جس میں زکوٰۃ نہ لگے اور استعمال میں آنے والے سونے کا کیا حکم ہے ۔ آیا اس پر زکوٰۃ آتی ہے یا نہیں ؟ اور کتنی مقدار سونے پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ؟

الجواب: احناف کے نزدیک استعمال کے زیورات میں بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ جبکہ نصاب کو پہنچ جائیں۔ سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہے۔ اور چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ ہے۔ لیکن یہ نصاب اس صورت میں ہے جبکہ صرف سونا یا صرف چاندی ہو۔ دونوں کے موجود ہونے کی صورت میں یا ان کے ساتھ کچھ نقدی ہو تو مجموعہ اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت تک پہنچ جائے تو زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔

درمختار میں ہے۔ ومعموله ولو تبرا او حليا مطلقا مباح الاستعمال اولا ولو للتجمل والنفقة لانهما خلقا أثمانا فيزكيهما كيف كانا (شامی ج ۲ ص ۳۰) فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۵/۹/۱۴۰۰ھ

رائج الوقت سکہ ۵۲½ تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہے

س: زید کے پاس پانچ نوٹ ہزار ہزار کے موجود ہیں جن پر سال بھی ہو چکا ہے۔ زید کہتا ہے کہ ان پر زکوٰۃ نہیں۔ کیونکہ نوٹوں پر زکوٰۃ اس وقت ہے جب کہ ان سے ۵۲½ تولہ چاندی خریدی جا سکے لہٰذا جب اتنی مقدار کے نہیں تو زکوٰۃ بھی نہیں۔

لیکن عمرو کہتا ہے کہ ان پر زکوٰۃ ہوگی۔ کیونکہ سونا چاندی کی تعیین اس زمانے کے ساتھ خاص تھی جب کہ درہم و دینار تھے۔ اس زمانے میں وہ نہیں، اس لئے نوٹوں پر زکوٰۃ ہوگی۔ ارشاد فرمائیے کہ کس کی بات صحیح ہے۔

الجواب: رائج الوقت سکہ جب اتنی مقدار نصاب کو پہنچ جائے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی اور خود زید کے کہنے کے مطابق بھی زکوٰۃ واجب ہونی چاہئے۔ کیونکہ پانچ ہزار روپیہ ۵۲½ تولہ چاندی کی مالیت سے کہیں زیادہ ہے۔ اور نوٹوں کا اپنا کوئی نصاب نہیں۔ بلکہ ان کی مالیت کا اعتبار ہے۔ چاندی سونے کی مالیت میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ اور نوٹوں کی مالیت میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

الفلوس ان كانت اثمانا رائجة او سلعا للتجارة تجب الزكاة في قيمتها والا فلا۔ (شامی ج ۲ ص ۳۰) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
محمد صدیق غفرلہ مدرس خیر المدارس ملتان

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی
۲-۱۰-۱۳۹۰ھ

ٹینٹ کے سامان پر زکوٰۃ نہیں

ایک دوکاندار نے بڑے تجارت شامیانے قنات دسترخوان، کرسیاں، میز اور دیگیں لیمپ وغیرہ پلیٹیں، ڈونگے، جگ اور گلاس، چمچے چھوٹے اور بڑے، دریاں یعنی ٹینٹ ہاؤس کا سامان اس سلسلہ شادی بیاہ و کرایہ کے لئے دوکان کھولی ہے۔ تو کیا اسکی آمدنی پر زکوٰۃ ہے یا کہ سارے سامان کی قیمت کر کے اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے۔ کیونکہ سامان کرایہ پر چلنے سے پرانا ہوگا۔ اور اگر سامان قیمت پر زکوٰۃ ہے تو مالک سامان بظاہر نقصان میں ہوگا۔

الجواب ٹینٹ کے سامان پر زکوٰۃ واجب نہیں البتہ اس سے ملنے والی آمدنی پر زکوٰۃ کا وجوب ہوگا۔ ہندیہ میں ہے۔ ولو اشتری قدورا من صفر یمسکها ولا یواجرها لا تجب فیها الزکوٰۃ کما لا تجب فی بیوت الغلة۔ (ج ۱ ص ۱۸۰)۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲۸/۲/۱۳۹۰ھ

آیا نصاب وزن دو صد درہم از نقرہ است

چہ مے فرمایند علمائے کرام و مفتیان عظام دریں مسئلہ کہ۔ درہم شرعی کہ دو صد درہم آں نصاب وجوب زکوٰۃ و دہ ہزار درہم دیت قتل خطا است آیا معیار خاص وارد کہ کمی و بیشی را دراں راہ نیست یا اینکہ باعتبار ہر زمان و ہر مکان باتفاوت قیمت نقرہ متفاوت میگردد۔

در امداد الفتاویٰ جلد دوم ص ۲۔ کتاب الزکوٰۃ می آید کہ دو صد درہم ۵۲ تولہ نقرہ میشود پس اگر قیمت آں باعتبار ہر زمان و مکان است۔ پس فی الحال دریں ولایت ایک تولہ نقرہ با سہ روپیہ نوٹ برابر است۔ پس باین حساب ۵۲½ تولہ نقرہ کہ نصاب زکوٰۃ است برابر ۱۵۹ روپیہ قریب مے شود و دہ ہزار درہم کہ دیت قتل خطا است ۲۶۰۰ تولہ نقرہ و آں برابر ۸۰۰۰ روپیہ

نوٹ مے شود و اگر قیمت را اعتبار نیست تولہ نقرہ با یک روپیہ برابر حساب مے شود پس دو صد درہم نصاب زکوٰۃ کہ ۵۲ تولہ نقرہ است ۵۲ روپیہ نوٹ مے شود و دہ ہزار درہم کہ دیت قتل خطاء است بآں حساب مذکور ۲۴۰۰ تولہ نقرہ مے شود پس دیت ہم ۲۴۰۰ نوٹ مے شود ۔ در الجوہرۃ النیرۃ کتاب الدیات ص ۱۹۳ می آرد ۔

قال ابو یوسف و محمد ومن البقر مائتا بقرة ومن الغنم الفا شاة الخ

پس اگر در بقر و غنم قیمت ہر زمان و ہر مکان اعتبار کردہ شود فعلاً قیمت یک گاؤ در ایں ولایت تقریباً ۵۰۰ روپیہ است کہ مجموع قیمت دو صد گاؤ صد ہزار روپیہ مے شود و ہم چنیں قیمت یک گوسفند ۵۰ روپیہ کہ مجموع قیمت دو ہزار گوسفند صد ہزار روپیہ مے شود۔

خلاصہ اینکہ در بارۂ تعیین قیمت درہم شرعی و مقدار نصاب زکوٰۃ و مقدار دیت خطاء از نوٹ مروج وقت ہر چہ تحقیق علمائے کرام و مفتیان عظام است تحریر فرمایند کہ موضوع خیلے مہم و مشکل است چراکہ درہم شرعی فعلاً موجود نیست و در تمام معاملات تقویم اشیاء مروج شدہ است۔

(مولانا) عبد العزیز خطیب جامع مسجد زاہدان ۔ ایران

الجواب باید دانست کہ درہم عبارت از مخصوص قطعۂ نقرہ معلوم الوزن است و آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایں دو صد قطعات نقرہ را نصاب زکوٰۃ مقرر فرمود و وزن ایں قطعہ در عہد رسالت معروف بود ۔ و حضرات فقہاء ہمیں وزن را ضبط کردہ اند ۔ علماء محققین تحقیق کردہ فرمودہ اند کہ بحساب اوزان رائج الوقت ۵۲½ تولہ نقرہ مے باشد یعنی گویا کہ در رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نصاب زکوٰۃ از نقرہ ۵۲½ تولہ را تعیین فرمودہ اند ۔

پس ایں مقدار نقرہ برائے نصاب زکوٰۃ صحیح است کہ کمی و بیشی را در آں ہیچ دخلے نیست نیز معلوم گشت کہ نصاب نقرہ ۵۲½ تولہ نقرہ است نہ کہ ۵۲ نوٹ و روپیہ لہٰذا در نوٹ زکوٰۃ واجب است ۔ لیکن در وجوب زکوٰۃ قیمتش اعتبار کردہ شود۔ یعنی چوں در ملک کسے جمع آید کہ از قیمتش ۵۲½ تولہ نقرہ خریدہ تواں کرد بعد حولان حول زکوٰۃ در آں واجب شود ورنہ واجب نہ شود و ہم چنیں در دیت باید فہمید کہ معتبر در آں وزن دہ ہزار درہم نقرہ است کہ مساوی ۲۴۰۰ تولہ باشد ایں مقدار از نقرہ یا قیمتش از نوٹ در دیت ادا کردن واجب

است نہ کہ جزاء دراہم وہ چیز نوٹ وغیرہ ہیں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

خیر محمد عفا اللہ عنہ

۱۰-۱۱-۱۳۹۶ھ

سفراء کو زکوٰۃ کے پیسے سے قبل از تملیک تنخواہ دینا درست نہیں

اور سفیر کو عامل پر قیاس کرنا صحیح نہیں

ایک سفیر جو ادارے کا تنخواہ دار ہے۔ اور وہ اس کو چندہ وغیرہ وصول کرنے کے لئے بھیجتا ہے۔ وہ مختلف جگہوں سے زکوٰۃ و عشر وغیرہ کے پیسے ادارہ کے لئے جمع کرتا ہے۔ تو کیا تملیک سے پہلے اس رقم سے تنخواہ دے سکتا ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ میں نے فتاویٰ دارالعلوم ج ۱ ص ۴۹۸ میں پڑھا ہے کہ زکوٰۃ سے کسی سفیر کو تنخواہ دینا جائز نہیں کیونکہ عاملین علیہا میں داخل نہیں۔

الجواب: قبل از تملیک مال زکوٰۃ سے سفیر کو تنخواہ دینا درست نہیں۔ جیسا کہ فتاویٰ دارالعلوم میں تحریر ہے۔ اور سفیر کو عاملین پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ عاملین صدقات فقراء کے وکیل ہوتے ہیں اور سفراء اصحاب اموال کے وکیل ہوتے ہیں۔ نیز بعد از حیلہ تملیک اسے مال زکوٰۃ کہنا ہی درست نہیں۔ فقد تبدل الحکم بتبدل الملک۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی

۲۰/۱/۱۳۹۸ھ

ارباب مدارس تبلیغ اور وظائف وغیرہ میں صدقات

واجبہ احتیاطاً بدون تملیک استعمال نہ کریں!

ایک بچے کے والدین زکوٰۃ دینے کے قابل ہیں۔ اور وہ زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں۔ اور ان کا بچہ مدرسہ میں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ یعنی اپنے شہر سے کہیں دوسرے شہر میں گیا ہوا ہے۔ تو وہ طالب علم

مدرسہ سے کھانا اور کپڑا، وظیفہ بھی لیتا ہے کیا یہ چیزیں اس کے لئے لینا جائز ہیں؟

الجواب جس طرح غنی صدقات واجبہ کا مصرف نہیں ایسے ہی غنی کی نابالغ اولاد بھی صدقات واجبہ کا مصرف نہیں۔ لہٰذا اگر یہ اشیاء مثلاً کھانا، کپڑا، وظیفہ صدقات واجبہ سے دی جاتی ہیں اور وہ بچہ نابالغ ہے تو لینی درست نہیں۔ اگر وہ بچہ بالغ ہے اور صاحب نصاب نہیں تو لے سکتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اشیاء مذکورہ مدرسہ میں تملیک کے بعد استعمال کی جائیں۔ تاکہ سبھی مستفید ہو سکیں۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۹ر۱۰ر۱۴۰۱ھ

تملیک کی بہتر صورت

ایک مدرسہ میں عطیات وغیرہ سے کام نہیں چلتا۔ تو ارادہ ہوا کہ صدقات واجبہ بھی لئے جائیں۔ تب اساتذہ کی تنخواہیں پوری کی جائیں۔ زید کہتا ہے کہ تملیک وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ بلا تملیک تنخواہ دینا جائز ہے بکر کہتا ہے کہ تملیک کے ساتھ بھی جائز نہیں۔ عمرو کہتا ہے کہ شرعی تملیک ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ تملیک کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی صاحب جو مستحق زکوٰۃ ہوں اس سے مدرسہ کے لئے چندہ لیا جاتا ہے۔ اس کے پاس نہ ہو تو وہ قرض لے کر دیتا ہے۔ پھر اس کو زکوٰۃ کے پیسے دے دیئے جائیں۔ یا وہی زکوٰۃ کے پیسے دیں اور وہ اپنی خوشی سے مدرسہ کو دے دے، کیا حکم ہے؟

محمد صدیق، انوار العلوم جھنگ صدر

الجواب عمرو کا قول صحیح ہے۔ اور تملیک کی پہلی صورت اختیار کی جا سکتی ہے۔

" وحیلۃ التکفین بھا التصدق علی الفقیر ثم ھو یکفن فیکون الثواب لھما وکذا فی بناء المسجد " (درمختار)۔

اور فتاویٰ دارالعلوم جدید، جلد ۲ ص ۲۲۱ میں اسی حیلہ سے زکوٰۃ وغیرہ کو تنخواہوں میں صرف کرنا جائز لکھا ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۲ر۱۲ر۱۳۹۳ھ

کپاس میں بھی عشر واجب ہے

فتاویٰ عالمگیری سے معلوم ہوتا ہے کہ کپاس میں عشر نہیں ہے۔ نیز یہ بھی بتلائیے کہ کن فصلوں پر عشر ہے اور کن پر نہیں؟

۲- جو زمین ٹھیکے (مستاجری) پر دی گئی ہو اس کا عشر مالک پر ہے یا اس کو کاشت کرنے والے پر عائد ہوگا جب کہ زمین نہری ہو اور کاشتکار کو ٹھیکہ ادا کرنے کے بعد بھی کافی منافع حاصل ہوتا ہے۔

الجواب ۱- کپاس روئی وغیرہ میں بالاتفاق زکوٰۃ و عشر واجب ہے۔ البتہ امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا مقدار نصاب میں اختلاف ہے۔

قال ابو یوسف رحمہ اللہ فیما لا یوسق کالزعفران والقطن یجب فیہ العشر اذا بلغت قیمتہ خمسۃ اوسق من ادنی ما یوسق الخ وقال محمد رحمہ اللہ یجب العشر اذا بلغ الخارج خمسۃ اعداد من اعلی ما یقدر بہ نوعہ (ہدایہ ج ۱ ص ۱۸۵)۔

اس عبارت سے صراحۃً معلوم ہو گیا کہ روئی وغیرہ میں عشر واجب ہے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک ہر اس چیز پر عشر واجب ہے جس کو زمین اگائے۔

لقولہ علیہ السلام ما اخرجت الارض ففیہ العشر (ہدایہ ج ۱ ص ۱۸۵)۔
فتاویٰ عالمگیری میں شجر قطن کی نفی ہے ثمر قطن یعنی کپاس کی نفی نہیں ہے۔ (ج ۱ ص ۱۹۵)۔

۲- اللباب ص ۵۵ میں ہے کہ:

والعشر علی المؤجر کخراج الموظف وقالا علی المستأجر فالفتاوی الحاوی وبقولہما نأخذ اقول لکن الفتوی علی قول الامام وبہ افتی الشیخ الرملی والشیخ الاسماعیل الحائک وحامد افندی العمادی وعلیہ العمل لانہ ظاہر الروایۃ۔

اس سے معلوم ہوا کہ مالک پر واجب ہوگا کیونکہ کل ٹھیکہ وصول کر لیتا ہے۔ نہری زمین میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ ادا کیا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

بندہ محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ — محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

عشر کل پیداوار سے دیا جائے

ایک آدمی نے گندم اڑھائی ایکڑ بیجی اور اس کی گندم کل چالیس من ہوئی۔ اور اس نے پھر حساب لگایا۔ مزدوری ساٹھ من اسی وقت نکل گئی رکھا و بیجائی اور ٹریکٹر کا خرچ، سولہ من گندم وہاں خرچ ہوئی۔ نقد پیسے اور آبپاشی بھی لگ گئی۔ پھر اس گندم کا عشر کیسے نکالا جائے۔

الجواب مذکورہ زمین کی کل پیداوار سے نصف عشر ہے بطور عشر دیا جائے۔ ویجب نصفہ فی مسقی غرب ودالیۃ بلا رفع مؤنات ای کلف الزرع - (درمختار علی الشامیۃ - ج ۲، ص ۴۹)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	۱۸ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ

نابالغ کی جائیداد میں بھی عشر واجب ہوگا

نابالغ کی جائیداد میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب نابالغ کی مملوکہ زمین کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہوگا۔ وفی الشامیۃ ویجب مع الدین وفی ارض صغیر ومجنون (ج ۲ ص ۴۹)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	۴-۲-۱۳۹۹ھ

لانی میں عشر نہیں

ہمارے علاقہ میں خود رو پیدا ہوتا ہے جس کو لانی کہتے ہیں۔ اس سے کپڑے دھونے کی کھار بناتے ہیں اور کافی آمدنی ہوتی ہے تو کیا اس کھار پر عشر ہے یا نہیں؟

الجواب چونکہ عام طور پر اسے کاشت نہیں کیا جاتا اور اس کے ذریعہ سے زمین کی آمدن مقصود نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس میں عشر نہیں۔

الا فیما یقصد بہ استغلال الارض نحو حطب وقصب فارسی وحشیش وتبن وسعف وصمغ وقطران وخطمی واشنان الخ

(درمختار علی الشامیۃ ۔ ج ۲ ص ۴۹)۔

البتہ اگر کسی کی زمین میں مستقل پیدا ہوں اور وہ ان کی حفاظت کرتا ہو، گوڑی وغیرہ کرتا ہو پک جانے پر کھار تیار کر کے بیچتا ہو تو اس پر عشر آنا چاہئے ۔

(فی الدر المختار حتی لو اشتغل ارضہ بھا ۔ ای بالمذکورات)

یجب العشر اھ (درمختار علی الشامیۃ ۔ ج ۲ ص ۴۹)۔ فقط

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۴۰۰/۶/۲۱

باغ کا پھل خریدنے کی صورت میں عشر بائع پر ہوگا یا مشتری پر

زید اپنے باغ کا میوہ ایسے وقت میں فروخت کرتا ہے کہ جب ظاہر ہو چکا ہوتا ہے مگر ابھی تک پختہ نہیں ہوا ۔ اور فروخت کے وقت کوئی شرط نہیں تھا کہ باغ کے درختوں پر مشتری کا میوہ پختہ ہونے تک چھوڑا جائے گا بلکہ عقد مطلق ہوتا ہے ۔ البتہ بائع خود مشتری کا میوہ پکنے تک اپنی رضا سے چھوڑ دیتا ہے ۔ تو اس صورت میں میوہ کا عشر بائع پر ہے یا مشتری پر ؟ اگر مشتری پر ہے جیسا کہ درمختار کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے ۔

* ۔ ولو باع الزرع قبل ادراکہ فعشرہ علی المشتری ولو فصل البائع،

تو بائع کو اس رقم کی زکوٰۃ کب ادا کرنی پڑے گی ۔ اور اگر بائع کے پاس اس مبلغ سے پہلے بھی کچھ رقم تھی تو کیا اس میوہ والی رقم کو ساتھ ملا کر مال مستفاد کے طور پر زکوٰۃ دے سکتا ہے ؟

عبدالواحد ، ملتان

الجواب

صورت مسئولہ میں عشر مشتری پر ہے جیسا کہ جزئیہ مسطورہ سے معلوم ہوا ۔ اور بدائع الصنائع سے بھی ۔ البتہ مشتری کو چاہئے کہ وہ خریدتے وقت یہ خیال کرے کہ عشر کی ادائیگی میرے ذمہ ہے اور اتنی مقدار ثمن کم مقرر کرے ۔ بشرطیکہ مشتری سے وصول کرنے کی بجائے بائع سے ہی وصول ہے ۔ کیونکہ مشتری سے جب حکومت جبراً عشر وصول کرے گی تو لازماً خرید کے وقت وہ یہ گنجائش رکھ کر خریدے گا کہ مجھے عشر بھی ادا کرنا ہے اور ثمن کم لگا دے گا ۔

۲ ۔ بائع اس رقم کو سابقہ نقدی کے ساتھ ملا کر مال مستفاد کے طور پر زکوۃ ادا کرے گا اس کے لئے الگ سال پورا کرنے کی ضرورت نہیں ۔ بلکہ جب عشر بائع پر ہو تو ادائے عشر کے بعد جو ثمن ملے گا یہ بھی مال مستفاد کی طرح اصل نصاب کے ساتھ ملایا جائے گا ۔

ولو کان له عبد للخدمة فادى صدقة فطره او کان له طعام فادی عشره ...... ثم باعها يضم ثمنها الى اصل النصاب ۔ (بحر الرائق ج ۲ ص [illegible]) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۲۹ / ۱۱ / ۱۳۹۹ھ

بھوسہ میں عشر ہے یا نہیں

۔ بھوسہ میں عشر واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب اس میں تفصیل ہے ۔ اگر زمین میں گندم کی کاشت بھوسہ حاصل کرنے کے لئے ہی کی گئی ہے تو بھوسہ میں عشر ہوگا ۔ اور اگر کاشت گندم حاصل کرنے کے لئے کی تھی لیکن ساتھ ہی بھوسہ بھی برآمد ہوا تو گندم میں عشر ہوگا بھوسہ میں نہیں ۔

کما فی الشامیة والبحر (قوله ونحوهما) بالنساء المثلثة قال فی الفتح غير انه لو قصد به قبل انعقاد الحب وجب العشر فيه لانه صار هو المقصود ۔ وعلی هذا کل ما لا يقصد به استغلال الارض لا يجب فيه العشر مثل السعف والتبن ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفرلہ
بندہ محمود عفا اللہ عنہ مفتی قاسم العلوم ملتان	الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح ۔ بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۵ / ۲ / ۱۳۹۹ھ

عشر میں نصاب نہیں ہے

۱ ۔ پیداوار غلہ پر عشر کتنی مقدار پر واجب ہے ؟

پیداوار کی کوئی حد وزن جس پر عشر مقرر ہے یا جتنا غلہ

پیداوار سب پر عشر واجب ہے؟

۲- تمام پیداوار پر عشر واجب ہے یا مزارعہ وغیرہ کے اخراجات اور دیگر اخراجات نکال کر دیا جائے؟ حافظ محمد یوسف تونسہ ڈی آئی خان۔

الجواب: ۱- پچیس من غلہ پر عشر واجب ہے۔

۲- عشر زمیندار پر ہے۔ پچیس من غلہ جب نکلے پہلے عشر نکالا جائے باقی اخراجات بعد میں نکالے جائیں گے۔ فقط واللہ اعلم

.... قاضی ڈیرہ غازیخان

الجواب: ۱- امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عشر میں نصاب نہیں ہے جملہ پیداوار پر عشر واجب ہے۔ لقولہ علیہ السلام ما اخرجت الارض ففیہ العشر۔ (ھدایہ ج ۱ ص ۱۹۳)۔

۲- مزارعت کی صورت میں زمیندار پر عشر اس کے حصہ میں آنے والی پیداوار پر آئے گا اس حصہ سے دیگر اخراجات وضع کرنے سے پہلے عشر ادا کرے۔ فقط واللہ اعلم

الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ — الجواب صحیح

۱۱-۲-۱۴۰۰ھ — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

جن زمینوں کا آبیانہ دیا جاتا ہو ان میں ۱/۲ عشر واجب ہوگا

عرصہ تقریباً ۵۰ سال گزر چکا ہے کہ لائل پور کی زمین گورنمنٹ برطانیہ نے کچھ سستی اور کچھ گراں قیمت پر لوگوں کے ہاتھ فروخت کر دی تھی۔ کیا اس زمین میں عشر واجب ہے یا نہیں؟ جبکہ حکومت آبیانہ اور مالیہ دونوں قسم کے مطالبات وصول کرتی ہے۔

مولوی عبدالغنی نائب مہتمم مدرسہ ربانیہ ضلع لائلپور

الجواب: آبیانہ اور مطالبہ جات کی ادائیگی کی وجہ سے ان زمینوں کے عشری ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا۔ البتہ ان زمینوں میں چونکہ مشقت اور محنت زیادہ ہوتی ہے دسویں حصہ کی بجائے بیسواں حصہ دینا واجب ہوگا۔ لان المسألة فی المعدول عن العشر

الا ان نصفه ان سقي بغرب ودالية مع زيادة الكلفة حتى علامت دهي موجودة في سقي ماء السماء اهـ (شامية ج ۲ ص ۹۹)۔

الجواب صحیح
بندہ محمد عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد اسحاق غفرلہ ۲۸/۱۲/۱۳۹۴ھ

قرض وجوب عشر سے مانع نہیں

مالک زمین یا مزارع مقروض ہے تو وہ زمین کی پیداوار سے قرض ادا کرے یا عشر؟

الجواب قرض وجوب عشر سے مانع نہیں۔ اس کے باوجود مزارع اپنے حصہ پیداوار کا عشر ادا کرے۔ ولا یمنع الدین وجوب عشر وخراج وکفارۃ اھ (در مختار علی الشامیہ ج ۲ ص ...)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۲/۱/۱۳۹۴ھ

قدرتی پانی سے سیراب کھیتوں میں ۱/۱۰ واجب ہے

چترال میں گرمیوں کے موسم میں برف کا پانی نالیوں اور ندیوں میں بہتا ہے۔ لوگ ان سے نہریں نکالتے ہیں۔ وہ اپنی اراضی کو پانی دیتے ہیں۔ یہ نہریں ایک فرلانگ لمبی، کہیں میل، کہیں زیادہ لمبی ہوتی ہیں۔ پھر سردیوں میں یہ نہریں خراب ہو جاتی ہیں تو لوگ جو عموماً بیس دن تک ان کی اصلاح کرتے رہتے ہیں پھر اس نہر میں پانی جاری کرنے کے بعد تقریباً ۱/۲ ۱ ماہ تک دو آدمی نہر کی دیکھ بھال کرتے ہیں تاکہ کہیں ٹوٹ نہ جائے۔ اب اس پانی سے جو زمینیں سیراب ہوتی ہیں ان میں عشر ہوگا یا نصف عشر۔ در مختار وغیرہ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ عشر ضروری ہے۔ جبکہ حکومت آبیانہ وغیرہ بھی نہیں لیتی۔

مولوی فضل مولیٰ۔ چترال

الجواب آپ کی اراضی میں عشر ہی واجب ہوگا۔ چند دن نہر کی کھدائی میں لگ جائیں اور پھر دو ماہ تک اس سے سیرابی ہوتی رہے تو اسے کلفت کبیرہ قرار نہیں دیا جا سکتا

کے بارے میں ضابطہ یہ لکھا ہے کہ اگر انہیں حکومت کی اجازت سے آباد کیا جائے تو امام ابو یوسف رح کے نزدیک ملحقہ قریبی زمینوں کا حکم دیا جائے گا۔ اگر عشری کے قریب ہے تو عشری، اور اگر خراجی کے قریب ہے تو خراجی۔ جب کہ آباد کرنے والا مسلمان ہے۔

اور امام محمد رح کے نزدیک پانی کا اعتبار ہے۔ اگر عشری پانی سے اس زمین کو سیراب کیا جاتا ہے تو عشری ہے ورنہ خراجی۔ جیسا کہ ہدایہ و درمختار وغیرہ میں مصرح ہے۔

اور ایک مقام پر مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھتے ہیں۔

۔ اس طرح جن زمینوں کو حکومت پاکستان نے پانی پہنچانے کے ذرائع مہیا کر کے آباد کیں اور مسلمانوں کو بلاقیمت یا بہ قیمت تقسیم کیا جیسا کہ پنجاب میں تھل کا علاقہ، اور سندھ میں کوٹری کا علاقہ، ان سب زمینوں پر چونکہ ابتداء ملکیت مسلمانوں کی ہوئی، اس لئے یہ بھی عشری قرار پائیں گی۔ بشرطیکہ ان کی آبپاشی سندھ و پنجاب کے بڑے بڑے دریاؤں سے ہوتی ہو۔ (جواہر الفقہ، ج ۲ ص ۲۶۵)۔

پس یہ زمین عشری ہے تو خراج سے متعلق سوالات کی حاجت نہیں۔

۲۔ جو زمین ابتداء ہی سے مسلمانوں کی ملکیت میں چلی آ رہی ہو اس میں احتیاطاً عشر کو واجب قرار دیا جاتا ہے۔ پس ان میں سے بھی عشر یا نصف عشر ادا کیا جائے گا۔

۳۔ اگر لگان مسلمان حکومت وصول کرتی ہے تو اس کی ادائیگی میں خراج ادا کرنے کی نیت کی جا سکتی ہے۔ اور اگر حکومت لگان وصول نہیں کرتی یا بہت کم وصول کرتی ہے تو اپنے طور پر خراج کو مصارف خراج میں خرچ کرنا ضروری ہے۔ کذا فی جواہر الفقہ ج ۲ ص ۲۹۰)۔

اور مصارف خراج میں سے علماء، طلباء، مفتیوں، قاضیوں کو دینا بھی جائز ہے۔

فقط واللہ اعلم

عبدہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، ۱۴/۵/۱۴۰۱ھ

پاکستانی زمینیں عشری ہیں یا خراجی

پاکستان کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی۔ اگر عشری ہیں تو زمیندار اور مزارع دونوں پر اپنے اپنے حصص میں عشر واجب ہے یا فقط زمیندار پر۔ اور اگر دونوں پر واجب ہے تو زمیندار معاملہ سرکاری نکال کر، اور مزارع آبیانہ نکال کر باقی دے گا۔ یا معاملہ و آبیانہ نہیں نکالنا پڑے گا؟

کر نکال کر باقی دینا ہے تو اگر کچھ نہ بیچے تو دیوے یا نہ دیوے ۔ گو پانچ وسق سے کم ہے تب بھی عشر نکالے یا نہیں ۔ اگر صاحبین کے قول پر پانچ وسق سے کم سے نہ نکالے تو مجرم ہے یا نہیں ۔ اگر امام اعظم کے قول پر ہر چیز سے نکالنا ہے تو سب چیزوں مثل کریلے وغیرہ سے کیسے نکالے ۔ چھوٹی بڑی قلیل کثیر سے کیا حساب سخت مشکل ہے ۔

اور جو زمینیں غیر سرکاری یا سرکاری ہیں تو جب بارش سے ہوتی ہیں ان کا دسواں حصہ نکالنا ہے یا بیسواں ہے سیلابی اور بارشی زمین کا کتنا حصہ نکالنا چاہیے ؟

الجواب پاکستانی زمینیں عشری ہیں کیونکہ اسلامی بادشاہوں کے زمانے سے مسلمانوں پر تقسیم ہوتی چلی آئی ہیں یا یہاں کے باشندے مسلمان ہوئے ہیں ۔ اور ایسی ہر دو قسم کی زمینیں عشری ہیں ۔ البتہ کافر سے خریدی ہوئی زمین عشری نہ ہوگی ۔ (بہشتی زیور)

عشر صاحب پیداوار پر ہے ۔ زمیندار اور مزارع ہر ایک اپنے حصہ کا عشر نکالے ۔

(بہشتی زیور)

جس زمین کو آبیانہ سرکاری دیا جاتا ہے اس کی پیداوار پر نصف عشر یعنی بیسواں حصہ لازم ہے ۔ لہٰذا کل پیداوار کا بیسواں حصہ دینا ہوگا ۔ کیونکہ خرچ آبیانہ کی وجہ سے عشر میں تخفیف ہو کر بیسواں حصہ لازم ہو چکا ہے ۔

عبادات میں مطلقاً امام اعظم ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ ہے ۔ اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ پیداوار قلیل ہو یا کثیر دسواں یا بیسواں حصہ ضرور نکالے ۔ سبزیوں کا عشر بھی نکالے جس وقت پیداوار دستیاب ہو کل وزن کر کے دسواں یا بیسواں حصہ تول کر فقراء میں تقسیم کر دے ۔ جیسی سبزی میں سے ایک یا دو سیر نکالنا کوئی مشکل نہیں ہے ۔ (بہشتی زیور)

نہری یا چاہی پانی میں چونکہ محنت زیادہ ہے اس لئے اس میں بیسواں حصہ عشر ہے ۔ اور بارشی پانی میں محنت کم ہے اس لئے اس میں عشر (دسواں حصہ) لازم ہے ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ خادم دار الافتاء خیر المدارس ملتان	الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم ... ۱۳۹۰ھ

خراجی زمین کی تعریف

زمین کی دو قسمیں ہیں۔ عشری اور خراجی۔ عشری کی وضاحت یہ ہے کہ جو زمین یا علاقہ کفار سے لڑ کر حاصل کیا جائے۔ اور حاصل شدہ زمین کو مسلمان بادشاہ مسلمانوں میں غنیمت کے طور پر تقسیم کر دے وہ عشری ہے۔ مزید تفصیل یہ معلوم ہوتی ہے کہ آج کل جو بھی زمینیں کلیم اور الاٹمنٹ کی صورت میں تقسیم ہوتی ہیں سب کی سب عشری ہیں۔ اس میں بارانی اور چاہی کی صورت میں ۱/۱۰ اور ۱/۲۰ کا عشر ہونا چاہئے۔ یا ایسی عشری زمین باپ دادا سے وراثتاً چلی آتی ہے اور اس کو کوئی دوسرا مسلمان خرید لے تو بھی اس میں عشر ہوگا۔ جس سے صرف ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ کہ کفار کی زمین جو کہ مال غنیمت یا فدیہ میں ملی ہو جب تک وہ مسلمانوں کی وراثت میں رہے گی بے شک بیسیوں دفعہ فروخت ہو (مسلمانوں میں) عشری ہی رہے گی۔ تا وقتیکہ اس کو کوئی غیر مسلم خرید نہ لے۔ بندہ نے اپنی عقل اور سمجھ کے مطابق یہ مفہوم عرض کر دیا ہے۔ اگر اس میں غلطی ہو تو اصلاح فرمائی جائے۔

اور خراجی زمین کے بارے میں تفصیلی وضاحت کی جائے کہ خراجی زمین کون سی ہے۔

عزیز باور غلہ منڈی چیچہ وطنی۔

الجواب عشری زمین کے بارے میں جو آپ نے سمجھا ہے صحیح ہے۔ اور خراجی زمین کی تعریف اور تشخیص اس طرح ہے کہ جو اراضی کفار سے لڑ کر حاصل کی جائیں اور وہ مسلمانوں میں تقسیم نہ کی جائیں۔ یا کوئی علاقہ صلحاً فتح ہو جائے تو وہ زمینیں خراجی ہیں۔ البتہ مکہ مکرمہ اگرچہ لڑ کر فتح ہوا ہے لیکن مکہ کی زمینیں عشری ہیں خراجی نہیں۔ اس لئے کہ مکہ مکرمہ جزیرۃ العرب سے ہے۔ رد المحتار میں ہے۔ (ج ۲ ص ۲۵۲، شامیۃ)

وما فتح عنوة ولم يقسم بين جيش الاسلام سواد فأقر اهله عليه او نقل اليه كفار اخر او فتح صلحا خراجية۔

اس طرح جو زمین کافر سے خریدی جائے وہ بھی خراجی ہوگی۔ اور جو زمینیں مسلمانوں نے انگریز گورنمنٹ سے خریدی ہیں اگر وہ پہلے سے عشری نہیں تھیں تو وہ زمینیں بوجہ استیلاء سرکار کی ملک ہو گئی تھیں اس لئے وہ اب بھی عشری نہیں ہوں گی۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ ○ بندہ محمد اسحاق غفر لہٗ ۷/۱۰/۱۳۸۰ھ

نکلوانے کے لئے ادا کرنے پڑتے ہیں۔ اس طرح ۱۹ من گندم حاصل ہوتی ہے جس میں سے کٹوائی نکلوائی وغیرہ کے چھ من گندم بچتی ہے۔ آیا عشر کتنی گندم کا دینا ہوگا۔؟

۲۔ دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ جتنی گندم کاٹی جاتی ہے اس کا سولہواں حصہ فصل کی کٹائی میں دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد تقریباً بیسواں حصہ دانے نکلوانے کے جاتے ہیں اس میں کتنا عشر دینا ہوگا۔

۳۔ زید کے پاس چار گائیں، دو بیل ہیں وہ مزارعت پر کام کرتا ہے۔ اور صاحب نصاب بھی نہیں غریب آدمی ہے، کیا زید کو عشر دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ اس کے جانوروں کی قیمت تقریباً دس ہزار کے قریب ہے۔

الجواب ———— کل پیداوار یعنی ۱۹ من سے نصف عشر یعنی $\frac{1}{20}$ ادا کرنا ہوگا، کیونکہ ایسی زمینوں کی پیداوار کے عشر میں انہی اخراجات کو مدنظر رکھ کر تخفیف کی گئی ہے اور بجائے عشر کے نصف عشر واجب کیا گیا ہے۔ بارانی زمین میں اخراجات کم ہوتے ہیں اس لئے اس میں عشر واجب کیا گیا ہے۔ اگر یہ اخراجات وضع کرنے کے بعد باقی بچ رہنے والی پیداوار میں عشر واجب ہو تو بارانی اور نہری کے عشر میں تفریق کی کوئی وجہ نہیں رہ جاتی۔

يجب العشر في الاول ونصفه في الثاني بلا رفع اجرة العمال ونفقة البقر وكرى الانهار واجرة الحافظ ونحو ذلك – "در" – قال في الفتح يعني لا يقال بعدم وجوب العشر في قدر الخارج الذي بمقابلة المؤنة بل يجب العشر في الكل لانه عليه السلام حكم بتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة ولو رفعت المؤنة كان الواجب واحدا وهو العشر دائما في الباقي لانه لم ينزل الى نصفه الا للمؤنة والباقي بعد رفع المؤنة لا مؤنة فيه فكان الواجب دائما العشر لكن الواجب قد تفاوت شرعا فعلمنا انه لم يعتبر شرعا عدم عشر بعض الخارج وهو القدر المساوي للمؤنة اصلا اھ

(شامی ج ۲ صفحہ)

ب۔ کٹائی کی اجرت میں دی جانے والی گندم کا عشر بھی ادا کرنا ہوگا نیز اس کی کاٹی ہوئی گندم کو

اجرت میں مقرر کرنا درست نہیں، کما ہو المعروف۔

۲ :- زید کی تمام اوقات نگرانی کام پر صرف نہیں کرنے کی وجہ سے غنی سمجھا جائے گا، زکوٰۃ وغیرہ کا مستحق نہیں۔ عالمگیری جلد ۱ ص ۱۹۲ میں ہے

[illegible]

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

دکان پر رکھے ہوئے اموال بھی اموالِ باطنہ ہیں

مالِ تجارت پر زکوٰۃ لازم ہے مگر اسکی وصولی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ اموالِ باطنہ میں سے ہے اس لئے یہ حکومت کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔ بھیڑ بکری جو جنگل میں چرتی ہے یہ تو اموالِ باطنہ میں سے نہیں مگر جو مالِ تجارت کھلے بازاروں میں پوری روشنی میں فروخت کے لئے پیش ہو رہا ہے کیسے اموالِ باطنہ میں سے ہوا؟ آپکی قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں نیز یہ کہ کیا اسلامی حکومت یہ زکوٰۃ جمع کرنے کی قانوناً مجاز ہے یا نہیں؟

الجواب اندرونِ شہر جو مال پائے جاتے ہیں انہیں اموالِ باطنہ کہا جاتا ہے جیسے سونا چاندی اموالِ تجارت ہیں جب تک کہ وہ شہر کے اندر ہوں اور بیرونِ شہر پائے جانے والے اموال مالِ ظاہر ہیں۔ عربی زبان میں "ظاہر البلد" بیرونِ شہر کو کہتے ہیں اسی سے یہ اصطلاح ماخوذ ہے۔

۲ :- اسلامی حکومت یہ زکوٰۃ جمع کرنے کی مجاز نہیں مگر خاص حالات میں مالکان کو زکوٰۃ کی ادائیگی پر مجبور کر سکتی ہے۔ فقط۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۱۹ شعبان سنہ ۱۴۰۱ھ

دفاعی فنڈ میں زکوٰۃ دینے کا حکم :

صدرِ پاکستان نے ہنگامی حالات شروع ہونے پر قومی دفاعی فنڈ

کا انتظام کیا ہے۔ کیا اس فنڈ میں زکوٰۃ دینا جائز ہے؟ جبکہ زکوٰۃ کے لئے تملیک شرط ہے تو اس صورت میں یہ شرط کیسے پوری ہوگی؟

الجواب زکوٰۃ میں تملیک شرط ہے لہٰذا تملیک کے بغیر زکوٰۃ کا روپیہ رفاہی فنڈ میں جمع کرکے خرچ کرنے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی البتہ اگر زکوٰۃ کا روپیہ کسی مسکین کو دے دیا جائے پھر وہ مسکین اپنی خوشی سے اس روپیہ کو رفاہی فنڈ میں جمع کرادے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی جبکہ وہ روپیہ نوٹوں کی شکل میں نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صواب — محمد اسحاق غفرلہ

خیر محمد عفا اللہ عنہ ۲۲/۶/۱۳۸۵ھ

زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر کرنے کا حکم

کیا صاحب نصاب پر سال پورا ہوتے ہی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے یا کچھ دن کی تاخیر بھی ہوسکتی ہے؟

الجواب سال پورا ہوتے ہی زکوٰۃ ادا کر دی جائے بلا عذر معقول تاخیر نہ کی جائے ورنہ گناہ ہوگا۔

فیأثم بتأخیرها بلا عذر (درمختار) (قوله فیأثم بتأخیرها الخ) ظاهره الاثم بالتأخیر ولو قل کیوم او یومین لانهم فسروا الفور بأول اوقات الامکان وقد یقال المراد ان لا یؤخر الی العام القابل لما فی البدائع عن المنتقی اذا لم یؤد حتی مضی حولان فقد اساء واثم اهـ (شامیه) فمتی لم تجب علی الفور لم یحصل المقصود من الایجاب علی وجه التمام وتمامه فی الفتح (درمختار) (قوله وتمامه فی الفتح الخ) حیث قال بعد ما مر فتکون الزکوٰة فریضة وفوریتها واجبة فیلزم بتأخیرها من غیر ضرورة الاثم کما صرح به الکرخی والحاکم الشهید فی

(المنتقیٰ الآن شامی صفحہ ۲) . فقط واللہ اعلم . محمد انور عفا اللہ عنہ

مسجد و مدرسہ کا جو پیسہ جمع ہو اس پر زکوٰۃ نہیں

مسجد و مدرسہ کا پیسہ جو جمع رہتا ہے اور اس پر سال بھی گزر جاتا ہے کیا اس کی زکوٰۃ متولی کو ادا کرنا ضروری ہے یا اس مال پر زکوٰۃ نہیں ہے؟

الجواب: ایسے مال پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ وسببہ ای سبب افتراضها ملک نصاب اھ در مختار وقوله ملک نصاب فلا زکوٰۃ فی سوائم الوقف والخیل المسبلة لعدم الملک اھ (شامی صفحہ ۲) . فقط واللہ اعلم

محمد انور عفی عنہ

حکومت زکوٰۃ کو انہی مصارف میں صرف کرنے کی پابند ہے جن کا قرآن حکیم میں ذکر آیا ہے

کیا مسلمان حکومت اپنی مرضی اور منشاء سے زکوٰۃ و عشر خرچ کر سکتی ہے؟ اس سلسلے میں اسلامی احکامات کیا ہیں؟

الجواب باسمہ تعالیٰ: زکوٰۃ و عشر کے مصارف قرآن حکیم میں واضح طور پر بیان کر دیئے گئے ہیں انہی مصارف میں استعمال کرنا ضروری ہے کسی بھی حکومت کو ان مصارف کے سوا دوسری جگہ استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک صحابیؓ نے آنحضرت علیہ السلام سے صدقہ مانگا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ صدقات کے معاملہ کو اللہ نے صرف اپنے اختیار میں رکھا ہے اور خود مصارف متعین فرما دیئے ہیں اگر تم ان مصارف میں سے کسی قسم میں آتے ہو تو میں تمہیں دے سکتا ہوں ورنہ نہیں۔

عن زیاد بن الحارث الصدائیؓ قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فبایعته فذکر حدیثا طویلاً فاتاہ رجل فقال اعطنی من الصدقة

فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لم یرض بحکم نبی ولا غیرہ فی الصدقات حتی حکم فیہا ہو فجزأہا ثمانیۃ اجزاء فان کنت من تلک الاجزاء اعطیتک اھ (رواہ ابو داؤد مشکوٰۃ ص ۱۶۱/۱)

عالمگیری میں بیت المال میں جمع ہونے والے مال کی اقسام اور ان کے مصارف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ زکوٰۃ وعشر کو صرف انہی ان مصارف میں خرچ کیا جائے جن کا قرآن وحدیث میں ذکر ہے۔

ما یوضع فی بیت المال اربعۃ انواع الاول زکوٰۃ السوائم والعشور وما اخذہ العاشر من تجار المسلمین الذین یمرون علیہ ومحلہ ما ذکرنا من المصارف الخ (ص ۱۹۰/۱)

قال الشامی فالذی یجب علیہ (ای علی الامام) ان یجعل لکل نوع منہا (ای من الصدقات) بیتاً یخصہ ولا یخلط بعضہ ببعض اھ (شامی ص ۳۴۲/۲) فقط واللہ اعلم ۔ محمد انور عفی عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح ۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۲ / ۱۱ / ۱۴۰۹

کتابت کے بلاکوں پر زکوٰۃ نہیں :

ایک شخص نے قرآن مجید کی طباعت کے لئے عکسی بلاک بنوائے۔ ایک بار طباعت کے بعد ان کو اس نے محفوظ کرلیا کہ آئندہ ان کے ذریعہ طباعت کرسکتے رہیں گے۔ اب وہ صرف قرآن پاک کی تجارت کرتا ہے اور بلاک کو اپنے کام کے لئے بطور آلات رکھا ہوا ہے۔ ان کو تجارت سے کوئی تعلق نہیں۔ کیا ان بلاکوں کی زکوٰۃ بھی شرعاً اس کے ذمہ ہے یا نہیں؟

(حضرت قاری رحیم بخش رحمۃ اللہ علیہ مقیم خیر المدارس ملتان)

الجواب باللہ التوفیق: اگر شخص مذکور نے ان بلاکوں کو بغرض تجارت نہیں رکھا تو ان پر زکوٰۃ نہیں آئے گی۔ فقط واللہ اعلم ۔ بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ۔ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۳/۱۱/۱۴۰۹ھ

صاحب نصاب لوگوں سے زکوٰۃ لیتا رہا تو اب تلافی کی صورت

زید مستحق زکوٰۃ ہے اس کے اکثر احباب کو علم ہے اسے حج کے لئے کسی نے تیرہ سو روپیہ دیا۔ زید نے یہ سمجھ کر یہ روپیہ تو حج کے لئے دیا گیا ہے حج پر خرچ کروں گا۔ نیز زید اپنے آپ کو مصرف زکوٰۃ ہی سمجھتا رہا چنانچہ صدقات واجبہ بھی وصول کرتا رہا۔ اور ایک مدرسہ عربیہ کے مہتمم صاحب بھی زید سے مدرسہ کی رقم تملیک کرا لیتے رہتے تھے باوجودیکہ مہتمم صاحب کو ۱۳۰۰ روپے حج والے کا علم تھا۔ زید کو بدستور غریب و مسکین سمجھتے رہے۔ اب زید کو مسئلہ بتایا گیا کہ تیرہ سو روپیہ حج کے لئے تم کو جو دیا گیا ہے وہ تمہاری ملک ہے۔ اگرچہ دینے والے نے حج کے لئے دیا ہے مگر اس نے تمہارے حج کے لئے دیا ہے۔ حج بدل کے لئے نہیں دیا ہے تو وہ روپیہ تمہارا ہو گیا۔ اس وجہ سے اب تم مصرف زکوٰۃ نہیں تھے اب زید پریشان ہے اگر لوگوں کی زکوٰتیں وصول کر کے اپنے مصرف میں لا چکا ہوں۔ اور زیادہ تر مدرسہ کی رقم ہے۔ اب کیا کیا جائے۔

الجواب: صورت مسئولہ میں مخلصی کی شکل یہ ہے کہ ان مدات سے جن میں زکوٰۃ کا صرف کرنا جائز نہیں تھا، مثلاً تعمیر، مشاہرات، اس میں سے مقدار زکوٰۃ نکال کر صحیح مصرف زکوٰۃ میں خرچ کرے مثلاً مستحق طالب علموں کو نقد وظائف وغیرہ دیئے جائیں اور جو رقم اس صاحب نے جو درحقیقت مالک نصاب تھے اپنی ذات پر خرچ کر لی وہ مالکان کی طرف سے زکوٰۃ ادا ہو گئی کیونکہ لوگوں نے اسے حسب سابق مصرف سمجھتے ہوئے تملیک کیا تھی ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔

في الدر المختار: دفع بتحرٍّ لمن يظنه مصرفاً فبان أنه عبده أو مكاتبه أو حربي ولو مستأمناً أعادها لما مر، وإن بان غناه أو كونه ذمياً أو أنه أبوه أو ابنه أو امرأته أو هاشمي لا يعيد لأنه أتى بما في وسعه حتى لو دفع بلا تحرٍّ لم يجز إن أخطأ۔

اور اگر ان رقوم بالا میں سے کچھ بچا یا موجود ہو تو وہ مالکان کی طرف واپس کر دے

یا صدقہ کر دے ۔ فقط بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ۔

الجواب صحیح خیر محمد مہتمم مدرسہ خیر المدارس ۲۰ / ۵ / ۱۳۸۳ھ

پیشہ ور گداگروں کو زکوٰۃ دینا :

جو شخص زکوٰۃ کا مال عام فقیروں کو دے جو تمام سال گداگری کا پیشہ کرتے ہیں۔ ان کی کیفیت کسی کو معلوم نہیں کیا زکوٰۃ لینے کے مستحق ہیں ؟

الجواب: جس شخص کے بارے میں غنی ہونے کا ظن ہو اس کو زکوٰۃ نہ دی جائے قبل ازیں اگر ان لوگوں کی فقیرانہ حالت کے پیش نظر انہیں مسکین سمجھتے ہوئے زکوٰۃ دے دی گئی تھی تو وہ زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ کذا فی الشامیہ ص ۹۲ ج ۲ ۔

الجواب صحیح : عبدالستار عفا اللہ نائب مفتی خیر المدارس

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۳ / ۱۰ / ۱۳۸۳ھ

علہ وعبارتہ دفع بتحر لمن یظنہ مصرفاً فبان انہ عبدہ او مکاتبہ او حربی ولو مستأمناً اعادھا لما مر وان بان غناہ او کونہ ذمیا او انہ ابوہ او ابنہ او امرأتہ او ھاشمی لا یعید لانہ اتی بما فی وسعہ حتی لو دفع بلا تحر لم یجز ان اخطأ اھ

فقیر محمد انور ، مرتب خیر الفتاوی

کسی کو بطورِ تملیک زکوٰۃ دی گئی اس سے جبراً واپس نہیں لے سکتے

اگر تملیک کر نیوالے کو ساری صورت سمجھا دی جائے لیکن زکوٰۃ وغیرہ ہاتھ میں لینے کے بعد اگر وہ واپس دینے سے منکر ہو جائے اور ہو بھی صاحب ضرورت تو پھر اس کا کیا مسئلہ ہے ؟

الجواب: تو یہ رقم اس صاحب ضرورت غریب کی ملک ہو گی زبردستی اس سے

واپس نہیں لی جاسکتی۔ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳۹۶/۱/۱۲ھ

مہتمم زکوٰۃ دہندگان کا وکیل ہوتا ہے:

عوام الناس اپنے مال کی زکوٰۃ کسی مسکین کی تملیک نہیں کرتے بلکہ ایک مہتمم مدرسہ کو دے دیتے ہیں اور وہ مہتمم ضروریات مدرسہ پر خرچ کرتا رہتا ہے مثلاً سالن، تیل، روٹی وغیرہ تو کیا یہ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہ؟

الجواب: مہتمم مدرسہ لوگوں کی طرف سے وکیل ہوتا ہے اسے چاہیئے کہ زکوٰۃ کا پیسہ بصورت نقدی یا روٹی وغیرہ طلبہ مستحقین کی تملیک کرے اگر وہ ایسا کرے گا تو لوگوں کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اگر اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ تنخواہ میں خرچ کر دیا یا اس کو تعمیر مدرسہ یا کسی اور مقام میں خرچ کیا جس میں تملیک نہیں ہوتی تو زکوٰۃ دہندہ کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی اور اگر ایسے مصارف تعمیر وغیرہ میں خرچ کرنے کی ضرورت ہو تو فقیر کی تملیک کرا کے پھر مدرسہ میں داخل کیا جائے پھر اس کو حسب منشاء خرچ کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم، بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

الجواب صحیح، بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۳۷۰/۱/۲۴ھ

بلا نیت زکوٰۃ صدقہ کرتے رہے تو وہ زکوٰۃ میں شمار نہیں ہوگا

بعض لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے مگر ویسے صدقات دیتے رہتے ہیں کبھی کسی گداگر کو کچھ دے دیا کبھی کسی غریب مسکین کو دے دیا کبھی کسی نیک کام میں چندہ دے دیا، مگر زکوٰۃ کی نیت نہیں کرتے تو کیا ایسے لوگوں کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

الجواب: جو کچھ یہ لوگ گداگروں کو دیتے رہتے ہیں اور زکوٰۃ و عشر کی نیت نہیں ہوتی تو وہ سب صدقات نفلیہ سے شمار ہوں گے یہ زکوٰۃ اور عشر سے

محسوب نہیں ہوں گے۔ البتہ اگر زکوٰۃ و عشر والا مال علیحدہ کیا ہوا ہو اور اس مال سے فقراء اور مساکین کو تھوڑا تھوڑا دیتا ہے تو پھر یہ زکوٰۃ و عشر سے محسوب ہوگا۔

الجواب صحیح۔ بندہ محمد اسحاق غفرلہ ۲۹/۳/۱۴۰۸ھ

بندہ عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۲۹/۳/۱۴۰۸ھ

سوتیلی والدہ کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں:

۱۔ زکوٰۃ کے لئے نصاب موجودہ وقت میں قیمت کے لحاظ سے چاندی کو رکھا جائے یا سونے کو۔ ۲۔ کاروبار کیلئے مستعمل اشیاء وغیرہ میں زکوٰۃ ہے یا نہیں۔ ۳۔ پراویڈنٹ فنڈ میں جو ہم تنخواہ کٹواتے ہیں، اس میں شمار کی جائے یا نہیں۔ ۴۔ اگر اپنے بھائی سے کچھ رقم لینی ہو تو وہ بھی اس میں شمار ہو جائے گی یا نہیں۔؟ ۵۔ کاروبار میں جو رقم دوسروں کے پاس ادھار ہوتی ہے وہ وقتاً فوقتاً رکتی رہتی ہے تو اس کو اس میں داخل کیا جائے یا نہیں۔ ۶۔ اپنی سوتیلی والدہ جبکہ بیوہ ہو تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں جبکہ خرچہ کا خود کفیل ہو۔

الجواب باسم ملہم الصواب

۱۔ چاندی کی قیمت لگا کر نصاب ہونا معلوم کیا جائے اور اگر سونا ہی پاس ہو نہ سامان تجارت ہو نہ چاندی نہ نقدی تو ایسی صورت میں صرف سونے کے وزن ہی کا اعتبار ہوگا۔ ۲۔ برتنوں اور آلات کی قیمت زکوٰۃ میں شمار نہ ہوگی۔ ۳۔ زرِ ضمانت زکوٰۃ کی رقم میں شمار کریں، پراویڈنٹ فنڈ نہیں۔ ۴۔ کی جائے۔ سال پورا ہونے پر آپ جب زکوٰۃ کا حساب کریں تو ادھار والی رقم کو بھی اپنے پاس موجودہ نقد رقم میں شمار کر لیا کریں۔ اور اس کی بھی زکوٰۃ نکال دیا کریں۔ ۵۔ اگر یہ مسکینہ ہو صاحب نصاب نہ ہو تو اس کو خرچہ اور معالجہ کے لئے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح۔ خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۹/۷/۱۳۹۵ھ

جس کے پاس گھر کا سال کا خرچ موجود ہو اسے زکوٰۃ دینا

اگر کسی کے پاس اپنی ضروریات کے لئے رہنے کا اپنا گھر اور روزانہ استعمال کے برتن اور چارپائیاں اور بستر اور سامان خوراک مثلاً گندم نمک مرچ مصالحہ تقریباً ایک سال کے لئے ہیں اور کپڑے سینے کی مشین ہے جس کی آمدن سے اپنے اہل و عیال کا گذارہ کرتا ہے ایسے شخص کو مالِ زکوٰۃ، قربانی، نذر، صدقہ فطر، فدیہ، کفارہ اور عشر دینا جائز ہے اگر کسی نے جائز سمجھ کر دے دیا تو دوسری دفعہ زکوٰۃ وغیرہ کا دینا واجب ہے یا نہیں۔ نیز اس شخص سے جس کو غلطی کی وجہ سے دے چکا ہے واپس لینے کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الوہاب — وفی رد المحتار ص۹۳ ج۲ وفیها سئل محمدؒ عمن له أرض يزرعها أو حانوت يستغلها أو دار غلتها ثلاثة آلاف ولا تكفي لنفقته ونفقة عياله سنة يحل له أخذ الزكوٰة وإن كانت قيمتها تبلغ الوفاء وعليه الفتوى. وعندهما لا يحل. وفي الدر المختار ص۹۳ ج۲ دفع بتحر لمن يظنه مصرفاً فبان أنه عبده أو مكاتبه أو حربي ولو مستأمناً أعادها لما مر وإن بان غناه أو كونه ذمياً أو أنه أبوه أو ابنه أو امرأته أو هاشمي لا يعيد۔

شخص مذکور فی السوال کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں بنا بر روایت رد مختار سئل محمدؒ اور جس شخص کو دی جا چکی ہے۔ اگر اپنی طرف سے تحقیق کر کے فقیر یا مستحق سمجھ کر دی گئی تو اعادہ واجب نہیں ورنہ اعادہ ضروری ہے۔ بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح — ۳/۶/۱۳۷۹ھ

خیر محمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کی تقسیم کے لئے زکوٰۃ کے پیسوں سے رجسٹر خریدنا

زید نے ایک ادارہ قائم کیا ہے جو محض رقوم زکوٰۃ و نذور از لوگوں سے وصول کرنے

کی اپیل کرتا ہے پھر بشورہ اہل علم مستحق لوگوں پر تقسیم کی جاتی ہے اور قیدیوں میں بھی تقسیم کی جاتی ہے۔ قابل دریافت امر یہ ہے کہ اس ادارہ کو رسید بک و اشتہار و رجسٹرات و قلم دوات اسی فنڈ سے رکھنا اور بنانا درست ہے یا نہ، اور کیا اسی فنڈ سے قیدیوں کے پڑھنے کے لئے دینی اور مذہبی کتابیں خرید کر کے لائبریری جیل خانہ میں داخل کرنا کیسا ہے؟

الجواب: زکوٰۃ و فطرانہ وغیرہ کے مال سے ادارہ مذکورہ کے حساب و کتاب کے لئے رجسٹر اور قلم دوات وغیرہ خریدنا جائز نہیں ہے۔ اور نہ ہی کتابیں خرید کر کسی لائبریری میں داخل کرنا جائز ہے اسی طرح زکوٰۃ وغیرہ ادا نہیں ہوگی کیونکہ اس میں تملیک ضروری ہے لہذا زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی تب ہوگی جب کسی مسکین کو اس کا مالک قابض بنا دیا جائے۔ بندہ اصغر علی غفرلہ ۱۴ / ۹ / ۱۳۷۸ھ

الجواب صحیح۔ محمد اسحاق غفر اللہ لہ ۲۲ / ۹ / ۱۳۷۸ھ

جب آپ نے ایک نیک مقصد کے لئے ادارہ قائم کیا ہے تو رجسٹر وغیرہ کے لئے اپنی لوگوں سے جو زکوٰۃ لیتے ہیں دیگر چندہ لیں کیونکہ اس طرح ان کی زکوٰۃ صحیح مصرف پر صرف ہوگی اور ان کو تحقیق مصرف وغیرہ کی مشقت سے کفایت حاصل ہو جائے گی نیز زکوٰۃ کا روپیہ نقد بنا کر فقراء کی تملیک کیا جائے اور جو رقم کسی سے زکوٰۃ کی وصول کی جائے وہ فوری طور پر فقراء پر تقسیم کر دی جائے۔ ایسا نہ ہو کہ زکوٰۃ کی رقم ہفتوں یا دنوں تک آپ کے پاس پڑی رہے۔ کوشش یہ ہو کہ رات آنے سے پہلے روز کی روز ٹھکانے لگ جائے۔ اس قسم کی اور بھی ضروری احتیاطات اور مسائل ہیں جو کہ آپ اہل علم سے دریافت کر سکتے ہیں۔ الجواب صحیح محمد عبد اللہ غفر اللہ لہ

الجواب صحیح۔ مفتی خیر المدارس ملتان

خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۴ / ۹ / ۱۳۷۸ھ

عیالدار مستحق کو نصاب سے زیادہ بھی دے سکتے ہیں

زید نے خالد کو مبلغ ۱۵۰ روپے زکوٰۃ کے دیئے کیا خالد کو بکر بھی زکوٰۃ دے سکتا ہے کیونکہ خالد صاحب نصاب بن گیا ؟

الجواب خالد اگر عیالدار ہے تو اسے مزید زکوٰۃ کی رقم دینا درست ہے تاوقتیکہ اس کے کنبے کے ہر فرد کے پاس تقریباً ۱۰۰ روپے کی مالیت کی مقدار نہ ہو جائے ۔ فقط

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس

الجواب صحیح ۔ بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۰/۸/۹۲ھ

هذا ويكره اعطاء فقير نصابا او اكثر الا اذا كان المدفوع اليه مديونا او كان صاحب عيال بحيث لو فرقه عليهم لا يخص كلا منهم

(درمختار علی الشامیہ صفحہ ۶۸ ج ۲)

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ

مرتب خیر الفتاوی مقیم خیر المدارس ملتان

کتنی عمر کے بچے کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں ؟

اگر کسی نابالغ اور یتیم بچے کو زکوٰۃ دینی ہو تو شرعاً اس کے لئے کوئی عمر کی شرط ہے یا نہیں ؟

الجواب نابالغ مستحق کم از کم اتنی عمر کا ہو کہ وہ قبضہ کو سمجھتا ہو یعنی لے یہ سمجھ ہو کہ یہ چیز مجھے مالکانہ طور پر دی جا رہی ہے اسے پھینک کر بھاگ نہ جائے کم از کم چھ سات سال کی عمر کے بچے میں اتنی سمجھ ہوتی ہے ۔

ولو كان الصبي مراهقا او يعقل القبض بان كان لا يرمي ولا يخدع عنه يجوز (ادر فتح القدير صفحہ ۲۰۲ ج ۲) ۔ فقط واللہ اعلم ۔ محمد انور عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ میں آئے ہوئے کپڑے کو مہتمم نے کم قیمت پر بیچ دیا تو کتنی زکوٰۃ ادا ہوئی ؟

ایک شخص نے پچاس روپے کے کپڑے لیکر بمد زکوٰۃ مدرسہ میں داخل کئے۔ مہتمم نے تیس روپے سے فروخت کرکے رقم مدرسہ میں داخل کرلی تو زکوٰۃ تیس روپے کی ادا ہوئی یا پچاس کی ؟

الجواب باوجود تلاش کرنے کے صریح جزئیہ تو کوئی نہیں ملا البتہ دو فتوے فتاویٰ امدادیہ میں مل گئے ہیں اگرچہ وہ بھی باحوالہ نہیں۔ تاہم ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں تیس روپے کی زکوٰۃ ادا ہوگی۔ اگر ان کپڑوں کی قیمت پچاس روپے ہو تو مہتمم بیس روپے کا ضامن ہوگا۔ زکوٰۃ دینے والے سے دوبارہ اجازت حاصل کرکے مہتمم صاحب اپنی طرف سے بیس روپیہ مدرسہ میں داخل کرے۔ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح — بندہ محمد اسحاق غفر اللہ عنہ ۔

خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۴/۷/۱۳۸۰ھ — نائب مفتی خیر المدارس ملتان

زکوٰۃ کی رقم ملکی قرضہ میں ادا کرنا :

گورنمنٹ پاکستان نے غیر ممالک کا بہت قرض دینا ہے جس کی وجہ سے مہنگائی ہے اور ملک مالی لحاظ سے کمزور ہو رہا ہے۔ اور دن بدن قرض میں اضافہ ہو رہا ہے ——— سود کی ادائیگی کے قابل بھی ملک نہیں ہے ——— کیا ان حالات میں حکومت جو زکوٰۃ وعشر جمع کرتی ہے وہ اس قرض کی ادائیگی میں استعمال ہوسکتا ہے اور کیا قربانی کی کھالیں حکومت جمع کرکے اس قرض کی ادائیگی کرسکتی ہے اس کے بارے میں شرعی فتویٰ کیا ہے ؟

الجواب زکوٰۃ وعشر غرباء کا حق ہے۔ لہو ولعب اور نمائش پر خرچ ہونے والا

مذکورہ فریضہ زکوٰۃ وعشر سے ادا کرنے کی قطعاً اجازت نہیں انما الصدقات للفقراء الآیۃ زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی میں تملیک فقیر ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو مسجد، پل، سڑکیں حج، جہاد وغیرہ ابواب خیر میں خرچ کرنے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے عالمگیری میں ہے ولا یجوز ان یبنی بالزکوٰۃ المسجد وکذا القناطیر والسقایات واصلاح الطرقات وکری الانہار والحج والجہاد وکل ما لا تملیک فیہ (ج ۱)

فقط واللہ اعلم ۔ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
۱۲/۱۰/۱۴۰۹

الجواب صحیح ۔
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

کافر کو زکوٰۃ کمیٹی کا چیئرمین نہ بنایا جائے

ہمارے چک نمبر E-B ۱۲۲ میں موجودہ زکوٰۃ وعشر کمیٹیوں کی سلیکشن کی صورت میں ایک شخص نذر محمد ولد میر بخش کو زکوٰۃ کمیٹی کا ممبر بنا دیا گیا جو کہ مرزائی ہے۔ بظاہر وہ اپنی ذات کو مسلمان کہلاتا ہے لیکن حقائق سے معلوم ہوا کہ وہ مرزائی ہے۔ کیا یہ شخص زکوٰۃ کمیٹی کا ممبر بن سکتا ہے ؟

الجواب حامداً ومصلیاً

مرزائی ممبر مسلمانوں کے مال میں تصرف کا شرعاً مجاز نہیں ہے خصوصاً جبکہ نظام زکوٰۃ کے اصول میں ہے کہ شیعہ اور مرزائی عشر و زکوٰۃ کمیٹی کا ممبر و عہدیدار نہیں بن سکتا۔ نیز قرآن کریم میں واضح اعلان ہے کہ کافر مسلمان پر کسی قسم کی فوقیت کا اہل نہیں۔ ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا ۔ در مختار میں ہے ۔ لا تقبل شہادتہ (ای الکافر علی المسلم) (ص ۱۷۲/۴)

فقط واللہ اعلم ۔ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۲/۱۰/۱۴۰۹ھ

سال گزرنے سے پہلے حکومت جبراً زکوٰۃ نہیں کاٹ سکتی۔

میری بیوی راشدہ بیگم نے ——— مرکزی قومی بچت نیشنل سیونگ سنٹر فلاں میں مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۸۵ء کو مبلغ ایک لاکھ روپیہ جمع کرایا تھا اسی مئی کے مہینہ میں صرف ۱۲ دن بعد ڈھائی ہزار روپے زکوٰۃ فنڈ میں کاٹ لئے گئے کیا یہ زکوٰۃ کی کٹوتی صحیح ہے۔؟

الجواب: مالکِ نصاب کے مال نامی پر جب ایک سال گزر جاتا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اس سے پہلے زکوٰۃ کاٹنا خلاف ضابطۂ شرعیہ ہے۔

فقط واللہ اعلم، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
۳ ر شعبان سنہ ۱۴۰۱ھ

جس سے تملیک کرائی جائے اس کو بھی ثواب ملے گا؟

بعض مدارس میں تملیک کا معمول ہے تو جس سے تملیک کرائی جاسکے، جب وہ رقم مدرسہ کو دیدے تو اسے بھی کچھ ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب: اسے بھی ثواب ملے گا بشرطیکہ تملیک صحیح طریقہ پر ہوئی ہو۔

وحیلة التکفین بہا التصدق علی فقیر ثم ھو یکفن فیکون الثواب لہما وکذا فی تعمیر المسجد اھ (درمختار) وقولہ فیکون الثواب لہما ای ثواب الزکاۃ للمزکی وثواب التکفین للفقیر وقد یقال ان ثواب التکفین یثبت للمزکی ایضاً لان الدال علی الخیر کفاعلہ وان اختلف الثواب کماً وکیفاً قلت واخرج السیوطی فی الجامع الصغیر لو مرت الصدقة علی یدی مائة لکان لہم من الاجر مثل اجر المبتدئ

من غیر ان ینقص من اجرہ شیٔ" اھ (شامیہ ص۲۲۰ ج۲)

فقط واللہ اعلم ۔ فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ

انجمن سپاہِ صحابہؓ کو زکوٰۃ دینے کا حکم

زکوٰۃ کی رقم انجمن سپاہِ صحابہؓ کو دینا جائز ہے یا نہیں جبکہ انجمن اس کو ایک دینی پروگرام پر خرچ کرنا چاہتی ہے مثلاً عظمت صحابہؓ کے لئے۔؟

(سائل مولانا عبداللہ صاحب۔بہاولپور)

الجواب: زکوٰۃ ہر دینی کام پر خرچ نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ جس کو دی جائے وہ فقراء و مساکین میں سے ہو، نیز کسی کام یا عمل کے معاوضہ میں نہ دی جائے۔ اگر انجمن سپاہ صحابہ کے کارکن جن کو زکوٰۃ دینا چاہتے ہیں وہ اس مسئلہ سے بخوبی واقف ہوں اور ان پر اعتماد ہو کہ وہ زکوٰۃ کے سلسلہ میں ادائیگی زکوٰۃ کی شرائط کا اہتمام کریں گے تو انہیں زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ ورنہ دیگر عطیات سے ان کا تعاون کر دیں۔ فقط واللہ اعلم، محمد انور ۱۲/۶/۱۴۱۲ھ

مختلف شہروں کے سفیروں کو زکوٰۃ دینے کا حکم

رمضان المبارک میں مختلف شہروں سے مدارس کے سفیر حضرات زکوٰۃ لینے کے لئے آجاتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اپنے شہر والوں کا حق زیادہ ہے شرعاً ان سفیروں کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

الجواب: یہ درست ہے کہ اپنے شہر والوں کا حق مقدم ہے اور ان کو چھوڑ کر دوسرے شہر میں زکوٰۃ بھیجنا مکروہ تنزیہی ہے مگر چند صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں مثلاً اگر اپنے رشتہ دار ضرورتمند ہوں اور دوسرے شہر رہتے ہوں تو بلا کراہت ان کی طرف بھیجنا درست ہے۔ ایسے ہی علوم دینیہ کے طلباء کے لئے بھی دوسرے شہروں میں زکوٰۃ

بھیجنا درست ہے۔ وکرہ نقلھا إلا إلی قرابة بل فی الظھیریة لا تقبل صدقة الرجل وقرابتہ محاویج حتی یبدأ بھم فیسد حاجتھم أو أحوج أو أصلح أو أورع أو أنفع للمسلمین أو من دار الحرب إلی دار الإسلام أو إلی طالب علم وفی المعراج التصدق علی العالم الفقیر أفضل اھ (درمختار)

وفی الشامیة (قولہ وکرہ نقلھا) أی من بلد إلی بلد آخر لأن فیہ رعایة حق الجوار فکان أولی زیلعی والمتبادر منہ أن الکراھة تنزیھیة تأمل فلو نقلھا جاز لأن المصرف مطلق الفقراء درر (ص ۲/۹۳) وفیھا وقولہ (أفضل) أی من الجاھل الفقیر قھستانی اھ (ص ۲/۹۳)

الجواب صحیح — فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مہتمم مدرسہ کے بیٹے بھی اتنا ہی مال لے سکتے ہیں جتنا کہ عام طالبعلم

زید کا اپنا مدرسہ ہے اس میں مسافر طلباء اور زید کے اپنے بیٹے بھی پڑھتے ہیں جس طرح عام طالب علموں کی ضروریات کا مدرسہ کفیل ہوتا ہے کیا زید کے لڑکوں کو بھی وہی مراعات وضروریات مدرسہ سے دی جاسکتی ہیں یا نہیں؟ حالانکہ زید مسکین غریب بھی نہیں۔

الجواب: ضرورت نہ ہونے کی صورت میں بہتر یہ ہے کہ نہ لے، اور اگر لینا چاہیں تو جتنا ایک عام مقامی طالبعلم کو مدرسہ کی طرف سے دیا جاتا ہے اتنا لے سکتے ہیں

گنجائش ہے۔ مہتمم مال مدرسہ کا امین ہے مالک نہیں۔ محض اہتمام کی بناء پر اپنے بیٹے کے
بیٹے مال مدرسہ لینے کے مجاز نہیں اور اجازت صرف ان بچوں کے لئے ہے جو باقاعدہ
مدرسہ کے طالب علم ہوں۔ نیز غنی کے نابالغ بچوں کو صدقات واجبہ دینے جائز نہیں دیتے

وقت اس مسئلہ کو بھی ملحوظ رکھا جاوے۔ نیز اگر مقامی طلبہ کو امداد نہیں دی جاتی تو
مہتمم کے لڑکوں کو بھی نہ دی جائے۔ محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ، نائب مفتی خیر المدارس ۲۸/۱۱/۱۳۹۸ھ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس۔ ملتان

کمپنیوں کے حصہ دار زکوٰۃ کیسے ادا کریں؟

ایسی صنعتی کمپنیاں جس کے مختلف حصہ دار ہوں وہ اصل اور نفع کی زکوٰۃ کیسے ادا کریں؟

الجواب: اگر اصل رقم کا کوئی حصہ تعمیر یا مشینری پر خرچ نہیں ہوا تو زکوٰۃ اصل اور نفع دونوں پر ہوگی۔ درمختار میں ہے۔

وثمنیۃ المال کالدراھم والدنانیر لتعینھما للتجارۃ باصل الخلقۃ فتلزم الزکاۃ کیفما امسکھما ولو للنفقۃ اھ (شامی ص [illegible])۔

اگر رقم کا کچھ حصہ مشینری پر خرچ ہو چکا ہے تو باقی مال اور نفع پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ کیونکہ آلات اور مشینری پر زکوٰۃ نہیں آتی۔ ولو اشتری قدورا ولیوجرھا لا تجب فیھا الزکوٰۃ کما لا تجب فی بیوت الغلۃ (کذا فی قاضی خان و عالمگیری ص [illegible]) فقط واللہ اعلم۔ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۳/۴/۱۴۰۲

کمپنی کے شیئرز کی زکوٰۃ اسوقت کی قیمت کے اعتبار سے ادا کیجائے

سوال: کمپنی یا بینک سے (SHARES) شیئرز خریدے جب خریدے تھے تو اسکی قیمت چار ہزار روپے تھی اب اگر ہم اس کو فروخت کریں تو اسکی قیمت آٹھ ہزار روپے ہے تو اسکی زکوٰۃ موجودہ قیمت کی ادا کریں یا بوقت خرید کی زکوٰۃ ادا کریں ؟

الجواب: بازار میں اسوقت جو اسکی قیمت ہوگی زکوٰۃ اسی حساب سے ادا کی جائے گی۔ درمختار میں ہے۔ وتعتبر القیمۃ یوم الوجوب وقالا یوم الاداء اجماعاً وھو الاصح ج ۲ ص ۲۲۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

کسی کی طرف سے بلا اجازت زکوٰۃ دے دی تو اسکی طرف سے ادا نہیں ہوگی

سوال: ایک عورت پر زیور کی زکوٰۃ واجب تھی مگر نقد رقم موجود نہ تھی۔ اسکی بیٹی نے اپنی ذاتی رقم سے والدہ سے اجازت لئے بغیر والدہ کی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دی کیا وہ زکوٰۃ ادا ہو گئی ؟

الجواب: صورت مسئولہ میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ لو ادی زکوٰۃ غیرہ بغیر امرہ فبلغہ فاجاز لم یجز اھ (شامی ص ۲۲)

فقط واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ ۹۹/۱/۲

الجواب صحیح۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

متوفاۃ نے اپنی زندگی میں زکوٰۃ نہ دی ہو تو ترکہ سے نکالنے کا حکم

سوال: ہندہ مرگئی اور کچھ زیورات چھوڑ گئی۔ اپنی زندگی میں اس نے ان زیورات وغیرہ

کی زکوٰۃ پوری پابندی سے نہ دی اب وفات کے بعد کیا ورثاء مال میں سے اسکی زکوٰۃ نکال سکتے ہیں۔ اور ان پر زکوٰۃ نکالنا واجب ہے یا نہ۔ اور زکوٰۃ اس کے مال سے نکال کر ترکہ تقسیم کریں یا کیسے کریں اگر ایک وارث اپنی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دے تو کیا یوں بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس وارث کی ادائیگی زکوٰۃ سے بندہ سے فرض اتر جائے گا یا نہ؟

الجواب اگر ورثاء تمام بالغ ہوں تو اپنی خوشی سے متوفاۃ کی طرف سے زکوٰۃ نکال سکتے ہیں۔ ان پر واجب نہیں ـــ اگر ان میں سے ایک بھی زکوٰۃ دینا چاہے تو یہ بھی جائز ہے حق تعالیٰ سے اس کو ثواب ملنے کی پوری امید ہے اور اس متوفاۃ سے بوجھ کم ہونے کی توقع ہے۔ اگر سب وارث راضی ہوں تو ترکہ کی تقسیم سے پہلے زکوٰۃ ادا کریں ورنہ بعد از تقسیم ہر شخص اپنے حصہ سے اگر چاہے نکال کر ثواب حاصل کرے۔ بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

الجواب صحیح، بندہ عبد اللہ عفا اللہ عنہ الجواب صحیح، خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان ۱۳/۴/۱۳۶۹ھ

مکان کی تعمیر کے لئے زکوٰۃ کی رقم دینا:

ایک غریب مستحق زکوٰۃ کو مکان کی تعمیر کے لئے زکوٰۃ کی رقم دینا درست ہے یا نہ؟

الجواب درست ہے، مگر یک وقت اتنی نہ دی جائے کہ وہ غنی ہو جائے ــ ویکرہ ان یدفع الی واحد مائتی درھم فصاعداً وان دفع جاز (ھدایۃ ج۱)۔ فقط واللہ اعلم۔ بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۲۲/۸/۱۳۹۸ھ

بینک کے ذریعہ حاصل کردہ مال پر زکوٰۃ کا حکم:

جو نقدی بذریعہ بینک حاصل کی جائے اس کی قربانی و فطرانہ دینا جائز ہے یا نہیں ـــــ؟

الجواب یہ مال اگرچہ ناجائز طریقے سے حاصل ہوا ہے لیکن باوجود اس کے وہ اس کا مالک بن گیا ہے اس وجہ سے اس کو قربانی اور فطرانہ اور اسکی زکوٰۃ یہ تمام امور ادا کرنے ضروری ہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
معین مفتی خیرالمدارس ملتان
۱۴/۱۱/۱۳۸۸ھ

الجواب صحیح:
بندہ اصغر علی غفرلہ
نائب مفتی خیرالمدارس ملتان

الجواب صحیح: محمد عبداللہ غفر اللہ لہ مفتی خیرالمدارس ملتان

بھانجا ماموں کو زکوٰۃ دے سکتا ہے؟

س ماموں اپنے بھانجے سے زکوٰۃ لے سکتا ہے؟ جبکہ ماموں از حد غریب ہے زمینداری ہے اور زیور سونا چاندی ہے کیا بہن کی جماعت کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

الجواب اگر ماموں میں کوئی شرعی مانع نہ ہو تو عام لوگوں کی بہ نسبت ان کو دینا زیادہ ثواب کا سبب ہے۔ ایسے ہی اگر وہ زکوٰۃ کا پیسہ استعمال کرنے میں مصارف کا پورا پورا خیال رکھتے ہوں تو انہیں زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۹/۴/۱۴۰۲ھ
الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

حکومت کو مالیہ ادا کرنے سے عشر ساقط نہیں ہوتا

س زمین کی پیداوار پر گورنمنٹ ٹیکس (مالیہ) ادا کرنے کے ساتھ شرعی حق دسواں یا بیسواں حصہ ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص ۹۸ ج ۶ میں مرقوم ہے اگر زمین عشری ہے تو سرکاری محصول دینے سے عشر ساقط نہیں ہوتا۔ فیما بینہ و بین اللہ

عشر (دسواں) یا بیسواں حصہ دینا چاہیئے ۔ فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ

۱۱ رجب سنہ [illegible]ھ

زکوٰۃ کا پیسہ بذریعہ منی آرڈر بھیجنا :

زکوٰۃ کا روپیہ بذریعہ منی آرڈر روانہ کرنا جائز ہے یا بھیجا یا بیمہ ہو سکتا ہے ؟

الجواب : منی آرڈر سے زکوٰۃ ادا ہو سکتی ہے اور اسی طرح بیمہ سے بھی روپیہ زکوٰۃ بھیجا جا سکتا ہے ۔ کذا فی الفتاویٰ امدادیہ ج۲ ص۱۲۹ ۔ لیکن واضح رہے کہ اگر ڈاکخانہ سے مرسل الیہ کو زکوٰۃ کا روپیہ بصورت نوٹ کے حاصل ہو تو اس کو نقد بنا کر قبضہ کرانا ضروری ہے یعنی مرسل الیہ کو لکھ دیا جائے کہ یہ رقم زکوٰۃ کی ہے ۔ اس رقم کے اگر نوٹ ڈاکخانہ سے حاصل ہوں تو نقد بنا کر لو ۔ اور نقد رقم کو اپنے صرف میں لاؤ ۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ، ۴/۱۰/۱۳۷۰ھ

بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ

مقروض بھی اپنی زمین کی پیداوار کا عشر دے

میری تنخواہ مبلغ ۸۰ روپے ماہوار ہے ۔ کنبہ زیادہ ہونے کی وجہ سے بڑی مشکل سے گزر ہوتا ہے اور پس انداز کچھ بھی نہیں ہوتا کہ اس سے شرعی طور پر زکوٰۃ دی جا سکے ۔ اس وقت مجھ پر ۵۰۰ روپے قرض ہے ۔ اور زمین سے دس من گندم ملی ہے کیا اس گندم پر شرعاً عشر واجب ہے یا کہ نہیں ؟

الجواب: عشر کا وجوب زمین سے حاصل شدہ چیز پر ہے۔ اس میں یہ ضروری نہیں کہ عشر دینے والا غنی ہو۔ پس آپ پر ضروری ہے کہ آپ ایک من عشر ادا کریں۔ زمین اگر بارانی ہے تو دسواں حصہ دینا ہوگا اور اگر چاہی یا نہری ہو جس کا پانی معاوضہ سے خریدا گیا ہو تو بیسواں حصہ یعنی نصف عشر ہوگا۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ ۲۴/۱۱/۱۳۹۷ھ

الجواب صحیح، بندہ اصغر علی غفر اللہ لہٗ ۲۴/۱۱/۱۳۹۷ھ

الجواب صحیح عبداللہ غفر اللہ لہٗ مفتی خیر المدارس ملتان

بہن کو زکوٰۃ دینے کا حکم

بھائی بہن کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بہن مستحق ہو تو اسے زکوٰۃ دینا درست ہے بلکہ دوہرا ثواب ملے گا۔ فقط واللہ اعلم، محمد انور مفتی جامعہ خیر المدارس۔

۵/۹/۱۴۰۷ھ

جانوروں کی زکوٰۃ کے لئے ان کا سائمہ ہونا ضروری ہے

ایک شخص کے پاس دس بھینسیں ہیں۔ جو کہ تجارت کے لئے نہیں۔ بلکہ ان کا دودھ فروخت کرتا ہے۔ جس کی آمدنی ہر ماہ تقریباً سوا لاکھ روپیہ ہے۔ کیا بھینسوں پر زکوٰۃ ہوگی یا آمدنی پر جبکہ وہ باہر چرنے نہیں جاتیں۔ بلکہ گھر پر ہی خرید کر چارہ ڈالا جاتا ہے؟

الجواب: برتقدیر صحت واقعہ صورت مسئولہ میں بھینسوں پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

کیونکہ وجوب زکوٰۃ کے لئے سال کا پورا ہونا ضروری ہے۔ البتہ ان سے جو آمدنی ہوتی ہے
اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح ۔ بندہ عبدالستار عفی عنہ ۔ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

داخلہ حج میں دیئے ہوئے روپیوں پر زکوٰۃ ۔

میرا سال زکوٰۃ ماہ رمضان کے آخری عشرے میں پورا

ہوتا ہے مگر میں نے یکم رجب کو داخلہ حج بھر دیا ہے۔ سال پورا ہونے پر اس رقم پر
زکوٰۃ آئے گی یا نہیں ؟

الجواب جب سال یکم رمضان کو پورا ہوتا ہے اس وقت تک روپیہ استعمال میں نہیں آیا تو وجوب زکوٰۃ کل رقم پر ہوگا۔ لہٰذا داخلہ حج میں دیا ہوا روپیہ
وجوب زکوٰۃ سے مستثنیٰ نہیں ہوگا۔

كما يفهم من الدر على هامش الشامى ومشغول بحاجة اصلية ودين نذر وكفارة
وحج لعدم المطالب الخ ۔ فقط واللہ اعلم ۔ محمد اسحٰق عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ۔ خیر المدارس ۔ ملتان ۶/۷/۹۲ھ

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ خیر المدارس ۔ ملتان ۶/۷/۹۲ھ

زکوٰۃ کے پیسے سے ادویات خرید کر دینا

زکوٰۃ کے روپے سے ادویات خرید کر لوگوں کو تقسیم کر سکتے ہیں یا کسی مدرسہ میں جو
گورنمنٹ سے گرانٹ حاصل کر رہا ہو اس میں ادویات خرید کر دے سکتے ہیں ؟

الجواب زکوٰۃ کے روپے سے ادویات خرید کر کے فقراء و مساکین کو جو مستحق ہوں اور شرعی مصرف ہوں تملیک کر دینا جائز ہے۔ اسی طرح سکول
کے مستحق طلبہ کو ادویات تملیک کرنا جائز ہے۔ چاہے سکول کو گورنمنٹ کی گرانٹ

بھی ملحق ہو یہ ضروری ہے کہ زکوٰۃ سے خرید شدہ ادویات مستحق اور نادار طلبہ کو ہی تملیک کی جائیں۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس۔ ملتان
۱۴/۵/۱۳۷۸ھ

زکوٰۃ کے پیسے علیحدہ رکھے تھے کہ چوری ہو گئے

زکوٰۃ کے دو سو روپے میں نے حساب کر کے نکالے اور ان زکوٰۃ کے روپیوں کو علیحدہ رکھ دیا۔ مدارس وغیرہ میں بھیجتے رہے۔ کچھ روپے ابھی تقسیم نہیں کئے تھے کہ کسی نے وہ ڈبہ گھر کی الماری سے چرا لیا۔ اس کے ساتھ ہی ہمارے پہلے بھی کچھ پیسے کسی نے چرا لئے تھے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زکوٰۃ والے ڈبیوں کی زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ یا دوبارہ دینے پڑیں گے؟

الجواب جتنی مقدار فقراء کو نہیں دی گئی اتنی مقدار ادا نہیں ہوگی۔ دوبارہ دینی لازم ہوگی۔ درمختار ص ۲۷۰ ج ۲ ولا یخرج عن العھدۃ بالعزل فلو ضاعت لا تسقط عنه الزکوٰۃ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم مدرسہ ہذا ۳/۱۲/۱۳۷۱ھ

ایک ہی شخص کو اتنے پیسے دینا کہ وہ غنی ہو جائے

کوئی آدمی زکوٰۃ کے پیسے سے ایک غریب آدمی کو حج بیت اللہ شریف کرا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب مالک بننے کے بعد فقیر کو اختیار ہے کہ اس پیسے کو جہاں چاہے صرف کرے لیکن کسی مستحق کو غنی کرنا یعنی ایک وقت نصاب سے زائد

دیا مکروہ ہے۔ ویکرہ ان یدفع إلی واحد ما تثنی درهم فصاعداً وان دفع جاز (هدایہ باب الزکوٰۃ) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہٗ

مفتی خیر المدارس ملتان ۹/۲/۱۳۹۶ھ

جس قرض کے ملنے کی اُمید نہ ہو اسکی زکوٰۃ کا حکم

جو مال کسی کو قرض پر دیا ہے یا رقم قرضہ پر دی ہوئی ہے لیکن ملنے کی اُمید نہیں ہے تو اسکی زکوٰۃ ادا کی جائے گی یا نہ ۔ پھر یہی قرضہ اگر کئی سالوں کے بعد بالفرض مل جائے تو گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی یا نہ ؟

الجواب اگر مقروض منکر تھا اور قرض دینے کے گواہ بھی موجود نہیں تھے تو اس صورت میں گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ۔ درمختار میں ہے ودین کان جحدہ المدیون سنین ولا بینۃ لہ علیہ (ص ۴ ج ۲) لیکن اگر مقروض مقر تھا مگر حصول پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے ناامیدی ہے تو اس صورت میں بھی گزشتہ کی زکوٰۃ واجب نہیں ۔ (شامیہ باب المصرف) ملنے کی امید اور مقروض کے اقرار یا اس پر گواہ ہوں تو کل مدت میں گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہے ۔ درمختار میں ہے ۔ ولو کان الدین علی مقر ملیٔ او معسر او مفلس او جاحد علیہ بینۃ او علم بہ قاض فوصل الی ملکہ لزم زکوٰۃ ما مضیٰ ۔ (شامیہ ص ۴ ج ۲) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہٗ

۲۶/۵/۱۳۹۶ھ

الجواب صحیح :

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہٗ

واجب التصدق رقم اپنی بالغ اولاد کو دے سکتا ہے

ایک آدمی کے پاس سود کی رقم ہے وہ خود تو اپنے اوپر خرچ نہیں کرتا اس کی ایک لڑکی ہے جس کی شادی کی تھی تو اس کے خاوند نے طلاق دے دی کیا وہ والد سود کی رقم اپنی اس لڑکی کو دے سکتا ہے یا کہ نہیں ؟

الجواب اگر لڑکی مستحق زکوٰۃ ہے تو یہ رقم اس کو دے سکتا ہے مگر زکوٰۃ وغیرہ نہیں دے سکتا ہے ۔ وفی کراہیۃ الھندیۃ اما تصدق بہ علی ابیہ یکفیہ ولا یشترط التصدق علی الاجنبی

فقط واللہ اعلم ۔ محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

شیعہ کو عشر دینا جائز نہیں :

ایک شخص صاحب مال ہے اور عشر دینا چاہتا ہے اس کا ایک رشتہ دار قریبی شیعہ مذہب سے تعلق رکھتا ہے ۔ کیا اس پر عشر لگتا ہے یا نہیں ؟

الجواب جائز نہیں ۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ ۲۲/۱۱/۱۳۹۶ھ

الجواب صحیح ۔ محمد عبداللہ غفر اللہ ' مفتی خیرالمدارس ۔ ملتان

افیون کی تجارت سے حاصل ہونے والے مال پر زکوٰۃ کا حکم :

ایک شخص افیون بیچتا ہے اس میں منافع اتنا ہوا کہ اس کے پاس دو تین ہزار روپیہ جمع ہو گیا ۔ وہ چاہتا ہے کہ اس میں سے زکوٰۃ ادا کروں اور نماز بھی پڑھوں اور حج بھی ادا کروں اور یہی کام آئندہ بھی کرتا رہوں جس طرح شریعت کا حکم

ہو تحریر فرما دیں ۔؟

الجواب ایون کی تجارت کرنا جائز ہے لیکن افضل یہ ہے کہ اگر کوئی اور کاروبار مل جائے تو اس کو چھوڑ دیا جائے اور اس کا سے ہوتے روپے کی زکوٰۃ بھی دیوے اور اس سے حج بھی کرے ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ اصغر علی عفر اللہ لہٗ

۲۲ / ۱۲ / ۱۳۷۲ھ

الجواب صحیح ؛
بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہٗ

زکوٰۃ میں جانوروں کی ایک جنس کو دوسری کے ساتھ ملایا نہیں جائیگا

ایک آدمی کے پاس ۳۰ بکریاں اور دس گائے اور تین اونٹ ، پانچ بھینسیں ہیں ۔ نقدی بھی ہے ۔ اس میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہے ؟ اور گھوڑوں کی زکوٰۃ ہے یا نہ ؟ اگر ہے تو نصاب کیا ہے ؟

الجواب مواشی مختلف اقسام کے جمع ہو جائیں اور نصاب کسی کا پورا نہ ہوتا ہو تو کسی قسم پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور ایک قسم کو دوسری قسم کے ساتھ جمع نہ کیا جائے گا ۔ گھوڑوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے ۔ بنا بر قول مفتیٰ بہ ۔ فی الدر المختار ولا شیء فی خیل سائمۃ عندھما وعلیہ الفتوی وفی الرد قال الطحاوی وھذا احب القولین الینا ورجحہ القاضی ابو زید فی الاسرار وفی الینابیع وعلیہ الفتوی ۔ وفی الجواہر والفتوی علی قولھما الخ ۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہٗ ۲۲ / ۲ / ۷۰ھ خادم الافتاء ،

خیر المدارس ، ملتان ۲۰ ر شعبان ۱۳۷۰ھ

الجواب صحیح ،

خیر محمد مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

۲۲ ر شعبان ۱۳۷۰ھ

صاحبِ نصاب وکیل اپنی بیٹی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے

زید صاحبِ نصاب نے اپنی دختر کی شادی عمر صاحبِ نصاب سے کی۔ کچھ عرصہ بعد عمر نے لڑکی کو ناشزہ ہونے کی وجہ سے طلاق دے دی اور کچھ مہر و نفقہ نہ دیا۔ لڑکی اپنے باپ کے گھر عدت گزار رہی ہے۔ اور اس کا خرچ اب اس کا باپ برداشت کرتا ہے۔ اور وہ اب بھی صاحبِ نصاب ہے۔ بکر نے زید کو کچھ رقم زکوٰۃ کی دی اور یہ کہا کہ اس کو صحیح مصرف میں خرچ کر دو۔ کیا زید اس رقم کو اپنی مطلقہ دختر پر خرچ کر سکتا ہے؟

الجواب زید اگر بکر کے مال کی زکوٰۃ کو اپنی بیٹی کبیرہ پر صرف کر دے تو جائز ہوگا یعنی باپ کے علاوہ دوسرے شخص کی زکوٰۃ صرف کی جا سکتی ہے۔ وکذا الی البنت الکبیرۃ اذا کان ابوھا غنیا لانہ قدرالنفقۃ لا یغنیھا اھ (عالمگیری ص ۱۹۰ ج ۱)۔ فقط واللہ اعلم۔ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح۔ بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ ۔ ۲۱/۰۱/۱۳۷۰ھ

مالِ عشر دوسرے شہر لیجا کر فروخت کرے تو بھی مجموعہ قیمت سے عشر دے

کسی آدمی نے ٹماٹر وغیرہ کاشت کیے ہیں۔ وہ شخص ان کو اسی جگہ بیچنا چاہتا ہے۔ مگر نرخ کی کمی کی وجہ سے کوئی قبول کرنے والا نہیں ہے۔ اب اس شخص کو کیا کرنا چاہیے۔ بصورت دیگر اگر اس زمیندار نے ٹماٹر دوسرے شہر کو ارسال کیے وہاں پر ۱۰۰ روپے کا مثلاً بک گیا جب تمام خرچہ وغیرہ نکال دیا گیا تو صافی صرف ۴۰ روپے رہ گئے۔ اب عشر تمام بکری سے ادا کرے یا صافی بکری سے۔

الجواب درمختار میں ہے ویقوم فی البلد الذی المال فیہ ولو فی مفازۃ ففی اقرب الامصار الیہ۔ علامہ شامی فرماتے ہیں۔

فلو بعث عبد التجارة فی بلد آخر یقوم فی البلد الذی فیہ العبد منہ ۳/۲۰

اس جزئیہ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں سو روپیہ غلام بکر کی کا واجب ہے۔ خرچہ نکالنے کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح — بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رائج الوقت نوٹ عروض تجارت کے حکم میں ہیں

میرے اور میری گھر والی دونوں کے پاس پانچ پانچ تولے سونا ہے۔ زوجہ کے پاس گھر کا کچھ سامان بھی ہے۔ جو کہ والدین نے ان کو تملیک کر دیا ہے۔ جو تقریباً تین صد روپیہ کا ہے لیکن میرے پاس سوائے پانچ تولہ سونے کے اور کچھ بھی نہیں ہے آیا اس صورت میں مجھ پر زکوٰۃ، قربانی اور صدقۃ الفطر واجب ہے۔ اور اسی طرح میری بیوی پر بھی ان مذکورہ بالا میں سے کچھ واجب ہے یا نہیں نیز بندہ مدرسے کا ملازم ہے۔ لیکن ۸۰ روپے سارے کے سارے خرچ ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ تین سو روپیہ قرضہ بھی دینا ہے۔ جواب تک ادا نہیں کیا۔ بالغرض اگر قرضہ بھی دینا ہو تو پھر بھی صدقۃ الفطر وغیرہ واجب ہوں گے یا نہیں۔؟

الجواب حامداً ومصلیاً رائج الوقت نوٹ اور روپے عروض تجارت کے حکم میں ہیں۔ اور ان میں زکوٰۃ واجب ہے۔ الفلوس ان کانت اثمانا رائجۃ او سلعا للتجارۃ تجب الزکوٰۃ فی قیمتہا والا فلا ۱ھ شامی ص ۲۲ ج ۲۔ جب آپ نے تنخواہ وصول کی تو اس کا ضم مع الذہب کرنے کی وجہ سے نصاب فضہ کی مالیت سے یہ مجموعہ زائد ہو گیا تو سال شروع ہو گیا۔ آئندہ سال اگر اس تاریخ میں ایک روپیہ یا اٹھنی چونی یا آنہ بھی موجود ہوا تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ ایام قربانی میں بھی اگر ایک روپیہ یا اٹھنی یا چونی وغیرہ موجود رہی تو قربانی واجب ہو گی۔ ورنہ نہیں یہی حکم صدقہ فطر کا

ہے۔ بیوی کے بارے میں بھی یہی تفصیل ہے کہ جس دن کوئی روپیہ اسکی ملکیت میں
آیا اسی روز سے اس کا مال شرعًا ہو جائے گا الخ۔ البتہ اسکے ملکیتی برتن اگر استعمال
میں نہ آتے ہوں ویسے پڑے رہتے ہوں تو اس صورت میں صدقۃ الفطر قربانی وغیرہ واجب
ہوگی۔ خواہ مزید کوئی روپیہ اسکی ملک میں آئے یا نہ آئے۔ اور اگر استعمال ہوتے ہوں تو یہ برتن
انکی مالیت نصاب میں محسوب نہیں ہوگی فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس۔ ملتان

الجواب صحیح

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

۸/۱/۱۳۹۳ھ

زکوٰۃ کی رقم خود استعمال کر لی اور مالکان کو بتانا بھی مشکل ہو تو...

اگر کوئی زکوٰۃ کی رقم اپنی کسی ضرورت میں خرچ کر بیٹھے اور پھر اپنی طرف سے اتنی رقم مدرسہ میں خرچ کر دے تو کیا زکوٰۃ دہندہ کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اصل یہ ہے کہ صورتِ حال بتلا کر مالکان سے اجازت لی جائے اور پھر ان کی طرف سے زکوٰۃ ادا کی جائے اگر اس میں مشکلات ہوں تو ایک قول کے مطابق صورتِ مسئولہ میں بھی گنجائش ہے امید ہے کہ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ لکن قد یقال تجزی عن الآمر مطلقًا لبقاء الاذن بالدفع اھ (شامیہ [illegible])

لیکن یہ رقم ویسے ہی مدرسہ میں خرچ کرنا کافی نہیں ہوگا۔ بلکہ مستحقین کی طرف تملیک کرانی ہوگی۔ رجل جمع مالا من الناس لینفقہ فی بناء المسجد فانفق تلک الدراهم فی حاجتہ ثم ردبدلها فی نفقۃ المسجد لا یسعہ ان یفعل ذلک فان فعل فان عرف صاحب ذلک المال رد علیہ او سأل لہ تجدید الاذن فیہ وان لم یعرف صاحب المال استأذن الحاکم وان تعذر علیہ ذلک رجوت لہ فی الاستحسان ان ینفق مثل ذلک من مالہ علی المسجد فیجوز اھ کذا فی الذخیرۃ (ہندیہ [illegible])۔ فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۱۵/۱/۱۳۹۲ھ

اُدھار کی زکوٰۃ کیسے دے ؟

زید کپڑے کا کاروبار کرتا ہے۔ اور زید چاہتا ہے کہ میں اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کروں۔ زید کا مال تین قسم کا ہے۔ اولاً جو کپڑا دوکان میں موجود ہے ثانیاً جو نقد رقم زید کے پاس ہے ثالثاً وہ رقم جو مختلف اشخاص کے پاس بطور اُدھار ہے۔ اب ان تینوں قسموں پر زکوٰۃ ہے یا نہ یا پہلی دو قسم پر زکوٰۃ ہے۔؟

الجواب باسمہٖ تعالیٰ: جو اُدھار تجارت کے سلسلہ میں ہو یعنی لوگ دکان سے مال لے گئے ہوں یا نقد روپیہ کسی کو دیا ہو اُس کی زکوٰۃ جیسے جیسے وصول ہوتا جائے ادا کی جائے۔ باقی دو کی ابھی سے دیں۔

فتجب عند قبض اربعین درهما من الدین القوی کقرض وبدل مال التجارة فکلما قبض اربعین درهما یلزمه درهم (درمختار علی الشامیة)۔ فقط واللہ اعلم، بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۲/۳/۱۴۰۹ھ

بیٹے کی بیوی کو زکوٰۃ دینے کا حکم :

عثمان نے ایک مولوی صاحب سے پوچھا کہ میں زکوٰۃ اپنی بہو کو دینا چاہتا ہوں یہ جائز ہے یا نہیں؟ مولوی صاحب نے بتلایا کہ من حیث الزکوٰۃ دینا جائز ہے پھر عثمان نے دوسرے مولوی صاحب سے معلوم کیا تو دوسرے مولوی صاحب نے عدم جواز کا فتویٰ دیا کیونکہ ان کا نفع ونقصان مشترک ہے اس لئے دینا جائز نہیں واضح رہے کہ عثمان کی بہو عاقلہ بالغہ اپنے شوہر کے سمیت عثمان کے گھر سکونت پذیر ہے۔ عثمان اور اس کا بیٹا کھیتی کرتے ہیں۔ اور عثمان مذکور تمام مرد وزن صغیر کبیر کا خرچ خود کرتا ہے ہر چیز کا مشترک کائی ہے ایسے حالات میں عثمان اپنی زکوٰۃ اپنی بہو کو شرعاً دے سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب باسمہٖ تعالیٰ: کتب فقہ میں زوجۃ ابن یعنی بہو کو زکوٰۃ دینے کا جواز مصرح ہے اور

کسی طرح بھی اصولِ شرعیہ کے تحت بہو کو مصرفِ زکوٰۃ سے خارج کرنے کی صورت نہیں نکلتی، لہٰذا بہو کو زکوٰۃ دینی جائز ہے اگر وہ مسکینہ ہو، باقی فقہاء نے باپ کی زکوٰۃ بیٹے کو یا علی العکس یا زوجہ کی زوج کو وعلی العکس کے عدمِ جواز کے لئے بطورِ دلیلِ عقلی یہ دلیل پیش کی ہے کہ یہ ایک دوسرے کے مال سے نفع اٹھانے میں چونکہ آزاد ہوتے ہیں تو یہ زکوٰۃ گویا دوبارہ زکوٰۃ دینے والے کی ضرورت میں استعمال ہو رہی ہے۔ وغیرذلک اس قسم کے دلائلِ عقلیہ جنہیں فقہاء پیش کرتے ہیں مسئلہ کا مدار نہیں ہوتے اس طرح کہ اگر یہ دلیل اجنبی میں پائی جائے اور کوئی شخص کسی غریب قریب کے ساتھ اس قسم کا دوستانہ برتاؤ اور حسین تعلق رکھے کہ وہ ایک دوسرے کے مال کو آزادی سے استعمال کریں تو وہاں حکم عدمِ جواز کا دیا جائے یا کوئی لڑکا اپنے باپ سے علیحدہ ہے اور بیٹے کا مال کالا الانتفاع ہے کسی قسم کا نفع ایک دوسرے کے مال سے نہیں اٹھاتے تو وہاں جوازِ زکوٰۃ کا حکم دیا جائے اس طرح کا عمل صحیح نہیں۔ دلائلِ عقلیہ کو فقہاء صرف تقریبِ ذہن کے لئے پیش کرتے ہیں دراصل مصارفِ زکوٰۃ حدیث شریف میں منصوص ہیں، باپ کی زکوٰۃ بیٹے پر منع ہے۔ حدیث شریف میں اب یہ منع مطلق ہوگا خواہ نفع مشترک ہو یا نہ ہو اور بہو کے لئے جواز ہے لہٰذا یہ بھی مطلقاً ہوگا خواہ نفع مشترک ہو یا نہ ہو۔ البتہ اگر کوئی نیت فاسد رکھتا ہو اور بہو کو دینا حیلہ بنا رہا ہو فی الواقع مقصود یہ ہو کہ اس طرح زکوٰۃ سے دوبارہ فائدہ اٹھاؤں گا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ انما الاعمال بالنیات الخ اگر نیت فاسد ہے تو عمل فاسد ہوگا لیکن فقہی حکم کا تعلق ظاہر سے ہوتا ہے باطنی نیات سے نہیں لہٰذا فقہی حکم صرف جواز کا ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

محمود عفا اللہ عنہ
مفتی قاسم العلوم ۔ ملتان
۱۸ / ۲ / ۱۳۸۱ھ

سادات کو زکوٰۃ دینا کسی زمانہ میں جائز نہیں

سادات کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خمس نہ ہونے کی وجہ سے موجودہ زمانہ میں جائز ہے یہ قول کہاں تک درست ہے۔؟ احادیث صحیحہ اور معتبر فقہاء اس کے حق میں ہیں یا خلاف۔ درست صورت حال اور مفتی بہ قول درکار ہے۔

الجواب کسی زمانہ میں بھی سادات کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں اور سادات کو ہر زمانہ میں زکوٰۃ لینا حرام ہے خواہ خمس ہو یا نہ۔ وفی البحر الرائق واطلق الحکم فی بنی هاشم ولم یقید بزمان ولا بشخص للاشارة الی رد روایة ابی عصمة عن الامام انه یجوز الدفع الی بنی هاشم فی زمانه لان عوضها وهو خمس الخمس لم یصل الیهم لاهمال الناس امر الغنائم وایصالها الی مستحقیها واذا لم یصل الیهم العوض عادوا الی المعوض وللاشارة الی رد الروایة بان الهاشمی یجوز له ان یدفع زکوٰته الی هاشمی مثله لان ظاهر الروایة المنع مطلقا ص۲۴۶ ج۲ نیز جس ایک روایت کے پیش نظر جواز بتلایا جا رہا ہے۔ وہ دلیل کے مقتضیٰ کے خلاف ہے۔ فقہاء معتبرین کا مفتی بہ قول بھی عدم جواز کا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ کتبہ محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

آل علیؓ کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں:

ایک شخص اپنے آپ کو علوی بتاتا ہے کیا اسے زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔؟

الجواب اگر واقعۃً وہ آل علیؓ سے ہے تو اس کو صدقات واجبہ براہ راست نہیں دے سکتے۔ (قوله ولا الی بنی هاشم) درمختار) اعلم ان عبد مناف وهو الاب الرابع للنبی صلی اللہ علیہ وسلم اعقب اربعة

وهم هاشم والمطلب ونوفل وعبد شمس ثم هاشم اعقب اربعة انقطع نسل الكل الا عبد المطلب فانه اعقب اثنا عشر تصرف الزكوٰة الى اولاد كل اذا كانوا مسلمين فقراء الا اولاد عباس وحارث واولاد ابي طالب من علي وجعفر وعقيل اه شامية ص ۲۶ج۲ ۔ فقط واللہ اعلم ۔

محمد انور ۲۰ / ۹ / ۱۴۰۶ھ

برادری کے مالداروں سے لیکر انہی کے فقراء پر تقسیم کرنے کی شرائط

ہماری ایک برادری جو کہ پانچ چھ خاندانوں پر مشتمل ہے جس میں مالی اعتبار سے ہر طرح کے افراد شامل ہیں یعنی امیر و غریب ۔ برادری کی ایک قومی کمیٹی تمام برادری کے اتفاق و اتحاد سے بنی ہوئی ہے جس کا مقصد اب یہ ہے کہ برادری کے امیر لوگوں سے زکوٰۃ وصول کریں اور اپنے پاس جمع کر کے اپنی برادری کے یتیموں، بیواؤں، مسکینوں اور ایسے افراد جن کا گذارہ نہیں ہوتا ہے ان پر تقسیم کریں ۔ اگر یہ جائز ہے تو قومی کمیٹی کس طرح سے ان افراد میں زکوٰۃ کو تقسیم کرے ۔ ؟

الجواب حامدا ومصلیا کمیٹی اس طرح زکوٰۃ جمع کر سکتی ہے اور انکو دے سکتی ہے جن کے پاس تقریباً ایک سو چندرہ روپے کی مالیت کا سامان سونا نقدی زیورات موجود نہ ہو۔ جو سامان کہ زائد از حاجت ہو بیوہ یتیم ، بیوہ مستحق زکوٰۃ نہیں ۔ مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھنا ضروری ہے (۱) کسی وسیع النظر عالم دین سے مسائل پوچھ کر زکوٰۃ ادا کرنا ورنہ خطرہ ہے کہ بہت سے لوگوں کی زکوٰۃ ادا ہی نہ ہو (۲) شرعاً مسکین وغریب کس کو کہتے ہیں اسکی صحیح تحقیق معلوم کرنا (۳) رقم جمع ہوتے ہی جلد از جلد مستحقین تک پہنچانے کی کوشش کرنا جمع کرنے میں بہت ضروری ہے کہ ہر سال کے سال یہ فنڈ ختم ہو جایا کرے گا ۔ اگر دشواری نہ ہو تو فقراء کی فہرست تیار کر کے ایک طرف لیا جاوے اور دیا جائے کہ جن کی نوبت ہی آئے (۴) مساکین میں اپنی ہی برادری کی تخصیص کرنا اچھا نہیں دوسرے مساکین کو بھی دیتے رہیں ۔ (۵) کسی

غیر مقروض مستحق کو ایک ہی مرتبہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت سے کم دیں۔ تقریباً سو روپیہ سے زیادہ نہ دیں۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲۵ محرم ۱۳۹۲ھ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

کپاس کی لکڑیوں میں عشر ہے یا نہیں؟

کپاس چنوائی میں مزدوری کپاس ہی سے دیا کیا جاتا ہے اور اگر یوں ہی کیا جاوے تو جو مقدار مزدوری میں چلی جاوے گی اس کا عشر بھی واجب ہوگا نیز اسکی آمدنی سے خرچہ نکال کر عشر واجب ہوگا یا خرچہ نکالنے سے پہلے۔ نیز کپاس کی لکڑیوں میں عشر ہے یا نہیں؟

الجواب اگر یہ کہا جائے کہ جو کپاس چنو گے اس سے اجرت دی جائے گی تو درست نہیں اور اگر یوں کہا جاوے کہ دس سیر کپاس چننے پر ایک سیر دی جائے گی تو درست ہے پھر چاہے اسی سے دی جائے۔

ولو استأجر رجلا يجني هذا القطن بعشر او اما دهن القطن ولم يقل من هذا القطن جاز (عالمگیری ص ۵۲۲ ج ۴)

جو مقدار مزدوری میں دی جاوے عشر اس میں بھی واجب ہے کیونکہ وہ بھی منجملہ پیداوار ہے کپاس کی لکڑی میں عشر نہیں ہے عشر خرچہ وغیرہ نکالنے سے پہلے ادا کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔ فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲/۱/۱۳۹۹ھ

غنی نابالغ کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے

ایک یتیم لڑکا جو نصاب کا مالک نہیں تھا بلکہ عرصہ سے نصاب کے مالک تھے ان کے پاس اب وہ اس کو زکوٰۃ، عشر، قربانی کے چمڑے کی رقم صدقۃ الفطر وغیرہ دے سکتے ہیں یا

نہیں اور وہ خود نصاب کی زکوٰۃ ادا کرے یا نہیں ؟

الجواب بعون الوہاب: مذکورہ بچے کو زکوٰۃ دینے کی اجازت نہیں نابالغ کے مال میں زکوٰۃ فرض نہیں درمختار میں ہے ۔ وشرط افتراضها عقل وبلوغ و اسلام وحرية (ص ۲ ج ۲) قربانی کے وجوب اور عدم وجوب میں اختلاف ہے اصح عدم وجوب ہے جیسے درمختار میں ہے ۔ ویضحی عن ولده الصغير من ماله وقيل لا صححه في الكافي قال وليس للاب ان يتصدق به من مال طفله ورجحه ابن الشحنة قلت وهو المعتمد (شامی ص ۲۲۲ ج ۵) بچے کی زمین میں عشر واجب ہے ۔ ہندیہ میں ہے ۔ يجب العشر في ارض الصبي والمجنون (ص ۱۹ ج ۱)

الجواب صحیح فقط واللہ اعلم ۔ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

عبدالستار عفا اللہ عنہ ۳/۹/۱۴۰۹ھ

زکوٰۃ وعشر میں مال کی قیمت کا تعین قریبی شہر وبستی کے لحاظ سے کیا جائے

ہمارے علاقہ میں خربوزے ہوتے ہیں اور جب خربوزے پک جاتے ہیں تو خربوزہ کو کاٹ کر کوئٹہ کراچی وغیرہ میں فروخت کے لئے لے جاتے ہیں مذکورہ جگہوں میں لے جانے سے بہت خرچہ ہوتا ہے یعنی لاری کرایہ مالکان محصول دلالی وغیرہ اور زمیندار عشر بیوپاریوں سے نکالتے ہیں اب عشر خرچ کے بعد ادا کریں یا کہ بغیر خرچ کے مذکورہ جگہوں میں خربوزے کا کل قیمت پانچ ہزار ہے اور مختلف خرچہ پانچ سو روپیہ ہے تو اب عشر پانچ ہزار کے حساب سے ادا ہو یا کہ ساڑھے چار ہزار کے حساب سے ۔ ۲۔ اور بعض زمیندار ایسے کرتے ہیں جب خربوزہ کاٹ لیتے ہیں تو اس وقت کریٹ بھر کر کے عشر کیلئے چند کریٹ متعین کر لیتے ہیں مثلاً کل چالیس کریٹ خربوزے سے بھر گئے تو اس زمیندار نے چار کریٹ عشر کے لئے متعین کر لئے اور کسی مسکین کے قبضہ میں نہیں دئیے اور اپنے کریٹوں کے ساتھ کوئٹہ لے گئے

تاکہ وہاں پہنچ کر عشر کی رقم کو اپنے شہر کے مساکین پر تقسیم کریں ایسی صورت میں خرچہ دینا مالک کے ذمہ ہوگا۔ یا کہ عشر کے کریٹوں کی قیمت سے وصول کیا جائے۔؟

الجواب ۱۔ خربوزہ کا کھیت کاٹ لیا تو اسپر عشر کی ادائیگی لازم ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ وآتوا حقه يوم حصاده۔ الآية

لہذا عشر کو جدا کر کے فقراء کو دیدے اور عشر میں شریعت نے مالک کو یہ بھی حق دیا ہے کہ اصل جنس کے بجائے اسکی قیمت ادا کرے۔ وجاز دفع القيمة في زكاة وعشر وخراج الخ ۔ وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا يوم الاداء وفي السوائم يوم الاداء اجماعاً وهو الاصح ويقوم في البلد الذي المال فيه ولو في مفازة ففي اقرب الامصار اليه (شامی ص۲۳ ج۲)

اس لئے مالک اگر چاہے تو اپنی بستی یا قریبی شہر کے بھاؤ کے مطابق عشر کی قیمت لگا کر یہ قیمت بطور عشر ادا کردے اور مال جہاں چاہے لیجا کر فروخت کرے چاہے جس بھاؤ پر فروخت کرے کرایہ وغیرہ اپنا ہوگا۔ عشر کے ساتھ تعلق نہ ہوگا۔ عشر جو متعین کر لیا ہے وہ دیدے یا جب عشر کے کریٹ متعین کر لئے تو اپنی بستی و شہر کی قیمت کے اعتبار سے وہ روپے اپنے ذمہ لگالے پھر بعد میں دیدے۔

فقط واللہ اعلم۔ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۲۲/۱/۱۴۰۹ھ

ضرورت کی کتب نصاب میں شمار نہیں ہوں گی

علماء حضرات کے پاس جو مختلف درسی یا غیر درسی کتابیں رکھی ہوئی ہوتی ہیں جبکہ انہوں نے اپنی ضرورت کے لئے رکھی ہوئی ہوں تو خواہ انکی ضرورت اکثر و بیشتر ہوتی ہو یا جیسوں تک کبھی کبھی ضرورت پیش آتی ہو، جب انکی قیمت نصاب تک پہنچ جائے تو ان کی وجہ سے اس نصاب کے مالک پر صدقہ فطر اور قربانی کا وجوب ہوتا ہے۔

یا نہیں اور ایسے شخص کے لئے صدقات لینا جائز ہے یا نہیں؟ نیز طب وفلسفہ کی کتابیں بھی جبکہ اپنی ضرورت کے لئے ہوں نصاب کو پہنچ جائیں تو ان کا حکم بھی مذہبی کتابوں جیسا ہے یا ان سے مختلف؟

الجواب: کتب درسیہ وغیر درسیہ اگر تفسیر وحدیث، فقہ، اصول فقہ، کلام و نحو وصرف کی ہیں تو پھر اگرچہ انکی قیمت نصاب تک پہنچ جائے تب بھی مالک کے لئے (جبکہ وہ عالم ہو) اخذ زکوٰۃ جائز ہے بشرطیکہ اس کے پاس ان کتب کے علاوہ دیگر کوئی نصاب موجود نہ ہو لہٰذا ایسے شخص پر صدقہ فطر وقربانی واجب نہیں، کما فی الدر ج۲ وکذا الکتب وان لم تکن لاھلھا اذا لم تنو للتجارة غیر ان الاھل لہ اخذ الزکوٰة وان ساوت نصبا۔ البتہ اگر ان میں سے بعض کتب دو دو نسخوں سے زائد ہوں اور زائد نسخوں کی قیمت نصاب تک پہنچ جائے تو پھر یہ شخص مصرف زکوٰۃ نہیں ہوگا۔ اور اس پر قربانی اور صدقہ فطر واجب ہوگا۔ کما فی الدر وتزید علی نسختین۔ اسی طرح کتب طب اگر طبیب کے لئے ہیں اور اس کو انکی ضرورت پڑتی ہے تو وہ کتب اس کے لئے اخذ زکوٰۃ سے مانع اور صدقہ فطر وغیرہ کے لئے موجب نہیں ہوں گی کما فی الشامیة وان کتب الطب للطبیب یحتاج الی مطالعتها ومراجعتها لا تمنع لانها من الحوائج الاصلية كآلات المحترفين یعنی یہ بھی فقیر کا حکم رکھتا ہے منطق وفلسفہ ودیگر کتب مثلاً کتب شعر، تاریخ، عروض کی قیمت اگر نصاب تک پہنچ جائے تو پھر وہ شخص غنی سمجھا جائے گا۔ قربانی وصدقہ فطر اس پر واجب ہوگا۔ کما فی الشامیة والذی یقتضیه النظر ایضا ان ارید بالادب الظرافة کما فی القاموس وذلک کتب الشعر والعروض والتاریخ ونحوه تمنع الاخذ۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی
خیر المدارس ملتان
۲۴/۲/۱۳۸۴ھ

الجواب صحیح:
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

مروجہ کمیٹیوں میں زکوٰۃ کا حکم: ایک شخص نے بذریعہ قرعہ اندازی پندرہ آدمیوں سے پندرہ ہزار روپے (۱۵۰۰۰) کی رقم لی جس میں ایک ہزار اس کا ہے اور چودہ ہزار باقی ساتھیوں کا بطور قرض ہے جو اس نے واپس کرنا ہے اب بتائیں اسکی زکوٰۃ کس کے ذمہ ہوگی؟

بر تقدیر صحت واقعہ صورت مسئولہ میں زید پر جو رقم قرض ہے اسکی زکوٰۃ اس کے ذمے واجب نہیں ہے ہر حصہ دار اپنی رقم کی زکوٰۃ خود ادا کرے کیونکہ جس قرض کے ملنے کی قوی امید ہو اس کو بھی دوسرے مال کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ ادا کرنا شرعاً مامور بہ ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح: عبدہ محمد عبید اللہ عفا اللہ عنہ

عبدہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۶/۵/۱۴۰۶ھ

مال ضمار میں گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ کا حکم

بکر نے تجارت کا مال افغانستان میں خریدا اور جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ افغانستان میں خطرناک جنگ جاری ہے ہر وقت لٹ جانے کا اور جان سے مار دینے کا خطرہ ہے۔ اب بکر کو معلوم نہیں کہ اس کا مال اب موجود ہے یا ہلاک ہوگیا؟ کیا اس صورت میں بکر کا یہ مال، مال ضمار ہے یا نہیں؟ افغانستان میں امن و امان ہو جانے کی صورت میں بکر کو جب مال مل جائے گا تو گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرے یا نہیں؟

الجواب: یہ مال ضمار ہے۔ مل جانے تو سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم۔ عبدہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۲۹/۷/۱۴۰۰ھ

مجنون پر زکوٰۃ واجب نہیں :

سوال: اگر نابالغ ، مجنون کا حصہ الگ ہو تو کیا ان کے کفیل شخص کو ان کے زیر تحویل نقدی زکوٰۃ مال سے انکی زکوٰۃ نکالنا واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب باسمہ تعالیٰ: نابالغ اور مجنون بچے کے مال میں زکوٰۃ نہیں جبکہ سال بھر مجنون رہتا ہے - فلیس الزکوٰۃ علی صبی و مجنون اذا وجد منہ الجنون فی السنۃ کلھا ھکذا فی الجوھرۃ - ہاں اگر کچھ وقت کے لئے لئے بالکل افاقہ ہو جاتا ہے تو مالک نصاب ہونے کی صورت میں زکوٰۃ واجب ہوگی - فلو افاق فی جزء من السنۃ بعد ملک النصاب فی اولھا و آخرھا قلیل او کثیر یلزمہ الزکوٰۃ الخ (ھندیۃ ص ۱۷۲ ج ۱) -

فقط واللہ اعلم ،

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ،

۱۰/۱/۱۴۰۰ھ

کالجوں کے طلبہ بھی زکوٰۃ لے سکتے ہیں ؟ :

سوال: گورنمنٹ جو فنڈ زکوٰۃ میں سے کالجز اور یونیورسٹیوں کے طلبہ کو بطور وظیفہ دیتی ہے طلباء کو اس اعتبار سے لینا کہ تبدیل ملک سے تبدیل عین لازم آتا ہے کی رُو سے یہ فنڈ گورنمنٹ کا جزو ہو گیا اور حکومت اسے اپنی صوابدید کے مطابق جہاں چاہے خرچ کرے یا صرف زکوٰۃ کے مستحقین ہی اسے حاصل کر سکتے ہیں شریعت کی رُو سے فتویٰ صادر کیا جائے ۔ ؟

الجواب باسمہ تعالیٰ: اگر حکومت زکوٰۃ فنڈ سے وہ وظائف دیتی ہے تو اسے وہی طلبہ لیں جو مستحق زکوٰۃ ہوں اور حکومت انہیں بطور ملک نہیں لیتی بلکہ زکوٰۃ دھندگان کے وکیل یا نائب کی حیثیت سے لیتی ہے لہذا تبدیل ملک نہ ہوا ۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۳۰/۷/۱۴۰۲ھ

زکوٰۃ کی کٹوتی سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو شیعہ لکھنا

زید نے ایک ڈاکخانے میں اپنی رقم جمع کرائی ہوئی ہے سنا ہے کہ ان کا طریق کار یہ ہے۔ علماء دیوبند نے اس کی اجازت دی ہے یعنی زکوٰۃ کاٹ کر حکومت کے خزانہ میں جمع کرا دیتا ہے۔ زید چاہتا ہے کہ اپنی زکوٰۃ اپنے رشتہ داروں میں دے۔ اگر زید خود کو شیعہ لکھ دے تو کٹوتی سے بچ جائے گا تو کیا کٹوتی سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو شیعہ کہنا درست ہے؟

الجواب: موجودہ دور کے شیعہ جو تحریف قرآن کا عقیدہ رکھتے ہیں کافر ہیں، اسی لئے ان کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کیا گیا ہے کہ کافر پر زکوٰۃ نہیں ہوتی اسلئے زید اپنے آپ کو ہرگز شیعہ نہ لکھے اگر لکھ چکا ہو تو توبہ و استغفار کرے۔ ایمان و نکاح کی تجدید کرے۔

فقط واللہ اعلم۔

محمد انور ۱۹/۶/۱۴۰۹ھ

فقیر نابالغ کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

زید نے ایک لڑکا عمرو چھوڑا اور اتنا مال بھی کہ جس سے عمرو صاحب نصاب بن جائے اور بکر نے نابالغ بچہ وارث چھوڑا اور اتنا مال نہیں کہ جس سے اس کا بیٹا خالد صاحب نصاب بن سکے تو کیا دونوں لڑکے زکوٰۃ کے مصرف ہوں گے؟ ۲- یتیم کا قبضہ کافی ہے یا اس کے کسی وارث کو قبضہ کرانا چاہئے اور پھر اس وارث کے لئے صاحب نصاب ہونا تو شرط نہیں؟

عبدالحلیم جامعہ رحیمیہ۔ جھنگ

الجواب: عمرو یتیم غنی ہے مصرف زکوٰۃ نہیں لہٰذا اسے زکوٰۃ دینا جائز نہیں، خالد کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ درمختار میں ہے: طفل الغنية فيجوز لانتفاء المانع

کو مال زکوٰۃ یتیم کو دینا جائز ہے البتہ اگر یتیم چھوٹا ہے کہ خود قبضہ نہیں کر سکتا تو

اس سے اولیاء یتیم کے لئے قبضہ کر سکتے ہیں اور اولیاء کا فقیر ہونا بھی شرط نہیں کما یفہم من اطلاق در المختار وان وھب له اجنبی یتم بقبض ولیه

الجواب صحیح ، فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

عبداللہ عفا اللہ عنہ معین مفتی خیر المدارس ملتان

مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴ / ۱ / ۱۴۰۵ھ

خودرو گھاس کی دیکھ بھال کی جاتی ہو تو عشر بھی واجب ہوگا

جانوروں کے چارہ کے لئے جو گھاس اگائی جاتی ہے جیسے برسین جوار اسٹرا وغیرہ اس پر عشر ہے یا نہیں؟ اور فقہ میں جس حشیش کو مستثنیٰ کیا گیا ہے وہ کون سا گھاس ہے۔؟

الجواب: جس گھاس سے آمدنی مقصود ہو جیسے جوار برسین وغیرہ اس پر عشر واجب ہے خودرو گھاس پر عشر واجب نہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص خودرو گھاس کی دیکھ بھال شروع کر دے اور بیچ کر کمائی کرے تو اس پر بھی عشر واجب ہوگا جیسا کہ ہندیہ میں ہے۔ فلا عشر فی الحطب والحشیش الا اذا کان یقطعه ویبیعه یجب فیه العشر۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۲ / ۱۰ / ۱۴۰۰ھ

درختوں میں عشر نہیں ہے

زمین میں سے جو درخت فروخت کئے جاتے ہیں اُن پر عشر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: درختوں میں عشر واجب نہیں ہے ولا عشر فیما هو تابع

ملا ارض کالفصل و اذ ضجان ہندیہ ص ۱۸۶ ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

افیون اور تمباکو کی پیداوار میں عشر کا حکم

س : جو لوگ افیون و تمباکو کی زراعت کرتے ہیں ان پر حاصل شدہ افیون و تمباکو میں عشر دینا واجب ہے یا نہ ؟

الجواب وجوب عشر و عدم وجوب عشر کا مدار اس پر ہے کہ جو چیز زمین کی کاشت سے مقصود ہوتی ہے اس چیز میں عشر واجب ہوتا ہے ۔ اور جو چیز اس کے ساتھ تبعاً حاصل ہو جاتی ہے اس پر عشر واجب نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ گندم میں عشر واجب ہے اور بھوسہ میں عشر نہیں کیونکہ زمین کی کاشت گندم ہی کے لئے کی جاتی ہے ۔ بھوسہ اس کے ساتھ تبعاً حاصل ہوتا ہے لیکن اگر کسی نے گھاس ہی کے لئے زمین کی کاشت کی ہے تو پھر اس میں عشر واجب ہوگا ۔ پس اس اصول کے تحت تمباکو اور افیون میں بھی عشر واجب ہے کیونکہ ان ہی کے لئے زمین کی کاشت ہوتی ہے ۔ وکل ذالک فی الشامیۃ ص ۶۶ إنّ الارض المعدۃ لا یخلو عن احد من الوظیفتین وایضاً فیہ بعد سطور إنّ المدار علی القصد حتی لو قصد بہ ذالک وجب العشر کما صرح بہ بعدہ ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ ۱۳ / ۹ / ۱۳۸۹ھ

الجواب صحیح

بندہ عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۱۴ / ۹ / ۱۳۸۹ھ

اسقاطِ زکوٰۃ کے لئے حیلہ کرنے کا حکم

مسماۃ خیر النساء کے پاس ۱۱ تولہ سونے کے زیورہیں ۔ میری دو بیٹیاں ہیں ایک کی عمر چار سال اور دوسری کی سات سال ہے ۔ میری ذاتی حیثیت اتنی نہیں ہے کہ زیور کی زکوٰۃ ادا کرسکوں ۔ میری بیوی زیور فروخت کرنے کو اس لئے تیار نہیں ہے کہ یہ زیور بیٹیوں

کی شادی میں زیور بنانے کے کام آئے گا۔ وہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے کے گناہ سے بھی بچنا چاہتی ہے۔ اگر ۱۲ تولہ زیور میں سے پانچ یا چھ تولہ بڑی بیٹی جس کی عمر سات سال ہے اس کے لئے زیور بنا کر رکھ لیا جائے یا اس کی ملکیت کر دیا جائے تو کیا اس صورت میں میری بیوی پر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگی یا نہیں۔؟

الجواب: حسب ضابطہ شرعیہ بچیوں کو دینے کے بعد مسماۃ خالدہ پر اس زیور کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور بچیوں پر بھی بلوغ تک زکوٰۃ نہ ہوگی۔ بلوغ کے بعد اگر وہ صاحب نصاب ہوگئیں تو زکوٰۃ شروع ہو جائے گی۔ ھدایہ میں ہے ولیس علی الصبی والمجنون زکوٰۃ اھ لیکن بعض حضرات فقہاء نے اسقاط زکوٰۃ (ختم کرنا زکوٰۃ) کے لئے حیلہ کو مکروہ قرار دیا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفی عنہ ۱۲/۸/۱۴۰۲ھ

شراب اور ہیروئن پینے والے کو زکوٰۃ دینا:

شراب اور ہیروئن کے عادی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ مفلس بھی ہو۔

الجواب: مسلمان چاہے جیسا بھی بدکار ہو اگر غربت زدہ ہو تو اس کی زکوٰۃ سے مدد کی جا سکتی ہے خاص کر جبکہ رشتہ دار بھی ہو اور پڑوسی بھی ہو۔ اور نرمی کے ساتھ اس کو سمجھایا بھی جائے اور نصیحت بھی کی جائے کہ برے کام چھوڑ دو اور نیک کام کرو تو یہ تو بہت فقر و فاقہ کی دور ہو جائے گی اور جہنم کے عذاب سے بھی نجات ہوگی۔ ایسے شخص کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ اگر یہ شخص اس پیسے سے شراب پیتا ہے اور ہیروئن میں پیسہ استعمال کرتا ہے تو اس میں اعانت ہے ایک گناہ کی۔ اس لئے اس صورت میں اس کو حرکات شنیعہ سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے۔ اگر وہ باز نہ آئے تو پھر اس کو زکوٰۃ دینا مناسب نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

تعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۴/۹/۱۴۱۱ھ

حکومت کی طرف سے ۱۳۹۹ھ میں زکوٰۃ و عشر آرڈیننس کا مسودہ مختلف حضرات علماء کی خدمت میں برائے تبصرہ بھیجا گیا۔ اس میں ایک بنیادی بحث اموال ظاہرہ اور باطنہ کی تھی۔ اس مسودے میں بینک اکاؤنٹس اور دیگر ایسے مالی اثاثوں کو جو حکومت کے پاس جمع ہوں۔ مال ظاہر قرار دیا گیا تھا۔ غالباً سب سے پہلے اس پر مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کراچی نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ میں غور و خوض کیا اور اپنے فیصلے میں لکھا:

"کہ ہم مذاہب اربعہ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ کی یہ تعریف (جو حکومتی مسودے میں کی گئی ہے ناقل) ائمہ اربعہ کی متفقہ تعریف کے خلاف ہے الخ۔ اور مجلس نے آگے چل کر حکومتی مسودے میں اموال ظاہرہ کی اس تعریف کو اصل تعریف کا "مسخ اور تحریف" قرار دیا۔ (بینات جمادی الاخریٰ)

لیکن بعد میں مجلس بالا کا دوسرا اجلاس ہوا جس میں اموال ظاہرہ اور باطنہ کے بارے میں مجلس نے اپنے پہلے فیصلے کو بدل دیا اور سرکاری مسودے کی تائید کر دی کہ بینک اکاؤنٹس اموال ظاہرہ میں شامل ہیں۔ اور پھر دار العلوم کراچی کی طرف سے اس دوسرے فیصلے کو مختلف مدارس میں بھیجا گیا۔ کئی حضرات نے اس کی تائید فرمائی۔

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور۔ حضرت مفتی عبد الشکور صاحب ترمذی دار العلوم حقانیہ ضلع سرگودھا محقق دوراں شیخ الحدیث مولانا سرفراز صاحب گوجرانوالہ

اور راقم الحروف نے "مجلس" کے اس فیصلے سے اختلاف کرتے ہوئے یہ قرار دیا کہ بینک اکاؤنٹس اموال ظاہرہ نہیں۔ کیونکہ حضرات فقہاء کی تصریح کے مطابق اموال ظاہرہ ہیں: کھیتیاں۔ باغات، مواشی، عشر اور وہ مال تجارت جسے مالک شہر سے باہر لے جائے اور اسے لیکر سفر کرے۔ اور بینک اکاؤنٹس ان چار میں شامل نہیں۔ علاوہ ازیں یہ ہے کہ شہر میں ہوتے ہوئے کوئی مال باطن مال ظاہر میں شامل نہیں ہو سکتا جب شہر سے باہر لیجائیں گے تب وہ مال ظاہر بنے گا اور بینکی

؎ شرکائے مجلس کے اسماء گرامی یہ ہیں۔
حضرت مولانا مفتی رشید احمد۔ حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی۔ حضرت مفتی ولی حسن۔ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی۔ حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق۔ حضرت مولانا محمد جمیل خاں اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی۔ دامت برکاتہم جمیعہ۔

اموالِ ظاہرہ میں ہی موجود ہوتے ہیں۔

مجلسِ تحقیق نے اپنے ایک اجلاس میں پھر ہماری معروضات پر غور کیا اور اس سلسلہ میں حضرات فقہاء کی تصریحات کی بجائے بعض آثارِ صحابہؓ سے استدلال کرتے ہوئے اپنی سابقہ اجتہادی رائے "پیش کردہ فقہی جزئیات و تصریحات" کا جواب دینے کی بھی کوشش کی گئی اور ایک اس تفصیلی جواب کو "البلاغ" بابت ماہ رمضان و شوال ۱۴۱۲ھ میں شائع کر دیا گیا۔

"البلاغ" میں یہ جواب پڑھ کر حیرت و تعجب ہوا۔ اور ذمہ دار حضرات کو مطلع کیا گیا کہ اس جواب میں شرعی و فقہی اعتبار سے بہت سے امور قابلِ اصلاح ہیں جس پر مخدوم و مکرم حضرت مولانا محمد رفیع صاحب دامت برکاتہم مہتمم دار العلوم کراچی نے بندہ کو جواب الجواب لکھنے کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ بندہ نے مفصل جواب تحریر کرکے حضرات اکابر کی تصدیقات کے بعد اسے کراچی بھیج دیا۔ مگر اس کا کوئی مثبت ردِ عمل سامنے نہیں آیا۔ علم چونکہ امانت ہے۔ اور بہت سے حضرات نے بار بار اس آخری جواب کو شائع کرنے کا اصرار و تقاضا بھی فرمایا۔ اس لئے مجبوراً اسے اشاعت کے لئے دیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ لغزشوں کو معاف فرما دیں۔ آمین!

اموالِ ظاہرہ اور باطنہ کے مسئلے کے بارے میں بہت سے حضرات نے ہمارے اس آخری جواب کی تصدیق فرمائی ہے جن میں سے بعض کے اسماءِ گرامی یہ ہیں۔

۱۔ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب دامت برکاتہم جامعہ اشرفیہ لاہور۔
۲۔ محقق دوراں حضرت مولانا سرفراز خاں صاحب دامت برکاتہم گوجرانوالہ۔
۳۔ حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ صاحب مفتی نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔
۴۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا نذیر احمد صاحب مہتمم جامعہ امدادیہ فیصل آباد
۵۔ حضرت مولانا خالد محمود صاحب۔ لاہور
۶۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی۔ کراچی
۷۔ حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب مفتی قاسم العلوم۔ ملتان
۸۔ حضرت مولانا سید جاوید حسین شاہ صاحب استاذ الحدیث دار العلوم۔ فیصل آباد
۹۔ حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۱۰۔ محمد انور مرتب خیر الفتاویٰ

اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ کی تحقیق

اموال ظاہرہ اور باطنہ کی فقہی اصطلاح اردو اور پنجابی کے لفظ ظاہر سے ماخوذ نہیں بلکہ عربی کے الفاظ ظاہر البلد اور باطن البلد سے لی گئی ہے۔ ظاہر البلد بیرون شہر کو کہا جاتا ہے اور باطن البلد اندرون شہر کو کہتے ہیں۔ اسی بنیاد پر یہ فقہی اصطلاح وجود میں آئی کہ جو اموال زکوٰۃ بیرون شہر پائے جائیں ظرفیت مکانی کے اعتبار سے انہیں اموال ظاہرہ اور جو اموال زکوٰۃ اندرون شہر پائے جائیں باطن البلد کی نسبت سے انہیں اموال باطنہ قرار دیا گیا ہے۔ گو پوشیدہ ہونے یا ظاہر ہونے کا معنی بھی فی الجملہ ان میں پایا جاتا ہے لغت اور فقہاء کرام کی تصریحات سے مجموعی طور پر یہ حقیقت اس قدر واضح ہے کہ اس میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں۔

اہل لغت نے ظہر کا معنی بروز لکھا ہے چنانچہ قاموس میں ہے ظہر بمعنی برز بعد خفاء اور بروز اصل کے لحاظ سے خروج الی البراز کو کہتے ہیں اور براز درختوں سے خالی وسیع میدان کو کہتے ہیں (منجد اردو)

اور قتال و حجت کے لئے جنگل میں جانا تبرز اور میدان جنگ میں صفوں سے نکل کر مقابلہ کے لئے باہر آنا مبارزت کہلاتا ہے ان سب استعمالات میں بیرون شہر کے معنی ملحوظ ہیں اور ظہر جنگلی راستہ کو کہتے ہیں قریش الظواہر انہیں کہا جاتا ہے۔ مگر وہ تو معتبر (صحاح)

ابن الاعرابی فرماتے ہیں قریش الظواہر الذین نزلوا بظہور جبال مکۃ و قریش البطاح الذین هم نزلوا بطاح مکۃ بطن مکۃ و البطحاء الرمل

ترجمہ: قریش ظواہر وہ قریش ہیں جو کہ مکہ کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر فروکش ہوئے اور قریش بطاح وہ ہیں جو اندرون مکہ ریتلی زمین پر اترے و ذلک ان بنی ہاشم و بنی امیۃ و سادۃ قریش نزول ببطن مکۃ ومن کان دونهم فهم نزول بظواهر جبالها۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا "فاظہر بمن معک من المسلمین الی کذا ای اخرج بهم الی ظاهرها و ابرزهم۔

لسان العرب ص۵۲۳

ترجمہ: اپنے لشکروں کو فلاں شہر کے میدان میں لے آؤ۔

البدایۃ والنہایۃ میں ہے: واقام علیؓ بظاهر البصرة ثلاثا ولما دخل البصرة خطب اهـ (ص۲۲۲ ج۷)

حضرت سعید بن جبیرؓ کی قبر کے متعلق لکھا ہے: ودفن سعید بظاهر واسط العراق وقبره بها یزار۔ حضرت سعید کو شہر واسط کے باہر دفن کیا گیا۔ اردو عربی منجد میں ہے: ظاهر البلد بیرون شہر (منجد اردو)

ظاهر البلد خارجه (منجد عربی)

ایک حدیث کی شرح میں ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں: یخرج من آخر اللیل الی البقیع ای بقیع الغرقد وهو موضع بظاهر المدینة فیه قبور اهلها۔

(مرقات ج۲ ص۱۱ امدادیہ ملتان)

ان حوالہ جات سے یہ امر ظاہر ہے کہ ظاہر بلد بیرون شہر اور بطن بلد اندرون شہر کو کہتے ہیں اور ظہور اور بروز میں وسیع میدان اور جنگل کے معنی پائے جاتے ہیں۔ پس جب تک کوئی مال ظاہر بلد (بیرون شہر) میں نہیں ہوگا اسے اصطلاحی طور پر مال ظاہر قرار دینا پس حقیقت لغویہ سے بے خبری ہے اور یہ حقیقت لغویہ حضرات فقہاء کے بیان کردہ "اموال ظاہرہ" پر بخوبی منطبق ہے۔ چنانچہ حضرات فقہاء نے جو اموال زکوٰۃ بیرون شہر پائے جاتے ہیں انہیں اموال ظاہرہ اور جو اندرون شہر پائے جاتے ہیں انہیں اموال باطنہ قرار دیا ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں: والاموال الظاهرة وهي السوائم وما فيه العشر والخراج (ای الزروع والنباتات) وما یمر به التاجر علی العاشر

عبارت سے بظاہر تحدید معلوم ہوتی ہے، اور تحدید تعریف سے ابلغ ہے۔

امام ابوبکر کاسانی فرماتے ہیں: إنّ اموال الزكوة نوعان ظاهر وهو المواشي وما يمر به التاجر على العاشر وباطن وهو الذهب والفضة واموال التجارة في مواضعها اهـ۔

"في مواضعها" یہ "وما یمر به العاشر" کے مقابلہ میں واقع ہوا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سونا اور چاندی اور اموال تجارت دکانوں یا گھروں میں رکھے ہوئے ہیں تو اموال باطنہ میں سے ہیں، اور انہیں لے کر عاشر کے پاس سے گذریں تو یہ اموال ظاہرہ میں تبدیل ہو جائیں گے جنگل اور بیرون شہر میں ہونے کی وجہ سے سائمہ اور کھیتوں کو چھپایا

نہیں جا سکتا اور گھریلو اور دکانوں میں پڑے ہوئے اموال کو چھپایا جا سکتا ہے چنانچہ بازار بند ہوتے ہی یہ سب اموال پوشیدہ اور نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں۔ علامہ ماوردی نے الاحکام السلطانیہ میں اموالِ ظاہرہ اور باطنہ کی یوں تعریف کی ہے: فالاموال المزکاۃ نوعان ظاھرۃ وباطنۃ فالظاھرۃ ما لا یمکن اخفاؤہ کالزرع والثمار والمواشی والباطنۃ ما امکن اخفاؤہ من الذھب والفضۃ واموال التجارۃ (ص [illegible])

ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ اصل اموالِ ظاہرہ تین ہیں۔

(۱) جنگل میں چرنے والے جانور (۲) کھیتیاں (۳) باغات اور اموالِ ظاہرہ کی چوتھی قسم وہ ہے جو در اصل اموالِ باطنہ ہیں یعنی چاندی سونا، مالِ تجارت اور کرنسی نوٹ جو شہر میں اپنے اپنے مقامات پر رکھے ہوتے ہیں لیکن جب ان اموال کو لے کر کوئی شخص سفر کرے گا (اور اس طرح سے یہ اموال ظاہر طور میں آ جائیں گے) تو اب یہ اموال اموالِ ظاہرہ میں شامل ہو جائیں گے۔

اس سلسلہ میں حضرات فقہاء کی متعدد تصریحات ملاحظہ ہوں۔ ملک العلماء امام ابوبکر کاسانی اپنی مایہ ناز تصنیف "بدائع الصنائع" میں لکھتے ہیں۔

وکذا المال الباطن اذا مر به التاجر علی العاشر کان له ان یأخذ (العشر منه) فی الجملة لانه لما سافر به واخرجه من العمران صار ظاھرًا (ص ۳۵ - ۲)

علامہ زین العلماء ابن نجیم فرماتے ہیں: لا شک ان السوائم تحتاج الی الحمایۃ بخلاف الاموال الباطنۃ اذا لم یخرجها المالک من المصر لفقد ھذا المعنی (ص ۲۲۳/۲)

اموالِ باطنہ کو سفر میں لے گیا تو اموالِ ظاہرہ میں شامل ہو گئے اور اگر شہر سے نہیں نکالے تو بدستور یہ اموالِ باطنہ رہیں گے۔

علامہ حصکفی در مختار میں لکھتے ہیں کہ عاشر اموالِ باطنہ سے بھی زکوٰۃ وصول کرے گا جبکہ مالک انہیں شہر سے باہر نکال لائے کیونکہ اب یہ اموالِ ظاہرہ میں شامل ہو گئے ہیں ......

والاموال الباطنۃ بعد اخراجها من البلد لانها بالاخراج التحقت بالاموال

الظاهرة فكان الاخذ فيها للامام (زيب الناشر)

اس مسئلہ کی تعلیل میں علامہ شامی لکھتے ہیں۔ "لانها بعد الاخراج الى التجارة التحقت

بالاموال الظاهرة الخ"

علامہ موصوف نے قاضی خان کی شرح جامع صغیر سے نقل کیا ہے۔

"وانما تثبت ولاية المطالبة للامام بعد الاخراج الى المفازة (شامی ج ۲ ص ۵۳)

"اخرجه من العمران" "اخرجه من البلد" "سافر به" "ما يمر به على العاشر"

"اخرجه الى المفازة" یہ الفاظ اپنے مفہوم میں واضح ہیں کسی تاویل کی ان میں گنجائش

نہیں ان عبارات سے قطعی طور پر معلوم ہو گیا کہ مال باطن شہر میں ہوتے ہوئے مال باطن

ہی رہتا ہے ان اموال باطنہ کو لیکر جب سفر کیا جائے گا تب یہ اموال ظاہرہ میں شامل ہو جائیں

گے کیونکہ اب یہ ظاہر اسباب میں آگئے ہیں اور اس شمول والحاق کی علت ان اموال کو

لیکر سفر کرنا ہے پورے ذخیرہ کتب میں ایک جزئیہ بھی اس کے خلاف موجود نہیں۔ جزئیات

و تصریحات بالا کی موجودگی میں ہم نہیں سمجھتے کہ کسی اہل علم کو مذکورہ بالا علت الحاق میں کوئی

شبہ ہو سکتا ہے۔

الجباية بالحماية

واضح رہے کہ سرکاری سطح پر وصولیٔ زکوٰۃ کے لئے صرف مال ظاہر ہونا کافی نہیں بلکہ اس

کے ساتھ ساتھ اس مال کا حکومت کے زیر حفاظت آنا بھی ضروری ہے کیونکہ اموال ظاہرہ

بیرون شہر اور جنگلات میں ہوتے ہیں۔

جنگلات اور دور دراز کے راستوں پر چوروں سے تحفظ مہیا کرنا صرف حکومت ہی کا

کام ہے ایسا تحفظ صرف حکومت مہیا کر سکتی ہے اس لئے ان اموال میں وصولیٔ زکوٰۃ کا

حق حکومت کو دیا گیا گویا کہ یہ وصولی کا حق اس حفاظت خاصہ کا معاوضہ ہے تاکہ حکومت

زکوٰۃ کا ایک حصہ اپنے اس حفاظتی انتظامات کے سلسلہ میں خرچ کر سکے اور اموال باطنہ

شہر میں ہونے کی وجہ سے اس تحفظ خاص کے محتاج نہیں اس لئے عام حالات میں اموال

باطنہ کی وصولیٔ زکوٰۃ میں دست اندازی کا حق حکومت کو حاصل نہیں۔ یہ وجہ فرق اور

"الجبایۃ بالحمایۃ" کے ضابطے کی تصریح بھی حضرات ائمہ کے کلام میں بطریق تواتر منقول ہے بعض عبارات بطور نمونہ ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) اموالِ ظاہرہ سے وصولیٔ زکوٰۃ کے سلسلے میں ہدایات دیتے ہوئے حضرت عمرؓ نے فرمایا: ان حمیتھم فلا تجبھم۔ اھ (عنایہ)

(۲ تا ۶) لان الجبایۃ بالحمایۃ اھ (در مختار) بحر الرائق ج ۲، شامی ج ۲، ہدایہ، فتح القدیر، العینی، بحر الرائق ج ۲۔

(۷) مبسوط سرخسی میں ہے ثبوت حق الاخذ باعتبار الحاجۃ الی الحمایۃ

(۸) ثبت حق الاخذ بالحمایۃ (شامی ج ۲)

(۹) وشرط ولایۃ الاخذ وجود الحمایۃ من الامام (بدائع)

(۱۱) وانما تثبت حق الاخذ للعاشر لحاجتہ الی الحمایۃ اھ (عنایہ)

علامہ شامی اس ضابطہ "الجبایۃ بالحمایۃ" کی تشریح میں لکھتے ہیں: ای ولایۃ الامام من اخذ الزکوٰۃ بسبب حمایتہ شامی ج ۲

حضورِ مالک

سرکاری سطح پر وصولیٔ زکوٰۃ کے لئے ایک مزید شرط یہ بھی ہے کہ مالک کی موجودگی میں زکوٰۃ وصول کی جائے مالک کی غیر حاضری میں زکوٰۃ وصول نہیں کی جا سکتی چنانچہ عاشر مالِ مضاربت، مالِ ودیعت اور مالِ بضاعت کی زکوٰۃ وصول نہیں کر سکتا کیونکہ ان اموال کا مالک حاضر نہیں ہوتا۔ کذا فی البدائع۔ سابقہ بحث کی روشنی میں جب ہم بینک اکاؤنٹس کی حیثیت اور ان سے وصولیٔ زکوٰۃ کے مسئلہ پر غور کرتے ہیں تو امور ذیل واضح طور پر سامنے آتے ہیں۔

(۱) کہ اصولی طور پر بینک اکاؤنٹس اموالِ باطنہ ہیں کیونکہ یہ اندرونِ شہر اپنے مالک ہی کے پاس موجود ہیں۔

(۲) چونکہ انہیں لے کر سفر نہیں کیا گیا لہٰذا علتِ الحاق کے مفقود ہونے کی وجہ سے انہیں اموالِ ظاہرہ میں شامل کرنا ممکن نہیں۔

(۳) اور پھر یہ اموال حکومت کی اس خاص حفاظت کے تحت بھی داخل نہیں ہوتے جو تجارتی اموال کو دورانِ سفر جنگلات وغیرہ میں حاصل ہوتی ہے۔ بینک لوگوں سے قرض لے کر اپنے

مال کی حفاظت کر رہا ہے زید و بکر کے مال کی نہیں۔

دوم :۔ زکوٰۃ کی سرکاری کٹوتی کے وقت مالک پاس موجود نہیں ہوتا۔ پس مندرجہ بالا حقائق اور شرائط کی روشنی میں یہ امر واضح ہے کہ بینک اکاؤنٹس سے حکومت کو مال ظاہر ہونے کی بنا پر زکوٰۃ وصول کرنے کے اختیارات حاصل نہیں۔ اور بدون توکیل بینک کی طرف سے کاٹی گئی زکوٰۃ شرعاً ادا نہ ہوگی۔

نجی مقامات کی تفتیش

اول الذکر تصریحات فقہاء رحمہم اللہ کی روشنی میں یہ امر بالکل ثابت ہے کہ کسی مال باطن کے مال ظاہر بننے کے لئے علت "اخراج من المصر" ہے لیکن بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ کسی مال کے اموال ظاہرہ میں شمار ہونے کے لئے دو بنیادی امور ضروری ہیں ایک یہ کہ وہ ایسے نجی مقامات پر رکھے ہوئے نہ ہوں جہاں سے ان کا حساب کرنے کے لئے نجی مقامات کی تفتیش کرنی پڑے۔ اور دوسرے یہ کہ وہ حکومت کے زیر حفاظت آجائیں۔ اگر اس معیار پر موجودہ بینک اکاؤنٹس کا جائزہ لیں اجاتے تو ان میں یہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ مالکان نے اپنے اموال کو اپنی حرز سے نکال کر خود حکومت پر ظاہر کر دیا ہے، دوسرے یہ کہ حکومت کے زیر حفاظت ہی نہیں بلکہ زیر ضمانت آچکے ہیں (البلاغ رمضان ۱۴۰۰ھ)۔

لیکن ان حضرات کا یہ خیال صحیح نہیں اس میں متعدد خامیاں موجود ہیں۔

(۱) :۔ اس میں اموال ظاہرہ اور باطنہ کی حقیقت لغویہ سے ذہول ہوا ہے۔ اموال ظاہرہ کی فقہی اصطلاح کو اردو کے لفظ ظاہر سے ماخوذ سمجھ لیا گیا جیسا کہ "خود حکومت پر ظاہر کر دیا" کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے حالانکہ یہ بنیادی غلط فہمی ہے جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔

(۲) :۔ اسی غلط فہمی کی بنیاد پر مال ظاہر و باطن کی حقیقت اور تعریف میں تبدیلی کر دی گئی جس کا حاصل گویا یہ ہے کہ مال باطن وہ ہے جس کا حساب کرنے کے لئے نجی مقامات کی تفتیش کرنی پڑے اور مال ظاہر وہ ہوگا جس کا حساب کرنے کے لئے نجی مقامات کی تفتیش کی حاجت نہ ہو (وہ اموال ایسے ہوں جن سے زکوٰۃ کی وصولی کے لئے نجی مقامات کی تفتیش کی ضرورت نہ ہو) البلاغ ص رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ گویا کہ مدار حکم محتاج تفتیش ہونے نہ ہونے پر ہے حالانکہ فقہاء ان کا مدار ظاہر بلد میں موجود ہونے پر ہے۔ محتاج تفتیش ہونا

باطن ہوتا نہیں۔ ٹرک کے اندر کسی بوری میں سونا رکھا ہے جس کے ہر طرف گندم ہے۔ یہ سونا محتاج تفتیش ہے مگر اس کے باوجود یہ سارے کا سارا ٹرک کا مال اموال ظاہرہ میں شامل ہے۔

(۳)۔ دو اور دو چار کی طرح یہ امر واضح ہے کہ حضرات فقہاء کسی مال کے مال ظاہر میں تبدیل ہونے کے سلسلہ میں خروج یا اخراج کی جب بات کرتے ہیں تو یقیناً اس سے ان کی مراد مال کو شہر سے باہر لے جانا ہوتا ہے۔ گھر یا دکان سے باہر لے آنا نہیں ہوتا جیسا کہ تصریحات فقہاء "اخرجه من العمران"، "اخرجه من البلد"، "ما فربه اخرجه الى المفازة"، "ما يمر به على العاشر" سے قطعی طور پر یہ امر ثابت ہے۔ البلاغ کا یہ تسامح ہے کہ "من العمران" اور "من البلد" وغیرہ کو کاٹ کر پھینک دیا گیا ہے اور صرف اخراج کو لے لیا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ مالکان نے ان اموال کو اپنی حرز سے نکال کر خود حکومت پر ظاہر کر دیا۔ (البلاغ ۲۰ رمضان ۱۴۰۰ھ) حرز سے نکالنے کی بات حضرات فقہاء نے قطعاً نہیں کی نہ اسے ظہور مال کی علت قرار دیا ہے یہ سب بے دلیل ہے فقہاء نے صرف شہر سے نکالنے کی بات کی ہے کہ اس سے مال ظاہر ہو جائے گا صرف گھر سے نکالنے کو اگر کسی نے ظہور مال کی علت قرار دیا ہو تو اس کی نشاندہی کی جائے۔ ورنہ تصریحات فقہاء کرام کے مقابلہ میں محض اپنا خیال پیش کرنا کیسے درست ہے۔

(۴)۔ جیسے "اخراج من المصر" میں قطع و برید واقع ہوا ہے، اسی طرح اموال کے حکومت کے زیر حفاظت آنے کے سلسلہ میں بھی بے جا تصرف کیا گیا ہے (الف) فقہاء کی مراد یہ تھی کہ یہ اموال باطنہ بجانب سفر حکومت کے اس خصوصی تحفظ میں داخل ہو جائیں جو تحفظ صرف حکومت مہیا کر سکتی ہے یعنی ابن طریق دیگر عبارات کے علاوہ امام قاضی خان کی ایک تصریح ملاحظہ ہو: "انما تثبت ولاية المطالبة للامام بعد الاخراج الى المفازة" (خانيه طبع مصر ص ۲۵۲)

علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں کہ "لا شك ان السوائم تحتاج الى الحماية بخلاف الاموال الباطنة اذا لم يخرجها المالك في المصر لحفظ هذا المعنى۔" (بحر ص ۲۴۲) ان عبارات سے صراحت سے یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ زیر بحث حمایت سے مراد حکومت کی طرف سے وہ حفاظت ہے جو جنگلات میں ہوتی ہے۔

اندرونِ شہر والی حفاظت مراد نہیں۔ اسی لئے تصریح کر دی گئی کہ اموالِ باطنہ کو جب تک مالک لے کر شہر سے باہر نہ نکالا ہو، اس نوعیت کی حفاظت سے انہیں حکومت کے زیرِ تحفظ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مگر البلاغ میں حضراتِ فقہاء کرام کی ان متفقہ تصریحات سے اعراض کیا گیا اور شہر کے اندر ہی موجود اموال کو حکومت کے اس تحفظ کے ماتحت ہونے کا دعویٰ کیا گیا۔ حضراتِ فقہاء کرام کے خواب و خیال میں بھی یہ معنی نہیں ہوگا۔ البلاغ رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ میں یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں "کہ وہ اموال فی الجملہ حکومت کی حفاظت میں آگئے ہیں" واضح ہے کہ یہ فی الجملہ حفاظت کی شرط لغو ہے۔ کیونکہ فی الجملہ تحفظ تو حکومت کی طرف سے تمام اموال کو حاصل ہوتا ہے تو اس شرط کے ذکر کرنے کا کیا فائدہ؟

"زیرِ حفاظت" "زیرِ ضمانت"

(الف) بینکی اموال کے متعلق البلاغ نے لکھا کہ یہ اموال حکومت کے زیرِ حفاظت ہی نہیں بلکہ زیرِ ضمانت آچکے ہیں۔ بحث بالا میں زیرِ حفاظت آنے کی تحقیق کی جا چکی ہے کہ اندرونِ شہر موجود اموال زیرِ بحث حفاظت کے تحت داخل نہیں ہوتے لہٰذا بینکی اموال کو زیرِ حفاظت کہنا بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔

(ب) حکومت کو وصولِ زکوٰۃ کے جو اختیارات حاصل ہوتے ہیں وہ زیرِ حفاظت آنے پر ہی موقوف ہیں۔ اس کے لئے زیرِ ضمانت آنا کافی نہیں۔ کیونکہ زیرِ ضمانت آنے سے مالکان کے اموال کی حفاظت کا معنی مفقود ہو جاتا ہے کیونکہ مالک نے جب اپنا مال بطورِ قرض بینک کو دیا تو اب یہ مال مقروض کا ہوگا سابقہ مالک کا نہیں۔ یا اگر گم یا چوری ہو جائے تو یہ نقصان مقروض کا ہوگا سابقہ مالک کا نہیں۔ تو ایسی صورت میں مقروض اپنے مال کی حفاظت کر رہا ہے نہ کہ سابقہ مالک کے مال کی۔ لہٰذا مقروض اس حفاظت کے سبب سابقہ مالک سے کسی اجرت کی وصولی کا استحقاق نہیں رکھتا۔ حالانکہ اموالِ ظاہرہ میں حکومت کو وصولِ زکوٰۃ کے اختیارات اسی حفاظت کے سبب حاصل ہوتے ہیں۔ علامہ شامی "مناط الجبایۃ بالحمایۃ" کی تشریح میں لکھتے ہیں۔ جبایۃ الامام

هذا الماخوذ بسبب حق ينتهم (شامیہ صفحہ) — الغرض حکومت کے استحقاق وصولی زکوٰۃ کے لئے مال ظاہر کا زیر حفاظت آنا ضروری ہے، زیر حفاظت آنا موثر نہیں بلکہ لغو ہے۔ مستعیر یا مقروض کا اصل مالک سے معاوضۂ استعمال طلب کرنا احمقانہ تصور ہے کہ میں اس مال کو استعمال کرتا رہا ہوں اس لئے مجھے اس کا معاوضہ ادا کرو۔ اسی طرح کسی مال کے حکومت کے عنوان میں داخل ہوجانے سے جسے وہ استعمال کر رہی ہے، وصولی زکوٰۃ کا استحقاق حکومت کو حاصل نہ ہوگا۔

الحاصل کسی مال باطن کے اموال ظاہرہ میں شامل ہونے کا مدار اس کے بطن بلد (اندرون شہر) سے ظاہر بلد میں آجانے پر ہے۔ (جیسا کہ تفصیلاً لکھا جا چکا) بلا تفتیش معلوم ہونے یا نہ ہونے پر نہیں۔ مال ظاہر اور باطن کی ایسی تعریف نہ صرف یہ کہ بلا دلیل ہے بلکہ خلاف دلیل ہونے کے علاوہ مشاہدات اور بداہت کے بھی خلاف ہے۔ بازار کھل جانے کے بعد ہر دوکاندار اپنے مال کی نمائش و اظہار کی حتی الوسع کوشش کرتا ہے تاکہ گاہکوں کو اپنے مال کی طرف کھینچ سکے حتیٰ کہ دوکان کے باہر بھی مال لگا دیا جاتا ہے لائٹ وغیرہ سے زیادہ سے زیادہ کوشش کی جاتی ہے۔ فٹ پاتھوں اور ریڑھیوں پر رکھ کر مال فروخت کیا جاتا ہے، منڈیوں اور کارخانوں میں کروڑوں کے اموال کھلے بندوں پڑے رہتے ہیں ایسے سب اموال کا علم بلا تفتیش حاصل ہوتا ہے مگر یہ سب اموال بالاجماع اموال باطنہ ہیں اموال ظاہرہ نہیں۔ حالانکہ البلاغ کی تعریف کے مطابق یہ سب اموال ظاہرہ ہونے چاہئیں۔

(۲) تمام کتب فقہ میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ تاجر نے اگر عاشر کو بتلا دیا کہ میرے گھر میں اتنا مال رکھا ہوا ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہے تو بھی عاشر اس مال کی زکوٰۃ وصول نہیں کر سکتا۔ ایسے جزئیات سے ظاہر ہے کہ گھر میں رکھا ہوا مال اقرار کے ذریعہ بلا تفتیش معلوم ہوگیا مگر اس کے باوجود مال ظاہر نہیں بنا حکومت اس سے زکوٰۃ وصول نہیں کر سکتی حالانکہ البلاغ کے مطابق بذریعہ اقرار یہ مال ظاہر بن چکا ہے۔ فی الجملہ حفاظت تو حاصل ہی ہے۔ جزئیات بالا میں بلا تفتیش معلوم ہو جانے کے باوجود یہ اموال مال ظاہرہ میں شامل نہیں ہو سکے۔ اور آئندہ صورت اس کے برعکس ہے کہ خروج من المصر پایا گیا مگر عاشر کو اس کا علم نہ ہو سکا تو بھی یہ مال ظاہر بن گیا۔ معلوم ہوا کہ مال ظاہر بننے کا مدار بلا تفتیش

معلوم ہونے پر نہیں (حوالہ آگے آرہا ہے) دونوں قسم کی جزئیات سے ظاہر ہے کہ ابلاغ سے مستفاد اموال ظاہرہ کی تعریف جامعیت اور مانعیت دونوں سے عاری ہونے کے علاوہ اجماع فقہاء کے بھی خلاف ہے۔

اگر کہا جائے کہ مال کا اس حیثیت سے ہونا کافی ہے کہ بلا تفتیش اس کا علم ہو سکے، بالفعل معلوم ہو جانا مال ظاہر بننے کے لئے ضروری نہیں لہٰذا آخری جزیہ ابلاغ کے خلاف نہیں —— جواب یہ ہے کہ اگر ایسا معلوم ہو سکنا کافی ہے تو بالفعل ایسا علم حاصل ہو جانا تو مال ظاہر بننے کے لئے بطریق اولیٰ کافی ہوگا، جس بازار میں منظر عام پر کھلے بندوں رکھے ہوئے اموال بلا شبہ اموال ظاہرہ ہوں گے حالانکہ باتفاق فقہاء یہ اموال باطنہ ہیں، معلوم ہوا کہ ایسا علم بالفعل ہو یا بالقوۃ دونوں صورتوں میں یہ مدار نہیں ہے ورنہ کیسے ممکن ہے کہ ایسا علم بالقوۃ تو مؤثر ہے اور بالفعل مؤثر نہ ہو۔

ایک صاحب نے شبہ پیش کیا کہ مرور علی العاشر سے اگر مال باطن مال ظاہر میں شامل ہو جاتا ہے تو عاشر اگر شہر میں کسی مال کے پاس آجائے تو یہ مال ظاہر کیوں نہیں بنتا؟

جواب یہ ہے کہ وجود عاشر فی نفسہ کوئی ایسا آلہ نہیں ہے کہ اس کے سامنے آتے ہی مال باطن مال ظاہر میں تبدیل ہو جاتا ہو بلکہ اس تبدیلی کی علت اخراج عن المصر ہے اس لئے مرور علی العاشر سے تبدیلی ظاہر ہوگی، نہ کہ عاشر کے دخول مصر سے، نیز یہ شبہ اس خیال پر مبنی ہے کہ کسی مال کا بلا تفتیش معلوم ہو جانا ظہور مال کے لئے کافی ہے اور اس خیال کی مفصل تردید پہلے کی جا چکی ہے۔

اور یہ شبہ بھی بے بنیاد ہے کہ ظہور مال کی اصل علت علم عاشر ہے عموماً اخراج عن المصر سے چونکہ یہ علم متحقق ہو جاتا ہے اس لئے فقہاء نے اخراج کا ذکر کیا ہے علم عاشر کی تصریح نہیں کی اس شبہ کی تردید بھی (۱) مستند جزئیہ سے ظاہر ہے جس میں تصریح ہے کہ اگر کوئی تاجر مال لے کر سفر کرے اور عاشر کو اس کا علم نہ ہو تو بھی یہ مال ظاہر بن جاتا ہے، اگر اصل علت علم عاشر ہوتا تو ایسی صورت میں یہ مال تجارت مال ظاہر نہیں بننا چاہئے تھا۔

---

(۱) ومن مر على العاشر بمائة درهم وأخبره أن له مائة أخرى في منزله قد حال عليه الحول لم يزك التي معه لقلتها وما في بيته

لو اخبر بہا العاشر فلا یاخذ منہا (بحر الرائق)

(۲) ولا یاخذ من مال فی بیتہ مطلقا (در مختار)

جزئیات بالا سے یہ حقیقت ظاہر ہے کہ گھروں میں رکھے ہوئے مال کا بلا تفتیش بذریعہ اقرار معلوم ہونا اسے مال ظاہر میں تبدیل نہیں کرتا۔ اس امر سے اصلاحی کے خیال کی چونکہ واضح طور پر نفی ہوتی ہے اس لئے ان جزئیات کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے اس سلسلہ میں ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ یہ جزوی واقعہ ہے حالانکہ یہ جزوی واقعہ نہیں بلکہ اسلامی قانون کی ایک دفعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جزوی واقعہ اور فقہی جزئیہ میں زمین آسمان کا فرق ہے اور ایسی فقہی تصریحات کو جزوی واقعات قرار دیکر مسترد کر دیا جائے تو اسلامی قانون کے بہت بڑے حصہ سے دستبردار ہونا پڑے گا۔

ثانیاً اصلاحی نے اسے استثنائی واقعہ قرار دیا ہے حالانکہ یہ بھی درست نہیں کیونکہ استثنائی واقعہ وہ ہوتا ہے جو عمومی ضابطہ کے خلاف ہو اور یہ فقہی جزئیہ وصولی زکوٰۃ کے اس ضابطہ الجبایۃ بالحمایۃ کے تحت بلا کسی شبہ داخل ہے۔ چنانچہ جزئیہ بالا میں اسکی تصریح موجود ہے کہ گھر میں رکھے ہوئے مال کو مال ظاہر میں اس لئے شمار نہیں کیا گیا کیونکہ وہ تحت الحمایۃ داخل نہیں ہوا۔ اس تصریح کے باوجود اسے استثنائی واقعہ قرار دینا محض دعویٰ بلا دلیل اور قابل تعجب ہے۔ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ کی تفصیل میں لکھتے ہیں۔ لان حق الاخذ انما یثبت باعتبار المال الممرور بہ علیہ لحاجتہ الی الحمایۃ وھذا غیر موجود فی بیتہ وما مر بہ علیہ لم یبلغ ۱ھ (مبسوط سرخسی صفحہ ۱۹۹/۲)۔ اصلاحی نے اسلامی قانون کی اس دفعہ کا تیسرا جواب یہ دیا ہے کہ گھر میں رکھے ہوئے مال کی زکوٰۃ کی وصولی کا حق عاشر کو نہیں لیکن امام کو یہ حق حاصل ہے پہلے دونوں جوابوں کی طرح اصلاحی کا یہ دعویٰ بھی بلا دلیل ہے۔ حضرات فقہاء کی کوئی تصریح ان جوابات کی تائید میں پیش نہیں کی گئی اور ظاہر ہے کہ محض خیال کسی قانون کا جواب نہیں بن سکتا۔

مزید گزارش ہے کہ یہ جواب بھی زکوٰۃ کی سرکاری وصولی کے بنیادی ضابطہ وصول
الجبایۃ بالحمایۃ سے ذہول بلکہ اسکی مخالفت پر مبنی ہے کیونکہ جب یہ مال امام کے زیر
حفاظت ہی نہیں آتا تو امام کا استحقاق وصول اس مال کے ساتھ متعلق ہی نہیں ہوا۔ پس نہ
امام اس سے خود زکوٰۃ وصول کر سکتا ہے اور نہ ہی اسکی نیابت میں عاشر وصول کر سکتا ہے۔ صدور
فی نفسہ یہ امر مستبعد ہے کہ ایک مال ظاہر میں امام کو وصولی زکوٰۃ کا حق ہو اور عاشر کو یہ حق حاصل ہو
علاوہ ازیں یہ ہے کہ حضرات فقہاء نے تصریح کی ہے کہ امام کو بھی مطالبہ زکوٰۃ کا استحقاق
صرف کسی مال کو شہر سے باہر لیجانے کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے۔ گھر میں رکھے ہوئے مال کے ساتھ
امام کا یہ حق متعلق نہیں ہوتا۔ علامہ شامی نے قاضی خان سے نقل کیا ہے۔

الف۔ شرح الجامع الصغیر لقاضی خان وانما تثبت ولایۃ المطالبۃ
للامام بعد الاخراج الی المفازۃ (ص ۳۳)

انما لفظ حصر اور " لفظ امام " البلاغ کے دعویٰ کی تردید میں صریح ہیں۔

(ب) فتح القدیر میں ہے۔ وبمجرد خروجہ انتقلت الولایۃ عنہ الی الامام
پوری عبارت پہلے گزر چکی ہے اس عبارت میں مالک سے امام کی طرف ولایت اخذ
زکوٰۃ کے منتقل ہونے کو خروج مصر پر معلق کیا گیا ہے۔

(ج) اصول الجبایۃ بالحمایۃ کی تشریح میں علامہ شامی لکھتے ہیں۔
جبایۃ الامام هذا انما هو بسبب حمایتہ۔ (صفحہ ۲۷)

اس میں بھی تصریح ہے کہ امام کا استحقاق وصول اموال کو بیرون شہر تحفظ مہیا کرنے
پر مبنی ہے۔ گھر میں رکھا ہوا مال جب اس تحفظ کے تحت داخل نہیں ہوا۔ تو امام کو اسکی زکوٰۃ
وصول کرنے کے اختیارات بھی حاصل نہیں ہوئے۔ اور اسکی نیابت میں پھر عاشر بھی ایسے
مال کی زکوٰۃ وصول نہیں کر سکتا۔ الغرض یہ تفریق بالکل بے بنیاد ہے کہ ایسے مال میں امام
کو استحقاق وصولی حاصل ہے اور عاشر کو حاصل نہیں۔ ان جزئیات سے ظاہر ہے کہ علم امام
یا علم عاشر مال کو ظاہر بنانے کی علت نہیں جبکہ وہ مال گھر میں رکھا ہو۔ لیکن البلاغ کے مطابق
یہ مال۔ مال ظاہر بن گیا ہے۔ مگر تعجب ہے کہ حسب تصریحات فقہاء۔ عاشر کو اس سے وصول زکوٰۃ

کا حق ہے نہ امام کو، پس خلافِ ضابطہ بات ہے۔

حکومت کے علم میں نہ آنا: اور اگر اس کے برعکس صورت پیش آئی کہ خروج من المصر پایا گیا لیکن حکومت کو اس مال کا علم نہیں ہو سکا تو یہ مال ظاہر بن گیا ہے۔ اگر بعد میں حکومت کو علم ہو گیا تو وہ اس کی زکوٰۃ وصول کر سکتی ہے عالمگیری میں ہے: ولو مر حربي بعاشر ولم يعلم به العاشر حتى خرج ودخل دار الحرب ثم خرج لم يعشره لما مضى كذا في التبيين ولو مر بالمذكي على العاشر ولم يعلم بهما ثم علم في الحول الثاني يأخذ منهما كذا في محيط السرخسي والسراج الوهاج (جلد ۱ صفحہ ۱۹۲)

معلوم ہوا کہ مال ظاہر بننے کی علت اخراج من المصر ہے۔ علم امام یا علم عاشر کا ہونا یا نہ ہونا نفیاً یا اثباتاً اس کی علت نہیں۔ جیسا کہ جزئیات بالا اس بارے میں صریح ہیں۔

اول الذکر جزئیہ "ومن مر على عاشر بالف درهم الخ" کے جواب میں البلاغ نے ایک بات یہ کہی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تاجر کے بتلانے سے گھر میں رکھا ہوا مال، مال ظاہر تو بن گیا لیکن عاشر کو ایک قاعدہ اصول بتا دیا گیا ہے کہ جو کوئی شخص تمہارے پاس مال لیکر گزرے صرف اسی سے زکوٰۃ وصول کر سکتے ہو۔ گھروں یا دکانوں پر جو مال ہے اس سے تعرض نہ کرو۔ (البلاغ ص ۲۱ رمضان ۱۴۰۰ھ) اس نئے بنائے گئے "اصول" کا البلاغ نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔ اور شرعی ضابطے کے لحاظ سے بھی یہ "اصول" علی الاطلاق درست نہیں کیونکہ اگر کوئی مال ظاہر مثلاً سائمہ گھر میں موجود ہو اور عاشر کو اس کا علم ہو جائے تو عاشر اس کی بھی زکوٰۃ وصول کر سکتا ہے جیسا کہ جزئیہ ذیل سے ظاہر ہے: ولو مر بما دون النصاب من السائمة وفي بيته ما يكمله نصابا اخذ منه الكل حسب لان ... دخل تحت الحماية كذا في السراج الوهاج (عالمگیری ج۱ ص۱۹۲) معلوم ہوا کہ وصول عاشر کے لئے ضابطہ یہ ہے کہ مال ظاہر سے زکوٰۃ وصول کرے۔ خواہ یہ مال عاشر کے پاس سے لیکر کوئی شخص گزرے یا اس شخص کے گھر میں یہ مال ظاہر موجود ہو۔ عاشر دونوں قسم کے مال ظاہر سے زکوٰۃ وصول کرے گا۔ پس البلاغ کا بیان کردہ "اصول" درست نہیں۔ یہ شبہ نہ کیا جائے کہ مالِ باطن کے مالِ ظاہر بننے کی علت جب "اخراج من المصر" ہے (جیسا کہ تفصیل سے

اس پر بحث گزر چکی ہے) تو یہ سائمہ گھر میں اور شہر میں ہوتے ہوئے مال ظاہر میں کیسے شمار ہو گئے۔ جواب یہ ہے کہ یہ علت مال باطن کے مال ظاہر بننے کے لئے ہے۔ اور سائمہ تو پہلے ہی سے مال ظاہر ہیں۔ کیونکہ انہیں چرانے کے لئے یقیناً شہر سے باہر لایا جاتا ہے اس لئے کہ ان کا گزارا ہی جنگل میں چرنے پر ہے۔ پس سائمہ کے بارے میں خروج من المصر اور تحت الحمایۃ داخل ہونا دونوں امر پائے گئے۔ اس لئے سائمہ مال ظاہر ہی ہیں باطن نہیں مال سونا چاندی مال تجارت اندرون شہر ہوتے ہوئے مال باطن ہیں۔ ان کے مال ظاہر بننے کے لئے یہ شرط ہے کہ انہیں لیکر سفر کیا جائے۔ اسی بنیاد پر یہ فرق کیا گیا ہے کہ گھر میں رکھے ہوئے درہم کو شامل کر کے عاشر کے پاس نصاب مکمل نہیں کیا گیا۔ اور سائمہ کو لیکر گزرنے والے کا نصاب گھر میں موجود سائمہ سے پورا کیا جائے گا اور مجموعے سے زکوٰۃ وصول کی جائیگی۔

مزید یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ اگر کسی تاجر نے اپنے مال کی زکوٰۃ شہر میں ادا کر دی، اور پھر اس مال کو لیکر سفر کیا تو عاشر اس مال کی زکوٰۃ دوبارہ وصول نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ مالک خود ادا کرنے کا مجاز ہے پس یہ ادائیگی زکوٰۃ معتبر تسلیم کی جائے گی اور اگر تاجر نے اموال تجارت کی زکوٰۃ انہیں شہر سے باہر نکالنے اور سفر کرنے کے بعد ادا کی ہے تو یہ ادائیگی شرعاً معتبر نہیں۔ عاشر دوبارہ ان اموال کی زکوٰۃ وصول کر سکتا ہے۔ در مختار شامیہ، ہدایہ، فتح القدیر، کفایہ وغیرہ تمام کتب میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔

اس سے بھی ظاہر ہے کہ مال ظاہر بننے کا مدار اخراج من المصر پر ہے۔ علم عاشر پر نہیں۔ کیونکہ اگر مال ظاہر ہونے کا مدار علم عاشر پر ہوتا، تو بوقت مرور علی العاشر یہ دونوں اموال معلوم ہیں اور اس سے قبل دونوں غیر معلوم تھے۔ پس یا تو دونوں صورتوں میں سابقہ ادائیگی معتبر ہونی چاہیے تھی یا دونوں صورتوں میں غیر معتبر۔ ایک میں معتبر اور دوسرے میں غیر معتبر، یہ تب ہی ہو سکتا ہے جبکہ مال ظاہر بننے کا مدار مال کے شہر سے باہر لانے پر رکھا جائے۔ کیونکہ شہر میں ہوتے ہوئے یہ مال باطن تھا تو مالک کی ادائیگی درست ہے اور شہر سے باہر لایا تو مال ظاہر بن گیا اب مالک کی ادائیگی زکوٰۃ غیر معتبر قرار پائی۔

لہٰذا حاصل بطن بلد (اندرون شہر) میں موجود نقدی و اموال تجارت اموال باطنہ ہیں۔ اور انہیں لیکر سفر کیا جائے تو یہ اموال ظاہرہ میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اور زروع و ثمار

اور سائمہ یہ اموال چونکہ بیرونِ شہر ظاہر السبیل میں پائے جاتے ہیں اس لئے یہ اموال اصولی طور پر اموالِ ظاہرہ ہیں۔ سابقہ مفصل ابحاث کی روشنی میں یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ بینکی اموال، اموالِ باطنہ ہیں۔ انہیں بینک میں ہوتے ہوئے قطعاً مالِ ظاہر قرار نہیں دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی حضراتِ فقہاء کی ذکر کردہ متفقہ تصریحات کو کسی اجتہاد سے تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ اس امر میں تو کسی اختلاف کی گنجائش نہیں کہ دلائلِ شرعیہ کے علاوہ ملکی و بین الاقوامی بینکنگ نظام کے ضوابط کے تحت بینکی اموال کو مخفی رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ایک شخص کے اموال کو دوسرے پر ظاہر نہیں کیا جاتا۔ بلکہ بعض ممالک میں تو حکومت بھی کسی کھاتہ دار کا بینک بیلنس معلوم کرنے کی مجاز نہیں۔ اور اصولی طور پر بینکی اموال کو زیادہ سے زیادہ محفوظ تجوریوں اور تالوں میں بند کرکے رکھا جاتا ہے ایسے مخفی مقفل کمروں، آہنی الماریوں، مضبوط تجوریوں میں بند اموال کو مالِ ظاہر قرار دینا مشاہدہ، بداہت اور شریعت کے یکسر خلاف ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کراچی نے اپنے ایک اجلاس منعقدہ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ میں "زکوٰۃ وعشر آرڈیننس" میں ذکر کردہ اموالِ ظاہرہ اور اموالِ باطنہ کی تعریف کو ائمہ اربعہ کی متفق علیہ تعریف کے خلاف بلکہ اس کو مسخ قرار دیا تھا، کیونکہ اس آرڈیننس میں بینکی اموال کو اموالِ ظاہرہ میں شمار کیا گیا تھا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "بینات" کراچی بابت ماہ جمادی الثانیہ ۱۳۹۹ھ)

"البلاغ" کے دلائل کا جواب

اب ہم "البلاغ" کے پیش کردہ دلائل پر مختصر گزارشات پیش کریں گے۔ اموالِ ظاہرہ کی اپنی بیان کردہ تعریف کے سلسلہ میں البلاغ میں نہایت اہم دو عبارتیں پیش کی گئی ہیں۔

(۱) "فلما ولی عثمان وظهر تغیر الناس کره ان یفتش السعاة علی الناس مستور اموالهم ففوض الدفع الی الملاک نیابة" عنه اھ (فتح القدیر)

(۲) "لم یبلغنا انه بعث سعاة علی زکاة الاموال کما بعثهم علی صدقات المواشی والثمار فی ذلک لان سائر الاموال غیر ظاهرة للامام وانما تکون مخبوءة فی الدور والحوانیت والمواضع الحریزة" ولم یکن

جائزة للسعاة دخول احرازهم ...... ولما ظهرت هذه الاموال

عند التصرف بها في البلدان اشبهت المواشي فنصب فيها

عمالا يأخذون منها ما وجب من الزكوٰة. (احکام القرآن للجصاص ج۲ ص۱۵۵)

استدلال: ان تصریحات سے واضح ہے کہ نقد روپیہ اور سامان تجارت اس وقت تک اموال باطنہ رہتے ہیں جب تک وہ پوشیدہ نجی مقامات پر مالکان کے زیر حفاظت ہوں ...... لیکن جب یہی اموال مالکان خود نجی مقامات سے نکال کر باہر لے آئیں اور وہ حکومت کے زیر حفاظت آجائیں تو وہ اموال ظاہرہ کے حکم میں آجاتے ہیں۔

(البلاغ سنہ ۱۳۹۱ھ ص۱۰)

جواب: اموال ظاہرہ اور باطنہ کی تعریف کے بارے میں عبارات بالا سے استدلال بچند وجوہ سے محل خدشہ ہے اولاً اس لئے کہ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ ابن ہمام اور امام جصاص رازی کا مقصود ان عبارات سے اموال ظاہرہ و باطنہ کی تعریف کرنا نہیں بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس خاص اعلان کی وجہ حکمت اور مصلحت بتلانا پیش نظر ہے کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ کا حق مالکان کے سپرد کرنے میں انہیں تفتیش سے بچانا مطلوب تھا (باقی اموال ظاہرہ و باطنہ کی تفصیل اور ان کے علل، اپنے مقام پر مفروغ عن البحث ہیں) البلاغ کے استدلال میں بنیادی کمزوری یہی ہے کہ بیان حکمت کو بیان علت سمجھ لیا گیا اور پھر اس سے اولاً اموال باطنہ کی تعریف اخذ کی گئی اور پھر اس کے تقابل سے اموال ظاہرہ کی تعریف کر دی گئی۔ حالانکہ بیان حکمت و مصلحت سے کسی حکم کی تعریف کرنا درست نہیں۔

علت اور حکمت میں فرق: (۱) علت پر حکم نفیاً و اثباتاً دائر ہوتا ہے اور کسی حکم کی حکمت فی الجملہ ملحوظ ہوتی ہے لیکن مدار حکم نہیں ہوتی۔

(۲) علت میں عموم ہوتا ہے اور سب افراد میں پائی جاتی ہے اور اس سے حکم کا تخلف جائز نہیں ہوتا مثلاً شریعت نے بوجہ مشقت مسافر کے لئے قصر و افطار کی اجازت دی ہے کیونکہ سفر میں عموماً مشقت ہوتی ہے لیکن یہ مشقت محض حکمت تخفیف ہے مدار حکم اور علت نہیں۔ علت رخصت سفر ہے پس اگر کسی سفر میں مشقت نہ ہو تو قصر کی شرعی

سہولت بدستور برقرار رہے گی کیونکہ علت پائی گئی ہے گو حکمت منتفی ہے۔

اگر حکمت کو مدارِ حکم قرار دیا جائے تو بعض اسفارِ شرعیہ میں بھی قصر کی رخصت حاصل نہ ہوگی اگر مشقت پر حکم دائر کیا جائے تو شاید یہ دعویٰ کرنا بھی مستبعد نہیں ہوگا کہ گھر پر ہوتے ہوئے اگر کوئی مشقت کا کام کیا گیا تو بھی قصر کی اجازت ہونی چاہیے کیونکہ علتِ رخصت پائی گئی حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ کچھ ایسی ہی صورت البلاغ کے زیرِ بحث استدلال میں پائی جا رہی ہے کیونکہ حضرات فقہاء کے ہاں یہ امر مسلّم ہے کہ سونا چاندی اور مالِ تجارت کے اموالِ ظاہرہ کے حکم میں آنے کی علت اخراج من المصر ہے لیکن البلاغ نے ضرورتِ تفتیش کو (جو فی الواقع حکمت تھی) علت اور مدارِ حکم سمجھتے ہوئے یہ طے کر لیا کہ شہر میں ہوتے ہوئے بھی اموالِ باطنہ کو اموالِ ظاہرہ قرار دیا جا سکتا ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے بغیر سفر گھر پر ہوتے ہوئے بوجہ مشقت قصر نماز کی اجازت دے دی جائے۔

احتیاجِ تفتیش حکمت ہے علت نہیں :

محتاجِ تفتیش اموالِ باطنہ کو سرکاری وصولیٔ زکوٰۃ سے مستثنیٰ سمجھنے کی حکمت ہے علت نہیں۔ اگر اسے علت قرار دیا جائے تو بازار کھل جانے کے بعد ہر دوکاندار اموال کو ایسے منظرِ عام پر رکھنے کی کوشش کرتا ہے جو گاہکوں کے لئے جاذبِ نظر ہو۔ ان تمام اموال کا جائزہ روزانہ ہزاروں لوگ مشاہدہ کرتے ہیں اور بلاشبہ یہ اموال محتاجِ تفتیش نہیں۔ اگر محتاجِ تفتیش ہونے کو مالِ باطن بننے کی علت قرار دیا جائے تو یہ سب اموال، اموالِ باطن ہونے سے یقیناً خارج ہو جائیں گے حالانکہ حضرات فقہاء کرام نے شہر میں اپنی جگہوں پر رکھے ہوئے اموال کو بالاتفاق مالِ باطن قرار دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ محتاجِ تفتیش ہونا علت نہیں ورنہ معلول اس سے متخلف نہ ہوتا بلکہ حکمت ہے جس سے حکم کا تخلف جائز ہے جیسے سفر میں عدمِ مشقت کے باوجود رخصتِ قصر برقرار رہی یا گھر پر ہوتے ہوئے مشقت کے کام کے باوجود رخصتِ قصر کی سہولت حاصل نہ ہو سکی۔ یہ نکتہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ بعض بڑی دوکانوں میں گاہکوں کے لئے نشستیں کرسیاں وغیرہ مہیا ہوتی ہیں۔ پس ہر دوکان میں جانے کو مضرت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ صبح سے لیکر بازار بند ہونے تک اموالِ تجارت بقصدِ اظہار و نمائش کھلے بندوں رکھے رہتے ہیں۔ یوں بازار بند ہوتے

ہی یہ سب اموال دوکانوں میں چھپا دیئے جاتے ہیں، اب یہ اموال مستور ہو گئے دن میں بالکل ظاہر تھے رات کو بالکل پوشیدہ اور غائب ہو گئے اس سے یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ اموال باطنہ کا مستور اور چھپے ہوئے ہونا بعض حالات (یعنی رات) کے اعتبار سے ہے ہر وقت کے لحاظ سے انہیں پوشیدہ نہیں کہا جا سکتا اموال باطنہ کا گھروں اور دوکانوں میں مستور و مخفی ہونا بعض اموال باطنہ (یعنی سونا چاندی) کے اعتبار سے ہے کیونکہ انکو گھروں میں مضبوط تالوں وغیرہ میں بند کر کے رکھا جاتا ہے، تمام اموال باطنہ کے اعتبار سے نہیں. علامہ ابن ہمام اور امام جصاص نے اپنی عبارات میں اموال باطنہ کے لئے "مستور" وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں ان الفاظ سے انکی مراد قطعاً یہی ہے اور ہر مال باطن کا ہر حالت میں مستور رہنے کا دعویٰ ان حضرات کی کلام میں ہرگز نہیں اور نہ ان حضرات کی کلام کا یہ مفہوم ہے کہ نقد اور سامان تجارت اس وقت تک اموال باطنہ رہتے ہیں جب تک وہ پوشیدہ مخفی مقامات پر ہیں اور جب انہیں مخفی مقامات سے نکال لیا جائے تو مال ظاہر میں شامل ہو جاتے ہیں۔ "اسوقت تک" "جب تک" یہ دونوں قیدیں ان حضرات کی کلام میں موجود نہیں پس مستور و پوشیدہ بہر حال محتاج تفتیش ہونے کو مال باطن کی حقیقت میں داخل سمجھتے ہوئے اس سے مال باطن اور مال ظاہر کی تعریف اخذ کرنا محض تساہل ہے حالانکہ علامہ جصاص رازی کی کلام میں واضح اشارہ موجود ہے کہ تقابل مکشوف اور مستور رہنے میں نہیں۔ اور نہ ہی پوشیدہ مخفی مقامات میں رکھے ہونے یا ان سے اموال کو باہر لانے میں ہے بلکہ تقابل اس میں ہے کہ یہ اموال مکانوں اور دوکانوں میں اپنی جگہوں میں رکھے ہوئے ہیں یا ان اموال کو شہر سے باہر سفر پر لے جایا گیا ہے پہلی صورت میں یہ اموال باطنہ ہیں اور دوسری صورت میں یہ اموال ظاہرہ میں شامل ہو جائیں گے۔ چنانچہ عبارت بغور پڑھیئے ؛ امام جصاص رازی لکھتے ہیں :

وانما تكون مخبئة فى الدور والحوانيت والمواضع الحريزة ....
ولما ظهرت هذه الاموال عند التصرف بها فى البلدان اشبهت المواشى فنصب عليها عمال ياخذون منها ما وجب من الزكوٰة ولذلك كتب عمر بن عبد العزيز الى عماله ان

یاخذ وا مما یمر بہ المسلم من التجارات من کل عشرین دینارا

نصف دینار (احکام القرآن ص ۱۵۴ ج ۳)

عبارت بالا میں تصریح ہے کہ جب اپنی پوشیدہ اموال کو لے کر دوسرے شہروں میں جائے گا تو یہ اموال حکومت کے زیر حفاظت آنے میں اجنگل میں چرنے والے مویشیوں کے مشابہ ہو جائیں گے۔ ایسی صورت میں حکومت بذریعہ عاشران اموال کی زکوٰۃ وصول کرے گی۔ جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم سے ثابت ہو رہا ہے۔ حاصل یہ کہ اس صورت میں یہ اموال باطنہ اموال ظاہرہ میں شامل ہو جائیں گے۔ اور یہ وہی بات ہے جو دیگر حضرات فقہاء کی کلام میں پوری وضاحت سے موجود ہے۔ شہر میں اپنی جگہوں پر رکھے ہوئے اموال تجارت نقدی، اموال باطنہ ہیں اور جب انہیں لے کر سفر کیا جائے تو یہ اموال مویشیوں کے مشابہ ہو جاتے ہیں اور اموال ظاہرہ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ابن ہمامؒ سے بھی ایسی ہی تصریح پہلے ہم نقل کر چکے ہیں۔ شہر میں ہوتے ہوئے اموال باطنہ کی ادائیگی زکوٰۃ کا حق مالکان کو حاصل ہے اور ان اموال کے شہر سے نکلتے ہی یہ حق امام کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

(باب العاشر ص ۱۶۳ ج ۲)

معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی مال ظاہر، باطن بننے کا مدار مستور و مکشوف ہونے پر نہیں بلکہ اندرون شہر ہونے یا بیرون شہر لے جانے پر ہے اور مستور ہونے کا لفظ بطور بیان مصلحت فرمایا ہے نہ کہ بطور بیان علت نہیں۔

الغرض جب اموال باطنہ کا ہر حال میں مستور ہونا ضروری نہ ہوا کہ بلا تفتیش ان کا علم حاصل نہ ہو سکتا ہو تو اس کے مفہوم مخالف سے مال ظاہر کی تعریف مستنبط کرنا بھی درست نہ ہوگا۔ ورنہ یہ سب بناء الفاسد علی الفاسد ٹھہرے گی گویا السہلاوی کے اس استدلال میں تین تسامح واقع ہوئے ہیں (۱) حکمت کو علت سمجھ لینا (۲) حکمت و مصلحت کو علت سمجھتے ہوئے اس سے مال باطن کی تعریف اخذ کرنا (۳) پھر اس تعریف سے تقابل کے طور پر مال ظاہر کی تعریف ترتیب دینا۔

(فائدہ) اموال باطنہ اپنے بعض افراد کے اعتبار سے مستور ہوتے ہیں جن سے وصول زکوٰۃ کے لئے نجی مقامات کی تفتیش کی حاجت پڑ سکتی تھی جس سے مالکان کو ضرر

پہنچنے کا اندیشہ تھا، دفع مضرت کے لیے شریعت نے بعض افراد کی سہولت پوری نوع کے لیے عام فرما دی اور مالکان کو عام اجازت دے دی گئی کہ وہ اپنے تمام اموال باطنہ کی زکوٰۃ خود ادا کر دیا کریں۔ کیونکہ احکام شرعیہ میں عموماً نوع ہی کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ جیسا کہ سفر کے بعض افراد میں مشقت تھی لیکن سفر شرعی کے تمام افراد میں رخصت قصر وغیرہ کی سہولت کو عام کر دیا گیا۔

"البلاغ" کے پیش کردہ آثار پر ایک نظر

ہماری معروضات کے جواب میں ماہنامہ البلاغ ماہ رمضان ۱۴۰۰ھ میں مجلس تحقیقات مسائل حاضرہ کا فیصلہ شائع ہوا جس میں مجلس نے اموال ظاہرہ و باطنہ کے بارہ میں اپنے سابقہ موقف کو بحال رکھا اس فیصلہ کے بارہ میں مزید گزارشات پیش کی جا رہی ہیں۔

پہلی گزارش یہ ہے کہ خیر المدارس کے جواب میں حضرات فقہاء کی متعدد تصریحات پیش کی گئی تھیں کہ سونا، چاندی، نقدی شہر میں ہوتے ہوئے اموال باطنہ ہیں۔ جب انہیں شہر سے نکالا جائے گا اور انہیں لے کر سفر کیا جائے گا تب یہ اموال ظاہرہ میں شامل ہوں گے۔ اور کسی مال باطن کے اموال ظاہرہ میں شامل ہونے کی علت "اخراج من المصر" ہے نہ کہ السعی۔ امام کاسانی فرماتے ہیں: لانه لما سافر به وأخرجه من العمران صار ظاهراً (بدائع)۔ در مختار و شامی میں ہے: لأنها بعد الإخراج من البلد التحقت بالأموال الظاهرة۔ خیر المدارس کے جواب کی تردید کے لیے اپنے فقہی جزئیات پیش کرنے چاہیے تھے جس سے ہماری پیش کردہ تصریحات فقہاء کرام کی مراد ظنی ہوتی۔ لیکن البلاغ کے پورے اس فیصلہ میں ایک جزئیہ بھی مذکور نہیں۔ ظاہر ہے کہ تصریحات فقہاء کرام کے مقابلہ میں کوئی خیال و اجتہاد قابل قبول نہیں۔ حضرات فقہاء نے تصریح کی ہے: البحث في المنقول غير مقبول (شامی)۔ علامہ قاسم بن قطلوبغا نے اپنے شیخ محقق ابن ہمام کے بارے میں واضح طور پر لکھا ہے:

لا عبرة بأبحاث شيخنا التي خالفت المنقول (يعني منقول في المذهب) (اسدی ثانوی)

کسی ایسے جزئیہ کی دستیابی سے مایوس ہونے کے بعد البلاغ (؟) نے موضوع بحث میں توسیع فرما دی و

اور پھر یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ جب مال کی حکومت زکوٰۃ وصول کرے تو وہ مال ظاہر بن جاتا ہے گویا کہ اس کو قانون میں مال ظاہر کا کوئی مشخص اور پہچان موجود نہیں۔ مال ظاہر بننے کا مدار سرکاری وصولی زکوٰۃ پر ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ کسی فقیہ نے مال ظاہر کے متعلق یہ تعیین ذکر کی ہے؟ اور ایک نام بھی اس سلسلہ میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ حضرات فقہاء نے اموال ظاہرہ کا مستقل تشخص اور ان کی تعداد تک بتلائی ہے جیسا کہ تفصیلاً ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں ___

اخیر میں خلافت راشدہ میں اموال باطنہ کی زکوٰۃ وصول کی گئی لیکن اس سے یہ اموال ظاہرہ میں تبدیل نہیں ہوئے تھے۔ اس سلسلے میں البلاغ کے پیش کردہ آثار کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما لوگوں کی جب ان کے وظائف تقسیم فرماتے تو آپ حضرات ان سے دریافت کرتے کہ تیرے پاس کوئی اور نیا مال ہے جس میں زکوٰۃ واجب ہو چکی ہو۔ اگر وہ شخص اثبات میں جواب دیتا تو اس مال کی زکوٰۃ وظیفہ کی رقم میں سے کاٹ کر باقی وظیفہ اس کے حوالے کر دیتے ___

(ب) ___ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما وظیفہ کی زکوٰۃ بھی وصول کرتے تھے ___

(ج) ___ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے واپس کرتے وقت ایک ایسے مال کی بھی زکوٰۃ وصول کی جو سابقہ حکمرانوں نے ظلماً مالک سے لے لیا تھا۔ البلاغ نے ان روایات سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

"اس تجزیہ کا رہنما یہ بات بالکل واضح ہو گئی ہوگی کہ اموال ظاہرہ میں شامل ہونے اور اس سے سرکاری طور پر زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے اس کا مشاہدہ ہونا ضروری نہیں ہے"

گزارش یہ ہے کہ ان آثار میں سرکاری سطح پر وصولی زکوٰۃ کا تذکرہ تو موجود ہے لیکن ان اموال کے اموال ظاہرہ بن جانے کا کوئی ذکر ان میں نہیں پایا جاتا۔ ہم نے بار بار غور کیا لیکن یہ بات بالکل واضح ہونے کی بجائے ان آثار میں کوئی اشارہ تک ایسا نہیں مل سکا جو ان اموال کے مال ظاہر ہونے پر دلالت کرتا ہو اور نہ ہی اس سلسلہ میں کوئی فقہی صریح جزئیہ پیش کیا گیا۔

حالانکہ بحث اس سلسلہ میں فقہی جزئیہ ہی مطلوب تھا۔ گویا ہم نے لکھا ہوا پایا کہ بذریعہ قرار مال ظاہر تبدیل نہیں ہوتا، بلکہ بدستور مال باطن ہی رہتا ہے البتہ امام اس سے زکوٰۃ وصول کر سکتا ہے تاہم جیسا کہ اس کی مفصل تحقیق پیچھے گزر چکی ہے۔ محض سرکاری وصولی کو مال ظاہر کی دلیل سمجھ لینا تساہل ہے۔ اس کی تردید پہلے کی جا چکی ہے، خصوصاً جبکہ یہ مسلم ہے کہ خلفائے راشدینؓ نے اموال باطنہ کی بھی زکوٰۃ وصول کی

ہے۔ اور البلاغ کے مطابق حکومت کو ان کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق اب بھی باقی ہے —— جب یہ ہے تو سرکاری وصولی زکوٰۃ کو کسی مال کے مال ظاہر ہونے کی دلیل کیسے بنایا جا سکتا ہے۔ جبکہ سرکاری وصولی البلاغ کے مطابق مال باطن سے بھی ہو سکتی ہے اور مال ظاہر سے بھی —— چنانچہ البلاغ میں ہے۔

"لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ امام کا حق وغیرہ بالکلیہ ساقط ہو گیا۔ اور اب وہ زکوٰۃ وصول نہیں کر سکتا؟"

(بعینہٖ یہ اقتباس البلاغ سے نقل کیا ہے)

وصول کرانے میں نہ معلوم البلاغ کو کیا دلچسپی ہے۔؟ سیدھی بات فرمائیے کہ حضرت تفتیش نہ ہونے کی صورت میں مالک کے اموال باطنہ کی زکوٰۃ وصول کی گئی۔ بینکی اموال بھی اسی نوعیت کے ہیں بقول البلاغ جب اموال باطنہ کی وصولی زکوٰۃ سے بجز حضرت تفتیش کے کوئی مانع نہیں۔ تو بینکی اموال کو مال باطن مان کر بھی زکوٰۃ وصول کی جا سکتی ہے۔ انہیں خواہ مخواہ اموال ظاہرہ بنانے کا تکلف کیوں فرمایا جا رہا ہے؟ اور البلاغ کے پیش کردہ مواد کا حاصل یہی ہے کہ ان اموال سے سرکاری سطح پر زکوٰۃ وصول کی گئی لیکن یہ اموال ظاہرہ بھی تھے؟ —— یہ امر ان کے پیش کردہ مواد سے قطعاً ثابت نہیں ہوتا۔ حالانکہ اصل موضوع سرکاری وصولی نہیں بلکہ اموال کا ظاہر ہونا اور باطنہ کی تحقیق ہے۔

وظائف و عطایا پر وجوب زکوٰۃ کا حکم

البلاغ میں وظائف سے وصولی زکوٰۃ کو بار بار اپنے استدلال کی بنیادی دلیل کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ استدلال کا خلاصہ کچھ یوں ہے۔ اموال وظائف سے سرکاری سطح پر چونکہ زکوٰۃ وصول کی گئی ہے لہذا

یہ مال ظاہر ہے۔ بس بینکی اموال بھی چونکہ اسی نوعیت کے ہوتے ہیں لہذا ان سے بھی مال ظاہر ہونے کی وجہ زکوٰۃ وصول کی جا سکتی ہے۔

اس استدلال میں ایک بنیادی کمزوری تو یہی ہے کہ سرکاری وصولی کو مال ظاہر ہونے کی دلیل بنایا گیا ہے دوسری کمزوری یہ ہے کہ خلافت راشدہ کے متفق فیصلہ کے مطابق وظائف میں زکوٰۃ واجب ہے۔ نہ اس سے جبراً زکوٰۃ وصول کی جا سکتی ہے نہ ان حضرات نے وظائف کی زکوٰۃ وصول کی اور نہ مجتہدین امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا یہ مذہب ہے بلکہ وظائف سے وصولی زکوٰۃ کو خلاف اجماع

قرار دیا گیا ہے (کما سیاتی) پس ایسے خلاف اجماع امر کو بنیاد بناتے ہوئے جس مسئلہ کو اس پر متفرع کیا جائیگا وہ بھی خلاف اجماع ہوگا۔ پس بیمہ کی اموال سے وصولی زکوٰۃ کا مسئلہ خلاف اجماع ہوگا۔

حضرت ابوبکر صدیق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہما کا یہ طرز عمل گزر چکا ہے کہ یہ حضرات وظائف کی زکوٰۃ وصول نہیں کرتے تھے۔ بلکہ دوسرے مال کی زکوٰۃ وصول کرتے تھے۔ (موطا امام مالک) سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا طرز عمل بھی یہی تھا۔ چنانچہ طارق بن شہاب فرماتے ہیں کہ ہمارے وظائف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس طرح جاری ہوتے تھے کہ ان کی زکوٰۃ نہیں لی جاتی تھی تا آنکہ ہم خود ان کی زکوٰۃ نکالتے تھے۔

(کتاب الاموال صفحہ ۱۹۳)

شارح موطا علامہ باجی اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں:

وانما ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم فلم یکونوا یاخذون منها (ای من الاعطیۃ) الزکاۃ لانہا لم یتحقق ملکہ من اعطیہا الا بعد الاعطاء والقبض (المنتقی)

مذہب علی رضی اللہ عنہ کی تحقیق

خلفائے ثلاثہ کے اس طرز عمل کو البلاغ میں بھی تسلیم کیا گیا ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا کہ وہ تنخواہوں اور وظائف کی زکوٰۃ وصول کرتے تھے۔ (البلاغ صفحہ ۳) مگر البلاغ میں اس کا کوئی حوالہ دیا گیا ہے اور نہ ہی ہماری تحریری مراجعت کے جواب میں کسی ایسے حوالے کی نشاندہی کی گئی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی وظائف کی زکوٰۃ وصول نہیں کرتے تھے۔ اولاً اس لئے کہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اول من اخذ من الاعطیۃ الزکاۃ معاویۃ بن ابی سفیان (موطا امام مالک)

معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت تمام خلفاء راشدین عطیہ کی زکوٰۃ وصول نہیں کرتے تھے۔

ثانیاً — اس لئے کہ یہ عطاء و وظیفہ مال مستفاد ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ مال مستفاد میں حولان حول سے قبل وجوب زکوٰۃ کے قائل نہیں۔

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال من استفاد مالا فلیس فیہ الزکاۃ حتی یحول علیہ الحول — (مصنف عبدالرزاق و مصنف ابن ابی شیبہ)

ثالثاً —— اس لیے کہ مغنی ابن قدامہ میں حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کا مذہب "کان عبد اللہ بن مسعود یزکیہ" نقل کرنے کے بعد خلفاء راشدین کا مذہب اس کے خلاف نقل کیا گیا ہے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں: —— وجمهور العلماء على خلاف هذا القول منهم ابو بكر وعمر وعثمان وعلى رضى الله عنهم اجمعين (مغنی ص ۶۲۲)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وظیفہ کی زکوٰۃ وصول نہیں کرتے تھے۔

رابعاً —— اس لیے کہ وظیفہ سے وصولی زکوٰۃ خلاف اصول شرعیہ اور جمہور ائمہ و علماء کے خلاف ہے، تو جب تک اس کا کوئی ناقابل تردید ثبوت نہ مل جائے اس کی نسبت خلیفہ راشد کی طرف کرنا درست نہ ہوگا۔

خامساً —— اس لیے کہ وصولی زکوٰۃ کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب خلفاء ثلاثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی بہ نسبت تخفیف کے پہلو پر مبنی تھا نہ کہ تشدید و تضییق پر، جیسا کہ واقعہ ذیل سے ظاہر ہے ——

ایک شخص اپنے مال کی زکوٰۃ دینے کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا کہ تو خود اس سے وظیفہ بھی وصول کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ نہیں۔ تو آپ نے اس کی زکوٰۃ وصول نہیں کی۔ اور فرمایا:

لا تجمع عليك ان لا نعطيك ونأخذ منك فمره ان يقيم (مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ج ۳ طبع ملتان) —— ان وجوہ اور اس قسم کی تصریح سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مذہب متحقق ہوا کہ آپ وظیفہ کی زکوٰۃ وصول نہیں کرتے تھے ——

الحاصل ان دلائل سے یہ ثابت ہوگیا کہ خلفاء راشدین نے وظائف عطایا کی زکوٰۃ وصول نہیں کی۔ اور جمہور صحابہ و تابعین و ائمہ اربعہ اور دیگر فقہاء امت کا یہی مذہب ہے اور اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ شاذ اور ناقابل التفات ہے۔ حضرات ائمہ فتویٰ نے کبھی اسے قابل اعتبار نہیں سمجھا۔ امام ابن عبد البر وظیفہ کی وصولی زکوٰۃ کے متعلق لکھتے ہیں ——

هذا شاذ ولم يعرج عليه احد من العلماء ولا قال به احد من ائمة الفتوى — اهـ

علامہ باجی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طرز عمل (وظیفہ کی وصولی زکوٰۃ) کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

ثم انعقد الاجماع على خلافه. قاله الزرقانی — (كذا فی الاوجز صفحہ ج ۳)

اس تفصیل و تحقیق سے قارئین کرام نے محسوس کر لیا ہوگا کہ البلاغ کا دعوٰی ثابت نہیں ہوا۔ وظیفہ کی وصولی زکوٰۃ منہا کرنا خلفائے راشدین کے متفقہ طرز عمل اور اجماع امت کے خلاف ہے۔ پس اس کے خلاف کسی کا شاذ قول ہرگز قابل اعتماد نہیں ——

قابلِ تعجب

تشریحات بالا کی موجودگی میں نہ معلوم البلاغ نے ایک خلاف اجماع شاذ روایت کو اپنا مستدل بنا کر کیسے مطمئن ہو بیٹھے۔ یہ امر تو انتہائی تعجب ہے کہ ہزار سالہ قدیم فقہاء کے اجماعی موقف کے خلاف شاذ و در خلاف اجماع قول جانے کو ہی کافی سمجھ لیا جائے۔ آخر عصر حاضر کے متجددین اور اہل حق میں کیا فرق باقی رہ جائے گا۔؟

کسے معلوم نہیں کہ ہر ضعیف بلکہ غلط خیال کے لئے بھی کوئی نہ کوئی شاذ قول مل ہی جاتا ہے۔ حلت ربا، جواز متعہ وغیرہ تک جیسے مسائل میں کیا کیا اقوال نہیں ملتے۔ اہل انصاف کے نزدیک جس مسئلہ میں خلفاء راشدین کا اجماع اور ائمہ اربعہ کا اتفاق کافی ہے کہ وظائف سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی۔ پس اسے زیر بحث مسئلے میں مستدل نہیں بنایا جا سکتا ہے ——

اثر ابن مسعودؓ کی توجیہ

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے طرز عمل کے متعدد جوابات ہو سکتے ہیں:

پہلا جواب یہ ہے کہ اس اثر کے ثبوت ہی میں کلام ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں مرکزی راوی ہبیرہ بن مریم ہے۔ جس کی توثیق میں اختلاف ہے۔ امام احمد نے اسے "لا باس به" کہا ہے۔ امام نسائی فرماتے ہیں "لیس بالقوی" وقال ابن الخراش "ضعیف" وقال ابو حاتم شبیه بالمجهول (میزان ج ۴ ص ۲۵۱) اور اس کی تائید امام زہری کے قول سے بھی ہوتی۔ امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ پہلے پہل وظائف و عطایا سے زکوٰۃ کی وصولی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کی (موطا امام مالک)

اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ عطایا کی زکوٰۃ وصول نہیں کرتے تھے یا کم از کم یہ ہے کہ یہ طرز عمل ابن مسعودؓ سے معروف نہیں تھا۔ ورنہ امام زہریؒ پر یہ امر مخفی نہ رہتا۔ امام زہریؒ کے کلام سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کا طرز عمل اس مسئلہ میں حضرات خلفاء راشدینؓ کے خلاف نہ تھا۔ اس کی تائید امام ابو عبیدؒ کے کلام سے بھی ہوتی ہے۔ ابن مسعودؓ کا زیر بحث اثر نقل کرنے کے بعد امام موصوف لکھتے ہیں میرے نزدیک عبداللہ ابن مسعودؓ کی اس روایت کی یہی توجیہ ہے۔ جو حضرت ابوبکر و عثمان رضی اللہ عنہما

کی روایات کی ہے۔ یعنی یہ دونوں بزرگ اس مال کی زکوٰۃ دیتے تھے جو دوسرے مال پر ماضی میں واجب الادا ہو یعنی ذکر کردہ جو مستقبل میں ان پر واجب ہونے والی تھی۔ یعنی وظیفہ کی زکوٰۃ (ترجمہ کتاب الاموال صفحہ ۱۹۳)

علاوہ ازیں جب ہم حضرت ابن مسعودؓ کی ایک دوسری حدیث دیکھتے ہیں تو یہ حقیقت بالکل کھل جاتی ہے کہ زیر بحث حدیث ابن مسعودؓ ثابت ہی نہیں یا مؤول ہے وہ حدیث یہ ہے کہ عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو کوئی شخص مال حاصل کرے تو اس پر پورا سال گزرنے سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں ہوگی۔

(ترجمہ کتاب الاموال صفحہ ۱۹۳/۲ج)

بس حدیث سے ان کا مذہب ظاہر ہے کہ مال مستفاد میں فی الحال زکوٰۃ واجب نہیں اور یہ وظائف مال مستفاد ہی ہیں۔

البلاغ ضمیمہ میں بھی وظیفہ کا مال مستفاد ہونا تسلیم کیا گیا ہے تو ابن مسعودؓ وظیفے کی زکوٰۃ جبراً کیسے وصول کرتے تھے جبکہ یہ مال مستفاد ہے۔ —

تطبیق

دونوں روایات کو جمع کرنے کے لئے یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ آپ وظیفے سے جبری کٹوتی نہیں کرتے تھے کیونکہ زکوٰۃ کا فی الحال وجوب ہی نہیں ہوا۔ البتہ صاحب وظیفہ کی رضامندی سے پیشگی زکوٰۃ وصول کیتے ہوں تو اس کی گنجائش ہے کیونکہ مالک اپنی رضا و رغبت سے پیشگی زکوٰۃ دے سکتا ہے اور اس مبارک دور میں لوگ اپنے مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کو غنیمت جانتے تھے۔ چنانچہ بعض سلف کا یہ مذہب تھا کہ دوران سال اگر کسی کو کوئی مال مل جائے اور اسے حولان حول سے پہلے خرچ کرنے کا ارادہ ہو تو مستحب یہ ہے کہ اس مال کی زکوٰۃ فوری طور پر ادا کر دی جائے۔ پھر اسے خرچ کیا جائے (مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۱۵۱ ج ۲)

اور یہ جواب بھی دیا جا سکتا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کا یہ خصوصی طرز عمل ان کے ذاتی اجتہاد پر مبنی تھا جو خلفاء راشدینؓ کے متفقہ طریق کار کے مقابلہ میں حجت نہیں ہے اور امت نے اسے قبول نہیں کیا —

بہر حال زیر بحث اثر ابن مسعودؓ ثابت نہیں یا مؤول ہے۔ بس ظاہر پر رکھتے ہوئے یہ قابل احتجاج نہیں۔ حضرات ائمہ نے اسے شاذ اور خلاف اجماع قرار دیا ہے۔ یہی توجیہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے فعل کی بھی کی جا سکتی ہے —

مال مستفاد کی توجیہ

تمام اقوال کے غور کرنے سے ثابت ہے کہ وظائف تنخواہ مہینہ وغیرہ ختم ہونے کے بعد ہی ادا کی جاتی ہے پس ظاہر یہی ہے کہ خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں بھی وظائف سال پورا ہونے کے بعد ہی تقسیم کئے جاتے تھے

پس حکم مال مستفاد کی توجیہ بھی اثر ابن مسعودؓ میں جاری نہیں ہو سکتی کیونکہ حکم تو ان اموال کا کیا جاتا ہے جو دوران سال حاصل ہوئے ہوں نہ ان اموال کا جو سال پورا ہونے کے بعد طلب کئے گئے ہوں۔ علاوہ ازیں اثر ابن مسعودؓ کے الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ وظائف کی زکوٰۃ مستقل حیثیت سے وصول کرتے تھے۔ دوسرے اموال کے تابع کر کے نہیں، کیونکہ وہ دریافت نہیں فرماتے تھے کہ تمہارے پاس اور مال بھی ہے یا نہیں۔ اور مستقل حیثیت میں فوری طور پر مال مستفاد کی زکوٰۃ کا وجوب ائمہ اربعہ میں سے کسی کا مذہب نہیں ہے۔ اگر کوئی قول پایا بھی جائے تو وہ شاذ و مرجوح ناقابل احتجاج اور ساقط الاعتبار ہوگا۔

(المرجوح فی مقابلۃ الراجح بمنزلۃ المعدوم) ——

وظائف سے وصولیٔ زکوٰۃ

اموال وظائف کی زکوٰۃ کے بارے میں حضرات خلفائے راشدینؓ کا طرزِ عمل آپ پڑھ آئے ہیں کہ یہ سب حضرات وظائف کی زکوٰۃ وصول نہیں فرماتے تھے لیکن البلاغ میں ہے:

تنخواہوں اور وظائف سے زکوٰۃ وصول کرنے کا سلسلہ خلفائے راشدینؓ کے بعد تک جاری رہا۔ (صفحہ ۱۲/...) کتنا زبردست دعویٰ ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ کسی خلیفۂ راشد نے زکوٰۃ وصول ہی نہیں کی تو یہ سلسلہ ان حضرات سے شروع ہی نہیں ہوا۔ بعد تک جاری کیسے رہا؟ اور اگر وظائف سے وصولیٔ زکوٰۃ کا یہ مطلب ہے کہ وظائف میں سے گھر میں رکھے بچے مال کی زکوٰۃ وصول کی جاتی رہی — تو اس سے وظیفہ کا مال ظاہر ہونا کیسے ثابت ہو گیا؟ حالانکہ سرکاری سطح پر خود وظیفہ کی زکوٰۃ تو وصول ہی نہیں کی گئی — ؟ یا البلاغ کا خیال یہ ہے کہ کسی مال میں سے دوسرے مال کی زکوٰۃ وصول کر لی جائے تو وہ بھی مال ظاہر بن جاتا ہے۔ فیا سبحان اللہ — بہر حال البلاغ کے اس دعویٰ میں خاصا تسامح پایا جاتا ہے اور وظائف کا مال ظاہر کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتا ——

قطعی دلیل

ہماری گذارش یہ ہے کہ وظائف اور تنخواہیں قانون اسلامی کی رو سے اموال ظاہرہ میں شمار نہیں ہیں۔ دیگر دلائل کے علاوہ اس کی ایک قطعی دلیل یہ ہے کہ:——

(الف) --- عہد خلافت راشدہ سے لے کر آج تک حکومتوں کی طرف سے تنخواہ یا وظیفہ دینے کا سلسلہ جاری ہے۔ (ب) سرکاری خزانے سے اس مد میں صرف ہونے والے اموال بالتفتیش حکومت کے علم میں ہوتے ہیں (ج) اور قطعی بات ہے کہ بارہ صدیوں سے مذکورہ بالا دونوں امور (الف اور ب) حضرات

مال کو زیر کا... مال باطن برقرار دینا عجیب ہے ____

تیسری قسم کا مال،

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے دور میں ایک واقعہ پیش آیا کہ آپ نے سابق حکومت کے غصب کردہ مال کو مالکان کی درخواست پر انہیں واپس کر دیا اور اس میں سے ایک سال کی زکوٰۃ بھی وصول کر لی ____

البلاغ میں اس واقعہ کو بھی بینک اکاؤنٹس کے مال ظاہر ہونے کی دلیل بنایا گیا ہے حالانکہ اس میں صرف سرکاری وصولی کا ذکر ہے۔ مال ظاہر ہونے کا کوئی اشارہ تک اس میں موجود نہیں لہٰذا یہ زیر موضوع سے غیر متعلق ہے۔ پھر بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ وصولی جبری نہ تھی بلکہ مالکان کی رضامندی کے ساتھ تھی۔ کیونکہ خیر القرون میں مسلم معاشرہ کے اندر شعائر اسلام اور فرائض کی پابندی کامل طوع و رغبت کے ساتھ کی جاتی تھی۔ غیر غائب اور غیر مغصوب تھا۔ ان مالکان کو لاکھوں روپے کی خطیر رقم برسوں کے بعد واپس مل رہی ہو۔ انہیں مقدار زکوٰۃ کی معمولی رقم ادا کرنے میں کیا ناگواری ہو سکتی ہے جبکہ عدم ادائیگی کی صورت میں وہ خود بھی زکوٰۃ ادا کرتے ____

مری ہوئی اتنی بڑی رقم کی وصولی کے لئے لوگ اس کا چوتھائی تہائی حصہ بلکہ نصف تک بطور رشوت دینے کے لئے بخوشی تیار ہو جاتے ہیں۔ چہ جائیکہ ڈھائی فیصد زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوئی ناخوشی محسوس کریں۔ جو عذاب سے خلاصی اور خداوند قدوس کی رضامندی کا باعث ہے۔ اور رشوت موجب عذاب ____

امام مالکؒ سے دریافت کیا گیا کہ جانوروں کی زکوٰۃ از خود غرباء کو دی جا سکتی ہے۔ فرمایا نہیں۔ جب امام عادل کو دی جا سکے جیسے وہ عمر بن عبد العزیزؒ جیسا ہو (مدونہ) گویا کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی امانت میں دیانت و امانت ضرب المثل تھی۔ ان حقائق پر غور کرنے کے بعد اس امر میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ زیر بحث واقعہ میں مالکان کا زکوٰۃ ادا کرنا کسی جبر و اکراہ کے تحت نہ تھا بلکہ طوع و رغبت سے تھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی خدمت میں ایک عامل نے لکھا کہ فلاں شخص نے اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دی۔ تو آپ نے جواب لکھا (دعہ) اسے اپنے دین پر چھوڑ دو۔ تو معلوم ہوا کہ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ علی الجبر کے قائل نہ تھے۔ جبکہ معلوم ہو کہ مالک خود ادا کر دے گا۔ تو سونے چاندی کی زکوٰۃ بلا رضامندی جبراً لینے کا اثبات البلاغ میں ذکر کردہ اس واقعہ سے زیر بحث مسئلہ پر استدلال صحیح نہیں ____ دوسرے یہ ایک جزوی واقعہ ہے اور بقول البلاغ جزوی واقعات کو کلی احکام کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا یہ واقعہ

عہ۔ یہ مال مغصوب بیس ہزار درہم تھے (مصنف عبد الرزاق) جن کی مالیت تقریباً کم از کم ڈھائی لاکھ بنتی ہے ____

امام طحاویؒ کی عبارت سے استدلال درست نہیں،

البلاغ ملتان بابت رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ میں امام طحاوی کی ایک عبارت سے بھی استدلال کیا گیا ہے کہ مصدق یعنی حکام کو اموال باطنہ کی وصولی زکوٰۃ کے کلی اختیارات ہیں۔ حالانکہ سیاق وسباق ودیگر قرائن کی روشنی میں یہ استدلال قطعاً درست نہیں۔

امام طحاوی اس پورے باب میں جو احادیث لائے ہیں ان سے بالکل اشتباہ کے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ یہ حق وصولی عام نہیں بلکہ یہ حق ان سونے چاندی اور اموال تجارت کے بارے میں ہے جن کو لے کر تاجر عاشر کے پاس سے گزرے۔ اس باب میں امام طحاوی کی ذکر کردہ روایات یہی ہیں جو سب عاشر کے بارے میں ہیں:۔

مثلاً (لیس علی المسلمین عشور انما العشور علی اہل الذمۃ) لا یدخل الجنۃ صاحب مکس یعنی عاشراً ۔ فاعشر المسلمین فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما العشور علی الیہود والنصاری ۔ ان عمر بن عبدالعزیز کتب الی زریق بن حیان ان خذ من المسلمین من کل اربعین دینارا دینارا ومن اہل الکتاب من کل عشرین دینارا دینارا اذا کانوا یدیرونہا ثم لا تأخذ منہم شیئا حتی رأس الحول فانی سمعت ذلک ممن سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ذلک ۔ ان عمر رضی اللہ عنہ قال انس بن سیرین بعثنی بن مالک کتب لی عمر قال تکتب خذ من المسلمین من کل اربعین درہما درہما ومن اہل الذمۃ من کل عشرین درہما درہما وممن لا ذمۃ لہ من کل عشرۃ دراہم درہما اھ وغیر ذلک من الروایات۔

یہی روایات کتاب الاموال لابی عبید میں باب العاشر کے تحت مندرج ہیں۔ جو فقہاء ومحدثین میں سے جس نے بھی عاشر کے مسائل بیان کئے ہیں انہی روایات سے استدلال کیا ہے۔ آخر الذکر دو آثار یعنی عمر بن عبدالعزیزؒ اور عمر رضی اللہ عنہما کو تو مسائل عاشر میں مرکزی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (بدائع ص ۳۵ ج ۲) (احکام القرآن ص ۱۵۹ ج ۳) (موطا امام مالکؒ، باب زکوٰۃ العروض) (موطا امام محمدؒ) (شرح نقایہ) (کتاب الآثار لمحمدؒ) (شرح مختصر الکرخیؒ) (مبسوط سرخسیؒ) (البحر الرائق ص ۲۴۸ ج ۲) ان مذکورہ احادیث سے بلا بر عاشر مقرر کرنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ امام طحاویؒ نے ان احادیث

کا صحیح محل بیان کرتے ہوئے اپنے دعویٰ کے لئے آخری دو حدیثوں سے استدلال کیا ہے جن کا قدر مشترک یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خود دروازوں یا راستوں پر) عاشر مقرر کئے اور انہیں لکھا کہ جو مسلمان ذمی یا حربی تاجر تمہارے پاس سے گزرے اس سے زکوٰۃ و ٹیکس وصول کرو۔ باب العاشر میں دیگر فقہاء و محدثین نے بھی یہی طرز عمل اختیار کیا ہے۔ مثلاً قولہ فعل الجنود صاحب منتقی کی توجیہ کرتے ہیں اور حدیث عمرؓ سے تقرر عاشر کے جواز پر استدلال کرتے ہیں۔ جس کا جی چاہے کتابیں کھول کر دیکھ لے۔ امام طحاویؒ دلیل نقلی پیش کرنے کے بعد حسب عادت اپنے دعویٰ کو قیاس و نظر سے مبرہن فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سائمہ اور ثمار کی وصولیٔ زکوٰۃ میں کوئی اختلاف نہیں۔ اسی طرح ایسے سونے اور چاندی اور اموال تجارت کی بھی زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ جو بیرون شہر ہونے میں سائمہ کے مشابہ ہوں ——

جس دعویٰ کے لئے آثار عمر بن رضی اللہ عنہما سے استدلال کیا ہے قیاس و نظر سے بھی اسی دعویٰ کی تائید کی جائے گی۔ یہ تو ممکن نہیں کہ احادیث الباب سے تو عاشر علی العاشر کی وصولیٔ زکوٰۃ کا جواز ثابت کریں اور نظر سے گھروں اور دکانوں میں رکھے ہوئے اموال کی زکوٰۃ کا مسئلہ چھیڑ دیں۔ اسی طرح وجہ لطریق النظر کی تعبیر سے بھی یہی ظاہر ہے کہ جو مسئلہ احادیث سے ثابت کر چکے ہیں۔ اس کی دلیل نظری بیان کرنا چاہتے ہیں اور وہ مسئلہ عاشر علی العاشر سے وصولیٔ زکوٰۃ کا مسئلہ ہے نہ کہ تمام اموال تجارت کا ——

امام طحاویؒ کی طرح دیگر حضرات فقہاء کرام نے بھی عشر لے جانے گئے اموال تجارت کو سائمہ پر قیاس کرتے ہوئے انہیں مال ظاہر قرار دیا ہے اور تصریح کی ہے کہ وجہ شبہ اور علت جامعہ ان دونوں کا شہر سے باہر پایا جانا ہے۔ چنانچہ امام ابوبکر کاسانیؒ فرماتے ہیں ——

وكذا المال الباطن اذا مر به التاجر على العاشر كان له ان يأخذ في الجملة لانه لما سافر به واخرجه من العمران صار ظاهرا والتحق بالسوائم (ص‎‎۳۵ / ۱۵)

امام سرخسیؒ فرماتے ہیں ——

ثم المسلم حين اخرج مال التجارة الى المفازة فقد احتاج الى حماية الامام فيثبت له حق اخذ الزكوٰة منه كما في السوائم ——

ان عبارات سے ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کے بارے میں مویشیوں پر جس مال تجارت کو قیاس کیا گیا ہے وہ ایسا مال تجارت ہے جسے تاجر لے کر عاشر کے پاس سے گزرے۔ ہر مال تجارت نہیں اور وجہ قیاس اور علت الحاق شہر سے باہر نکالا ہوا مال کا امام کے زیر حمایت آجانا ہے اور اموال ظاہرہ کی وصولیٔ زکوٰۃ کا حق امام کو حاصل ہے امام طحاویؒ بھی یہی مسئلہ بیان فرما رہے ہیں۔ الغرض دلالت سیاق و سباق و دیگر قرائن کی بناء پر پورے

وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ امام طحاویؒ کی اس عبارت سے مراد ماخذ علی العاشر ہے۔ شہری اموالِ تجارت اور سوائم مراد نہیں ——

احادیث الباب کی اس قطعی دلالت کے علاوہ زیر بحث عبارت کو مطلق سمجھنے میں ایک محذور یہ بھی ہے کہ حضرات ائمہ وفقہاء کی تصریحات کی مخالفت لازم آئے گی کیونکہ شہری اموال کی وصولی زکوٰۃ کے لئے عامل مقرر کرنے کا کوئی امام قائل نہیں۔ حتیٰ کہ عہد رسالت و خلافت شیخین میں بھی اس غرض کے لئے مصلین کا تقرر عمل میں نہیں لایا گیا۔ امام ابوبکر جصاص رازی امام السرخسی کے حوالے سے پہلے یہ بات ہم نقل کر چکے ہیں۔ امام طحاویؒ ان حقائق سے بے خبر کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور خلاف اجماع بات کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ اور پھر اسے امام ابو حنیفہؒ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا مذہب بھی قرار دے رہے ہیں۔ فیا سبحان اللہ —— ان ائمہ ثلاثہ کا مذہب روز روشن کی طرح واضح ہے۔ جسے تمام فقہاء نے نقل کیا ہے کہ اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ امیر وقت جبراً وصول نہیں کر سکتا۔ اگر بالفرض امام طحاویؒ کی رائے اس کے خلاف ہوتی تو وہ اسے مذہب ائمہ ثلاثہ قرار دینے کے بجائے اپنی اختلافی رائے کی حیثیت سے پیش کرتے جیسا کہ بعض دوسرے مقامات پر امام طحاویؒ ایسا طرز عمل اختیار کرتے ہیں؟ جبکہ کسی اور فقیہ نے بھی اس مسئلہ میں امام طحاوی کا اپنے ائمہ ثلاثہ سے اختلاف ذکر نہیں کیا! تعجب ہے کہ اگر ان حضرات ائمہ ثلاثہ کا مذہب وہی ہوتا جس کی نشاندہی بقول ابلاغ امام طحاویؒ کر رہے ہیں تو کتب فقہ میں بالاتفاق جو نقل ہوتا چلا آ رہا ہے وہ کس کا مذہب ہے ——؟

تو خلاصہ گزارش ہے کہ مندرجہ بالا سب محذورات زیر بحث عبارت کو مطلق سمجھ لینے سے لازم آتے ہیں لیکن جب اس اطلاق کو سیاق و سباق و دیگر قرائن کی روشنی میں ماخذ علی العاشر کے ساتھ مقید کر دیا جائے۔ جیسا کہ واقعی ایسا ہی ہے۔ تو اس سے مخالفتِ اجماع لازم آتی ہے نہ اپنے ائمہ ثلاثہ کے مذہب کا حوالہ غلط قرار پاتا ہے۔ نہ ہی کوئی دوسرا محذور لازم آتا ہے۔ پس صحیح و سلامتی کے راستے کو چھوڑ کر اپنی رائے اور سمجھ کو امام طحاویؒ کے ذمہ لگانا انصاف سے بعید ہے۔ سوچنے کی ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر امام طحاویؒ کی عبارت کو شہری اموال کے بارے میں بھی عام رکھا جاتا ہے تو اس کے لئے امام طحاویؒ کا مستدل کیا ہوگا اور وہ کہاں ہے جبکہ احادیث الباب تو سب کی سب ماخذ علی العاشر کے بارے میں تقریباً صریح ہیں ——

خود امام طحاویؒ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ باب عاشر اور ان کی یہ ساری بحث ان اموال کے متعلق ہے۔ جو عاشر کے پاس سے لے کر گزریں۔ حدیث ا ——

لیس علی المسلمین عشور انما العشور علی الیهود والنصاریٰ: کی تعبیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:- ان المسلمین لا یجب علیهم عشر وهم علی العاشر فی اموالهم مالم یکن ولجبا

عليهم ولو لم يمروا بها عليهم لأن عليهم الزكوة على أي حال كانوا عليها واليهود والنصارى لو لم يمروا بأموالهم على العاشر لم يجب عليهم فيها شيء. فالذي رفع من المسلمين هو الذي يوجب المرور بالمال على العاشر ولم يرفع ذلك عن اليهود والنصارى:ـــــ

امام طحاوی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے ایک ہی عبارت میں چار دفعہ عاشر کے پاس سے مال لے کر گزرنے کی تصریح فرما رہے ہیں۔ تنبیہ: واضح تصریحات ـــ کی موجودگی میں امام طحاوی کی پہلی عبارت کو مطلق سمجھ لینا باعث حیرانی ہے۔ مرور علی العاشر کی تصریح کے باوجود دعویٰ یہ کیا جا رہا ہے کہ خروج من المصر کی کوئی قید ذکر نہیں کی گئی۔ تعجب پر تعجب ہے کہ عبارت طحاوی کو اس صریح قید سے مقید کرنے پر تو راضی نہیں لیکن ایک خیالی قید جو اپنی سمجھ میں آئی ہے (یعنی حضرت [illegible]) اس کے ساتھ طحاوی کی عبارت کو مقید فرما رہے ہیں۔ حالانکہ امام طحاوی نے اس باب بلکہ پوری کتاب الزکاۃ میں صراحۃً تو کجا اشارۃً بھی اس خیالی قید کا ذکر نہیں کیا۔ یہ طریقہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ سیاق و سباق میں مذکورہ صریح قید سے تو قطع نظر کیا جائے اور خارج سے ایک قید برآمد کر لی جائے جس کا امام طحاوی رحمہ اللہ کی پوری کتاب میں کوئی نشان نہیں ملتا اس قید کا وجود خارجی بھی اس وقت تک محل بحث بنا ہوا ہے ـــــ

عہدِ رسالت اور خلافتِ راشدہ میں
زکوٰۃ کی صحیح ادائیگی بھی معتبر تھی،

ایک قول کے مطابق زکوٰۃ کی فرضیت مکی ہے کیونکہ سورۃ مزمل کی آخری آیت میں وآتوا الزکوٰۃ کا حکم موجود ہے لیکن جمہور علماء قائل ہیں کہ زکوٰۃ سنہ ۲ھ میں صدقۂ فطر کے بعد فرض ہوئی (کما حققہ الحافظ فی الفتح) ابتدائے اسلام میں لوگ اپنے مال کی زکوٰۃ لاکر خدمت نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں پیش کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک سے ان کے لئے بے ساختہ دعائیں نکلتی تھیں۔ چنانچہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خدمت نبوی میں زکوٰۃ پیش کرنے کو اپنے لئے صلوات الرسول اور قرب خداوندی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ قرآن کریم میں ہے: ویتخذ ما ینفق قربات عند اللہ وصلوات الرسول الا انھا قربۃ لھم (الآیۃ) (توبہ آیت ۹۹)

ترجمہ: اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہونے اور پیغمبر کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ خبردار بے شک وہ ان کے لئے نزدیکی کا سبب ہے۔

اسی طرح علانیہ زکوٰۃ ادا کرنے میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ کوئی عمل اگر اجتماعی شکل میں معاشرے کے اندر رواج پا جائے تو اس کا ترک کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے نماز باجماعت کے مصالح میں سے ایک بڑی مصلحت یہی تحریر فرمائی ہے۔ علاوہ ازیں ہجرت کرکے آنے والے نادار اور دیگر فقراء صحابہؓ کا ایک مجمع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیام پذیر رہتا تھا۔ یہ لوگ مصارف زکوٰۃ تھے۔ یہ اور اسی نوعیت کی دیگر مصالح کے پیش نظر حضرات صحابہ کرام اپنے صدقات خدمت اقدس میں لاکر پیش کرتے تھے اور یہ سارا نظام زکوٰۃ طوع و رغبت پر مبنی تھا کسی پر کوئی جبر نہ تھا۔ صرف صدقات واجبہ ہی نہیں بلکہ نفلی صدقات میں بھی ان حضرات کی یہی خواہش ہوتی تھی کہ وہ بھی خدمت نبوی میں پیش کئے جائیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے جہاں مناسب ہو خرچ فرمائیں۔ لن تنالوا البر آیت شریفہ نازل ہوئی تو حضرت طلحہؓ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا!

یا رسول اللہ! ان اللہ تعالیٰ یقول لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما
تحبون وان احب مالی الی بیرحاء وانھا صدقۃ للہ تعالیٰ
ارجو برھا وذخرھا عند اللہ تعالیٰ فضعھا یا رسول اللہ حیث
اراک اللہ الحدیث (مشکوٰۃ ص ۱۷۱ ج ۱)

ترجمہ: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما
تحبون اور مجھے اپنے مال میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ بیرحاء ہے اور وہ اللہ
کے لئے صدقہ ہے مجھے امید ہے کہ وہ میرے لئے اللہ کے ہاں ذخیرہ بنے گا پس آپ اللہ تعالیٰ
کی منشاء کے مطابق اسے جہاں چاہیں خرچ فرمائیں۔

اور غزوۂ تبوک سے تخلف کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبول توبہ کی خوشخبری ملنے کے
بعد حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے اپنا مال صدقہ کر دیا تھا اور اس کی اطلاع خدمت نبوی میں عرض
ہو گیا: "ان من توبتی ان انخلع من مالی صدقۃ الی اللہ ورسولہ فقال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امسک علیک بعض مالک فھو خیر لک (مسلم شریف)

اور حسب ضرورت اپنے طور پر بھی حضرات صحابہؓ زکوٰۃ ادا فرماتے تھے۔ فرضیت زکوٰۃ کے
ابتدائی سالوں میں دونوں طرح سے زکوٰۃ وصدقات کی ادائیگی ہوتی رہی یعنی نجی طور پر بھی زکوٰۃ ادا کی
جاتی تھی اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بھی پیش کی جاتی تھی کئی سالوں کے
بعد ۹ھ میں جب آیہ کریمہ خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم الآیۃ نازل ہوئی تو
اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سوائم اور پھلوں کی زکوٰۃ کی وصولی کے لئے سرکاری
سطح پر انتظامات کئے گئے تحصیلین کا تقرر ہوا اور انہیں وصولی زکوٰۃ کے لئے بیرون شہر جنگلوں
اور کھیتوں میں بھیجا گیا لیکن اموال باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے اندرون شہر کسی محصل کا بھیجا
ثابت نہیں۔ امام جصاص رازی فرماتے ہیں:

"ولم یبلغنا انہ بعث سعاۃ علی زکوٰۃ الاموال کما بعثھم علی
صدقات المواشی والثمار ... الخ" (احکام القرآن ص [illegible] ج ۳)

خلافت راشدہ میں بھی اسی پر عمل جاری رہا تا آنکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اعلان
کر کے اپنے اموال باطنہ کی زکوٰۃ خود ادا کرنے کا اعلان فرمایا۔ مالی زکوٰۃ چونکہ محض فقراء ومساکین

وغیرہ کا حق ہے اور سرکاری سطح پر وصولی فریضہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے نہ بہ حیثیت رکن تھی نہ بحیثیت شرط اس لئے حضرات صحابہ کرام نے حضرت عثمانؓ کے اس اعلان کو بلا تردد قبول کیا چنانچہ حضرات ائمہ و فقہاء نے لکھا ہے کہ اعلانِ عثمان سے امام کا وصولیٔ زکوٰۃ کا عرفی حق جیسا کچھ تھا ختم ہو گیا۔ اب عام حالات میں سرکاری سطح پر اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنا امام کے لئے جائز نہیں کیونکہ یہ اسقاطِ حق خلیفہ راشد کا فیصلہ ہے جس کی اتباع امت پر لازم ہے۔ امام ابوبکر جصاصؒ لکھتے ہیں:

ثم خطب عثمان فقال هذا شهر زكاتكم فمن كان عليه دين فليؤده ثم ليزك بقية ماله فجعل لهم اداءها الى المساكين وسقط من اجل ذلك حق الامام في اخذها لانه عقد عقده امام من ائمة العدل فهو نافذ على الامة لقوله عليه السلام ويعقد عليهم ادناهم۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ...)

واضح رہے اس حق سے مراد ایسا عرفی (استحقاق) ہے جو عہدِ نبوت سے لیکر خلافتِ عثمان کے وسط تک کے مسلسل تعامل سے ظاہر ہو رہا تھا کیونکہ اس عرصہ میں معطیین اپنی زکوٰۃ و صدقاتِ واجبہ و نذور عموماً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے پاس جمع کراتے تھے۔ اگرچہ بعض حضرات اپنے طور پر بھی غرباء و مساکین کو ادا کرتے تھے۔ کما سبق۔

حق ساقط ہو گیا:

صرف امام جصاصؒ ہی نے نہیں بلکہ تمام فقہاء نے متفقہ طور پر یہی تحریر فرمایا ہے کہ خلافتِ عثمانی کے بعد امام کو اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار نہیں رہا ہے۔ علامہ ابن نجیمؒ متعدد کتب کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں:

ليس للسلطان ولاية اخذ زكوة اموال الباطنة فلم يصح اخذه كذا في الواقعات والتجنيس والولوالجية (البحر الرائق ج ۲)

ترجمہ: بادشاہ کو اموالِ باطنہ سے وصولیٔ زکوٰۃ کا اختیار نہیں پس اس کا وصول کرنا صحیح نہیں۔

مولانا ظفر احمد عثمانی نے لکھا ہے:

إن السلطان له ولاية الجبر في الاموال الظاهرة لا في الاموال الباطنة۔ (اعلاء السنن ج ۹)

ترجمہ:۔ بادشاہ کو جبراً وصول کا حق اموال ظاہرہ میں ہے اموال باطنہ میں نہیں

زکوٰۃ ادا نہ ہوگی: بلکہ حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے یہاں تک تصریح فرمائی ہے کہ عام حالات میں اگر اموال باطنہ کی زکوٰۃ جبری طور پر وصول کر لیگا۔ تو اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ امام ابوبکر کاسانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ولهذا قلنا انه ليس للامام ان يأخذ الزكاة من صاحب المال من غير اذنه جبراً ولو اخذ لا تسقط عنه الزكاة۔

(بدائع ج ۲ ص ۳۶ وهكذا في البحر ص ۲۲۸ ج ۲)

ترجمہ:۔ امام کو یہ حق نہیں کہ صاحب مال سے جبراً اسکی اجازت کے بغیر زکوٰۃ وصول کرے اور اگر وہ ایسے وصول کریگا تو اس کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

آگے چل کر ایک دوسرے مسئلہ کے ضمن میں امام موصوف لکھتے ہیں:

بخلاف الزكاة فان الامام لا يملك الاخذ جبراً وان اخذ لا تسقط الزكاة عن صاحب المال۔ (بدائع ص ۳۵ ج ۲)

ترجمہ: زکوٰۃ کا مسئلہ ایسا نہیں۔ کیونکہ امام جبراً وصول کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اور اگر زبردستی وصول کریگا تو مالدار کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

خود ارباب مال کی ذمہ داری ہے: شہر میں ہوتے ہوئے اموال باطنہ کی زکوٰۃ ادا کرنا خود ارباب مال کی ذمہ داری ہے۔ امام کو ان میں وصولی زکوٰۃ کا حق نہیں۔۔۔ ہاں جب یہ اموال شہر سے باہر لائے جائیں۔ اس وقت وصولی زکوٰۃ کے اختیارات امام کیطرف منتقل ہوجائیں گے کیونکہ اب یہ اموال ظاہرہ میں شامل ہوجائیں گے۔

علامہ محقق ابن ہمام رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

اعنی ولاية الاداء بنفسه انما كان في الاموال الباطنة حال كونها

ترجمہ: بذات خود زکوٰۃ ادا کرنے کا اختیار اموال باطنہ میں صرف شہر میں موجود ہونے کی حالت میں ہے۔

فی المصر و بعد خروجه انتقلت الولایة الی الامام (فتح القدیر ج۲)

ترجمہ: اور شہر سے نکلنے کے ساتھ ہی یہ اختیار امام کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

(۲) امام قاضی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح جامع صغیر میں تصریح فرماتے ہیں:

انما تثبت ولایة المطالبة للامام بعد الاخراج الی المفازة اھ

(بحوالہ شامی ج۲ ص۳)

ترجمہ: (اموال باطنہ میں) امام کو مطالبہ زکوٰۃ کے اختیارات تجارتی اموال کو صرف بیرون شہر لیجانے ہی کی صورت میں حاصل ہوتے ہیں۔ اس کے بغیر نہیں (کیونکہ ایسی صورت میں یہ "اموال باطنہ" نہیں رہتے بلکہ اموال ظاہرہ بن جاتے ہیں)

اجماع صحابہؓ: اموال باطنہ کی زکوٰۃ جبراً وصول کرنے کا حق امام کو نہ ہونے پر صحابہؓ کا اجماع ہو چکا ہے۔ امام کے وصول کرنے کو اجماع صحابہؓ کے خلاف قرار دیتے ہوئے امام کاسانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اذا اراد الامام ان یاخذ بنفسه من غیر تهمة ان ترک من اربابه لیس له ذالک لما فیه من مخالفة اجماع الصحابة رضی الله عنهم۔ (بدائع ص ج۲)

ترجمہ: جب امام کا ارادہ ہو کہ وہ مالداروں سے زکوٰۃ خود وصول کرے جبکہ ان پر ترک ادا زکوٰۃ کا الزام نہیں تو اسے ایسا کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ اس میں اجماع صحابہؓ کی مخالفت ہے۔

ازالہ شبہ: امام کاسانیؒ کے دعویٰ اجماع کے بارے میں اگر کسی کو بعض صحابہؓ کے اختلاف کا شبہ ہو تو وہ شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کے کلام سے زائل کیا جا سکتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

معنیٔ اجماع ایں نیست کہ ہمہ مجتہدین لا یشذ فرد در عصر واحد بر مسئلہ اتفاق کنند بلکہ معنیٔ اجماع حکم خلیفہ است بچیزے بعد مشاورۃ ذوی الرأی یا بغیر آں و نفاذ آں حکم تا آنکہ شائع شد و در عالم متمکن گشت۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بسنتی و

سنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی الحدیث (ازالۃ الخفاء ص):

ان تصریحات سے یہ مسئلہ بالکل صاف ہو جاتا ہے کہ خلافت عثمانی کے بعد سے امام کا وصولی زکوٰۃ کا حق ساقط ہو چکا ہے۔ عام حالات میں "اموال باطنہ" کی زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار اسے حاصل نہیں رہا۔ مگر اس کے باوجود بھی بعض حضرات کو شبہ ہو گیا ہے کہ امام کا یہ وصولی زکوٰۃ کا حق ساقط نہیں ہوا۔ اور ایسا نہیں کہ وہ اب زکوٰۃ وصول کرنا چاہے تو وصول نہیں کر سکتا۔ گویا کہ امام عملاً بھی وصولی زکوٰۃ جب چاہے شروع کر سکتا ہے۔

حضرات ائمہ کرام اور فقہاء کے علاوہ حضرت امام ابوبکر جصاص رازیؒ، امام ابوبکر کاسانیؒ، علامہ محقق ابن ہمامؒ، امام الفقہاء قاضی خانؒ، علامہ ابن نجیمؒ وغیرہ سالمین امت کی سابقہ عبارات کی روشنی میں اس شبہ کا بے دلیل اور غلط ہونا ظاہر ہے۔ ان حضرات نے تصریح فرما دی ہے کہ امام کا یہ حق ساقط ہو چکا ہے۔ امام کا اب اموال باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنا اجماع صحابہؓ کے خلاف ہے۔ عام حالات میں امام کو یہ اختیارات نہیں ہیں۔ اور وصول کرنے کی صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہو گی۔ واضح رہے کہ اس وقت بحث صرف اس میں ہے کہ بغیر تہمت ترک

تہمت ترک: عام حالات میں امام کو "اموال باطنہ" کی زکوٰۃ جبراً وصول کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں حضرات ائمہ و فقہاء کی تصریحات ابھی نقل کی جا چکی ہیں کہ "اموال باطنہ" کی زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار نہیں۔ بصورت وصول مالکان کی زکوٰۃ ادا نہ ہو گی۔ وغیر ذالک۔ اور بعض فقہاء کی عبارات سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام کا حق بالکلیہ ساقط نہیں ہوا۔ اس کا ثمرہ صرف یہ ہے کہ تہمت ترک کی صورت میں امام ادائے زکوٰۃ کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ معلوم ہوا امام کا یہ حق عام حالات میں ساقط ہو چکا ہے۔ اور تہمت ترک کی صورت میں یہ حق عود کر آتا ہے۔ پس بالکلیہ ساقط نہ ہونے کا یہی معنی ہے۔ الغرض سقوط حق عام حالات میں ہے اور اس کا عود کر آنا ایک خاص حالت میں ہے۔ پس ان باتوں میں کوئی منافات نہیں ہے اور نہ ہی ان عبارتوں کو لے کر حکومت کے لئے عمومی حق ثابت کرنا درست ہے۔ چنانچہ امام ابوبکر کاسانیؒ نے ایک ہی مقام پر دونوں باتوں کی صراحت کر دی ہے۔ تہمت ترک کی صورت میں مطالبہ زکوٰۃ کا حق بھی امام کے لئے تسلیم کیا ہے اور بدون اس کے وصولی زکوٰۃ کو اجماع صحابہؓ کے خلاف بھی قرار دیا ہے۔ بدائع میں ہے:

ان الامام اذا علم من اهل بلدة انهم يتركون اداء الزكاة من الاموال الباطنة فانه يطالبهم بها لكن اذا اراد الامام ان يأخذ بنفسه من غير تهمة الترك من اربابها ليس له ذالك لما فيه من مخالفة اجماع الصحابة رضي الله عنهم (بدائع ج ۲)

ترجمہ: کسی شہر والوں کے متعلق جب امام کو معلوم ہو جائے کہ انہوں نے اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ کی ادائیگی ترک کر دی ہے تو وہ ان سے اس کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ لیکن جب امام کا ارادہ ہو کہ وہ مال والوں سے زکوٰۃ خود وصول کرے۔ جبکہ ان پر ترکِ ادائے زکوٰۃ کا الزام نہیں تو اس کو ایسا کرنے کا حق نہیں کیونکہ یہ اجماعِ صحابہؓ کے خلاف ہے۔

قابلِ غور: لوگوں کے فریضۂ زکوٰۃ ترک کر دینے کی صورت میں امام کو مطالبۂ زکوٰۃ کا جو حق ملتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ امر قابلِ غور ہے کہ کیا یہ وہی حق ہے جو ساقط ہو گیا تھا۔ یا یہ دوسری نوعیت کا ایک عمری حق ہے جو فرض نفس و شعائر اسلام کی توہین یا انہیں ترک کر دینے کی صورت میں امام کو حاصل ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے ترکِ زکوٰۃ کی صورت میں یہ حق امام دوسری نوعیت کا ہے، کیونکہ اگر کوئی شخص بے نماز ہے تو حکومت کو اس کی گرفتاری اور حبسِ دوام کی سزا دینے کا حق حاصل ہے۔ الا یہ کہ وہ توبہ کر لے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص رمضان المبارک میں بلا عذر علانیہ کھاتا پیتا ہے تو حکومت کو اسے سخت ترین سزا دینے کے اختیارات ہیں۔ بلکہ امام محمدؒ نے تو یہاں تک تصریح فرمائی ہے کہ اگر امام کو معلوم ہو جائے کہ فلاں شہر کے لوگوں نے اذان کی سنت ترک کر دی ہے تو تائب نہ ہونے کی صورت میں ان لوگوں کے ساتھ قتال واجب ہے۔ گویا کہ نماز، روزہ، اذان کی بحالی اور ان شعائرِ اسلام کو قائم کرنے کے لئے جبر و قتال تک کی اجازت ہے۔ جبکہ واجب ہے تو ترکِ فریضۂ زکوٰۃ کی صورت میں بھی اس فریضہ کو بحال کرنے کے اختیارات ویسے ہی ہیں جیسے کہ مذکورہ بالا فرائض کی اقامت کے سلسلہ میں امام کو حاصل ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاص حالات میں امام کے یہ اختیارات امر بالمعروف کے قبیل سے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تارکِ زکوٰۃ کی زکوٰۃ امام خود وصول نہیں کرے گا۔ بلکہ بذریعہ قید وغیرہ اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنی زکوٰۃ خود ادا کرے۔ اس صورت کے بارے میں علامہ ابن نجیمؒ تحریر فرماتے ہیں:

وأشار إلى أنه لو امتنع من أدائها فالساعي لا يأخذ منه

كرهاً ولو أخذ لا يقع عن الزكاة لكونها بلا اختيار ولكن

يجبره بالحبس ليؤدي بنفسه لأن الإكراه لا يسلب الاختيار

بل الطواعية فيتحقق الأداء عن اختيار كذا في المحيط (بحر ج ۲)

مطالبۂ امام: ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ تہمت ترک کی صورت میں امام لوگوں سے اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ کا بھی مطالبہ کر سکتا ہے۔ اس کا مطلب سمجھنے میں بھی تسامح ہوا ہے۔

واضح رہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ صورتِ بالا میں امام کو جبری کٹوتی یا لوگوں کے اموال پر بنامِ زکوٰۃ زبردستی قبضہ کر لینے کے اختیارات حاصل ہو جاتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام عذابِ اخروی اور دنیوی سزا یاد دلا کر اولاً فہمائش کرے گا۔

ابن عبدالبر فرماتے ہیں:

وأن الواجب أن يعظ الإمام من منع الزكاة ويؤدبه اھ۔

اگر فہمائش کے باوجود شخص یا لوگ زکوٰۃ ادا نہ کریں تو تعزیراً اسے سزا دے اور جیل بھیج دے تاوقتیکہ وہ اپنی زکوٰۃ ادا کر دے۔ بحر میں ہے:

وفي التفريق أن وقف على أهل بلدة لا يؤدون زكاة الأموال

الباطنة طالبهم وكذا من عرف بذلك ضرب وطولب بالأداء

وفي الإشارات إذا امتنع من أداء الزكاة يحبس حتى يؤدي[۱]

بحرالرائق میں بھی ایسے ہی ہے کہ ایسے ممتنع کے مال پر بغرضِ زکوٰۃ جبراً قبضہ کر لینا درست نہیں۔ بلکہ اسے قید کر دیا جائے گا تاوقتیکہ وہ خود زکوٰۃ ادا کرے۔ حوالہ بھی گزر چکا ہے۔

ٹیکس اور زکوٰۃ: اور یہ مقصودِ شریعت کے عین مطابق ہے کیونکہ عبادات میں اصل یہ ہے کہ لوگ باختیارِ خود انہیں بجا لائیں۔ مخلوق کو صراطِ مستقیم پر چلانا مطلوب ہے۔ جمعِ مال مقصود نہیں۔ ٹیکسوں اور زکوٰۃ میں یہ ایک بنیادی فرق ہے۔ ٹیکس میں مقصود صرف حصولِ مال ہوتا ہے۔ اور زکوٰۃ میں فعلِ مکلف کا پایا جانا ضروری ہے۔ وصولِ مال ثانوی درجے میں ہے۔ بعض اُمراء جو امیہ نے توسلوں سے

جزیہ کی وصولی کو بحال رکھا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے عامل کو لکھا :

اما بعد فان اللہ تعالیٰ قد بعث محمداً صلی اللہ علیہ وسلم داعیاً ولم یبعثہ جابیاً۔ فاذا اتاک کتابی ھذا فارفع الجزیۃ عمن اسلم من اھل الذمۃ۔ (اوجز صفحہ ۲۶۹ ج ۲)

اور لوگوں کو فرض زکوٰۃ کی ادائیگی کا عادی بنانا جبری کٹوتی کے اعلان سے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ادائیگی زکوٰۃ میں مالکان کا فعل پایا جانا ضروری ہے۔ گو اس فعل میں قدرے جبر ہو۔ جبر محض اہل سنت کا مذہب نہیں بلکہ وہ جبر و اختیار کے مابین کے قائل ہیں۔
کسی مال مسلم کے متعلق کلی یا جزوی ضبطی قرقی جبری کٹوتی کے احکام، با عمل انسانی اقدام تو ہو سکتے ہیں، نہ یہ کہ ابتدا اس سے کی جائے۔

بعید توجیہ :

متعدد حوالہ جات سے پہلے یہ گزر چکا کہ "اموال باطنہ" میں امام کا حق ساقط ہو چکا ہے۔ بعض احباب نے اس عبارۃ کی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ اس سقوط حق سے مراد یہ ہے کہ اس اعلان عثمانی سے قبل اپنے طور پر ادا کی جانے والی زکوٰۃ کی ادائیگی شرعاً معتبر نہ تھی۔ اگر کوئی شخص فقیر کو از خود زکوٰۃ دے دیتا تو اس کی زکوٰۃ ادا نہ ہوتی۔ اعلان عثمانی سے مالکان کو یہ حق مل گیا کہ مالک کے خود کسی فقیر کو دینے کی صورت میں بھی اب زکوٰۃ ادا ہو جایا کرے گی۔ اور بس ۔ گویا کہ امام کا "حق وصول زکوٰۃ" اعلان عثمانی سے ساقط ہوا نہ تھا۔

دعویٰ :

توجیہ بالا کے ضمن میں ایک بڑا دعویٰ کیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ عہد رسالت سے لیکر خلافت عثمانی تک زکوٰۃ کی بھی ادائیگی معتبر نہ تھی۔ فقیر کو براہ راست خود لینے سے سونے چاندی کی زکوٰۃ بھی ادا نہ ہوتی تھی۔ دلائل سے قطع نظر یہ بات بڑی عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ "مالی زکوٰۃ جس کی فرضیت کا ایک بنیادی مقصد ہی فقراء و مساکین کی حاجت برآری ہے اور شرعاً اسے غرباء ہی کا حق تصور کیا جاتا ہے۔ اس بارے میں اگر کوئی مالدار اپنے بھوکے پڑوسی، بیوہ اور مسکین، یتیم بچے، لاچار مریض کی کچھ مدد کر دے تو اس کی یہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ تاوقتیکہ یہ سرکاری خزانے میں جمع ہو کر حکومتی کارندوں کے ذریعہ تقسیم نہ ہو۔ شبہ ہی ہو جاتا ہے۔

ناکام استدلال :

البلاغ نے اپنے مندرجہ بالا دعویٰ کی تائید میں امام جصاصؒ کی یہ عبارت پیش کی ہے :

قولہ تعالیٰ: خذ من اموالہم صدقۃ، یدل علی ان اخذ الصدقات الی الامام وانہ متی اداھا من وجبت علیہ الی المساکین لم یجزہ لان حق الامام قائم فی اخذھا فلا سبیل الی اسقاطہ وقد کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوجہ العمال علی صدقات المواشی ویأمرھم بان یأخذوا علی المیاہ فی مواضعھا (الی ان قال) وکذالک صدقۃ الثمار۔

اور لم یجزہ کے لفظ سے استدلال کیا ہے حالانکہ یہ استدلال درست نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ اس تجزیہ میں صرف اموال ظاہرہ کا حکم بیان کیا گیا ہو دیگر دلائل کے علاوہ جیسے کہ " فلا سبیل الی اسقاطہ " کے الفاظ سے بھی ظاہر ہے کیونکہ امام کے حق وصولی کا ناقابل اسقاط ہونا اموال ظاہرہ کے صدقہ کے بارے میں ہی ہو سکتا ہے۔ اموال باطنہ کی وصولی زکوٰۃ کے متعلق تو امام کا حق ناقابل اسقاط نہیں بلکہ خود امام جصاص اس کے متصل اگلی عبارت میں اس کے ساقط ہو جانے کی تصریح فرماتے ہیں کہ اموال باطنہ کی وصولی میں امام کا حق ساقط ہو گیا ہے۔ (پورا حوالہ آگے آ رہا ہے) ——— اور اگر بالفرض فلا سبیل الی اسقاطہ کو دونوں قسم کے اموال کے لئے عام رکھا جائے اور اس میں امام کو بہرحال بنص قرآن ناقابل اسقاط تصور کیا جائے تو سوال پیدا ہوگا کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے ایک اعلان کے ذریعہ اسے جزوی طور پر کیسے ساقط کر دیا۔ اور صحابہ کرامؓ نے اس خلاف قرآن اقدام کو کیسے قبول کر لیا؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ " ناقابل اسقاط حق وصولی " صرف اموال ظاہرہ کے بارے میں ہے۔ اموال باطنہ سے متعلق نہیں۔ پس البلاغ کا استدلال اس عبارت سے صحیح نہیں۔ چنانچہ سیاق وسباق اور دیگر قرائن کی روشنی میں یہ امر متعین ہے کہ امام ابوبکر جصاصؒ اس عبارت سے عموم مراد نہیں لے رہے ہیں بلکہ صرف اموال ظاہرہ کے متعلق لم یجزہ فرما رہے ہیں جیسا کہ " یوجہ العمال علی صدقات المواشی " و " کذالک صدقۃ الثمار " کے الفاظ اس پر صاف دلالت کر رہے ہیں۔ اور اس کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ خود امام موصوف نے دوسرے دو مقامات پر مسئلہ بالا میں " اموال ظاہرہ " کی قید ذکر کی ہے۔ حق امام پر بحث کرتے ہوئے امام موصوف لکھتے ہیں:

ویدل ایضاً علی ان اخذ الصدقات الی الامام وانه لا یجزی ان یعطی رب الماشیة صدقتها الفقراء فان فعل اخذها الامام ثانیاً

(احکام القرآن صـ ۱۲۲ ج ۳)

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

ان من ادی صدقة مواشیه الی الفقراء ان الامام لا یحتسب له بها۔ (احکام القرآن صـ ۴۳ ج ۳)

دیکھئے بالکل وہی الفاظ ہیں کہ وصول صدقات کا حق امام کو ہے۔ لیکن اگلے جزئیہ میں رب الماشیہ کی قید ذکر کر کے اس کا اموال ظاہرہ کے متعلق ہونا بھی واضح فرما دیا ہے۔ اہل اصول کے ہاں یہ مسلم ہے کہ ایک ہی حادثہ میں جب مطلق و مقید وارد ہوں تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے پس اس ضابطے کی رُو سے زیر بحث "جزئیہ" "اموال ظاہرہ" کے بارے میں تصور کیا جائے گا۔ کہ ادائیگی صحیح نہ ہونے کا حکم امام جصاصؒ کے نزدیک مواشیوں کی زکوٰۃ سے متعلق ہے۔ تمام اموال زکوٰۃ کے بارے میں نہیں، اس کا ایک واضح قرینہ یہ ہے کہ زیر بحث عبارت کے متصل بعد آگے اموال باطنہ کی وصولی زکوٰۃ کی تفصیل مستقل طور پر بیان کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

واما زکاة الاموال فقد کانت تحمل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی ابی بکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ ثم خطب عثمان فقال هذا شهر زکوتکم فمن کان علیه دین فلیقضه ثم لیزک بقیته فجعل لهم اداءها الی المساکین وسقط من اجل ذالک حق الامام فی اخذها۔

علاوہ ازیں اموال ظاہرہ اور باطنہ کی زکوٰۃ کے بارے میں امام جصاصؒ نے ایک دوسری طرح سے بھی فرق کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ کے متعلق "صدقات" کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور اموال باطنہ کی "زکوٰۃ" کے لئے لفظ "زکوٰۃ" استعمال کرتے ہیں۔ یہ فرق اصطلاح کی زیر بحث عبارت اور ہماری نقل کردہ اس عبارت سے بھی واضح ہے۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ مالک کی خود ادائیگی معتبر نہ ہونے کا حکم اموال ظاہرہ سے متعلق ہے کیونکہ زیر بحث عبارت میں صدقات کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ نہ کہ زکوٰۃ کا۔ اور ہمارے اس دعویٰ کی ایک زبر

ذیل امام ابوبکر جصاص کی ایک دوسری عبارت ہے جس میں قطعی طور پر فیصلہ کر دیا گیا کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں ابتدائے اسلام سے ہی وصولیٔ امام کی شرط نہیں تھی۔ البتہ یہ شرط اموال ظاہرہ کے صدقہ میں ہے۔ امام موصوف لکھتے ہیں:

ان الله تعالى قال في الزكوٰة ﴿وآتوا الزكوٰة﴾ ولم يشترط فيها اخذ الامام (الى ان قال) فلما خص الزكاة بالامر بالايتاء دون اخذ الامام وامر في الصدقة بان ياخذها الامام وجب ان يكون اداء الزكوٰة موكولا الى اربابها الا ما يمر بهم الى العاشر۔ (احکام القرآن ص [illegible] ج ۳)

امام جصاصؒ نے فیصلہ فرما دیا کہ فرضیتِ زکوٰۃ کے وقت سے ہی اموال باطنہ کی ادائیگی کا حق اختیار مالکان کو بہ نص قرآنی حاصل تھا البتہ مال ظاہر کے صدقہ میں وصولیٔ امام شرط ہے۔ اس عبارت میں لفظ زکوٰۃ اور لفظ صدقہ کے فرق کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ایسی تصریحات کے باوجود ہم یہ نہیں سمجھتے کہ ارباب اصلاح کیلئے ناقص استدلال پر اتنا بڑا دعویٰ کیسے کر بیٹھے اور سیاق و سباق دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی۔ الحاصل امام جصاص رازی کی زیر بحث عبارت سے یہ امر ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عثمانؓ کے اعلان سے قبل اگر کوئی شخص اپنے مال باطن کی زکوٰۃ خود فقیر کو دے دیتا تو اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی تھی۔

امام موصوف نے تصریح کر دی ہے کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں وصولیٔ امام شرط نہ تھی جیسا کہ وآتوا الزکوٰۃ کا صیغہ اس پر دال ہے۔ اس کی مزید تحقیق آگے ملاحظہ فرمائیے:

ادائے زکوٰۃ کے لئے سرکاری وصولی شرط نہیں: امام جصاص کی عبارت سے

قطع نظر دیگر دلائل قرآن پاک، احادیث مبارکہ، اجماع صحابہؓ، اقوال ائمہ تفسیر، تصریحات فقہاء و محدثین سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں بھی اگر کوئی مالک اپنی نقدی کی زکوٰۃ براہ راست فقیر کو دے دیتا تو اس کی یہ ادائیگی زکوٰۃ شرعاً معتبر تھی۔ اس سلسلہ میں مختصراً بطور نمونہ چند دلائل ذکر کئے جاتے ہیں۔ —— قرآن کریم میں ہے:

(۱) وآتوا الزکوٰۃ: زکوٰۃ کے متعلق لفظ "ایتاء" وارد ہوا ہے اور عربی لغت،

میں "ایتاء" کے معنی کسی کو مالک بنا دینے کے ہیں۔ امام ابوبکر کاسانی فرماتے ہیں الایتاء هو التملیک اھ[1] ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:- ان المال الواجب ایتاء المال الزکوٰۃ والایتاء هو التملیک اھ۔ علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں: الایتاء هو التملیک اھ۔

پس فرمان باری تعالیٰ وَآتُوا الزَّكَاةَ میں اغنیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ "مال زکوٰۃ" پر ملک کر دو، یعنی کسی کو[2] مال زکوٰۃ کا مالک بنا دو۔ اور ظاہر ہے کہ زکوٰۃ ساعی یا امام کے حوالے کرنے کی صورت میں توکیل ہوتی ہے، نہ کہ تملیک، اور براہ راست تملیک زکوٰۃ کا مال فقراء و مساکین کو دینے ہی سے متحقق ہوتی ہے اور اغنیاء اسی کے مامور ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ براہ راست، بلا واسطہ امام، فقیر کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، کیونکہ آیت شریفہ کا اولین و حقیقی مفہوم و مطلب براہ راست ادائیگی ہی ہے۔ اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی براہ راست ادائیگی کے صحیح ہونے اور امام کی وصولی کی شرط نہ ہونے کے لئے اسی آیت سے استدلال کیا گیا ہے، چنانچہ امام جصاص نے نقل کیا ہے

انہ قال فی الزکاۃ (وآتوا الزکاۃ) ولم یشترط فیھا اخذ الامام لھا الی ان قال فلما خص الزکاۃ بالامر بالایتاء دون اخذ الامام وامر فی الصدقۃ بان یاخذھا الامام وجب ان یکون اداء الزکاۃ موکولا الی اربابھا الا ما یمر بہ التاجر علی العاشر اھ (ج ۲ صـ۱۵۸)

اس عبارت میں کم از کم "اموال باطنہ" کی زکوٰۃ کی تقسیم کا اصل اختیار خود صاحب مال

---

[1] بدائع ج ۲ صـ۳۹ [2] ہدایہ ج ۲ صـ۲۵ [3]

[2] کسی کو یعنی فقراء کو مالک بنا دو۔ لقولہ تعالیٰ: وتؤتوھا الفقراء فھو خیر لکم ولقولہ تعالیٰ انما الصدقات للفقراء والمساکین۔ آیت وآتوا الزکوٰۃ میں مصرف زکوٰۃ مذکور نہ تھا کہ "مال زکوٰۃ" کا کسے مالک بنا دیا جائے۔ تو دوسری آیات و احادیث میں مصرف زکوٰۃ کی تعیین فرما دی گئی۔ تو اس طرح سے صحت زکوٰۃ کے ارکان اربعہ کا تعین ہو گیا۔ یعنی معطی، فعل ایتاء، مال زکوٰۃ اور مصرف۔ جن میں اشتراط امام کا کوئی تذکرہ نہیں۔ منقول منہ۔

کے ہونے اور امام کی وصولی شرط نہ ہونے پر آیت کی دلالت بیان کی گئی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زمانۂ نزولِ آیت سے ہی مالکان کی جانب سے خود ادائیگی بطریقِ صحیح تصور کی جاتی تھی، بلکہ فرمانِ باری تعالیٰ کے مطابق اصل اختیار ہی مالکان کو دیا گیا تھا۔ اور امام کی وصولی شرط کے درجہ میں نہ تھی۔

آیت ہذا کی اس دلالت کے پیشِ نظر حضرات فقہاء نے زکوٰۃ کی جو تعریف فرمائی ہے اس سے بھی یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ فقیر کو براہِ راست زکوٰۃ دینے سے ادا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ کا معنی ہی یہ ہے کہ اللہ پاک کی خوشنودی کے لئے مال کی ایک خاص مقدار کا فقیر کو مالک بنا دیا جائے۔ چنانچہ:

(الف) کنز الدقائق میں ہے: هی تملیک المال من فقیر ..... لله تعالیٰ اھ

(ب) فتاویٰ ہندیہ میں ہے: فهی تملیک المال من الفقیر ... لله تعالیٰ كذا فی التبیین۔

(ج) مراقی میں ہے: هی تملیک مال مخصوص لشخص معلوم صفات یکون فقیرا اھ

(د) تنویر میں ہے: هی تملیک جزء مال من مسلم فقیر اھ۔

مالِ زکوٰۃ کا فقیر کو براہِ راست مالک بنانا ہی زکوٰۃ کا اولین مصداق ہے۔ اور بواسطہ امام یا ساعی زکوٰۃ کی ادائیگی یہ اس کا ثانوی درجہ ہے۔ خود فقیر کو دینے کی اولیت اور اصلیت اور بواسطہ ساعی ادائیگی کی ثانویت اور نیابت مندرجہ بالا عبارات فقہاء سے ظاہر ہے۔ اور اگر مزید صراحت مطلوب ہو تو امام ابوبکر کاسانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

(ہ) فرکن الزکاة هو اخراج جزء من النصاب الی الله تعالیٰ وتسلیم ذالک الیه بقطع المالک یده عنه بتملیکه من الفقیر وتسلیمه الیه او الی ید من هو نائب عنه وهو المصدق اھ (بدائع ج ۲ ص ۳۹)

(و) شیخ التفسیر والحدیث مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی لکھتے ہیں:

زکوٰۃ وصدقات کی حقیقت کسی مسلمان فقیر کو محض اللہ کی خوشنودی کے لئے مالک بنا دینا ہے۔ (معارف القرآن)

آیت شریفہ اور زکوٰۃ کی ان تعریفات سے یہ مسئلہ بالکل واضح ہے کہ براہِ راست فقیر کو مالِ زکوٰۃ کا مالک بنا دینے سے امتثالِ امرِ خداوندی ہو جاتا ہے کیونکہ اس صورت میں "ایتاء"

زکوٰۃ کا تحقق ہو گیا ہے ۔

دوسری آیت : قال تعالیٰ ۔ ان تبدوا الصدقات فنعما ھی وان تخفوھا وتؤتوھا الفقراء فھو خیر لکم ویکفر عنکم من سیئاتکم واللہ بما تعملون خبیر (البقرۃ ۲۷۱)

آیت ہذا میں تصریح ہے کہ فقراء و مساکین کو مخفی طور پر صدقہ دینا بہتر ہے ۔ معلوم ہوا کہ براہ راست فقیر کو صدقہ دینے سے ادا ہو جاتا تھا ۔ اگر ایسا صدقہ زمانہ نزول وحی میں شرعاً معتبر نہ تھا ، تو ایسے صدقے میں " خیر " اور " بھلائی " کیا ہوگی ۔ جبکہ ایسا شخص تارک فرض ہونے کی وجہ سے الٹا گنہگار ہو رہا ہے ۔ آیت میں لفظ " صدقات " کو نفل صدقہ کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی وجہ نہیں ۔ یہ لفظ دونوں قسم کے صدقات کو شامل ہے ۔ تفسیری اقوال کی تفصیل میں جانے کی بجائے ہم صرف چند حوالوں پر اکتفا کریں گے ۔

(الف) آیت ہذا کی تفسیر میں " ترجمان القرآن " حضرت ابن عباس رض فرماتے ہیں :

حق تعالیٰ شانہ نے نفل صدقہ میں " خفیہ " کو " علانیہ صدقے " پر ستر درجہ فضیلت دی ہے ۔ اور فرض صدقہ میں علانیہ کو مخفی صدقہ پر پچیس درجہ فضیلت دی ہے اھ ۔ معلوم ہوا کہ مخفی صدقہ فرض بھی ادا ہو جاتا ہے ۔ حضرت ابن عباس رض کے اسی قول کے بارے میں امام قرطبی " فرماتے ہیں ۔

ومثل ھذا لا یقال بالرأی وانما ھو توقیف (تفسیر القرطبی ج ۳)

کہ ایسی بات محض رائے سے نہیں کہی جا سکتی ۔ یہ بات حضرت ابن عباس رض نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سن کر فرمائی ہے ۔

پس اس سے ظاہر ہوا کہ براہ راست فقیر کو زکوٰۃ دینے سے ادا ہو جاتی تھی ۔ اور اس کا ثبوت گویا فرمان نبوی ؐ سے ہو رہا ہے ۔

(ب) تفسیر بحر محیط میں ہے کہ لفظ صدقات میں بظاہر عموم ہے ۔ پس نفل اور فرض سب صدقات کو شامل ہوگا ۔ اور ایک قول یہ ہے کہ الف لام عہد کے لئے ہے اور اس سے مراد صرف " فرض " صدقہ ہی ہے ۔ امام حسن بصری ، قتادہ ، یزید بن ابی حبیب کا یہی قول ہے ۔

(حوالہ بالا)

(ج) ہر اپنے اکابر کی تفاسیر تمام تفاسیر کا خلاصہ اور مغز ہیں۔

آیت ہٰذا کی تفسیر میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہٗ لکھتے ہیں۔

"بظاہر یہ آیت فرض اور نفل سب صدقات کو شامل ہے۔ (معارف القرآن ج۱ ص۶۴۰)

(د) حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ "بیان القرآن" میں آیت ہٰذا کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس مقام میں اقوال مختلف ہیں۔ مگر احقر کے ذوق میں حسب شہادت ظاہر قرآن و حدیث امام حسن بصریؒ کا قول جو "کبیر" میں منقول ہے، راجح معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ یہ آیت فرض و نفل سب صدقات کو شامل ہے۔ اور سب میں اخفاء ہی افضل ہے۔ (بیان القرآن) ———— بندہ عرض کرتا ہے کہ بظاہر اسکی وجہ یہ ہے کہ مخفی صدقہ میں عمل کی صحت ایمان پر زیادہ دلالت پائی جاتی ہے اور صدقہ کو صدقہ کہنے کی بھی وجہ ہے کہ یہ عمل ہے دعویٰ ایمان کی صداقت پر دلالت کرتا ہے۔ (مسک الختام)

پس حقیقت کے لحاظ سے صدقہ میں اصل اخفاء ہے۔ مگر عوارض کی وجہ سے بعض اوقات اعلان و اظہار افضل ہو، شرح وقایہ میں ہے۔

بخلاف الزکاۃ فان الاصل فیہا الاداء خفیۃً قال اللہ تعالیٰ وان تخفوھا وتؤتوھا الفقراء فھو خیر لکم۔ (ص۲۸۶ ج۱)

(و) امام ابو عبیدؒ ایک مسئلہ کے ضمن میں فرماتے ہیں:

مال داروں پر فرض ہے کہ وہ خود یا امام کو زکاۃ ادا کریں۔ اس کے بعد اسکی دلیل کے طور پر یہی آیت ان تبدوا الصدقات .... پیش کرتے ہیں (ترجمہ کتاب الاموال جلد ۲ صفحہ ۲۶۹) جس سے ظاہر ہے کہ امام ابو عبیدؒ کے نزدیک بھی یہ آیت اس پر ناطق ہے کہ براہ راست فقراء کو زکاۃ دینے سے بھی فریضہ ادا ہو جائے گا۔

ان توضیحات کے بعد اس حقیقت میں کوئی خفاء باقی نہیں رہتا کہ مخفی طور پر اور براہ راست فقراء کو ادا کی جانے والی زکاۃ زمانہ نزول قرآن میں بھی صحیح ہوتی تھی اور اس آیت میں اسی کی اجازت دی گئی ہے۔

تیسری آیت: قال تعالیٰ: وآتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ والیتٰمیٰ والمسٰکین وابن السبیل، الآیۃ (بقرہ ۱۷۷)

ترجمہ: اور مال دیا ہو اللہ کی محبت میں حاجتمند رشتہ داروں کو اور محتاجوں کو، اور مسافروں کو"

آیت خواسے بھی ظاہر ہے کہ خود صاحب مال اپنا صدقہ "رشتہ دار، یتیم، اور فقیر کو دے تو اس کا یہ صدقہ معتبر ہے، اور شرعاً اسکی ادائیگی صحیح ہے۔ یہ آیت بھی ایک تفسیر کے مطابق زکوٰۃ کے بارے میں ہے۔ آیت کے اس حصے میں گویا کہ مصارف زکوٰۃ کا بیان ہے اور آگے زکوٰۃ کا صراحۃً ذکر کر کے اسکی تاکید کر دی گئی۔ تفسیر بحر محیط میں ہے:

وقیل هی الزکاۃ وبیّن بذالک مصارفها — اور آگے چل کر کہا ہے۔

اقام الصلوٰۃ واٰتی الزکاۃ۔ فان کان اُرید بالاٰ بیانٓہ السابقۃ

الزکاۃ کان ذالک هٰذا تاکیدًا۔ (ج ۲ ص ۹)

اس سے انکار نہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں دوسرے اقوال بھی ہیں ہم صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ قرآن کریم، حدیث شریف، صحابہ کرام، ائمہ تفسیر، حضرات محدثین اور فقہاء عظام رحمہم اللہ اجمعین، چودہ صدیوں تک بہرحال اس مسئلہ سے بے خبر تھے کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ فقیر کو دینے سے ادا نہیں ہوتی تھی، ورنہ وہ کسی آیت یا حدیث کا ایسا مطلب بیان کرنا جائز نہ رکھتے جس سے صورت مذکورہ میں "ادائیگی زکوٰۃ" صحیح قرار پاتی ہو کیونکہ آیات کا نزول تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات طیبہ میں تھا۔ اور بقول ان کے تفسیر طبری میں بھی اس آیت کی تفسیر کے متعلق ایک احتمال اس کے عام ہونے کا ذکر کیا ہے۔

چوتھی آیت: قال تعالیٰ وفی اموالهم حق معلوم للسائل والمحروم (معارج)

امام ابوبکر کاسانی فرماتے ہیں "حق معلوم" زکوٰۃ ہے۔ (بدائع)

اس آیت میں نیک لوگوں کی مدح فرمائی گئی کہ ان کے مالوں میں سائل اور غریب کا حق ہے یعنی یہ لوگ "سائلین" وغیرہ کو زکوٰۃ دیتے ہیں۔

(۲) **حدیث شریف:** قرآن کریم کے علاوہ متعدد احادیث سے بھی یہ مسئلہ ثابت ہے کہ یہ بھی ادائیگی صحیح ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو زیور پہنے ہوئے دیکھا تو دریافت فرمایا کہ اسکی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ عرض کیا، نہیں، تو ارشاد فرمایا:

هو حسبک حسن المنار - (اخرجہ الحاکم وصححہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ادائیگی کے لئے حکومت کی وصولی بلکہ امام کو اس ادائیگی کا علم بھی ضروری نہیں، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ سے اتنی دین نہ پوچھتے کیونکر دریافت فرماتے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی ساعی یا عامل کو "ادائیگی زکوٰۃ" کا سوال بعید از عقل ہے جبکہ "اموالِ باطنہ" کی زکوٰۃ کے لئے نہ کوئی ساعی بھیجے گئے اور نہ ہی صحابہ کرام کسی ساعی کو دیتے تھے۔ بلکہ "صلوات الرسول" کے شوق میں بارگاہِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کرتے تھے۔

دوسری حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا کہ اگر میں اپنا صدقہ اپنے خاوند کو دوں تو یہ جائز و کافی ہو جائے گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں، بلکہ تجھے دوگنا ثواب ہوگا، صدقے کا اور صلہ رحمی کا۔ (بخاری وغیرہ مختصراً)

صحابیہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا، اور آپ نے جواب ارشاد فرمایا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سرکاری وصولی "صحتِ صدقہ" کے لئے عہدِ نبوی میں بھی شرط نہ تھی۔ اور رہا یہ کہ شوافع نے اس حدیث کو زکوٰۃ پر محمول کیا ہے، اور احناف نے اسے نفلی صدقہ پر لگایا ہے۔ یہ الگ اختلاف رہا، لیکن کسی حنفی نے شوافع کے استدلال کی تردید میں یہ نہیں کہا کہ اس حدیث میں "زکوٰۃ" مراد نہیں لیا جا سکتی کیونکہ صحتِ زکوٰۃ کے لئے سرکاری وصولی شرط تھی۔ جو اس حدیث میں نہیں پائی جا رہی۔

تیسری حدیث: انہی صحابیہؓ کا ایک دوسرا واقعہ مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میرے پاس بیس مثقال سونا ہے۔ کیا اس کی زکوٰۃ ادا کروں؟ آپ نے ارشاد فرمایا --- ہاں --- مزید سوال کیا کہ میری پرورش میں میرے یتیم بھتیجے ہیں، ان کو یہ زکوٰۃ دے سکتی ہوں؟ ارشاد فرمایا --- ہاں دے سکتی ہو۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۱۵۴)

اس حدیث میں فرض زکوٰۃ کی بھی تصریح ہے کہ یتیم بھتیجوں کو یہ زکوٰۃ دینے سے ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ یہ صحابیہؓ ادائیگی زکوٰۃ کے بارے میں مسئلہ دریافت فرما رہی ہیں۔ سرکاری

لائسنس حاصل نہیں کر رہے۔

چوتھی حدیث: حدیث معن بن یزید ان اباہ اخرج صدقۃ فدفعها الیہ لیلاً وهو لا یعرفه فلما اصبح وقف علیه فقال ما ایاک اردت واختصما الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال له لک ما نویت یا یزید الحدیث۔ (بخاری وغیرہ بلفظ جصاص)

امام ابوبکر جصاص اس حدیث سے زیر بحث صورت میں فرض زکوٰۃ کی ادائیگی کے صحیح ہونے پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولم یسئله أنویتها من الزکاۃ او غیرها بل قال لک ما نویت فدل علی جواز ما ان نواها فی زکوٰۃ (احکام القرآن ج ۲ ص ۱۳۲)

امام ابوبکر جصاصؒ کے اس استدلال سے جہاں عہد رسالت میں بھی اخفائے زکوٰۃ کا صحیح معتبر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ وہاں یہ خود امام جصاصؒ کے مذہب کا بھی علم ہوتا ہے کہ وہ بھی ایسی مخفی ادائیگی کے صحیح ہونے کے قائل ہیں۔ اس لئے تو اس سے استدلال کر رہے ہیں اگر ان کے نزدیک "عہد رسالت" میں براہ راست فقراء کو ادائیگی زکوٰۃ صحیح نہ ہوتی تو حدیث معنؓ سے استدلال کرنے کی بجائے الٹا اس کا کوئی جواب ذکر کرتے کوئی توجیہ یا تاویل پیش کرتے۔

حضرت یزید بن ابی حبیب فرماتے ہیں کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام زکوٰۃ کو خفیہ طور پر تقسیم کرنے کا حکم فرماتے تھے۔ کان یامر بقسم الزکوٰۃ فی السر۔ (بحر محیط ص ۳۲۲ ج ۲)

امام زجاجؒ فرماتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مخفی طور پر زکوٰۃ دینا احسن افضل ہوتا تھا۔ کان اخفاء الزکاۃ علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل و احسن۔ (بحر محیط ص ۳۲۲ ج ۲)

یہ نہیں کہا جا سکتا: ان آیات و احادیث و روایات کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ سرکاری وصول شروع ہونے سے پہلے دور سے متعلق ہیں اور پھر منسوخ ہو گئی تھیں۔ اور بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اموال باطنہ کے بارے میں ان کو پھر بحال کر دیا۔ ایسی منسوخ تجویز کرنے والی نصوص کے متعلق چودہ سو سال میں کسی نے ظاہر نہیں کی۔ بلکہ اموال باطنہ کے بارے میں ان کو مسلسل اور ہمیشہ معمول بہا سمجھا گیا ہے۔

واضح فیصلہ: امام ابوعبیدؒ ایسی متعدد روایات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ہماری مذکورہ بالا تمام روایات جن کے بموجب زکوٰۃ حکام کو دینا اور اسے اپنے طور پر بانٹ دینا دونوں پر عمل ہوتا رہا ہے۔ لیکن یہ صورت نقدی کی زکوٰۃ کے ساتھ مخصوص ہے کہ اس کا مالک مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں سے جس صورت میں بھی زکوٰۃ دے وہ اپنے ذمہ عائد ہونے والے فرض کو ادا کر دے گا۔ (ترجمہ کتاب الاموال ج ۲ ص ۲۴۴)

ملک العلماء امام ابوبکر کاسانی رحمہ اللہ نے بالکل بات صاف کر دی کہ دورِ اول میں بعض لوگ زکوٰۃ خود ادا کرتے تھے۔ اور بعض لوگ امام کو ادا کر دیتے تھے۔ "اموال باطنہ" کی زکوٰۃ سرکاری سطح پر وصول کرنے کے لئے نہ کوئی شخص بھیجا گیا اور نہ سرکاری ادائیگی کے لئے کبھی کسی شخص سے مطالبہ کیا جاتا تھا۔

وذکر امام الہدی الشیخ ابو منصور الماتریدی السمرقندی لم یبلغنا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعث فی مطالبۃ المسلمین بزکاۃ الورق و اموال التجارۃ ولکن الناس کانوا یعطون ذالک ومنہم من کان یحمل الی الائمۃ فیقبلون منہ ذالک ولا یسئلون احداً عن مبلغ مالہ ولا یطالبونہ بذالک (بدائع ج ۲ ص ۳۵)

امام ہدیٰ شیخ ابو منصور ماتریدی سمرقندی فرماتے ہیں کہ ہمیں ایسی کوئی روایت نہیں پہنچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی اور اموالِ تجارت کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مسلمانوں کے پاس کسی کو بھیجا ہو بلکہ کچھ لوگ از خود براہ راست فقراء کو دے دیتے تھے اور کچھ لوگ ائمہ کے پاس لے کر آتے تو وہ اسے قبول کر لیتے اور کبھی نہ اس کی مجموعہ مالیت کے بارے میں پوچھتے نہ اس کی زکوٰۃ کا مطالبہ کرتے۔

اب تک چند آیات چند احادیث اور ان کے ذیل میں ضمنی طور پر بعض صحابہ کرامؓ کے آثار، تابعین کے اقوال، فقہاء، محدثین و مفسرین کے فرمودات ذکر کئے گئے۔ مندرجہ بالا دلائل سے "اموالِ باطنہ" کی زکوٰۃ میں عہدِ رسالت کا طرزِ عمل واضح ہے کہ سرکاری وصول شرط نہ تھی۔ یہی طرزِ عمل بعد میں راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دور میں اور اس کے بعد بھی جاری رہا۔

صدیقی دور : حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی "اموالِ باطنہ" کی زکوٰۃ کا معاملہ اسی طرح رہا جیسا کہ عہدِ رسالت میں تھا۔ ادائے زکوٰۃ کے لئے سرکاری وصولی شرط نہ تھی۔ حکومت کو نہ دینے والوں سے باز پرس نہ ہوتی تھی۔

امام ابو عبیدؒ تحریر فرماتے ہیں :

گویا جو آپ دیکھیں گے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مہاجرینؓ و انصارؓ کی موجودگی میں مویشیوں کی زکوٰۃ روکنے پر مرتدین سے جنگ کی تھی لیکن سونے چاندی کی زکوٰۃ نہ دینے پر ایسا نہیں کیا۔ (ترجمہ کتاب الاموال جلد ۲ صفحہ ۲۳۳)

حضرت فاروق اعظمؓ :

تفسیر مظہری میں ابن ابی شیبہ کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ تم جس کسی صحیح مصرف میں لگا دو گے تمہاری زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ فی ای صنف وضعته اجزا ک۔

(تفسیر مظہری جلد ۴ صفحہ ۲۴۲)

اجماع صحابہؓ :

یہ تنہا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہی رائے نہیں، بلکہ کسی صحابیؓ سے بھی اس کے خلاف مروی نہیں، اور بہت سے صحابہؓ و تابعین کی رائے اس کے مطابق منقول ہے۔ بقول امام جصاصؒ اس پر سلف کا اجماع ہو چکا ہے۔ اس کے خلاف جائز نہیں۔

عن علی و ابن عباس رضی اللہ عنہما قالا اذا اعطی الرجل الصدقة صنفا واحدا من الاصناف الثمانیة اجزاہ وروی مثل ذالک عن عمر بن الخطاب وحذیفة وعن سعید بن ابراھیم وعمر بن عبد العزیز وابی العالیة ولا یروی عن الصحابة خلافه فصار اجماعا من السلف لا یسع احدا خلافه۔ اھ

(احکام القرآن صفحہ ۱۲۴ ج ۳)

اس سے ظاہر ہے کہ حضرات صحابہ و سلف کے اجماع کی روشنی میں فقیر یا مسکین کو براہ راست دی جانے والی زکوٰۃ شرعاً ادا ہو جاتی ہے۔ عہد رسالت، اور خلافت شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دور میں یہی مسئلہ رہا ہے۔

حوالہ جات بالا سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرات صحابہؓ، اور فقہاء، محدثین اور مفسرین سب کے نزدیک براہ راست فقیر کو زکوٰۃ دینے سے معطی کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ فرضیت زکوٰۃ اور زمانہ نزول قرآن سے لے کر اب تک مسئلہ یہی رہا ہے۔

پس جن احباب نے ایک بے دلیل دعویٰ کے تحفظ کے لئے ایسی احادیث کو بھی غیر معتبر قرار دیا تھا۔ ان کا خیال صرف بے بنیاد ہی نہیں بلکہ دلائل صحیحہ کے قطعاً خلاف ہے۔ اور ان کا یہ لکھنا بھی درست نہیں کہ عہد رسالت اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے زمانے میں دونوں قسم (ظاہرہ و باطنہ) کے اموال میں ادائے زکوٰۃ کا راستہ یہی تھا کہ وہ حکومت کو دی جائے۔ گزشتہ اوراق میں ذکر کردہ تفصیلی دلائل کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ اس مبارک دور میں "ادائے زکوٰۃ" کا صرف "یہی راستہ" نہ تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرمایا ہوا ایک دوسرا راستہ یہ بھی تھا کہ مالک اپنی زکوٰۃ خود تقسیم کردے۔ یہ ساری بحث "اموال باطنہ" کی زکوٰۃ کے بارے میں تھی ورنہ "اموال ظاہرہ" کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق امام کو حاصل ہے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سرکاری طور پر بذریعہ محصلین وصولئ زکوٰۃ کا انتظام صرف "اموال ظاہرہ" میں فرمایا تھا۔

ہم یہاں تک لکھ چکے تھے تو اس کے بعد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت مل گئی جس میں انہوں نے مندرجہ بالا مضمون کی واضح تصریح فرمادی ہے۔ الحمدللہ حضرت مفتی صاحب کی موافقت ہمیں نصیب ہوگئی خاص کر زکوٰۃ ہی کے موضوع پر لکھے گئے "قرآن میں نظام زکوٰۃ" نامی اپنے رسالے میں اسی آیت "خذ من اموالھم صدقۃ" کی تفسیر کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکومت کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے کا انتظام صرف ان اموال میں کیا جو فقہاء کی اصطلاح میں اموال ظاہرہ کہلاتے ہیں۔ (صفحہ ۱۳)

چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:

باقی "اموال باطنہ" یعنی سونا، چاندی، زیورات وغیرہ ...... ایسے اموال کی زکوٰۃ خود اصحاب اموال ہی کے حوالہ کی گئی کہ وہ بطور خود ادا کریں چاہے بیت المال کو دیدیں یا براہ راست فقراء میں تقسیم کردیں۔ (الی ان قال) ...... صحابہ کرام کا عام معمول یہی رہا کہ وہ اپنے ایسے اموال کی زکوٰۃ بھی بیت المال ہی میں جمع کرادیتے تھے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان پر کوئی پابندی نہ تھی۔ (صفحہ ۱۴، ملخصاً) اس سے بڑھ کر وضاحت یا صراحت اور کیا ہوسکتی ہے۔

پوری بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ عہد رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ

جیسا کہ زمانے میں بھی براہِ راست فقیر کو زکوٰۃ دینے سے ادا ہو جاتی تھی۔ پس ایسی ادائیگی زکوٰۃ کو اس مبارک عہد میں غیر معتبر قرار دینا اور اسی بنیاد پر امام جصاص رازی کے کلام کی توجیہ کرنا دلائل کی روشنی میں قابلِ قبول نہیں۔ بالکل بعید از انصاف ہے۔

پس

امام جصاص رازی نے اعلانِ عثمانی کے بارے میں جو یہ لکھا تھا:

فجعل لهم اداءها الى المساكين وسقط من اجله حق الامام فی اخذها۔ (احکام القرآن)

یہاں ظاہری و حقیقی معنی یہ ہے کہ عام حالات میں "اموالِ باطنہ" کی وصولیٔ زکوٰۃ کے متعلق حق امام ساقط ہو گیا ہے۔ امام کو یہ اختیار نہیں رہا کہ جب چاہے ان اموال کی وصولی زکوٰۃ شروع کر دے۔

دین و قرض میں ادائیگی زکوٰۃ کی بحث
بینک اکاؤنٹس قرض ہیں

جبری کٹوتی زکوٰۃ کے عدم جواز کی ایک وجہ ہم نے یہ ذکر کی تھی کہ بینک میں جمع شدہ لوگوں کے اموال شرعی احکام کے لحاظ سے "قرض و دین ہیں" اور کھاتہ داران دائن اور بینک ان کا مقروض و مدیون ہے۔ اور مسئلہ یہ ہے کہ قرضہ جات کی زکوٰۃ تب واجب الاداء ہوتی ہے جبکہ ان کی وصولی ہو جائے۔ وصولی سے قبل وجوب ادا نہیں ہوتا۔ امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اور جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔ یہاں تک کہ امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے جیسا کہ آگے مفصل آئے گا۔ اس حکم شرعی کی روشنی میں بینک اکاؤنٹس پر وصولی سے قبل زکوٰۃ فوری واجب الاداء نہیں لہٰذا مالکان کی رضامندی کے بغیر ان اموال کی زکوٰۃ کیلئے جبری کٹوتی جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ وجوب ادا، اور انفرادی مطالبہ زکوٰۃ معدوم ہونے کی صورت میں مالکان کو ادائیگی زکوٰۃ سے انکاری قرار نہیں دیا جا سکتا اور بدون تحقق انکار و امتناع، حکومت کو جبری وصولی زکوٰۃ کے اختیارات حاصل نہیں۔

ہماری اس مختصر گزارش کے جواب میں "البلاغ" میں طویل بحث کی گئی جس کا خلاصہ چند نکات میں ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

(۱) :- دین قوی، متوسط، اور دین ضعیف کی تقسیم ان کے مرجو الوصول ہونے یا نہ ہونے پر مبنی ہے۔

(۲) ہم نے بلیس و پیش سے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ بینک اکاؤنٹس قرض ہیں۔

(۳) :- لیکن قرض و دین کا مقتضا اصلی یہ ہے کہ ان میں قبضے سے پہلے ہی زکوٰۃ واجب الاداء ہو۔

(۴) :- قبضہ تک وجوب ادا کے مؤخر ہونے کی سہولت امام ابوحنیفہ نے دی ہے (گویا کہ وہ اس مسئلہ میں متفرد ہیں)

(۵) :- صرف متفرد ہی نہیں بلکہ ان کا یہ مذہب بے بنیاد و بے دلیل بھی ہے۔ کیونکہ ابوحنیفہؒ

نے جس اثر سے اس مسئلے کے لئے استدلال کیا ہے اس سے ان کا مذہب
ثابت نہیں ہوتا (مختصراً ملتقطاً بالمعنی) گویا کہ امام ابوحنیفہ اور فقہائے حنفیہ کو اس
بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے ؛

(۶) ۔ بینک اکاؤنٹس ایک جدید قسم کا قرض ہے لہذا اس پر قدیم حکم قرض لاگو نہیں ہوگا
کیونکہ یہ حکم قدیم قسم کے قرضہ جات کے لئے ہے ۔

(۷) ۔ حضرات فقہاء نے ہر دَین قوی کو (خواہ اس کی وصولیابی کتنی ہی یقینی کیوں نہ ہو) "دَین
ظنون" قرار دیا ہے ۔

(۸) ۔ قرضوں پر زکوٰۃ کا نفس وجوب متفق علیہ ہے ۔

البلاغ کی اس بحث کے مندرجہ بالا نکات پر پورا غور و خوض کیا گیا ۔ اہل علم سے مذاکرات
بھی ہوئے دلائل کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ۸ کو چھوڑ کر باقی سب نکات و
دعاوی خلاف تحقیق اور بے بنیاد ہیں ۔ ان میں سے کوئی ایک بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا ۔

اجتہاد

واضح رہے کہ اس پوری بحث میں البلاغ نے کسی مشہور و متداول فقہی کتاب سے استدلال
نہیں کیا ۔ حالانکہ زیر بحث مسئلہ پوری تفصیل و تشریح کے ساتھ تقریباً تمام کتب فقہ
میں موجود ہے ۔

مسئلہ ہذا سے متعلقہ بارہ تیرہ صدیوں کی تحقیقی علمی کاوشوں کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے
بعض آثار سے استدلال کی کوشش کی گئی ہے ۔ اور اس اجتہاد میں اتنے دور نکل گئے
ہیں کہ ابوحنیفہ اور فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی استدلالی کمزوریاں بھی آشکارا ہو گئیں ۔
صرف زیر بحث قرض کے مسئلے ہی میں نہیں بلکہ اموال ظاہرہ و باطنہ کی ساری بحث میں بھی
"البلاغ" کا طرز استدلال تقریباً یہی ہے ۔

حضرات فقہاء کرام اور قانون شرعی کے مسلمات کو یوں نظر انداز کرنا جو کہ ہم جیسے کم علم
کے لوگوں کے لئے سخت حیرانی اور تشویش کا موجب ہے ۔ اور یہ تشویش تقریباً ایسی ہی ہے

جیسی کہ اپنے اکابر کو بعض جدید قسم کے اجتہادات پر ہوتی تھی اور یہ دیکھ کر مزید دکھ ہوتا ہے کہ یہ طرزِ عمل اور جدید اجتہادات اب اپنے حضرات علماءِ دیوبند کی طرف سے ظہور میں آ رہا ہے۔ جن کے اکابر اجتہاد کا طرۂ امتیاز تصلب فی الدین سلف کی تحقیقات پر مکمل اعتماد اور جدید اجتہادات کی تردید تھی

ہمیں معلوم نہیں کہ اپنے اکابر نے حضرات ائمہ و فقہاء کی واضح متفقہ تصریحات کے مقابلے میں کسی اجتہاد کے لئے جدید علتوں کا استخراج کیا ہو۔ اور مسلمات کی بعید از کار تاویلات کر کے انہیں معطل کرنے کی جراءت کی ہو۔ ان اکابر کا یہ موقف دینی استقامت کا نشان تھا کیونکہ اگر ماحول کے تاثر یا کسی دوسری وجہ سے طے شدہ مسائل میں اجتہاد کا دروازہ کھول دیا جائے تو کون سا مسئلہ ایسا ہے کہ جس کے بارے میں زمانۂ حال کے مجتہدین کے علم و فضل کی جولانیاں جست بازی کر سکتی ہیں۔ ہر مسئلے میں ایسے "اجتہاد" کی گنجائش موجود ہے۔

تمہیدی تسامح

اب ہم ادارہ "البلاغ" بابت ماہ شوال المکرم ۱۴۰۲ھ کے مندرجہ بالا نکات پر تفصیلی گذارشات پیش کرتے ہیں۔

ابتدائے مضمون میں بطور تمہید کے لکھتے ہیں۔

وجوبِ زکوٰۃ کے حق میں دین کے اندر اصل دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ وہ دائن کے لئے کس حد تک مرجو الوصول ہے اور دائن کا تصرف اس پر کس حد تک برقرار ہے۔ اسی بناء پر فقہاءِ کرام نے وجوبِ زکوٰۃ کے معاملے میں دین قوی اور دین متوسط اور دین ضعیف کی تقسیم فرمائی ہے مگر ظاہر ہے کہ دین کی تقسیم بالذات اس کے مرجو الوصول ہونے اور دائن کے اس پر تصرف پر قادر ہونے کو بنیاد قرار دینا صحیح نہیں۔

حضرات فقہاء کرام نے دین کی تقسیم ہرگز اس بنیاد پر نہیں کی۔ یہ صریح تسامح ہے۔

بلکہ شرعاً دین کی مندرجہ بالا تقسیم اس امر پر مبنی ہے کہ دین قرض اور مالِ تجارت کا بدل ہے یا مال کی بجائے غیر مال مثلاً منفعت کا بدل ہے جیسے ثمن المبیع وغیرہ کی بجائے اجرت وغیرہ کا بدل ہے جیسے مہر اور بدل خلع وغیرہ یہ دیون علی الترتیب۔ دین قوی۔ دین متوسط۔ دین ضعیف کہلاتے ہیں۔

چنانچہ تمام فقہاء نے اسکی تصریح کی ہے۔ مبسوط میں ہے۔

ثم الديون على ثلث مراتب عند ابى حنيفة دين قوى وهو ما يكون بدلاً عن مال كان اصله للتجارة لو بقى فى ملكه ودين متوسط وهو ان يكون بدلاً عن مال لا زكوٰة فيه لو بقى فى ملكه كثياب البذلة والمهنة ودين ضعيف وهو ما يكون بدلاً عما ليس بمال كالمهر وبدل الخلع والصلح عن ...... دم العمد.

(مبسوط سرخسی ص ۱۹۵/۲ ومثلہ فی البدائع ص ۱۰/۲)

مندرجہ بالا فقہی تصریحات سے یہ امر ظاہر ہے کہ دین کی یہ تقسیم اسکی ذاتی حیثیت پر مبنی ہے مرجو الوصول ہونے کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اس کے علاوہ عملی اور عدالتی اعتبار سے بھی ان دیون میں مرجو الوصول ہونے نہ ہونے کی بنیاد پر فرق نہیں کیا جاتا۔ مدیون بھی کبھی ایسا نہیں کرتا کہ دین قوی کی تو فوری ادائیگی کر دیتا ہو اور دین متوسط اور ضعیف کی ادائیگی میں اس بنیاد پر تاخیر کرتا ہو کہ ان دونوں قسموں میں چونکہ وصولی کی امید کم ہی ہوتی ہے اس لئے تاخیر ادا، یا عدم ادائیگی کا حق ہے۔ اور عدالت بھی یہ امتیاز نہیں کرتی کہ دین ضعیف کے مقدمات کی سماعت نہ کرے اور مدعی کو یہ کہدے کہ دین ضعیف میں وصولی کی امید کم ہی ہوتی ہے۔ لہذا مقدمہ خارج کیا جاتا ہے۔ الغرض عدالتی لحاظ سے دین قوی کے لئے مدعی کی امداد کے جو ضوابط ہیں دین متوسط اور ضعیف کے لئے بھی ویسے ہی قوانین ہیں۔

الحاصل علمی، عملی، آئینی، عدالتی کسی لحاظ سے بھی دین قوی، متوسط اور ضعیف کی تقسیم مرجو الوصول ہونے نہ ہونے پر مبنی نہیں۔ پس "البلاغ" کا مندرجہ بالا تمہیدی ضابطہ دلائل کی روشنی میں ثابت نہیں بلکہ بے اصل اور خیال محض ہے۔ لہذا اس ضابطہ پر مبنی آئندہ تفریعات بھی بے بنیاد ہیں۔

"۲۔ بینک اکاؤنٹس قرض ہیں امانت نہیں"۔

مجلس نے یہ تاثر دینے کی کوشش بھی کی ہے کہ بینک اکاؤنٹس قرض سے زیادہ امانت

کے مشابہ ہے۔ حالانکہ جیسے اس کے قرض ہونے میں شبہ نہیں ایسے ہی اس کے امانت نہ ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں۔ اس لئے کہ امانت کی کچھ مخصوص شرائط ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی نہ رہے تو پھر وہی مال امانت واجب فی الذمہ ہونے کی وجہ سے قرض ہو جاتا ہے امانت کی چار بنیادی شرائط ہیں۔ نمبر ا۔ مال بعینہٖ[ع] محفوظ رکھنا طے ہو نمبر ۲۔ مودع اس میں تصرف نہ کر سکے نمبر ۳۔ نفع و نقصان مالک کا ہو نمبر ۴۔ بصورت ضیاع مالک کا مال ہلاک ہو اور دین میں معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے یعنی نہ مال کا بعینہٖ محفوظ رکھنا طے ہوتا ہے۔ ورنہ تو پھر دین کا کیا فائدہ۔ اسی طرح مدیون کو تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح نفع و نقصان مالک کی بجائے مدیون کا ہوتا ہے۔ اور بصورت ضیاع وہ چیز مدیون کی ہلاک ہوگی، اب مذکورہ بالا شرائط کی روشنی میں بنک اکاؤنٹس کا جائزہ لیں تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اس میں امانت کی کوئی بھی شرط نہیں پائی جاتی جبکہ دین کی تمام شرائط اس میں موجود ہیں۔ الغرض ان تصریحات کی روشنی میں یہ کہے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ بنک اکاؤنٹس فقہی اعتبار سے صرف اور صرف قرض ہیں۔ باقی یہ فرمان کہ عام قرضوں میں تو لوگ مستقرض ہوتا ہے اور یہاں تو لوگ مقرض ہوتا ہے اور اس کا اصل منشا قرض لینے کی بجائے مال کی حفاظت ہوتی ہے مگر یہ ثابت ہے کہ اس سے بھی بنک اکاؤنٹس کی "حیثیت قرض" قطعاً متاثر نہیں ہوتی کیونکہ اول تو یہ بات صحیح نہیں کہ یہاں تحریک صرف ایک طرف سے ہوتی ہے۔ بلکہ دونوں محرک ہوتے ہیں۔ البتہ تحریک کی نوعیت میں فرق ہوتا ہے نیز اگر بالفرض صرف کھاتہ دار ہی کو محرک مان لیں تو بھی اعتبار نفس حقیقت اور واقعہ کا ہوگا نہ کہ ابتدائی عوامل اور اسباب کا۔

الحاصل : اس پوری بحث سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح کھل کر سامنے آ

ع[1] اگر مال بعینہٖ محفوظ رکھنا طے نہیں ہوا یا ہوا مگر امین نے محفوظ نہیں رکھا یا امین نے کل یا بعض مال اس طرح سے خرچ کیا کہ متمیز نہ تھا تو ان تمام صورتوں میں مال امانت نہ رہے گا۔ اگرچہ اس امین کو خیانت کا گناہ ہوگا۔ مگر سوال یہ ہے کہ شرعی اصطلاح میں جو مال اس کے ذمہ ہے کیا اس کو امانت کہا جائے گا؟ یقیناً نہیں۔

جاتی ہے کیونکہ اکاؤنٹس شرعی احکام کی رُو سے قرض ہیں امانت نہیں۔

اب ہم آئندہ صفحات میں دین کا حکم شرعی وجوب زکوٰۃ کے سلسلہ میں دلائل شرعیہ کی روشنی میں پیش خدمت کرتے ہیں۔

دین کا حکم شرعی

دین میں زکوٰۃ کب واجب ہوتی ہے؟

قرآن کریم، احادیث و آثار اور اصول شرعیہ کی روشنی میں حضرات ائمہ مجتہدین کا مذہب یہ ہے کہ قرضہ جات کی زکوٰۃ کی ادائیگی وصولیابی کے بعد واجب ہے، قبضے سے پہلے نہیں۔

مسلک احناف: امام ابوبکر کاسانی رحمہ اللہ "دین قوی" کی تعریف کے بعد لکھتے ہیں: "ولا خلاف فی وجوب الزکوٰۃ فیہ الا انہ لا یخاطب باداء شیء من زکوٰتہ ما مضیٰ مالم یقبض اربعین درھما" (بدائع ص ۱۰ ج ۲)۔

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

"قال یجب لہ علی رجل الف درھم قرض او عن متاع کان للتجارۃ فحال علیہ الحول ووجبت الزکوٰۃ علیہ لا یلزمہ الاداء قبل القبض عندنا" (مبسوط ص ۱۹۶ ج ۲)

علماء کی تصریح سے معلوم ہوا کہ ائمہ احناف سب اس پر متفق ہیں۔

مسلک مالکیہ: مؤطا امام مالکؒ میں ہے:

قال مالک: "الامر الذی لا اختلاف فیہ عندنا ان صاحبہ لا یزکیہ حتی یقبضہ" (اوجز ص ۱۲۲ ج ۳)

مسلک حنابلہ: اوجز میں الروض المربع سے نقل کیا ہے:

"ومن کان لہ دین (من مغصوب او مسروق) من صداق وغیرہ کثمن المبیع علی ملیء او غیرہ ادی زکوٰتہ اذا قبض لما مضی"

"قال الموفق الدین علی ضربین احدھما دین علی معترف بہ باذل لہ فعلی۔

صاحبه زكوٰة اذا انه لا يضمنه، خرجها حتى يقبضه فيؤدي لما مضى روى ذلك عن علي وبه قال الثوري وابو ثور واصحاب الرأي"

امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی عدم وجوب کا ہے۔ (بیہقی صفحہ ۱۵۰ ج ۴)

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ قبل القبض عدم وجوب ادا پر جمہور متفق ہیں۔ ائمہ ثلاثہ امام اعظمؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ سب کا یہی مذہب ہے اور حضرات ائمہ کا یہ موقف احادیث و آثار اور اصول شرعیہ کے عین مطابق ہے۔

مسلک جمہور کے دلائل: وجوب زکوٰۃ کا مدار قدرت میسرہ پر ہے۔ قدرت ممکنہ پر نہیں۔ ہدایہ "صدقۃ الفطر" میں ہے۔ ولا يشترط فيه النماء۔ اسی پر محشی نے علامہ عینیؒ سے نقل کیا ہے۔

لانها تجب بالقدرة الممكنة لا الميسرة. بخلاف الزكوٰة فان وجوبها بالقدرة الميسرة.

ہدایہ میں دوسرے مقام پر ہے: وما شرط الحول الا للتيسير (ص ۱۶۵ ج ۱)

معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کا مدار قدرت میسرہ پر ہے بہت سے احکامات اسی پر متفرع ہیں، مثلاً ہلاکت مال سے سقوط زکوٰۃ وغیرہ۔

بہرحال شریعت نے اس معاملہ میں مزکی کی سہولت در سہولت کو مد نظر رکھا ہے مثلاً آمدنی پر زکوٰۃ نہیں، بچت پر ہے۔ پھر ہر بچت دوران سال میں نہیں۔ بلکہ وہ بھی بقدر نصاب ہو پھر اس پر سال گزر جائے۔ اسی کی یہ فرع ہے کہ قبضے سے پہلے زکوٰۃ واجب نہیں یعنی "انه لا يخاطب باداء شيء من زكوٰة ما مضى ما لم يقبض."

اصولی طور پر جزو نصاب واجب ہے۔ لقوله عليه الصلاة والسلام "هاتوا من ربع عشر اموالكم" اس حدیث کے پیش نظر حضرات فقہاء نے لکھا ہے کہ زکوٰۃ میں اصل واجب نصاب کا ایک جزو ہے۔ چنانچہ عنایہ مع الہدایہ میں ہے:

ولهذا الواجب جزء من النصاب عملاً بكلمة "من" في قوله عليه السلام في كل اربعين شاة شاة وتحقيقاً للتيسير فان الزكوٰة وجبت بقدر تيسير

على ما عرف في الاصول ومن للتبعيض فيكون الواجب من النصاب (ص ۱۵۳ ج ۲)

علامہ عینی فرماتے ہیں: ولنا ان الواجب جزء من النصاب فاذا كان النصاب دينا فجزءه

مقصورة مما هو حق الفقراء فلا يلزمه الاداء ما لم يتصل يده اليه بالقبض

(عینی ص ۱۹۵ ج ۲)

یہ تصریحات دلالت کرتی ہیں کہ "زکوٰۃ واجب" کی حالت "اصل نصاب" کی حالت کے "تابع ہوگی"۔ نصاب نقد ہے تو جزء نقد اور نصاب دین ہے تو یہ جزء بھی دین ہوگا العين في العين والدين في الدين۔ یہی بات بالکل حضرت عطاءؒ نے فرمائی ہے۔

عن ابن جريج قال قلت لعطاء: السلف يسلفه الرجل قال فليس على سيد المال صدقة وهو حينئذ بمنزلة الدين في الصدقة

(مصنف عبد الرزاق ص ۹۶ ج ۴)

جمہور کا مذہب آثار کی روشنی میں

۱۔ عن نافع عن ابن عمرؓ قال ليس في الدين زكوٰة (عبد الرزاق ص ۱۰۰ ج ۴)

۲۔ عن عائشةؓ قالت ليس في الدين زكوٰة حتى يقبضه (عبد الرزاق ص ۱۰۰ ج ۴)

۳۔ عن ابن جريج قال قال عمرو بن دينار ما ارى الصدقة الا في العين۔ (عبد الرزاق ص ۱۰۱ ج ۴)

۴۔ قال عكرمة ليس في الدين زكوٰة وروي ذلك عن عائشةؓ وابن عمرؓ وروي عن سعيد بن المسيب وعطاء بن ابي رباح وعطاء الخراساني وابي الزناد يزكيه اذا قبضه لسنة واحدة (اوجز ص ۱۱۳ ج ۳)

۵۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخری زمانہ میں عمل مستقر ہوا کہ وصولیابی سے قبل دین سے زکوٰۃ نہ لی جائے لیکن وصول ہونے پر گزشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ لی جائے۔ چنانچہ حمید بن عبد الرحمن کی روایت میں کچھ تفصیل ذکر کرنے کے بعد آخر میں ہے۔

فلم يكونوا يقبضون من الدين الصدقة الا ما نض منه (السنن الكبرى للبيہقی ص ۱۵۰ ج ۴)

اس روایت میں تفصیل کلام ہے جسے بنظر اختصار حذف کیا جاتا ہے۔

۶۔ عن عطاءؒ قال ليس في الدين زكوٰة حتى يقبض (عبد الرزاق ص ۱۰۴ ج ۴)

۴۲۔ عن جابر بن زید فی الدین قال لیس فیہ زکوٰۃ حتی یقبضہ (ابن ابی شیبہ)

۴۳۔ عن حماد قال الزکوٰۃ علی من علیہ المال ... (ابن ابی شیبہ)

الحاصل: حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عمرؓ، ابو جعفرؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، عطاء خراسانیؒ، عمرو بن دینارؒ، عکرمہؒ، حمادؒ، ابراہیم نخعیؒ، سعید بن المسیبؒ، احمد بن حنبلؒ، ابو الزنادؒ، حکمؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمد، امام زفر، سفیان ثوری، ابو ثور رحمۃ اللہ علیہم اجمعین، یہ سب حضرات دین میں وصولی سے قبل وجوب اداء کے قائل نہیں۔

کیا ابو حنیفہؒ کا استدلال غلط ہے؟

دلائل و آثار کی روشنی میں یہ بات پورے طور پر واضح ہو چکی ہے کہ قرض میں "عدم وجوب اداء" جمہور کا مسلک ہے لیکن بعض احباب نے جمہور کے اس محقق مسلک کو ضعیف زمرہ میں رکھتے ہوئے یوں فرمایا ——— "کہ قرضوں پر زکوٰۃ کا نفس وجوب تو متفق علیہ ہے البتہ امام ابو حنیفہؒ نے مقروض کو یہ سہولت دی ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی اس پر اس وقت واجب ہوگی جب قرضے کی رقم اسے واپس ملے گی۔" (البلاغ ص...)

اس اقتباس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اس مسئلے میں متفرد ہیں اور یہ سہولت دینا ان کی ذاتی نوعیت کی رائے ہے گویا کہ ان کا یہ خیال کسی دلیل صحیح پر مبنی نہیں اور نہ ہی دین میں وجوب زکوٰۃ کا پس منظر ان کے سامنے ہے۔

"البلاغ" میں صرف اتنا فرمانے پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ آگے چل کر اس کی تصریح بھی فرما دی جس کا حاصل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ اور فقہائے حنفیہ نے اپنے مذہب کی بنیاد جس اثر پر رکھی ہے اس کا مطلب وہ نہیں جو فقہاء حنفیہ نے سمجھا ہے، چنانچہ رقمطراز ہیں کہ "امام ابو حنیفہ نے اس مسئلے میں اپنے مسلک کی بنیاد حضرت علیؓ کے ارشاد پر رکھی ہے۔" (ص...) پھر آگے چل کر یوں نتیجہ نکالتے ہیں کہ:

"فقہاء حنفیہ نے اس باب میں اپنے مسلک کی بنیاد حضرت علیؓ اور ابن عمرؓ کے

اقوال پر بھی ہے اور ان کے نزدیک اگرچہ قبضے کے بعد زکوٰۃ کا وجوب صرف اس صورت میں ہے جبکہ دین کی وصولیابی مظنون ہو۔ جہاں وصولیابی کا وثوق ہو وہاں ان کے نزدیک بھی وجوب ادا قبضے سے پہلے ہی ہو جاتا ہے۔" (انتہی ص

حاصل یہ ہوا کہ:

۱۔ انہوں نے جس اثر سے اپنے مسلک پر استدلال کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ "وجوب ادا بعد القبض ہر دین میں نہیں بلکہ دین ظنون میں ہے۔"

۲۔ مگر امام ابوحنیفہؒ نے اس سے یہ سمجھا کہ وجوب ادا بعد القبض مطلق دیون میں ہے۔

۳۔ تو گویا کہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک مذکورہ اثر سے ثابت نہیں۔ اور وہ اس اثر کو سمجھ نہیں سکے۔" ع شوخی بھی کلام میں لیکن نہ اس قدر ؟

مذاہب و دلائل کی تفصیل آپ کے سامنے ہے کیا واقعی امام ابوحنیفہؒ کا مسلک بے دلیل اور تفرد پر مبنی ہے ؟ ہرگز نہیں۔

اثر علیؓ کی تحقیق

اولاً تو ہمیں یہ بات عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ ایک پلڑے میں "البلاغ" کی رائے اور دوسرے پلڑے میں سراج الامۃ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے استدلال کو رکھ کر ان میں موازنے کی کوشش کی جائے۔

ظاہر ہے کہ ابوحنیفہؒ کی جو استدلالی کمزوری پہلے پہل ۱۴۰۱ھ میں پکڑی گئی، بلاشبہ وہ ناقد ہی کی غلطی ہو سکتی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ امام محمد کی نہیں۔ خصوصاً جبکہ جمہور فقہاء و علماء بھی امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ اس مسئلے پر متفق ہوں لیکن بہرحال زمانہ تحقیق و ریسرچ کا ہے لہذا البلاغ کی تنقید پر سرسری نظر ہو جائے تو مناسب ہے۔ ذیل میں ہم دلائل کی روشنی میں اس بات کا جائزہ لینا چاہتے ہیں کہ کیا واقعی ابوحنیفہ، امام محمد اور فقہائے حنفیہ کو اثر علیؓ کے سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ امام محمدؒ نے موطا میں اپنے اور مذہب جمہور کے مسلک پر استدلال کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر پیش کیا ہے۔

عن علی بن ابی طالب قال : اذا کان ذالک دین علی الناس فقبضه فزکاۃ لما مضی : قال محمد وبہ ناخذ وھو قول ابی حنیفۃ۔
(کتاب الآثار ص۱۱۱)

ترجمہ: حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب کسی کا دین لوگوں پر ہو اور وہ اس پر قبضہ کرلے تو زمانہ ماضی کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔

یہ اثر اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے کہ یہ عام دیون کے بارے میں ہے۔ لیکن "البلاغ" نے اس اثر کو حضرت علیؓ کے ایک دوسرے اثر کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی۔ وہ اثر یہ ہے۔ عن علی ... فی الدین الظنون قال یزکیہ بما مضی اذا قبضہ ان کان صادقاً۔ (بیہقی ۱۵۰/۴)

ترجمہ: جس دین کی وصولیابی مشکوک ہو اس کے بارے میں حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر وہ دین سچا ہے تو دین پر قبضہ کرنے کے بعد پچھلے سالوں کی زکوٰۃ ادا کرے۔

حالانکہ یہ اثر دین ظنون (مال ضمار) کے بارے میں ہے اسی لئے یہ دوسرا اثر۔ امام ابو عبید اور ابن قدامہ اور دیگر حضرات فقہاء نے مال ضمار کے حکم کی دلیل کے طور پر ذکر کیا ہے کیونکہ دین ظنون مال ضمار کا ایک قسم ہے۔ اس لئے کہ دین ظنون ایک ایسا دین ہے جس کی وصولیابی کی امید بہت کم ہو گویا کہ نا امیدی ہے۔

اب قارئین خود غور فرمالیں کہ عام دیون والے اثر کی تشریح مال ضمار سے متعلقہ اثر سے مطابقت کرنا کہاں تک صحیح قرار دیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ "البلاغ" میں کیا گیا ہے اور تاثر یہ دیا گیا ہے کہ "فقہائے حنفیہ سے یہ تسامح ہوا ہے فیا للعجب۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں اثر مستقل طور پر وارد ہوئے ہیں پہلا اثر عام دیون سے متعلق ہے۔ اور دوسرا اثر دین ظنون (مال ضمار) کے بارے میں ہے۔ اور دونوں کے احکامات جدا جدا ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کوئی ایسی پابندی ہمیں معلوم نہیں کہ اگر وہ عام دیون کا مسئلہ بیان فرمادیں تو دین ظنون (مال ضمار) کا حکم بیان کرنے کی انہیں اجازت نہیں۔
الغرض: دونوں آثار اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ ایک اثر سے دوسرے اثر کی تشریح

کرنا قابل بحث ہے۔

واضح رہے کہ حضرت علیؓ کے دوسرے اثر میں "دینِ ظنون" (مالِ ضمار) کا جو حکم ذکر کیا گیا ہے "کہ وصولیابی کے بعد گزشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ اس میں واجب ہو" یہ مذہب حنفیہ کے خلاف ہے۔ بلکہ احناف کے نزدیک "مالِ ضمار" میں سرے سے زکوٰۃ واجب ہی نہیں[1]۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو دینِ ظنون والا اثرِ علیؓ حنفیہ کے نزدیک متروک العمل ہے جبکہ اول الذکر "اثرِ علیؓ" کے معمول بہ ہونے پر جمہور کا اتفاق ہے۔ تو "البلاغ" کا اثرِ متروک کو معمول بہ اثر کی تشریح میں پیش کرنا ناقابلِ فہم ہے۔ جو دینِ ظنون کی خلاف واقعہ تشریح کرنے سے ناشی ہے۔ آئندہ اوراق میں دینِ ظنون کی بحث ملاحظہ کی جائے۔

"دینِ ظنون کی بحث"

نیز "البلاغ" میں ہے:

"لہٰذا انہوں (فقہاء حنفیہ) نے ہر "دینِ قوی" کو "دینِ ظنون" قرار دے کر یہ عام حکم لگا دیا کہ اس پر نفسِ وجوب تو ہو جاتا ہے لیکن وجوبِ ادا قبضے کے بعد ہوگا۔" (صفحہ)

گزارش ہے کہ:

"البلاغ" کا مندرجہ بالا الزام بالکل خلافِ واقعہ ہے۔ حضرات فقہاء کرام تو کیا کسی ایک معمولی فقیہ عالم نے بھی ہر "دینِ قوی" کو "دینِ ظنون" قرار نہیں دیا۔ "البلاغ" کا یہ دعویٰ اس غلط فہمی پر مبنی ہے کہ ہر دین خواہ وہ کتنے ہی قابلِ اعتماد شخص کے پاس ہو اس کی عدمِ ادائیگی کا خطرہ ضرور ہوتا ہے۔ (البلاغ صفحہ) اس لئے وہ دینِ ظنون ہوتا ہے۔ حالانکہ دینِ ظنون کی یہ تعریف خود "البلاغ" ہی کی نقل کردہ تعریف کے خلاف بلکہ برعکس ہے۔ "البلاغ" صفحہ پر امام ابوعبیدؒ سے دینِ ظنون کی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ

---

[1] امام لیثؒ، قتادہؒ، اسحٰقؒ، ابوثورؒ، اہلِ عراقؒ سبھی کا یہی مذہب ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ کی ایک ایک روایت بھی یہی ہے۔ امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ مالِ ضمار میں صرف ایک سال زکوٰۃ کے قائل ہیں۔ تو گویا اثرِ علیؓ ان سب کے نزدیک معمول بہا نہیں۔

میں نقل کی گئی ہے۔

"هو الذي لا يدري صاحبه أيقضيه الذي عليه الدين أم لا
كأنه الذي لا يرجوه" - (بیہقی ص ۱۵۰ ج ۴)

دینِ ظنون کی تعریفِ بالا سے ظاہر ہے کہ دینِ ظنون وہ دین ہے کہ جس کی وصولی کی امید ختم ہو گئی ہو۔ تقریباً اسکی وصولی سے مایوسی ہو۔ ایسا دین مالِ ضمار کے ذیل میں آجاتا ہے حضراتِ فقہاء نے مالِ ضمار کی بھی قریب قریب انہی الفاظ میں تعریف کی ہے۔

"الضمار هو من حمار قال في البحر وعرفه بأنه
الغائب الذي لا يرجى" اھ (شامیة ص ۹ ج ۲ جندیہ)

جب دینِ ظنون مالِ ضمار میں داخل ہے تو کوئی ادنیٰ علم رکھنے والا بھی ہر دینِ قوی کو دینِ ظنون قرار نہیں دے سکتا۔ دوسرے لفظوں میں تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ ہر دینِ قوی مالِ ضمار ہے۔ دوسرے دین تو اس سے بھی پیچھے ہوں گے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے پس حضراتِ فقہاء کی طرف ایسی غیر معقول غلط بات کی نسبت کسی بھی طرح روا نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی غلط بنیاد پر جو مسئلہ ہوگا وہ غلط تر ہوگا۔ اس پر بعض حضرات کو یہ شبہ ہوا کہ "دینِ ظنون" اور "مالِ ضمار" کو ایک قرار دینا بظاہر کسی طرح درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ "دینِ ظنون" میں زکوٰۃ کو واجب فرماتے ہیں اور ضمار میں عدمِ وجوب کے قائل ہیں۔ تو "گزارش" ہے کہ "دینِ ظنون" "مالِ ضمار" میں شامل ہے یا نہیں اس کے فیصلہ کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان دونوں اموال کی تعریفات سامنے رکھتے ہوئے یہ دیکھا جائے کہ "مالِ ضمار" کی تعریف "دینِ ظنون" پر صادق ہے یا نہیں؟ ان دونوں اموال کی تعریفات ہم پہلے نقل کر چکے ہیں جن کی روشنی میں یہ امر صاف ظاہر ہے کہ "مالِ ضمار" کی تعریف کے تحت "دینِ ظنون" بھی داخل ہے یہ تعریفات مزید وضاحت کے ساتھ دوبارہ نقل کی جاتی ہیں۔ قال ابن عبد البر "وقيل الضمار
الذي لا يدري صاحبه أيخرج أم لا وهو الأصح" (اوجز ص ۱۴۲ ج ۲)

اور تقریباً بالکل انہی الفاظ کے ساتھ "دینِ ظنون" کی تعریف ائمہ لغت و حدیث سے منقول ہے۔ چنانچہ علامہ مجد الدین فیروز آبادی لکھتے ہیں:

الظنون ... ومن الديون ما لا يدري أيقضيه آخذه أم لا (قاموس)
هكذا في نجد و في مجمع البحار ولا زكوٰة في الدين الظنون هو الذي
لا يدري صاحبه أيصل إليه أم لا (ج ۳ ص ۴۹۶)

مصباح اللغات ص ۵۱۱ میں ہے: دینِ ظنون وہ قرض ہے جس کے متعلق یہ معلوم نہ ہو کہ وصول ہوگا یا نہیں گویا کہ اس (دینِ ظنون) کی وصولیابی کی اُمید نہیں رہی جیسا کہ امام ابو عبیدؒ نے اس کی تصریح فرما دی ہے۔ الظنون الذی لا یدری صاحبہ أیقضیہ الذی علیہ أم لا کأنہ الذی لا یرجوہ (انتہی)۔ اسی نوعیت کی نا اُمیدی "مالِ ضمار" میں بھی ہوتی ہے۔ اتنی سی کمی بیشی کا فرق معتبر نہیں۔ احکام میں اعتبار غلبۂ ظن کا ہوتا ہے۔ اگر ان تعریفات میں ائمۂ فقہ و حدیث نے غلط بیانی نہیں کی (اور یقیناً نہیں کی) تو ان کی روشنی میں بلاشبہ یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ "دینِ ظنون" "مالِ ضمار" کے تحت داخل ہے۔ لہٰذا اب تک اس کا تسامح ہونا ہم نہیں سمجھ سکے ہاں! اگر دینِ ظنون کی تعریف میں ائمہ نے غلطی کی ہے تو یہ الگ بات ہے۔ لیکن پھر بھی "البلاغ" کو ان حضرات کی تغلیط کا حق نہیں پہنچتا کیونکہ خود "البلاغ" تک میں ان حضرات سے یہ تعریف نقل کی جا چکی ہے۔ اگر یہ تعریف غلط تھی تو "البلاغ" نے اسے کیوں نقل کیا۔ عجیب بات ہے کہ اثرِ علی رضی اللہ عنہ کی تشریح ہی میں "دینِ ظنون" کی اس تعریف کو نقل کر رہے ہیں۔ اگر حضرت علیؓ کے اثر میں یہ دینِ ظنون مراد نہیں تھا تو اس اثر کی تشریح میں اس تعریفِ ظنون کے نقل کرنے کا کیا فائدہ؟ اور کیا جوڑ؟ امام بیہقیؒ وغیرہ حضرات نے بھی ابو عبیدؒ کی اس تعریفِ ظنون کو اثرِ علیؓ کی تشریح میں نقل کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضراتِ ائمۂ فقہ و حدیث کے نزدیک اثرِ علیؓ میں دینِ ظنون سے مراد وہی دین ہے جس کی وصولیابی کی اُمید (تقریباً) منقطع ہو چکی ہو اور مالِ ضمار بھی وہی ہوتا ہے جس کی وصولیابی سے نا اُمیدی ہو۔

الغرض حضرات ائمہؒ کی تصریحات سے "دینِ ظنون" کا "مالِ ضمار" کے تحت داخل ہونا بلاشبہ ثابت ہے۔ باقی رہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دوسرا اثر (لا زکوٰۃ فی مال الضمار) تو یہ کسی صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں۔ امام زیلعیؒ فرماتے ہیں:

۱ "غریب" - وفی البنایۃ اسنادہ لم یثبت مطلقاً اھ - قال الحافظ
ابن حجر فی الدرایۃ "لا زکوٰۃ فی مال الضمار لم اجدہ عن
علی ۱۵۲ - بر تقدیر ثبوت زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ حضرت علی رضی اللہ
عنہ کے دونوں اثر اس مسئلہ میں متعارض ہیں جن میں ترجیح یا تطبیق تلاش کرنا اہل
علم کی مشترکہ ذمہ داری ہے لیکن اس تعارض کا کوئی اثر "مال ضمار و دین ظنون" کے
متعلق ائمہ فقہ و حدیث کی نقل کردہ تعریفات پر نہیں پڑتا ۔

علاوہ ازیں "مال ضمار" اور "دین ظنون" کی بحث ثانوی درجے میں ہے
اصل بحث اس میں ہے کہ ہر "دین قوی" "دین ظنون" ہے یا نہیں؟ اور وہ کون سے
فقہاء حنفیہ ہیں جنہوں نے ہر دین قوی کو "دین ظنون" قرار دیا ہے ، نیز یہ کہ ہر دین خواہ
وہ کتنے ہی قابل اعتماد شخص کے پاس ہو ، الخ ، وہ دین ظنون ہے ۔ یہ کس کتاب
میں لکھا ہے ۔ اولاً ان امور کی وضاحت ضروری ہے ۔

دین ظنون کی تعریف میں خط کشیدہ آخری جملہ (کا مدہ الذی لا یرجی) ۔

عجیب تسامح : "البلاغ" میں نقل نہیں کیا گیا ، حالانکہ حاشیہ البلاغ میں تعریف
ظنون کے ذکر کردہ حوالہ سنن بیہقی میں یہ جملہ موجود ہے ۔ حتیٰ کہ "البلاغ" کے اس
مضمون کے اصل مستودہ میں بھی یہ جملہ مذکور ہے ۔ مگر اس کے باوجود البلاغ میں سے
حذف کر دیا گیا ۔

اس خط کشیدہ جملہ کو غیر ضروری قرار دینا بھی مشکل ہے ، کیونکہ دین ظنون کی تعریف کا
ایسا جز ہے کہ اس کے حذف کرنے سے تعریف کے سمجھنے میں غلط فہمی ہو سکتی ہے

"اثر ابن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کا جواب"

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان آثار کا بھی جائزہ لیا جائے جنہیں "البلاغ" نے
(بزعم خویش) اپنا مستدل بنایا ہے ۔ اثر علی رضی اللہ عنہ کے متعلق مفصل کلام گزر چکا ہے کہ
اس سے ان حضرات کا استدلال درست نہیں ، اس کے علاوہ ان حضرات نے مزید تین
اثر پیش کئے ہیں ۔ ان کا مضمون دو قسم پر ہے ..... ۱ ۔ دین لقد پر ہر سال زکوٰۃ ہے ۔

۲۔ ایسے دین کی ہر سال زکوٰۃ ادا کیا کرو۔

جواب: یہ دونوں قسم کے الفاظ ائمہ ثلاثہ اور جمہور رحمہم اللہ کے مذہب کے خلاف نہیں اور نہ ہی یہ آثار ان حضرات سے پوشیدہ تھے۔ ان آثار کی موجودگی میں سابقہ دلائل کو پیش نظر رکھ کر ہی وجہ البصیرت حضرات ائمہ ثلاثہ اور جمہور علماء نے اپنا یہ مذہب قرار دیا کہ دین میں ادائیگی زکوٰۃ قبضہ کے بعد واجب ہوتی ہے۔ پہلی قسم کا مضمون جمہور کے مسلک کے قطعاً خلاف نہیں کیونکہ وہ بھی ہر سال دین میں وجوب زکوٰۃ کے قائل ہیں۔ دوسری قسم کے الفاظ بھی جمہور کے خلاف نہیں بلکہ یہاں امر احتیاط و استحباب پر محمول ہوگا تاکہ آثار کو جمع کیا جا سکے۔ خصوصاً جبکہ ایک ہی صحابی سے دو متعارض اثر منقول ہوں۔ مثلاً ابن عمرؓ سے منقول ہے "لیس فی الدین زکوٰۃ" (مصنف عبدالرزاق ص ۱۰۴ ج ۴) دوسری جگہ منقول ہے "زکوا ما کان فی ایدیکم الخ" (بیہقی ص ۱۵۰ ج ۴)

علاوہ ازیں ممکن ہے کہ محض سہولت کو مد نظر رکھتے ہوئے سال بسال ادائیگی زکوٰۃ کے لئے کہا گیا ہو۔ نہ اس خیال سے کہ سال بسال ادائیگی واجب ہے ظاہر ہے کہ ہر سال ادائیگی میں جو سہولت ہے۔ وہ عند القبض پانچ سات سال کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں نہیں۔ مفتیان کرام اب بھی مستفتی کو ابتداءً یہی حکم دیتے ہیں کہ ادائیگی زکوٰۃ کے وقت دوسرے اموال کے ساتھ "دین" کو بھی شمار کر لیا کرو۔ لیکن اگر مستفتی یہ کہے کہ ملنے کی امید کم ہے "یا کچھ اور عذر کرے تو پھر عند القبض ادائیگی کا حکم دیا جاتا ہے۔

الغرض سال بسال ادائیگی کا مسئلہ بتلانا اس امر کی دلیل نہیں کہ مفتی دین کی وصولی سے قبل اس میں وجوب ادا زکوٰۃ کا قائل ہے۔ پس ایسے آثار سے "البلاغ" کا استدلال تام نہیں۔

حولانِ حول وجوب زکوٰۃ کی اجماعی شرط ہے۔ مگر امام زہریؒ سے منقول ہے کہ اگر سال مکمل ہونے سے پہلے کسی ضرورت میں مال خرچ کرنے کا ارادہ ہو تو پہلے اسکی زکوٰۃ ادا کرے۔ قال الزھری "کان المسلمون یستحبون ان یخرج الرجل زکاتہ قبل ان یستنفقہ" (عہ) انتہی۔ جب حولانِ حول سے قبل ادائے زکوٰۃ کو مستحسن سمجھا جاتا ہے تو بعد الحول "دین" میں بھی ادائیگی زکوٰۃ کو اگر مستحب سمجھتے ہوں تو

عہ مصنف عبدالرزاق ص ۹۴ ج ۴ ۱۲

اس میں کوئی تعجب نہیں ۔

علاوہ ازیں حضرت سیدنا امام اعظم رحمہ اللہ کے فرمان کے مطابق سب آثار جمع ہو جاتے ہیں ۔ اور اقوالِ صحابہ میں کوئی اختلاف نہیں رہتا ۔

لہٰذا ، یہ مسلک یقیناً راجح ہے ۔ اور یہی مسلک حضرات ائمہ ثلاثہؒ (و امام شافعیؒ فی قول) اور جمہور رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے کہ قرض میں نفسِ وجوب تو بہرحال ہے لیکن وجوبِ اداء قرضہ کی وصولیابی کے بعد ہی ہوگا ۔

بینک اکاؤنٹس جدید قسم کا قرض نہیں

گزشتہ اوراق میں قرضہ جات کی زکوٰۃ اور اس کے دلائل کے بارے میں مفصل بحث گزر چکی ہے ۔ قرآن ، حدیث ، آثارِ صحابہؓ اور اصولِ شرعیہ کی روشنی میں یہ واضح ہو چکا کہ ائمہ ثلاثہؒ اور جمہور سلف کے نزدیک قرضہ جات میں زکوٰۃ کا نفسِ وجوب تو سال بسال ہوتا رہتا ہے ۔ لیکن " وجوبِ اداء " قرضہ کی وصولیابی کے بعد ہی ہوتا ہے ۔ " البلاغ " نے بینک اکاؤنٹس کو قرضہ جات کے اس حکم سے مستثنیٰ رکھنے کے لئے بڑی زوردار بحث کی ہے اور اس سلسلہ میں یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ " بینک اکاؤنٹس " بالکل نئی قسم کا قرض ہے ۔ جس کی نظیر عہدِ فقہاء وغیرہ میں شاذ و نادر ہی ملتی ہے لہٰذا حضراتِ ائمہ و فقہاء جب ایسے قرضوں ہی سے نا آشنا ہیں ۔ تو ان کا حکم کیونکر بیان کر سکتے تھے ۔ فقہاء نے قرضہ جات کی زکوٰۃ کا جو حکم بتلایا ہے ۔ وہ پرانے قسم کے قرضوں کا ہے جو ان کے دور میں پائے جاتے تھے ۔

بینک کے ان جدید قرضہ جات کا حکم یہ ہے کہ وصولیابی سے پہلے ہی ان میں وجوبِ ادا ہو جاتا ہے ۔ مگر اس کے لئے " البلاغ " نے کوئی مستند صریح حوالہ قانونِ اسلامی سے پیش نہیں کیا ۔

گزارش ہے کہ بینک کا لعنتی نظام اور اسکی عبارات تو یقیناً جدید ہیں لیکن " بینک اکاؤنٹس " کو جدید قسم کا قرضہ قرار دینا صحیح نہیں ۔ عہدِ رسالت اور دورِ فقہاء میں ایسے

لہ مصنف عبدالرزاق ص ۴۹ ج ۴ ،

قرضے موجود تھے ۔

تفصیل آئندہ صفحات میں "خیرالقرون کے قرضے" کے تحت ملاحظہ فرمائیں ۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "بینک اکاؤنٹس" کو جدید قرض جس بنیاد پر بنایا گیا ہے اس کا بھی جائزہ لیا جائے ۔

بینک اکاؤنٹس کو ایک نئی قسم کا قرضہ ثابت کرنے کے لئے جو چند وجوہ فرق بیان کی گئی ہیں ان کا حاصل صرف دو امر ہیں ۔

(۱) یہ مضمون ہے (۲) سہل الحصول ہے جیسے الماری اور تجوری میں رکھا ہوا مال ۔

تو اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ بینک اکاؤنٹس ہی نہیں ہر قرض مضمون ہوتا ہے خواہ مستقرض بینک ہو یا اور کوئی شخص ۔ وہ بہر صورت شرعاً قانوناً اس کا ذمہ دار اور اسکی ادائیگی کا پابند ہوتا ہے ۔ لہذا یہ مضمون ہونا بینک اکاؤنٹس کی کوئی امتیازی خصوصیت نہیں ۔ رہا اس کا سہل الحصول ہونا ، تو اس کے بیان میں بھی مبالغہ سے کام لیا گیا ہے ۔ اس لئے کہ تصویر کا ایک ہی رخ پیش کیا گیا ہے ۔ مناسب ہے کہ دوسرے رخ پر بھی کچھ روشنی ڈال دی جائے ۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ بینک اکاؤنٹس اگر بعض وجوہ سے سہل الحصول ہے تو کئی لحاظ سے یہ صعب الحصول بھی ہے مثلاً (۱) ایام تعطیل میں وصول نہیں ہو سکتا (۲) ایام کار میں بھی چھٹی کے اوقات میں اسکی وصولیابی ممکن ہی نہیں (۳) اوقات کار میں بھی صرف محدود وقت میں رقم نکلوا سکتے ہیں مثلاً بارہ بجے تک اگرچہ بینک چار بجے تک کھلا ہے (۴) یہ سب کچھ ہونے کے باوجود اگر اتفاقاً چیک بک پاس نہیں تو بھی رقم کا حصول بغیر شناخت و ضامن کے ناممکن ہے ۔ اسکی وضاحت کے لئے یوں کر لیجئے کہ ایک شخص بینک سے اپنی رقم نکلوانے گیا لیکن وہاں پہ معلوم ہوا کہ چھٹی کا وقت ہو جانے کی وجہ سے بینک بند ہو گیا ۔ اس کو ناکام واپس آنا پڑا ۔ دوسرے روز گیا تو بینک کو کھلا پا کر مطمئن و مسرور ہوا لیکن داخل ہونے پر معلوم ہوا کہ ادائیگی رقوم کا وقت ختم ہو چکا ہے ۔ اب رقم نہیں مل سکتی ۔ یہ سن کر پریشان ہوا اور خالی ہاتھ واپس لوٹا ۔ اس بے چارے کو رقم کی فوری اور شدید ضرورت تھی ۔ رات بھر انتظار میں گزری ۔ دن ہوا ۔ بینک گئے تو بتایا گیا کہ آج فلاں صاحب کا یوم پیدائش ہے ۔ یا وفات کی تعطیل ہے اور کل جمعہ کی چھٹی ہے ۔

اب ایسے شخص کی پریشانی کا عالم کیا ہوگا۔ اس کا صحیح اندازہ مستقبل پر کر ہی ہو سکتا ہے۔ خدا خدا کر کے دن پورا ہوا اور رات گزری اگلے روز علی الصبح نماز پڑھتے ہی گھر سے چلا کیونکہ بینک اس کے گھر سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ بینک پہنچ کر یاد آیا کہ جلدی میں چیک بک گھر بھول آیا (دستخط کرنی بلا نہیں) اب وصولیابی سے محروم ہے گا مندرجہ بالا صورت میں ذرا غور فرمائیں کہ مقروض بے تاب ہے اور مستقرض کے مطالبہ پر عام قرضوں میں یہ صورتیں عموماً نہیں ہوتیں جو بینک اکاؤنٹس میں ہیں ان صعوبات کو نظر انداز کر کے مزید یہ کہ سیونگ اکاؤنٹ میں سے ایک ہفتہ کے اندر پندرہ ہزار سے زائد نہیں لے سکتے اگر لینا ہو تو ایک ہفتہ قبل اطلاع دینا ضروری ہے۔ اور فکس ڈیپازٹ جس میں ایک معین مدت تک کے لئے رقم دی جاتی ہے مقررہ مدت مکمل ہونے سے پہلے اس میں سے یہ رقم وصول نہیں کی جا سکتی۔ اور اگر بضرورت رقم وقت سے پہلے لینی پڑ گئی تو کل رقم میں دو فیصد سالانہ کے حساب سے بقیہ مدت کی کٹوتی ہوگی۔ مثلاً ایک شخص نے ایک لاکھ روپے کی رقم بارہ سال کے لئے جمع کرائی دو سال بعد اس کا مکان گر گیا یا کوئی اور فوری شدید ضرورت پیش آ گئی اور اس کو اپنی رقم بینک سے لینی پڑی تو بارہ سال میں سے دو سال کو چھوڑ کر بقیہ دس سالوں کی کٹوتی دو فیصد سالانہ کے حساب سے کر لی جائے گی جس کی مقدار بیس ہزار کے قریب بنتی ہے۔ کل رقم کا ایک خمس (پانچواں حصہ) کاٹ کر باقی چار حصے اس کو واپس مل سکیں گے۔ تقریباً بیس ہزار روپے اصل رقم سے کٹ گئے تو کیا اس سب کچھ کے باوجود "البلاغ" کا دعویٰ ہے کہ بینک قرضہ کی وصولی متیقن ہے اور یہ قرضے ایسے ہی ہیں جیسے اپنی الماری میں پڑے ہوں، حالانکہ دوسرے عام قرضوں میں کٹوتی کا کوئی ظالمانہ قانون موجود نہیں۔ ایسا ظلم صرف بینک کے لعنتی نظام ہی کی خصوصیت ہے۔

الغرض تفصیل بالا سے معلوم ہوا کہ اگر بینک اکاؤنٹس بعض وجوہ سے سہل الحصول ہے تو بعض دیگر وجوہ سے صعب الوصول بھی ہے لہٰذا یہ دعویٰ کہ مقرض اپنی رقم جب چاہے فوراً بلا تکلف واپس لے سکتا ہے "قطعاً درست نہیں۔ باقی آزادانہ تصرف میں یہ الماری اور تجوری میں رکھے ہوئے پیسوں کی طرح بھی ہرگز نہیں اس لئے کہ الماری اور تجوری میں رکھی ہوئی رقم کے حصول میں کسی قسم کی کوئی قید نہیں، نہ وقت کی نہ مقدار کی۔

حتیٰ کہ اگر چابی گم ہو جائے تو الماری اور تجوری توڑنے کا بھی یہ مجاز ہے۔ بخلاف بنک اکاؤنٹس کے کہ اس میں چیک پر دستخط ثبت کرنے کے باوجود آدمی اس کا مجاز نہیں کہ سامنے میز پر رکھی ہوئی رقم خود اٹھالے بلکہ ایسا کرنے والا قانوناً مجرم سمجھا جائے گا۔

باقی یہ تسلیم ہے کہ یہ سب کچھ انتظامی امور کے طور پر ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس سے دَین کا اندراج اور تعریف باقی رہا یا نہ رہا نیز اپنے قرضے کی وصولی میں دشواری اور تاخیر بھی ہوئی اور ایک خطیر رقم بطور جرمانہ بھی کٹ گئی۔

اب آئیے اس امر کا جائزہ لیں کہ کیا بنک اکاؤنٹس واقعی نئی قسم کا ایک ایسا قرض ہے جس کی نظیر خیرالقرون اور دورِ فقہاء میں نہیں پائی جاتی تھی۔

ہماری گزارش ہے کہ یہ دعویٰ درست نہیں کہ ایسا قرض فقہاء کرام کے عہد میں موجود نہ تھا صحیح یہ ہے کہ عہدِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم، خیرالقرون اور دورِ فقہاء میں قرض کی یہ قسم موجود رہی ہے۔ اور یہ ایسی حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔

خیرالقرون میں ایسے قرضے کی موجودگی پر قرآنی شہادت

قرآن کریم میں ہے۔ ومن اھل الکتاب من ان تأمنہ بقنطار یؤدہ الیک (اور اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر مال کا انبار ان کے پاس رکھ دو تو وہ ادا کر دیں) تفسیری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے پاس کسی نے بارہ سو اوقیہ امانت رکھے تھے، بارہ سو اوقیہ چاندی کی قیمت آجکل کے حساب سے پانچ لاکھ روپے کے قریب بنتی ہے۔ مالک کے مطالبے پر انہوں نے فوراً ادا کر دیئے۔ اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس میں اللہ پاک نے ان کے اس جذبۂ امانت کی مدح فرمائی ہے اور ان کے اندر اس جذبہ کی موجودگی کی شہادت دی ہے۔

قرض و امانت کی تفریق اتنی مؤثر نہیں اصل مسئلہ جذبۂ ادائے حقوق و دیانت کا ہے کیونکہ اسی آیت کے اگلے جزء میں ایک دینار واپس نہ کرنے والے کی مذمت بھی مذکور ہے حالانکہ یہ دینار بھی امانت تھا۔

۲۔ جب یہودی معاشرہ جس کا بخل و جفا میں مشہور ہے اپنی تمام تر بداخلاقیوں

اور لپنیستیوں کے باوجود ایسے قرض و امانت سے خالی نہ تھا تو اس مسلم مثالی معاشرہ میں ایسے قرضہ جات کے وجود کو ناپید و معدوم کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ جو [illegible] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود سے وجود میں آیا تھا۔ پس یقیناً یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایسے قرضہ جات عہد نبوی میں موجود تھے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ قرضے کی واپسی سے مانع ناداری ہوتی ہے یا بخل و بد معاملگی اور حضرات صحابہؓ میں نہ بخل و عیاری ہے اور نہ حرص و مکاری کہ دوسرے کے ادائے حق سے مانع بنے۔ رہی ناداری، سو یہ زیر بحث نہیں کیونکہ زیر بحث ایسے قرضے ہیں جو ادائیگی میں قابل اعتماد اور مالدار لوگوں پہ ہوں۔ مفلس اور نادہند لوگوں پہ قرضے زیر بحث نہیں۔

۳۔ صحابہ و تابعین کے سنہری دور میں کثرت صدقات کے جو واقعات تاریخ میں موجود ہیں جس شخص کی نظر بھی ان تاریخی حقائق پر ہوگی وہ قطعاً یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ اس دور کے لوگ مفت میں تو لاکھوں لٹا دیتے تھے لیکن قرضوں کی ادائیگی میں العیاذ باللہ پرلے بخیل تھے کہ ان میں شاذ و نادر ہی ایسا شخص ہو جو اپنا قرض بروقت ادا کرتا ہو اور جس پہ قرضخواہ کو یہ اعتماد ہو کہ جب چاہوں تو فوراً وصول کر سکتا ہوں۔ العیاذ باللہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر کوئی شخص واقعی اس عہد کے متعلق ایسے خیالات رکھتا ہے تو وہ نہ صرف حقائق کا منہ چڑاتا ہے بلکہ اس مبارک عہد پر ایک بڑی تہمت لگاتا ہے۔ مناسب تھا کہ یہاں پر اس دور کی کچھ جھلکیاں پیش کی جاتیں لیکن بخوف طوالت ہم انہیں اختصار کی نذر کرتے ہیں۔

۴۔ صحابہ کرام میں سے ایک جماعت کا یہ طرز عمل تھا کہ لوگ ان کے پاس امانتیں رکھنے آتے تھے ـــ اور وہ بغرض حفاظت ان لوگوں سے کہتے تھے امانت نہیں قرض کر دو تاکہ بصورت ہلاکت تمہارا نقصان نہ ہو مثلاً (الف) حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لوگ امانتیں رکھنے آتے۔ حضرت فرماتے امانت کی بجائے قرض کر دو جب ضرورت ہو لے لینا۔

مندرجہ بالا صورت میں قرض کی وصولی متیقن ہونے کے علاوہ یہ بھی واضح ہے کہ قرض کا محرک مستقرض نہیں بلکہ لوگ اپنے اموال بغرض حفاظت خود لا کر دیتے تھے۔

ب : حضرت عبداللہ بن عمرؓ یتیموں کے اموال کو ہلاکت سے بچانے کے لئے انہیں اپنے ذمہ قرض کر لیتے تھے فیستسلف اموال الیتیم لیعرزھا من الھلاک . اسی صورت کے بارے میں "البلاغ" میں ہے یہ صورت موجودہ بینک اکاونٹس کی صورت سے بہت قریب ہے ۔ (ص ۱۵)

۵ . قرون اولیٰ میں ایسے قرضوں کی موجودگی پر خلیفہ راشد کی شہادت

امام ابو عبیدؒ نقل کرتے ہیں ، حضرت عثمانؓ کہا کرتے تھے ایسے قرض پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ، جسے تم قرضدار سے جب چاہو مطالبہ کرکے لے سکو ۔ (ترجمہ کتاب الاموال ص ۱۳۳)

(۶) : وظائف بیت المال کو "البلاغ" نے دین مستیقن خود تسلیم کیا ہے ۔ رہ گیا یہ شکتہ میں کہ جس دین کی وصولیابی اتنی مستیقن ہو جتنی بینک اکاونٹس میں ہوتی ہے ۔

۷ ۔ ایسی وہ تمام روایات و آثار جن میں دین کی دو قسمیں ذکر کی گئی ہیں ۔

۱ ۔ دین مستیقن ۲ ۔ دین مشکوک و مظنون

قرون اولیٰ میں دین مستیقن کی موجودگی پر نص دلیل ہیں [1]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے فرمان ، و ما کان فی دین فی ثقۃ فھو بمنزلۃ ما فی اید یکم ۔ سے واضح ہے کہ اس دور میں قرض کی ایسی قابل اعتماد صورتیں بھی تھیں جن کے بارے میں یہ کہنا صحیح تھا کہ وہ اس مال کی طرح ہے جو تمہارے قبضے میں ہے ۔ "البلاغ" میں بینک اکاونٹس کو بمنزلۃ ما فی اید یکم کے قرار دیا گیا ہے اور اس جملہ کا مصداق عہد صحابہ میں بھی موجود تھا ۔ تو پھر یہ کہنا کہاں تک درست ہوگا کہ بینک اکاونٹس ایک بالکل نئی قسم کا قرض ہے ۔ جو فقہاء کرام کے عہد میں موجود نہیں تھا ۔

---

[1] مندرجہ بالا تقسیم دین حضرت ابن عمرؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم وغیرہ کے آثار میں موجود ہے اور تعجب ہے کہ یہ آثار خود "البلاغ" نے نقل کئے ہیں لیکن اس کے باوجود قرون اولیٰ میں "دین مستیقن" کے وجود سے انکار ہے بنیا تعجب ۔ بلکہ ان آثار سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ "قرون اولیٰ" میں یہی قسم اغلب اکثر تھی کیونکہ ان تمام آثار میں پہلے نمبر پر اسی "دین مستیقن" ہی کا ذکر کیا گیا ہے ۔

دورِ فقہاء میں بھی موجود تھا:

خیر القرون کے بعد حضرات فقہاء کرامؒ کے دور میں بھی ایسا قرض موجود تھا۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرامؒ عبارات کے علاوہ عنوانات تک میں اس کا ذکر کرتے ہیں۔ امام ابو عبیدؒ نے کتاب الاموال میں بیانِ مذہب کے لئے یہ عنوان قائم کیا ہے۔ قرض دینے والے پر قرض، پر زکوٰۃ ادا کرنے کے سلسلے میں مختلف اقوال وہ قرضے جو قابلِ اعتماد لوگوں پر ہوں اور انکی وصولی کی امید ہو۔ (کتاب الاموال ص۴۳۱ ج ۱)

اسی کتاب میں آگے چل کر مصنف اپنے نزدیک ایک مشترکہ مسئلہ بیان کرتے ہوئے اسکی شرط کا یوں ذکر کرتے ہیں۔ بشرطیکہ قرض آسودہ حالوں اور بھروسہ والوں پر ہو کیونکہ اندریں صورت اس مال کی حیثیت تقریباً گھر میں موجود مال کی سی ہو جاتی ہے۔

امام ابو عبیدؒ کی یہ عبارات واضح طور پر بتا رہی ہیں کہ حضرات فقہاء کرام کے دور میں ایسے قرضہ جات موجود تھے جو با اعتماد لوگوں پر ہونے اور مرجو الوصول ہونے کی وجہ سے بمنزلہ اس مال کے ہوں جو گھر میں موجود ہوتا ہے اور قرضوں کی زکوٰۃ کے احکام لکھتے وقت ایسے قرضے فقہاء کرام کے پیش نظر تھے۔ پیچھے گزر چکا ہے کہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے نزدیک دین کی زکوٰۃ بعد وجوب ادا قبضہ کے بعد ہوتا ہے۔ البتہ امام شافعیؒ اپنے دوسرے قول میں ائمہ ثلٰثہ اور جمہور سے اختلاف کرتے ہوئے قبل القبض وجوب ادا کے قائل ہوئے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ دین جس میں حضرات ائمہ کا اختلاف ہے ایسا دین ہے جو "مقر" "حسنِ معاملہ" میں اچھی شہرت کے مالک، دولتمند شخص پر ہو۔ بنا بریں اس دین کی وصولیابی اور اس میں تصرف پر دائن کو پوری قدرت حاصل ہو کر جب چاہے وصول کر سکے اور سہل الوصول ہونے کے اعتبار سے یہ دین مثل ودیعت کے ہو۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اس دین کے بارے میں یہ الفاظ تحریر فرمائے ہیں۔ "الدین الحال علی ملیء وفی" (الزوائد ص۱۴۲ ج۲) ابن قدامہ نے اسی دین سے متعلق لکھا ہے "دین علی معترف بہ باذل لہ"۔۔۔ اور آگے امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب اور انکی دلیل نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ قال.... الشافعی..... علیہ اخراج الزکوٰۃ فی الحال وان لم یقبضہ لانہ قادر علی اخذہ والتصرف فیہ فلزمہ اخراج

الزکوٰۃ فی المال وان لم یقبضه لانه قادر علی اخذه والتصرف فیه فلزمه اخراج زکوٰته کالمال ودیعة ..... اھ (مہذب ۱/۱۴۲)

مندرجہ بالا تصریحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرات ائمہ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد وغیرہ رحمہم اللہ اجمعین کے زمانہ اور دور فقہاء میں ایسے دیون موجود تھے جو بقول "البلاغ" دین حقیقی میں شمار کئے جا سکتے ہیں۔

الغرض: البلاغ میں بینک اکاؤنٹس کے جو خصوصی اوصاف شمار کئے گئے ہیں اور جن کی بنیاد پر ہی بینک اکاؤنٹس کے متعلق نئی قسم کا قرض ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ وہ سب کے سب خیر القرون اور دور فقہاء کے دیون میں موجود نظر آتے ہیں۔ مثلاً وصولی پر ہر وقت قدرت، تصرف پر بھی اختیارات اور تصرف پر کامل قدرت ہونے کی وجہ سے امانت کے ساتھ مشابہت، یا اعتماد جگہ پر ہونے کی بناء پر وصولیابی کا یقین۔ اور تقدیراً ایسا ہونا جیسے اپنے قبضے میں ہے "بمنزلة ما فی ایدیکم" وغیر ذلک۔ یہ تقریباً وہی الفاظ ہیں، جو البلاغ میں "بینک اکاؤنٹس کی مدح سرائی کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔ اور بالکل انہی صفات کی بناء پر امام شافعی رحمہ اللہ اس قسم میں قبل القبض "وجوب ادا" کے قائل ہوئے ہیں۔ اور یہ اس قسم کے قرض کی اس عہد میں موجودگی پر بیّن دلیل ہے لیکن اس کے موجود ہونے کے باوجود جمہور حضرات ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ خصوصاً ائمہ احناف اس میں قبل القبض "وجوب ادا" کے قائل نہیں ہوئے۔ اور خود امام شافعی رح کا دوسرا قول بھی حضرات جمہور رح کے موافق ہے۔

تفصیل بالا سے ثابت ہوا کہ "بینک اکاؤنٹس" قطعاً جدید قسم کا قرض نہیں۔ اور یقیناً "قرض" ہے۔ اور اس نوعیت کے دیون قرون اولیٰ اور دور فقہاء میں پوری شہرت کے ساتھ موجود تھے۔

بلکہ اس گئے گزرے زمانہ میں بھی اسکی بکثرت نظیریں موجود ہیں، اگرچہ غلبہ دوسری نوع کا ہے۔

عملی پیچیدگیاں: نیز اصطلاح میں "بینک اکاؤنٹس" کو جدید قسم کا قرض ثابت کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ....

اگر بینک اکاؤنٹس پر زکوٰۃ کے وجوب (ادا) کے لئے دوسرے دیون کی طرح ان کے نقد ہونے کی شرط لگائی جائے تو اس سے ایسی عملی پیچیدگیاں پیدا ہوں گی کہ زکوٰۃ کی ٹھیک ٹھیک ادائیگی بہت مشکل ہو جائے گی۔ پھر امام ابو عبید رحمہ اللہ کی ایک عبارت مال مستفاد کے بارے میں نقل کر کے فرماتے ہیں کہ "بینک اکاؤنٹس" کے بارے میں تو اس قسم کا حساب کتاب تقریباً ناممکن ہے۔

گزارش: عملی پیچیدگی کا عذر بھی معقول نہیں اور مال مستفاد پر قیاس بھی قیاس مع الفارق ہے۔ اس لئے کہ مال مستفاد کی ادائیگی زکوٰۃ اختتام سال پر نہیں وصولی دین کے بعد فوری ادائیگی ہے۔ اس تاریخ کو سال تک محفوظ رکھنے کی قطعاً کوئی حاجت نہیں۔ ہاں سہولت کے لئے اپنے طور پر ہفتہ، عشرہ، مہینہ وغیرہ کی مدت مقرر کی جا سکتی ہے کہ ان ایام میں جتنی وصول ہوگی اس کی ایک بار ہی زکوٰۃ نکال دی جائے گی۔ فوری ادائیگی اموال نقد میں بھی ضروری نہیں ہوتی حساب کر لیا جاتا ہے پھر ادائیگی حسب مصلحت ہوتی رہتی ہے اس کے لئے مزید کسی کلرک یا منشی کے رکھنے کی ضرورت نہیں۔ بینک سے برآمد ہونے والا ایک ایک پیسہ بھی چیک بک میں محفوظ ہوتا ہے۔ زکوٰۃ ادا کرنی ہو یا نہ۔ کافر ہو یا مسلمان۔

باقی رہی یہ بات کہ نسبتاً اس میں تکلف ہے تو گزارش ہے کہ جب بھی کسی ضابطے کی پابندی کی جائے گی کچھ نہ کچھ تکلف تو ہوگا ہی۔ کیا یہ تکلف سعاۃ کے زکوٰۃ وصول کرنے کے تکلف سے بھی زیادہ ہے؟ جنہیں کھیتوں اور جنگلوں میں مارا مارا گھومنا پڑتا ہے۔

رہ جواب (۱): کا تعلق بینک سے برآمد کی جانے والی رقم کے ساتھ ہے بینک میں داخل کی جانے والی کے ساتھ نہیں خواہ دن میں سو مرتبہ بھی داخل کرائے۔ چیک بک اور جسٹرات میں نہ بھی یہ رقمیں غلط ہوتی ہیں۔ لہٰذا جمع کرنے کی بات کرنا موضوع سے غیر متعلق ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ "بینک اکاؤنٹس" عرف اور عرف عام میں قرض ہے اور مسلک جمہور کے مطابق اس میں حساب و کتاب رکھنا کوئی ناممکن نہیں۔

"احکام قرض کے نفاذ سے گریز"

بینک اکاؤنٹس کو قرض تسلیم کرنے کے بعد اس پر احکام قرض کا نفاذ ضروری ہے یعنی قرض دینے والے کے ذمہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا وجوب وصولیابی کے بعد ہو۔

مگر افسوس کہ "البلاغ" نے بینک اکاؤنٹس کو از خود ایک نئی قسم کا قرض ایجاد کرنے کی جسارت پر "کتب فقہ" میں موجود تقریباً جملہ مسلّم احکامات پر عمل سے گریز کیا ہے اور اپنے موقف کو فقہاء کرام کے بیان کردہ مسلّمہ ضابطوں کی روشنی میں پرکھنے کی بجائے بذات خود آثار و روایات سے استدلال شروع کر دیا۔

اسی ضمن میں جب دعویٰ کیا گیا ہے کہ حکومت کو یہ حق اختیار ہے کہ بینک اکاؤنٹس سے براہ راست جو کہ وہ مدیون ہے، زکوٰۃ کاٹ لیا کرے تو اس پر عرض کیا گیا کہ زکوٰۃ فرض ایک دائن پر ہے اور وصول دوسرے مدیون سے کی گئی تو اس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ "اگر دین متعین ہو" جیسے بینک اکاؤنٹس کا ہے تو گویا دائن کا قبضہ تصور کر کے مدیون سے زکوٰۃ لی جا سکتی ہے۔ پھر اس سلسلہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک اثر سے استدلال کیا ہے کہ تنخواہ لینے والا یہ بتاتا کہ اس کے پاس ایسا مال ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہے تو حضرت صدیق اکبرؓ جو تنخواہ اسے دینا چاہتے تھے اس میں سے زکوٰۃ کاٹ لیتے تھے

گذارش ہے کہ یہ اثر "کتب فقہ" میں لکھے گئے احکام قرض کے متعلق قطعاً نہیں۔ اور نہ ہی فقہاء سے یہ اثر پوشیدہ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ فعل دینے والے کی مکمل رضامندی اور موجودگی میں ہوتا تھا — — — ہم پیچھے تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں کہ صدر اول میں "نظام زکوٰۃ طوع پر مبنی تھا۔ طوع سے ادائیگی محل نزاع نہیں زیر بحث امر یہ ہے کہ کیا اس میں جبر و اکراہ درست ہے یا نہیں۔

"وصولیٔ زکوٰۃ کا نظام طوع و رغبت پر مبنی تھا"

حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین صدق دل سے اسلام لائے۔ صحبت نبویؐ سے ایمان و یقین ان کے قلوب کی گہرائیوں میں اتر چکا تھا۔ قال تعالیٰ اُولٰئک الذین کتب

فی قلوبهم الایمان وایدهم بروح منه ۔ الآیة

حضرات صحابہ و تابعین کے بارے میں ان کے اخلاص و صداقت پر قرآنی شہادتوں کے بعد ہمارا غیر متزلزل یقین ہے کہ یہ حضرات ارکانِ اسلام نماز ، روزہ ، حج ، زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی جبر و اکراہ سے نہیں بلکہ کامل طوع و رغبت اور بشاشتِ قلبی سے کرتے تھے۔ عہدِ صحابہ کا منظر جس کے سامنے ہو اُسے یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ اس مبارک اور مثالی دَور میں جس طرح "نظامِ صلوٰۃ" جبر و اکراہ پر مبنی نہ تھا اسی طرح یہ "نظامِ زکوٰۃ بلکہ نظامِ جہاد" بھی اکراہ و جبر پر مبنی نہ تھا۔ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اپنی جان کی قربانی پوری رضا خوشی سے پیش کرتے تھے۔ صحابی سفیر کے یہ الفاظ یاد ہوں گے۔ "الموت عندهم احلیٰ من شرب الخمر"۔ ایک صحابی زخمِ جاں پر برچھا کھا کر کہتے ہیں "فزت ورب الکعبة"۔ جن حضرات کی تاریخ یہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے "جان" کا "نذرانہ" بھی اس خوشی سے پیش کرتے ہوں ان کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں کی جا سکتی کہ وہ فریضۂ زکوٰۃ کی ادائیگی کسی حکومتی "جبر و اکراہ" کے تحت کرتے ہوں گے قرونِ ثلاثہ میں جبری کٹوتی کا شاید ایک واقعہ بھی پیش نہ کیا جا سکے۔ پس جبری کٹوتی کے جواز کے لئے اثرِ صدیقی وغیرہ سے استدلال درست نہیں۔

علاوہ ازیں ، ہمیں تعجب ہے کہ اثرِ مذکور کو اپنے دعویٰ کی دلیل کیسے بنایا گیا حالانکہ فقہاء نے قرآن و حدیث کی روشنی میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ "ادائیگی زکوٰۃ کے وقت مالک کا موجود ہونا درجۂ شرط میں ضروری ہے۔ حتیٰ کہ اموالِ ظاہرہ میں اگر ساعی نے مالک کی عدم موجودگی میں مقدارِ زکوٰۃ وصول کرلی تو ادا نہ ہوگی۔ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں: ومنها ظهور المال وحضور المالك" اور مذکورہ اثرِ صدیقی میں بھی یہی کچھ ہوا کہ زکوٰۃ حاضر مالک سے وصول کی گئی بخلاف بینک اکاؤنٹس کے کہ اس میں مالک کی موجودگی تو کجا مستقیداری کو خبر بھی نہ ہوتی ہو۔ نیز یہ اصول کہ دَینِ مستحق میں نقدیہؒ "دائن" کا قبضہ قرار دے کر زکوٰۃ وصول کی جا سکتی ہے۔ فقہ کے بے شمار مسلّم ضوابط کے خلاف ہے۔

(۱) مسئلہ متون میں مصرح ہے۔ حاضر (دائن) کا قبضہ بھی ۔۔۔ بدون تخلیہ کے معتبر نہیں چہ جائیکہ غائب کا۔

(۲) اسی طرح متون میں ہے کہ "اگر دائن غائب ہو اور اس پر کچھ حقوق واجب ہوں تو اصحاب حقوق مدیون سے علی الاطلاق اپنے حقوق براہ راست وصول کرنے کے مجاز نہیں اور ان کے اس استدلال کو قبول نہیں کیا جائے گا کہ مدیون چونکہ نہایت شریف آدمی ہے دائن کے مطالبہ پر فوراً اس کا دین ادا کر دیتا ہے لہٰذا مال مدیون اب دائن کے قبضہ و ملک میں آ چکا ہے۔ اس لئے انہیں اپنے حقوق وصول کرنے کا پورا اختیار ہے۔

(۳) مستنبط اصول کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ جو حقوق بھی دائن پر واجب ہیں۔ مدیون بلا اجازت و رضا دائن کے سبب میں اس کا مال خرچ کرے پھر تو یہ مدیون متبرع یا بلکہ وکیل بن گیا۔ علاوہ ازیں یہ فرمان کہ دین متیقن کے قبضے سے پہلے ہی اس سے زکوٰۃ وصول کی جا سکتی ہے۔

دین متیقن کی قید سمجھ میں نہیں آتی۔ مدیون اگر دائن کی طرف سے بغیر اس کی اجازت کے مال خرچ کرلے اور دین میں سے وضع کرلے تو مدیون کا یہ تصرف اگر دین متیقن میں معتبر ہو سکتا ہے اور اسے دین میں سے وضع کرنے کی اجازت ہے تو دین غیر متیقن میں مدیون کو اس تصرف کی کیوں اجازت نہیں ؟ وجہ فرق واضح اور شرعی دلیل کے ساتھ مطلوب ہے۔

علاوہ ازیں اس کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ دین متیقن کی تعریف کیا ہے ؟ کیا صرف بینک اکاؤنٹس اور حکومتی وظائف ہی اس کے ضمن میں آتے ہیں یا کوئی دوسرا دین بھی اس میں داخل ہو سکتا ہے ؟ اگر یہ دین متیقن صرف انہی دو میں منحصر ہے تو حضرت ابن عمرؓ پر بیان کا جو دین تھا وہ دین متیقن میں کیسے داخل ہو گیا اگر ثقاہت ابن عمرؓ کی بنا پر ان کے ذمہ واجب الادا دین کو دین متیقن قرار دیا جا سکتا ہے تو دیگر حضرات صحابہ خلفاء راشدین، ابن مسعودؓ، ابو عبیدہؓ، ابن عوف الاعرجؓ اور حضرت زبیرؓ جیسے حضرات کے ذمہ جو دیون تھیں یہ دین متیقن کا مرتبہ کیوں حاصل نہیں کر سکتے ؟ اگر یہ سب دیون انتہائی قابل اعتماد حضرات کے ذمہ ہونے کی وجہ سے دین متیقن کے ذیل میں شمار کئے جا سکتے ہیں تو بینک کی کیا خصوصیت رہتی ہے ؟ براہ کرم اس کی بھی وضاحت ہونی چاہئے ——— ۔ دین مدیون کا مملوک اور حقیقتاً اس کے قبضے میں ہوتا ہے اس پر صرف دائن کا تقدیری قبضہ کرا لینے سے کیا مدیون کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی مرضی

کے مطابق دائن کے ذمہ واجب ادائیگیوں میں خرچ کرسکے اور دین میں سے وضع کرتا رہے۔ مثلاً دائن نے کسی کو قرضہ دینا ہے یا دائن نے کسی سے سودا کیا ہوا ہے یا اس کے ذمہ کوئی اخراجات واجب ہیں تو کیا براہ راست بغیر رضامندی دائن کے اسے ان ادائیگیوں کا اختیار ہے؟ ہرگز نہیں!

تقدیری قبضہ: اس کی بھی تعریف ہونی چاہیئے کہ تقدیری و حکمی قبضہ کیا ہے؟ اہل علم کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ دین پر وصولی سے قبل دائن کا نہ حقیقی قبضہ ہے اور نہ حکمی قبضہ ہے۔ حقیقی قبضہ کا انتفاء تو ظاہر ہے حکمی قبضہ بھی نہیں۔ کیونکہ مالک کا حکمی قبضہ اس مال میں تصور کیا جاتا ہے جس میں حقیقی قابض کو اپنی رائے سے آزادانہ تصرف کی اجازت نہ ہو جیسے ودیعت۔ اور جس مال میں قابض کو آزادانہ تصرف کے اختیارات ہوں۔ اس مال پر حقیقی اور حکمی قبضہ اسی قابض کا ہی تصور کیا جاتا ہے کسی دوسرے کا نہیں۔ جبکہ ادھار ثمن میں جبکہ اپنی صواب دید کے مطابق تصرف کرتا ہے۔ کاروبار کی جزوی اجازت کا محتاج نہیں۔ تو دین خواہ کسی بھی قسم کا ہو صرف مدیون ہی کے حقیقی اور حکمی قبضہ میں ہوتا ہے۔ اس پر دائن کا حکمی قبضہ قرار دینا۔ دلائل کی روشنی میں درست نہیں۔

حضرات فقہاء نے عبد ماذون کی کمائی کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ مولیٰ کی ملکیت ہے لیکن مولیٰ جب تک عبد ماذون سے وہ مال وصول نہ کرلے زکوٰۃ کی ادائیگی واجب نہیں۔ کیونکہ یہ مال غلام کے قبضہ میں ہے۔ اس مال پر مولیٰ کا حقیقی اور حکمی دونوں قسم کا قبضہ منتفی ہے حالانکہ عبد ماذون کی کمائی مولیٰ کے تصرف کے لحاظ سے دین کی بنسبت زیادہ اقرب ہے۔ مولیٰ جب چاہے بلا کسی دستاویزی تحریر یا شہادت کے براہ راست اس کے مال پر قبضہ کرسکتا ہے۔ اور دین میں یہ ضروری ہے۔ چنانچہ البحر الرائق ص ۲۲۳ ج ۲ میں ہے۔

والاصح انه لا يلزمه الاداء قبل الاخذ لانه مال تجارة من يد المولى لان يد العبد يد اصالة عن نفسه لا يد نيابة عن المولى بدليل انه يملك التصرف فيه اثباتا وازالة فلم تكن يد المولى ثابتة

علیه حقیقة ولا حکما فلا یبرئه الاداء مالم یصل الیه کالدیون ولا کذلک الودیعة انتهی...

"حکم زکاۃ کے بارے میں مال تا ذون کو دیون پر قیاس کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ دیون پر دائن کا نہ حقیقی قبضہ ہوتا ہے نہ حکمی۔ صرف دیون کو مقیس علیہ بنانا صحیح نہیں۔ دائن کے حکمی اور تقدیری قبضہ سے یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ مال (دین) مدیون کی ملک سے نکل کر دائن کی ملک میں داخل ہو گیا ہے۔ چہ جائیکہ حضرات فقہاء نے دائن کے قبضہ تقدیری اور حکمی کی بھی نفی کر دی ہے کہ دائن کا یہ قبضہ بھی نہیں ہوتا۔

پس ــــ اصل سوال باقی رہا کہ مدیون اپنے مال میں سے دائن کی زکاۃ اجازت کے بغیر ادا نہیں کر سکتا۔ نیز "البلاغ" میں ہے:

"اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما وغیرہ کے اس عمل کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

وفیہ دلالۃ علی انہم کانوا یاخذون زکوٰۃ العطاء لکونہ دینا مستقرا علی بیت المال والا لم یکن لاخذ الزکوٰۃ منہ معنی"۔

گزارش ہے کہ مذکورہ بالا عبارت "البلاغ" دو وجہ سے مخدوش ہے۔

اولاً: بایں وجہ کہ حضرت صدیق اکبرؓ کا یہ طرز عمل اعلاء السنن (ج ۹ ص ۱۲) میں اس مقام پر مذکور نہیں۔ لہذا حضرت صدیق اکبرؓ کا نام ذکر کرنا صریح تسامح ہے۔

ثانیاً: اس لئے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے متعلق بلا تردید یہ نقل کرنا۔ کانوا یاخذون زکوٰۃ العطاء ــــ قابل اعتراض ہے کیونکہ وہ حضرات زکاۃ عطاء وصول نہیں کرتے تھے۔ بلکہ دوسرے مال کی زکاۃ جو کہ گھر وغیرہ میں رکھا ہوتا تھا۔ اس مال کی زکاۃ عطاء میں سے وصول کرتے تھے۔ چنانچہ "البلاغ" میں بھی یہ تسلیم کیا گیا ہے لکھتے ہیں:

"حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کا طرز عمل تو یہ تھا کہ وہ تنخواہیں جاری کرتے وقت ان اموال کی زکاۃ تنخواہوں سے وصول فرما لیتے تھے۔ جو تنخواہ دار کے گھر، دکان یا کسی دوسرے مقام پر اس کی

ملکیت میں ہوتے تھے۔"

پس اس تحقیق کا علم ہوتے ہوئے ایک خلاف تحقیق عبارت سے استدلال کرنا قابل تعجب ہے خصوصاً جبکہ اقتباس بالا کے متصل پہلے اثر صدیق رضی اللہ عنہ "البلاغ" ہی میں مذکور ہے جس میں زکوٰۃ عطاء کی وصولی موجود نہیں۔

"اثر ابن عمر رضی اللہ عنہ سے استدلال درست نہیں"

بعض حضرات نے اپنے مذکورہ دعویٰ کی دلیل میں اثر ابن عمر رضی اللہ عنہ سے استدلال کیا ہے۔ ان حضرات نے اس اثر سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنے زیر کفالت یتامیٰ سے مال قرض لے لیتے تھے۔ پھر باوجودیکہ مدیون ہوتے تھے مگر ان کی طرف سے دین کی زکوٰۃ ادا کرتے تھے۔ یہ صورت موجودہ بینک اکاؤنٹس سے بہت قریب ہے۔ معلوم ہوا کہ دین مستحقین کو تقدیراً دائن کے قبضہ میں قرار دے کر اس سے زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے

گزارش یہ ہے کہ:

اولاً: تو مذکورہ بالا اثر کا زیر بحث مسئلہ "کہ بینک اکاؤنٹس میں زکوٰۃ ہے یا نہیں" سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ یتامیٰ کے شرعی ولی تھے جن یتامیٰ کے مال میں بیع وشراء، اجارہ، وصولی محصولات، نفقہ اقارب وغیرہ کے جیسے اختیارات حاصل ہیں، ان کے ذمہ جیسے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے، اسی طرح زیر کفالت یتامیٰ کے مال سے بھی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے حتیٰ کہ یتیم کی نیت کی بھی حاجت نہیں بلکہ ولی کی نیت ہی کافی ہے۔

ثانیاً: نابالغ پر زکوٰۃ کے نفس وجوب ہی میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک واجب ہے احناف کے نزدیک نہیں۔ قال فی الاوجز ص ۱۱۹/ج۲: اختلف اهل العلم فی هذا الباب فرأی غیر واحد من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم فی مال الیتیم زکوٰة منهم عمر وعلی وعائشة وابن عمر وبه یقول مالک والشافعی واحمد واسحٰق وقالت طائفة من اهل العلم لیس فی مال الیتیم

زکوٰۃ وبہ قال سفیان الثوری وعبد اللہ بن مبارک، قال العینی وبہ قال ابوحنیفۃ واصحابہ ...... الی ان قال ...... وحکی عنہ اجماع الصحابۃ۔

پھر جن کے نزدیک واجب ہے وہ حضرات بھی نابالغ کو اس کا مکلف نہیں بناتے بلکہ اس کے ولی کو مکلف بناتے ہیں کہ اس پر واجب ہے کہ زکوٰۃ نکالے چنانچہ مغنی میں ہے: والصبی والمجنون یخرج عنہما ولیہما۔

آگے چل کر لکھتے ہیں:

"فکان علی الولی اداؤہ عنہما کنفقۃ اقاربہ وتعین الولی فی الاخراج"

پس ولی کے ذمہ ان دونوں کی طرف سے ادائیگی واجب ہے۔ نفقۂ اقارب کی طرح اور زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے خود ولی ہی کی نیت کا اعتبار ہے، یتیم کی نیت بھی ضروری نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ جن حضرات کے نزدیک نابالغ کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے ان کے نزدیک وجوب اداء علی الولی ہے خواہ وہ نابالغ کا مدیون ہو یا نہ ہو۔ اگر مدیون ہو بھی یعنی تب بھی یہ وجوب اداء من حیث الولی ہوگا۔ نہ کہ من حیث المدیون۔ ورنہ تو لازم آئے گا کہ اگر ولی مدیون نہ ہو تو پھر ان حضرات کے نزدیک بھی وجوب ادا علی الولی نہ ہو تو پھر گویا وجوب ادا کی علت مدیون ہونا قرار پایا نہ کہ ولایت۔ وھذا باطل ۔ اب مذکورہ گزارش کی روشنی میں "اثر ابن عمرؓ" پر غور کیجئے۔ تو واضح ہو جائے گا کہ وہ زیر پرورش یتیموں کی زکوٰۃ من حیث الولی نکالتے تھے جس کا اخراج ان کے مسلک کے مطابق بہر حال ان پر واجب تھا۔ باقی رہا یہ فرمان کہ یہ صورت موجودہ بینک اکاؤنٹس سے بہت قریب ہے۔ بشکریہ کہ یہ صورت تو بینک اکاؤنٹس کی نظیر بن گئی۔ ورنہ ابتداءً دور اول میں اس کی نظیر ملنے کا ہی انکار کر دیا تھا۔

باقی رہا یہ فرمان کہ دین حقیقی کو تقدیراً دائن کے قبضہ میں قرار دے کر اس سے زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے۔ یہ درست نہیں۔ ویسے اس کے متعلق مفصل کلام گزر چکا ہے۔

نیت کی بحث: "البلاغ" میں بینک سے کٹوتی زکوٰۃ کے لئے مالک کی نیت کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے نفس وصول اور کٹوتی کو مالک کی

نیت کے نا تمام قرار دیا گیا تھا۔ حالانکہ یہ درست نہیں۔ اس سلسلہ میں تفصیلی بحث ملاحظہ ہو۔ جملہ عبادات کی صحت کے لئے نیت ضروری ہے۔ زکوٰۃ بھی ایک عبادت ہے اسکی صحتِ ادا، نیت مالک پر موقوف ہے۔ درمختار میں ہے۔

"وشرط صحة ادائها نية مقارنة له اى للاداء الخ"۔[1]

ہدایہ میں ہے۔

"ولا يجوز اداء الزكوة الا بنية مقارنة"۔

زکوٰۃ کے لئے اشتراط نیت کی دلیل ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لان الزكوة عبادة فكان من شرطها النية"۔[2]

عنایہ میں ہے:

"لان الزكوة عبادة فلا بد لها من نية الخ" (صفحہ مذکور)

علامہ کاسانی صاحب البدائع لکھتے ہیں:

"اما الذى يرجع الى المؤدى فنية الزكوة" آگے چل کر فرمایا: "لان الزكوة عبادة مقصودة فلا تتأدى بدون النية كالصوم والصلوة"۔[3]

صحتِ عبادات کے لئے نیت کا وجود ایک اجماعی شرط ہے۔ علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں: "اختلف علماء الامصار هل النية شرط فى صحة الوضوء ام لا بعد اتفاقهم على اشتراط النية فى العبادات لقوله تعالى وما امروا الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين ولقوله صلى الله عليه وسلم انما الاعمال بالنيات الخ (متفق علیہ)"۔[4]

علامہ ابن نجیم نے بھی صحت ادائے زکوٰۃ بلکہ تمام عبادات مقصودہ میں نیت کو اجماعی شرط قرار دیا ہے۔ چنانچہ کتاب الزکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

"وهى اى النية شرط بالاجماع فى العبادات كلها المقاصد"۔[5]

فقہائے کرام کی ان تصریحات کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ عام

---

[1] شامی ج[illegible] ص[illegible] [2] فتح القدیر ج[illegible] ص[illegible] [3] بدائع ج[illegible] ص[illegible] [4] ہدایہ؟ ج[illegible] ص[illegible] [5] بحر ج[illegible] ص[illegible]

حالات میں زکوٰۃ کی ادائیگی بدون نیت مالک شرعاً صحیح نہیں خواہ اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ ہو یا اموالِ باطنہ کی کیونکہ یہ دونوں قسمیں مطلق زکوٰۃ کا فرد ہیں۔ اور عبادات مقصودہ میں سے ہیں۔

(الف) :- اس فقدانِ نیت کی بنا پر ترکہ میں سے بدون وصیتِ میت زکوٰۃ وصول نہیں کی جا سکتی۔ بحر میں ہے :

"لو مات من عليه الزكوٰة لا تؤخذ من تركته لفقد شرط صحتها وهو النية"[1]

(ب) :- اگر خود فقیر ہاتھ بڑھا کر مال اٹھا لے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ بدائع میں ہے :

"لو مد يده وأخذه من غير أداء من عليه لا تسقط عنه الزكوٰة" ..

حضرات ائمہ و فقہائے کرام کی ان واضح تصریحات کی روشنی میں جب ہم جبریہ کاوش سے کٹوتی زکوٰۃ پر غور کرتے ہیں تو اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ بدوں رضامندی مالکان کے اسے شرعاً زکوٰۃ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ ادائیگی زکوٰۃ اور صحتِ عبادات کے لئے بنیادی اور اجماعی شرط نیتِ مالک اس میں مفقود ہے جس پر زکوٰۃ کا زکوٰۃ ادا ہونا موقوف تھا۔ پہلے ہم بتا آئے ہیں زکوٰۃ سرکاری ٹیکس نہیں بلکہ رکن اسلام اور اہم ترین عبادات مقصودہ میں سے ہے۔ ٹیکس میں صرف تحصیلِ مال مقصود ہوتی ہے اور عبادات میں ایسا نہیں۔ اہل علم پر مخفی نہیں کہ اس وقت زیر بحث عام حالات میں سرکاری وصولی زکوٰۃ کا مسئلہ ہے بحالت انکار و امتناع مالک، کا نہیں لیکن البلاغ میں اجماعی شرط نیت کو کالعدم قرار دینے کے لئے جتنی عبارات پیش کی گئی ہیں۔[2] وہ سب کی سب ممتنع کے بارے میں ہیں۔ چنانچہ ان عبارات کے الفاظ ان کے ممتنع سے متعلق ہونے پر صراحتاً دلالت کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

"لو امتنع عن زكوٰة ماله وأخذها الإمام كرهاً" الخ (بحر و شامی)

"يأخذها الإمام قهراً" الخ (معنی یہ ہے زکوٰۃ الممتنع) (عنایۃ الفتح)

کہ اگر کوئی شخص حکومت کے مطالبے کے باوجود ادائیگی زکوٰۃ نہیں کرتا تو آخری اور انتہائی اقدام کے طور پر اس سے زبردستی زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ اور اس صورت میں نیت سلطان کو کافی قرار دیا گیا ہے۔ لیکن "جو مسئلہ ہمیں درپیش ہے اور جو صورت

---

[1] بحر ج ۲ ص ۲۲۲ بحوالہ ایک عبارت کے ۱۲

ہمارے زیر بحث ہے وہ ایسی نہیں۔ اس میں نہ حکومت کی طرف سے عامل بھیج کر ادائیگی زکوٰۃ کا کوئی بھی (انفرادی) مطالبہ پایا گیا اور نہ ہی عوام الناس نے ادائیگی زکوٰۃ سے انکار کیا تو ان حالات اضطرار سے متعلقہ جزئیات سے استدلال کرنا بے سود ہے مفید مدعا نہیں۔

جزئیہ شامی پر بحث

قرآن و حدیث اور اجماع سے ثابت شدہ شرط کو ساقط کرنے کے لئے "البلاغ" شمارہ میں شامی کا ایک جزئیہ پیش کیا گیا ہے۔ جو زیر بحث صورت سے غیر متعلق ہونے کے علاوہ متفق علیہ بھی نہیں کیونکہ یہ جزئیہ ممتنع کے بارے میں ہے اور بحث عام حالات کے بارے میں ہے اور اس کے مقابلے میں دوسرے متعدد جزئیات موجود ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ساعی امتناع مالک کی صورت میں بھی جبراً زکوٰۃ وصول نہیں کرے گا۔ اور اگر وصول کرے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ بحر میں ہے۔

"لو امتنع من ادائها فالساعي لا يأخذ منه كرهاً ولو اخذ لا يقع عن الزكوٰة لكونها بلا اختيار ولكن يجبره بالحبس ليؤدي بنفسه۔"

علامہ ابن نجیمؒ نے بحر الرائق میں مزید نقل کیا ہے۔

"ولا يأخذها من سائمة امتنع ربها من ادائها بغير رضاه بل يأمره ليؤديها باختياره" درمختار میں ہے: "ولو اخذها الساعي جبراً لم تقع زكوٰة لكونها بلا اختيار ولكن يجبره بالحبس ليؤدي بنفسه۔"

نیز شامیہ کا یہ جزئیہ خلاف اصول بھی ہے اسی لئے صاحب تنویر نے اس پر عدم نیت کا شبہ ظاہر کیا ہے۔ اور حضرات فقہاء نے اس شبہ کو برقرار رکھا ہے۔ علامہ شامیؒ نے اگرچہ اس کا جواب دینے کی کوشش کی ہے لیکن انہیں خود اپنے جواب میں تردد اور تامل ہے جیسا کہ جواب کے آخر میں لفظ "تأمل" کہنے سے ظاہر ہے۔ علامہ شامیؒ کے الفاظ یہ ہیں: قلت: قول الكرخي مقام اخذه الخ يصلح جواباً تأمل۔ نیز اس کو علامہ ابن نجیم نے ضعیف قرار دیا ہے۔ "فما ذكره البعض لاصحابنا ان من امتنع عن اداء الزكوٰة فاخذها الامام كرهاً ووضعها في اهلها تجزيه لان للامام ولاية اخذها فقام اخذه مقام دفع المالك باختياره ضعيف۔" الاشباه والنظائر ج ۲ ص ۔

جس جواب میں خود علامہ شامیؒ کو تامل ہے۔ اسے بلا تامل کیسے قبول کیا جا سکتا ہے
علاوہ ازیں یہ جزئیہ زیر بحث صورت پر منطبق بھی نہیں۔ جزئیہ سے متعذر، مالک مفہوم ہوتا ہے
کہ حاضر مالک سے زکوٰۃ لی گئی تو یہ مسئلہ ہے اور کٹوتی جیک میں مالک غائب ہے اس کی
عدم موجودگی میں ہی از خود اس کے کھاتے سے زکوٰۃ کاٹ لی جاتی ہے۔ حالانکہ حضرات
فقہاء نے حضور مالک کو سرکاری وصول کے لئے شرط قرار دیا ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

الحاصل: صحت ادائے زکوٰۃ کے لئے نیت، جو ایک اجماعی شرط تھی اس کو ساقط کرنے کے لئے ایسے خلاف اصول، اختلافی جزئیہ کا سہارا لیا گیا ہے۔ جو زیر بحث
صورت سے غیر متعلق ہونے کے علاوہ اس پر منطبق بھی نہیں۔ خلیفۃً عامل۔ بظاہر ایسی کمزور
بنیاد پر کسی اجماعی شرط کو ساقط کرنا مناسب نہیں تھا۔

تطبیق و احصل: ابتداءً جبری کٹوتی کسی مال سے بھی نہیں ہو سکتی۔ البتہ بصورت امتناع شرعی میں حبس وغیرہ کے ذریعے ادائیگی پر مجبور کیا جائے۔
اگر اس سے بھی مسئلہ حل نہ ہو تو جبری وصولی سے اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ ادا ہو جائے
گی۔ اموال باطنہ کی جبر بھی ادا نہ ہوگی۔ دونوں قسم کے جزئیات میں تطبیق کی یہ ایک صورت
ہے جو اصول کے مطابق ہے۔ آخری صورت میں جبری وصول ایک استثنائی صورت ہے۔

البلاغ کا دعویٰ: مسلسل کلام جاری رکھتے ہوئے البلاغ نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ

"جن اموال کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق حکومت کو ہے ان میں حکومت کی
وصولی کا نیت کے قائم مقام ہونا ائمہ اربعہ کے نزدیک مسلم ہے" الخ

البلاغ کا یہ دعویٰ بھی محل نظر ہے کیونکہ اس عموم کے ساتھ یہ قائم مقامی ائمہ
اربعہ تو کجا کسی امام کے نزدیک بھی مسلم نہیں۔ البلاغ میں اس دعوی قائم مقامی پر کوئی صریح
دلیل پیش نہیں کی گئی۔ اسی سلسلہ میں جو چند عبارات نقل کی گئی ہیں وہ صبی کی زکوٰۃ کے
بارے میں ہیں۔ جیسا کہ خود ان عبارات میں اسکی تصریح موجود ہے۔
پس ان عبارات سے عام حالات کے لئے استدلال کرنا صحیح نہ ہوگا۔ بلکہ انہی میں

بعض عبارات صراحتاً اس امر پر دال ہیں کہ اضطراری استثنائی صورت کے علاوہ باقی تمام صورتوں میں مالک کی نیت کے بغیر زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ جیسے ابن قدامہ میں ہے۔

"ولا یجوز اخراج الزکاۃ الا بنیۃ الا ان یاخذھا الامام قھرا اھ"

گویا کہ نیت کی قائم مقامی صرف جبری وصولی کی استثنائی و اضطراری حالت کے ساتھ خاص ہے اور عام حالات میں خود مالک کی نیت ضروری ہے اور یہ امر کسی اہل علم پر مخفی نہیں کہ استثنائیات سے قواعد مرتب کرنا درست نہیں۔

علاوہ ازیں اس دعویٰ کی تردید ان جزئیات سے بھی ہوتی ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں مثلاً "ولا یجوز اداء الزکوٰۃ الا بنیۃ مقارنۃ الخ" نیز دیکھئے اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ کی وصولی حکومت کا حق ہے۔ لیکن عام حالات کے اندر اس میں نیت مالک کے مفقود ہونے کا کوئی قائل نہیں بلکہ بحالت امتناع بھی نیابتاً کی نیت اکثر تصریحات فقہاء کے خلاف ہے۔ ملاحظہ ہو مسئلہ۔

کیونکہ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ بھی مطلق زکوٰۃ کا فرد ہے۔ اور عبادات مقصودہ میں سے ہے جن کی صحت کے لئے بالاجماع مکلف کی نیت شرط ہے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ ائمہ مجتہدین میں سے کسی نے اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ کو ٹیکس قرار دیا ہو۔ اضطراری و استثنائی حالت زیر بحث نہیں۔

وصولیٔ زکوٰۃ کے موجودہ سرکاری نظام میں ایک بنیادی خرابی یہ بھی ہے کہ مالکان کی غیر موجودگی میں کھاتے سے بنام زکوٰۃ رقم کاٹ لی جاتی ہے۔ حالانکہ حضرات ائمہ و فقہاء نے اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ کی سرکاری وصولی کے لئے بغرض تحقیق نیت حضور مالک کو شرط قرار دیا ہے مالک کی عدم موجودگی میں بنام زکوٰۃ اگر مال ظاہر کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا گیا تو شرعاً یہ زکوٰۃ متصور نہ ہوگی جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مال ظاہر میں بھی سرکاری وصولی علی الاطلاق نیت مالک کے قائم مقام نہیں مثلاً ساعی مالک کی عدم موجودگی میں ریوڑ سے بنام زکوٰۃ بکری پکڑ

واضح رہے کہ بحالت امتناع حکومت مالکان سے جبراً زکوٰۃ وصول کرتی ہے و عند تحقق امتناع حکومت کو جبر کے اختیارات ہیں۔ اب وصول شدہ مال بعینہ دینی الامر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں ائمہ اربعہ کے مذاہب میں اس کے متعلق اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ زکوٰۃ نہیں ہوتی اگرچہ دوسرا قول اس کے خلاف بھی موجود ہے۔

لائے یا عرض سے غلہ اُٹھا لائے ۔۔۔ تو یہ زکوٰۃ نہیں کچھ اور سمجھے گا۔

وصولیٔ زکوٰۃ سے متعلقہ تمام احادیث و آثار میں یہ امر قدرِ مشترک کے طور پر موجود ہے کہ حضراتِ خلفائے راشدینؓ وغیرہ نے مالک کی موجودگی میں زکوٰۃ وصول کی ہے۔ کبھی ایک حدیث یا اثر سے بھی ثابت نہیں کہ سرکاری محصل مالک کی عدم موجودگی میں بنام زکوٰۃ کسی کا مال اُٹھا لایا ہو۔ حضراتِ فقہاء کرام نے اس کے متعلق واضح تصریحات موجود ہیں سرکاری وصولی کے لئے شرائط کا ذکر کرتے ہوئے امام ابوبکر کاسانی فرماتے ہیں:

"ومنها ظهور المال وحضور المالك. وهكذا إذا ظهر المال ولم يحضر المالك ولا المأذون من جهة المالك كالمستبضع ونحوه لا يطالب بزكاته"[1]

"وفي الإيضاح يشترط للأخذ حضور المالك والمال جميعاً فلو مر مالك بلا مال لا يأخذ ولو مر مال بلا مالك لم يأخذ أيضاً"[2]

یہی وجہ ہے کہ باوجود کمالِ نصاب، حولانِ حول اور مال ظاہر ہونے کے عاشر، مضارب، مستبضع اور عبد ماذون سے زکوٰۃ نہیں لے گا کیونکہ مالک یا اس کا نائب ادائیگی زکوٰۃ میں موجود نہیں اور زکوٰۃ کا شرعاً زکوٰۃ بننا مالک کی نیت پر موقوف ہے۔ جو اندریں صورت مفقود ہے۔ ہدایہ وغیرہ تمام کتب معتبرہ میں یہ مسائل موجود ہیں۔

ولا يؤخذ أيضاً من مال في بيته مطلقاً ولا من مال بضاعة ولا من مال مضاربة ولا من كسب مأذون مديون[3]

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ البلاغ کا ذکر کردہ کلیہ: "جن اموال کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق حکومت کو ہے" الخ

دلائل کی روشنی میں ثابت نہیں بلکہ خلافِ دلیل ہے۔

نیت کے سلسلے میں آخری بات البلاغ نے یہ لکھی ہے کہ:

اگر کوئی فضولی کسی کے مال سے زکوٰۃ ادا کر دے تو جب تک مالک خبر پا کر اس کو وکیل نہ کرے

---

[1] بدائع ج۲ ص۶ [2] شامیہ ص۳۵ ۔ [3] تنویر مع شرحہ علی هامش ردالمحتار ج۲ ص۴۳ مصری جدید

قبضے میں ہو اُس وقت تک اصل مالک زکوٰۃ کی نیت کر کے اس کی اجازت دے سکتا ہے۔ اسکی تصریح فقہاء حنفیہ کے کلام میں موجود ہے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

رجل ادّی زکاۃ غیرہ عن مال ذلک الغیر المالک، فان کان المال قائمًا فی ید الفقیر جاز والا فلا کذا فی السراجیہ۔

گزارش یہ ہے کہ جزئیہ بالا اس صورت کے بارے میں ہے جبکہ فضولی نے اصل مالک کے مال سے زکوٰۃ ادا کی ہو۔ اور اگر فضولی نے دوسرے کی زکوٰۃ اپنے مال سے ادا کی ہے۔ تو صحتِ زکوٰۃ کے لئے پیشگی اجازت ضروری ہے۔ فقیر کو دینے کے بعد اصل مزکی کی نیت معتبر نہیں ہے۔ البحرالرائق میں ہے۔

ولو ادّی زکوٰۃ غیرہ بغیر امرہ فبلغہ فاجاز لم یجز لانہا وجدت نفاذًا علی المتصدق لانہا ملکہ ولم یصر نائبا عن غیرہ فنفذت علیہ

اور بینک سے کٹوتی زکوٰۃ دوسری صورت میں داخل ہے۔ کیونکہ یہ مال بینک کا مملوک ہے۔ بینک کھاتہ دار کی زکوٰۃ اپنے مال سے ادا کر کے اس کے نام ڈال دیتا ہے تقدیری قبضے کی مفصل تردید پہلے گزر چکی ہے۔

مالِ ضمار کی تحقیق

تمہید

دستور آرڈیننس کے نفاذ کے بعد علمی حلقوں میں اس کے بعض حصوں پر اشکالات پیدا ہوگئے تھے خصوصاً اموالِ ظاہرہ و باطنہ کی بحث، قرض سے وضع زکوٰۃ کا مسئلہ، حکومت زکوٰۃ کے لئے نیت مالک کا ضروری ہونا، وغیرہ ـــــ اسی سلسلہ میں ایک اہم مسئلہ "مالِ ضمار" اور "دین ظنون" کی تحقیق کا بھی ہے اسی مسئلہ کے متعلق ملک کی ایک نامور علمی شخصیت کی طرف سے ایک علمی تحریر موصول ہوئی جس کا اکثر حصہ بندہ کے نزدیک محلِ نظر تھا اور مسائل زکوٰۃ پر چونکہ یہ مسئلہ اثرانداز ہوسکتا تھا اس لئے "مالِ ضمار" اور "دین ظنون" کی تحقیق افادۂ عام کے لئے پیشِ خدمت ہے۔

قرضہ جات کی زکوٰۃ

قابلِ وصولی قرضہ جات کی ادائیگی زکوٰۃ کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ سالِ زکوٰۃ پورا ہونے پر اپنے دوسرے اموالِ زکوٰۃ کے ساتھ ان قرضوں کو بھی شمار کرلیا جائے اور پھر اپنے ذمہ واجب الادا قرضہ جات کو منہا کرکے باقیماندہ مالِ زکوٰۃ کی ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کردیا جائے۔

۲۔ اور اگر کوئی شخص اپنے قابلِ وصول قرضہ جات کی زکوٰۃ، وصولی کے بعد ہی ادا کرے۔ تو یہ بھی جائز ہے۔ کیونکہ وجوبِ ادا، وصولی کے بعد ہی ہوتا ہے۔

۳۔ اور اگر کسی قرضے یا مال کی بازیابی سے قریب قریب مایوسی ہے۔ تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ ایسا مال وصول بھی ہوجائے تو بھی گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ لازم نہیں۔ شریعت میں اسے مالِ ضمار کہا جاتا ہے۔

مال ضمار کی پہلی تعریف

حضرات ائمہؒ نے مال ضمار کی متعدد تعریفات کی ہیں۔

ان المال الضمار هو الغائب الذی لا یرجی فاذا رجی فلیس بضمار۔

(لسان العرب ص۴۹۲ ج ۴ نہایہ فی غریب الحدیث ص۹۹ ج ۳)

ترجمہ: مال ضمار وہ مال غائب ہے جس کی امید نہ ہو پس جس مال کی امید ہو وہ مال ضمار نہیں۔ عرف محاورات اور دلائل شرعیہ کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ تعریف ضمار کے مندرجہ بالا دونوں جملوں میں لفظ "امید" سے مراد" ذرا سی امید" نہیں بلکہ امید کا معتدبہ درجہ مراد ہے پس ضمار وہ مال غائب ہے جس کی بازیابی کی معتدبہ امید باقی نہ رہی ہو ——— اور اگر بالکل مایوسی ہو گئی ہو تو ایسا مال بطریق اولیٰ ضمار ہو گا۔

اسی طرح جس مال کی بازیابی کی معتدبہ یا مکمل امید ہے وہ مال ضمار نہیں ——— پس ذرا سی امید بازیابی سے کوئی مال "ضمار" ہونے سے خارج نہ ہو گا جبکہ مایوسی و ناامیدی کا پہلو غالب ہو ——— اعتبار "ظن غالب" کا ہے اور اس کے مقابلے میں موہوم و مرجوح پہلو کو کالعدم تصور کیا جائے گا۔ ضمار بننے نہ بننے کا مدار اس پر نہیں۔

عرف عام اور احکام شرعیہ میں اس کے بہت سے نظائر ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:

اولٰئك يرجون رحمت الله (البقرۃ) اس آیت شریفہ میں رحمت خداوندی کی ذرا سی امید مراد نہیں بلکہ اس کا ایسا درجہ مراد ہے جو ہجرت و جہاد کے لئے محرک بنا۔

۲۔ باب التیمم میں ہے ولیتعجب لعادم الماء وهو یرجوه ان یؤخر الصلوٰۃ هدایہ ص۳۱ ج ۱

اس جملہ میں پانی ملنے کی ذرا سی امید مراد نہیں بلکہ امید قوی مراد ہے۔

درمختار میں ہے ندب لراجیه رجاء قویا اه قال الشامی اشاربه غلبة الظن ومثله الیقین ص۲۴۹ ج ۱ اسی باب میں ہے خاف ان استعمل الماء اشتد مرضه تیمم پانی استعمال کرنے سے اگر زیادتی مرض کا خوف ہو تو تیمم کر لے ——— اس میں بھی زیادتی مرض کا ذرا سا اندیشہ و خوف مراد نہیں کہ ذرا سا اندیشہ بھی ہو تو تیمم کر لے بلکہ اس کا غلبہ ظن مراد ہے۔ درمختار ص

۳۔ صلوٰۃ مریض میں حضرات فقہاءؒ لکھتے ہیں اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے زیادتی مرض کا خوف ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھ لے یہ مریض ہے اور اگر یہ خوف نہیں تو مریض نہیں۔

ان دونوں جملوں میں ذرا سا خوف مراد نہیں، بلکہ معتدبہ خوف مراد ہے جو غلبہ ظن سے ثابت

ذی لا یرجی عودہ فی الغالب (ص ...)

اہلِ علم پر مخفی نہیں کہ فتاویٰ عالمگیری — سینکڑوں علماء کی اجتماعی کاوشوں کا ثمرہ ہے، لہٰذا اس تعریف کو اجماعِ امت کے خلاف نہیں قرار دیا جاسکتا۔

پس ان دلائل کی روشنی میں محقق ہوا — کہ مالِ ضمار کی اوّل الذکر عربی تعریف کا یہ ترجمہ کرنا محض تساہل ہے کہ:

تحریرِ علمی کے مطابق ضمار کی تعریف

"مالِ ضمار وہ ہے جس کی وصولی سے بالکل مایوسی ہو گئی ہو — اور اگر اس کے وصول ہونے کی ظاہر الاسباب میں ذرا بھی امید ہو تو وہ ضمار نہیں" (تحریرِ علمی) یا یہ کہنا کہ جس کی وصولی سے مایوسی ہو چکی ہو اور اس کے وصول ہونے کی کوئی امید باقی نہ رہی ہو (ص ...)

صریح تسامح و تساہل ہے — اور مالِ ضمار کی اپنی اس تعریف کو بلا کسی ادنیٰ شک کے ثابت کرنا اہلِ تحقیق کی شان کے خلاف ہے۔

الحاصل مالِ ضمار کی تعریف یہ ہے کہ جس کی عدم وصولیابی کا ظن غالب ہو — اور دینِ ظنون کی بھی تقریباً یہی ہے کہ اسکی وصولیابی کا بھروسہ نہ ہو گویا دائن اسکی وصولیابی سے مایوس ہے۔ کما سیأتی مفصلاً

دوسری تعریف

علامہ کاسانی فرماتے ہیں: "وتفسیر مال الضمار ھو کل مال غیر مقدور الانتفاع به مع قیام اصل الملك" (بدائع الصنائع) ترجمہ: مالِ ضمار ہر وہ مال ہے جس سے باوجود قیامِ ملک کے اس سے انتفاع پر قدرت نہ ہو۔

شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

معناہ مال یتعذر الوصول الیه مع قیام الملك (مبسوط ص ۱۷۱ ج ۲)

علامہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں:

وھو فی اللغة الغائب الذی لا یرجی فاذا رجی فلیس بضمار واصله الاضمار وھو التغییب والاخفاء ...... وفی الشرع کل مال غیر مقدور الانتفاع به مع قیام اصل الملك

(البحر الرائق ص ۲۰۳ ج ۲)

اس کے علاوہ درمختار ص ۹ ج ۲، عنایہ ص ۱۲۱ ج ۲، کفایہ ص ۱۲۲ ج ۲، عمدۃ الرعایہ ص ۲۰۰ ج ۱ میں بھی مالِ ضمار کی یہی تعریف کی گئی ہے۔

مال ضمار کی اس تعریف میں بالکل نا امیدی ، مکمل مایوسی وغیرہ کا کوئی لفظ موجود نہیں بہت سے حضرات نے اس تعریف کو بلفظ قیل نقل کیا ہے علامہ عینی فرماتے ہیں ، المال الضمار بالكسر هو مال غائب لا يرجى حصوله فان رجي فليس بضمار ...... وقيل هو ما يكون عينه قائماً ولا يكون منتفعاً به مأخوذ من قولهم بعير ضامر وهو الذي يكون فيه اصل الحياة ولا ينتفع به لشدة هزاله

(كذا في البناية ص ۴۴)

تیسری تعریف | حافظ المغرب علامہ ابن عبد البر مالکی رحمہ اللہ نے مال ضمار کی تعریف ذیل نقل کی ہے ۔

وفي ذهب اشهب انه كان ضماراً لعله لا يقدر على اخذه وقال ابن عبد البر

وقيل الضمار الذي لا يدري صاحبه أيخرج له ام لا وهو الاصح (ص ۲۴۲)

مال ضمار وہ ہے کہ جس کے مالک کو معلوم نہ ہو کہ اس کی وصولی ہو سکے گی یا نہیں ، یہی زیادہ صحیح ہے ۔ اس تعریف کا حاصل یہ ہے کہ مالک اس کی وصولی سے تقریباً نا امید ہے جیسے کہ امام ابو عبیدؒ کی آئندہ تشریح سے ظاہر ہے ۔

واضح رہے کہ مولف نے تقریباً انہی الفاظ سے دین ظنون کی بھی تعریف کی ہے امام ابو عبیدؒ کے الفاظ یہ ہیں الظنون الذي لا يدري صاحبه أيقضيه الذي عليه الدين ام لا كأنه الذي لا يرجوه :

(غریب الحدیث ص ۲۵)

حافظ ابن عبد البر مالکیؒ اور امام ابو عبیدؒ کی ان تعریفات سے ایک بات تو یہ سامنے آئی کہ مال ضمار اور دین ظنون دونوں اموال ایک ہی نوعیت کے ہیں ان میں تباین نہیں کیونکہ دونوں کی تعریف میں یکسانیت پائی جاتی ہے ۔ ____ دوسرے یہ کہ امام ابو عبیدؒ کی تعریف کے آخری جملے سے اس تیسری تعریف کے معنی کی وضاحت ہو گئی کہ ضمار ایسا مال ہوتا ہے جس کے متعلق مالک

له أیخرج ام لا کی تعبیر سے بعض حضرات کو شبہ ہوا کہ اس کا مطلب ہے کہ امید و عدم امید دونوں مساوی ہیں یہ درست نہیں اور محاورات میں قلت تدبر کا نتیجہ ہے آپ کسی سے پوچھیں کیا زید حافظ ہے وہ جواب دے کہ معلوم نہیں کہ وہ حافظ ہے یا نہیں تو کیا اس کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ آدھے قرآن کا حافظ ہے آدھے کا نہیں قطعاً نہیں ، بلکہ اس کا مطلب عدم علم ہوتا ہے ۔ اس سلسلے میں ہم مفصل کلام آئندہ مجلس ہی میں کریں گے ۔

نہیں جانتا کہ وصول ہوگا یا نہیں گویا کہ وہ اس کی وصولی سے مایوس ہے۔

امام ابو عبید کی تشریح کی روشنی میں مال ضمار کی اس تعریف کا معنی بھی تقریباً اول والذکر تعریفات کے مطابق ہو گیا ——— حاصل یہ ہوا کہ مکمل مایوسی ہو۔ یا مایوسی کی حالت ہو۔ دونوں صورتوں میں مال ضمار ہوگا۔

بعض حضرات نے ابن عبد البر کی اس تعریف پر اعتراض کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے اگر اس تعریف درست قرار دیا جائے تو جمہور فقہاء و ائمہ لغت بلکہ امت کے تمام علماء کے اقوال کو ترک کرنا پڑے گا۔ (صفحہ تحریر علمی) ——— گویا کہ یہ تعریف اجماع امت کے خلاف ہے۔

مگر حضرت مولانا کے مضمون میں اپنے دعویٰ پر کسی عالم کے قول سے کوئی سند پیش نہیں کی جس نے اس تعریف کو خلاف اجماع قرار دیا ہو۔

یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آئی کہ علامہ ابن عبد البر مالکیؒ، علامہ زرقانیؒ، حضرت شیخ الحدیث رحمہم اللہ اجمعین، جو اپنے اپنے دور میں صف اول کے علماء محققین میں سے ہیں انہیں علماء امت کی فہرست سے کیسے خارج سمجھ لیا گیا۔

علامہ زرقانیؒ اور حضرت شیخ الحدیث دونوں نے شرح مؤطا میں زیر بحث تعریف کو بلا کسی نکیر کے نقل کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ ابن عبد البر کی بیان کردہ یہ تعریف درست ہے اور دیگر ائمہ لغت و حدیث کی بیان کردہ تعریفات کے مخالف نہیں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

دراصل جناب موصوف کو مال ضمار کی پہلی اور تیسری تعریف کا مطلب سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ ان کے نزدیک پہلی تعریف کے مطابق مال ضمار وہ ہے جس کی وصولیابی کی بالکل ذرا بھی امید نہ ہو اور تعریف ثالث کا معنیٰ ان کے نزدیک یہ ہے جس میں وصولی و عدم وصولی کے دونوں احتمال برابر ہوں یعنی کم از کم وصولی کی پچاس فیصد امید ہو۔

اور ظاہر ہے کہ مال ضمار کے متعلق ان دونوں توجیہات میں واضح تضاد پایا جاتا ہے اسی لئے تعریف ثالث کو خلاف اجماع قرار دے رہے ہیں ——— حالانکہ نہ پہلی تعریف کا یہ مطلب بیان کرنا درست ہے نہ

تیسری کا جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔

ایک اشکال

اس تعریف ثالث پر مولانا نے یہ اشکال کیا ہے۔ اگر ایک اجنبی معسر مجھ سے قرض مانگتا ہے جس کے بارے میں مجھے اندازہ نہیں کہ وہ ادا کرے گا یا نہیں ——— ؟ کیا اس پر حافظ ابن عبد البرؒ کی یہ تعریف صادق نہیں لیکن کیا اسے مال ضمار قرار دے کر اس پر عدم وجوب زکوٰۃ کا حکم لگایا جا سکتا ہے ظاہر ہے کہ نہیں کیونکہ معسر اور مماطل پر جو دین ہو اس پر وجوب زکوٰۃ حنفیہ کے نزدیک مسلم ہے۔

گزارش ہے کہ اس تعریف کا اس پر صادق ہونا نہ ہونا بعد کی بات ہے۔ پہلے یہ سوچنا ہے کہ ایک اجنبی معسر جس سے وصولیابی کا یقین و بھروسہ تو کیا اندازہ بھی نہیں۔ ایسے اجنبی کو کوئی شخص قرض دیتا کب ہے؟ خیرات کر کے حصول ثواب مقصود ہو تو دوسری بات ہے۔ ورنہ قرض تو ہمیشہ اعتماد ہی کی جگہ پر دیا جاتا ہے جہاں سے وصولی کی امید ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ امید غلط نکلے جہاں پر وصول مشکوک یا ناامیدی ہو وہاں کوئی قرض نہیں دیتا۔ لہٰذا ابن عبد البرؒ کی یہ تعریف اس پر صادق نہیں۔ اسلئے یہ مال ضمار میں داخل نہیں۔ الحاصل بمعنی کے لحاظ سے تعریف ثالث تعریف اوّل کے موافق ہے۔ ان میں کوئی واضح تعارض موجود نہیں پس اسے خلاف اجماع امت قرار دینا درست نہیں۔

باقی اگر لفظ "رجاء" کی نفی پر مدار ہے تو یہ لفظ تعریف ثانی میں بھی موجود نہیں جس کا حضرت جمہورؒ کی تعریفات کے موافق ہونا محترم مولانا کے نزدیک مسلّم ہے۔ نیز غیر مقدور الانتفاع ہونا غیر مرجو الوصول ہونے کو مستلزم بھی نہیں۔

اصح

تعریف اول و ثانی میں سے علماء نے کسی کو اصح نہیں کہا۔ اور تعریف ثالث کے متعلق حافظ ابن عبد البرؒ نے اصح ہونے کی تصریح کی ہے ——— تعجب ہے کہ موصوف اسی تعریف کو محض اپنے خیال سے اجماع امت کے خلاف قرار دے رہے ہیں۔

چوتھی تعریف

امام فراءؒ نے ضمار کی یہ تعریف فرمائی ہے۔

الضمار من الدین ... ما کان بلا اجل معلوم (لسان العرب ۴۹۲)

ترجمہ: ضمار وہ دین ہے جس کی اجل معلوم نہ ہو۔

ضمار کی اس تعریف سے بھی ہمارے بیان کردہ معنی کی تائید ہوتی ہے کیونکہ کسی دین میں اجل کا

معلوم نہ ہونا اسکی وصولی سے "بالکل مایوسی" کے مترادف نہیں ۔

مالِ ضمار کی پانچویں تعریف

علامہ ابن منظور نے ضمار کی ایک یہ تعریف بھی نقل کی ہے ۔

"الضمار ما لا يرجى من الدين والوعد وكل ما لا تكون منه على ثقة" (لسان العرب ص۴۹۳)

ترجمہ: ضمار وہ دین یا وعدہ ہے جو غیر مرجو الوصول ہو اور ہر وہ چیز جسکی وصولیابی کا تجھے بھروسہ نہ ہو۔
اس تعریف سے معلوم ہوا جیسے غیر مرجو الوصول دین "ضمار" ہے اسی طرح وہ بھی ضمار ہے جسکی وصولی کا بھروسہ نہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ وصولی کا بھروسہ نہ ہونا "مکمل مایوسی" یا امید کے بالکلیہ انقطاع پر دلالت نہیں کرتا۔ جیسا کہ "دین مظنون" کی تشریح میں خود مولانا صاحب نے بھی تحریر فرمایا ہے کہ:

"امید ہے لیکن بھروسہ نہیں" (تحریر علمی ص...)

الحاصل: ضمار بننے کے لئے ابتدا ہی سے "بالکل مایوسی" یا "ذرا بھی امید" کا نہ ہونا ضروری نہیں

متفق و متحد ہیں تحقیق بالا کے مطابق مالِ ضمار کی مذکورہ بالا تعریفات میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ یہ سب تعریفات معنوی لحاظ سے متفق اور متحد ہو جاتی ہیں جبکہ "تحریر علمی" میں بیان کردہ تعریف ضمار ان تعریفات کے خلاف ہے ۔

واضح فیصلہ دین کی دو صورتوں کا حکم تو متفق علیہ ہے ۔

۱۔ وصولی دین کی اگر سو فیصد امید ہے تو یہ بلاشبہ دین قوی ہے اسپر وصولی کے بعد گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب الادا ہے ۔

۲۔ ابتدا ہی سے اگر سو فیصد ناامیدی ہے تو یقیناً مالِ ضمار ہے۔ وصولی کے بعد گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب الادا نہیں۔ اب ان کے علاوہ باقی دو صورتوں کا حکم قابل غور ہے۔ جبکہ اکثر مروج بھی یہی صورتیں ہیں ۔

۳۔ اگر امید وصولی غالب ہے مثلاً نوے یا نوے فیصد امید ہے اور صرف ۱۰، ۵ فیصد ناامیدی

۴۔ ناامیدی غالب ہے صرف ۱۰، ۵ فیصد امید ہے ۔

قابل تحقیق امر یہ ہے کہ یہ مال ضمار میں شامل ہیں یا دین قوی میں ان دو صورتوں کے بارے میں چار احتمال ہیں

۱۔ یہ دونوں صورتیں اول الذکر کی کسی قسم میں داخل نہ ہوں یعنی یہ نہ دین قوی ہوں نہ مال ضمار یہ احتمال باطل ہے اس لئے کہ اس سے ان کے متعلق حکم زکوٰۃ سے جہالت اور اہمال شریعت لازم آتا ہے نیز ارتفاع نقیضین بھی ہے یعنی وجوب زکوٰۃ کی نہ نفی ہے نہ اثبات۔

۲۔ یہ دونوں صورتیں اول الذکر ہر قسم میں شامل ہوں۔ یہ بھی باطل ہے کیونکہ اجتماع نقیضین ہے کہ سنین ماضیہ کی زکوٰۃ واجب بھی ہے اور واجب نہیں بھی

۳۔ مغلوب پہلو کو مدار حکم بناتے ہوئے یہ کہا جائے کہ تیسری صورت "مال ضمار میں" اور چوتھی صورت "دین قوی" میں داخل ہے اس لئے تیسری صورت میں زکوٰۃ ماضی واجب نہیں اور چوتھی صورت میں واجب ہے۔ یہ بھی بدیہی البطلان ہے کیونکہ پچانوے فیصد امید وصولی کے باوجود اگر زکوٰۃ واجب نہیں تو صرف پانچ فیصد امید وصول کی صورت میں زکوٰۃ کیونکر واجب ہو سکتی ہے۔

۴۔ اکثر و غالب پہلو کا اعتبار کرتے ہوئے تیسری صورت کو دین قوی اور چوتھی صورت کو مال ضمار میں شمار کیا جائے۔ دلائل عقلیہ، نقلیہ، شرعیہ، عرفیہ کی روشنی میں یہی احتمال حق ہے۔ پس معلوم ہوا کہ وصولی دین کی ذرا سی امید کا ہونا مال ضمار بننے کے منافی نہیں اور مال ضمار وہ ہے جس کی بازیابی سے مایوسی ہو یا عدم بازیابی کا ظن غالب ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مسک الختام | مسودہ کتابت کے لئے حوالہ کیا جا چکا تھا کہ مال ضمار کی تعریف کے متعلق مجدد الملۃ حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کا، بندہ کی موافقت میں ایک واضح فیصلہ و فتوی دستیاب ہو گیا فللہ الحمد والمنۃ الف الف مرۃ، اس موافقت سے جو مسرت ہوئی ——— جن قرضہ جات میں امید و ناامیدی کی اپیل ہوتی ہے۔ ایسے قرضوں پر وجوب زکوٰۃ اور سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ کے متعلق ایک استفسار کے جواب میں حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

الجواب

"اس میں اقوال مختلف ہیں اور ہر جانب تصحیح بھی کی گئی جس کی تفصیل ردالمحتار ج ۲

ص ۲۱ و ص ۹ و مطبوعہ مصر میں موجود ہے .... بندہ کے نزدیک ان اقوال میں سے قول مختار یہ ہے کہ جس قرض کے وصول ہونے کی امید ضعیف ہو یا بالکل نہ ہو قبل وصول اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور وصول کے بعد جس قدر وصول ہوگا بعد حولان حول آئندہ صرف اسی قدر پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

ومتمسکی فیہ ما فی رد المحتار بعد نقل عبارۃ النہر عن الخانیۃ قولہ قلت وقد قدمنا اول الزکوٰۃ اختلاف التصحیح فیہ ومال الرحمتی الی ھذا وقال بل فی زماننا یقر المدیون بالدین وبملاءتہ ولا یقدر الدائن علی تخلیصہ منہ فھو بمنزلۃ العدم ج ۲ ص ۹۹ وانظر اخسلم (بحکم محرم ۱۳۲۲ھ تتمہ اولیٰ ص ۴۳)

(امداد الفتاویٰ ص ۳۱/۲ ج ۲)

اس فتویٰ سے ظاہر ہے کہ جس قرضہ کی وصولی کی ضعیف امید بھی ہو وہ بھی مال ضمار میں شامل ہے ـــــ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

وصولیٔ زکوٰۃ کے موجودہ نظام میں درج ذیل مفاسد ہیں:

۱۔ موجودہ نظام میں بینک کا ڈپازٹس کو اموال ظاہرہ قرار دے کر حکومت کو جبری وصول کا اختیار دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ اموال باطنہ ہیں۔

۲۔ نیت مالک جو زکوٰۃ اور عبادات کے لئے ایک اجماعی شرط ہے۔ اسے غیر ضروری قرار دے دیا گیا ہے۔

۳۔ موجودہ نظام میں مالک کی غیبوبت ہی میں اس کی زکوٰۃ کاٹ لی جاتی ہے حالانکہ حضرات فقہاء نے سرکاری وصولیٔ زکوٰۃ کے لئے حضور مالک کو شرط قرار دیا ہے (بدائع۔ بحر)

۴۔ بینک کے اموال حکومت کے ذمہ کھاتہ داروں کا قرض ہیں اور دیون میں وجوب ادا بعد القبض ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ۔ امام احمدؒ۔ امام شافعیؒ اور دیگر بڑے علماء اسی کے قائل ہیں۔ جب کھاتہ داروں کی طرف سے وصولی نہ پائی گئی۔ تو وجوب ادا ہی نہ ہوا لہٰذا استحقاق متحقق نہ ہوا۔ اس لئے جبری کٹوتی کی حکومت مجاز نہیں ہے۔

۵۔ مصارف زکوٰۃ میں سخت بے احتیاطی ہو رہی ہے۔ لاکھوں میں ایک ایک فرد کو ہزاروں روپے دیئے جاتے ہیں۔

۶۔ موجودہ نظامِ زکوٰۃ میں ایک بنیادی خرابی یہ ہے کہ اہلِ تشیع اور غالباً احمدیوں کے کھاتوں کو وصولیٔ زکوٰۃ سے الگ رکھا گیا ہے۔ اس طرح تشیع و ارتداد کا دروازہ کھل گیا ہے۔ بعض مسلمان کھاتہ داران شیعیت کا فارم پُر کرکے اپنے کھاتے کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کرا لیتے ہیں۔ اندیشہ ہے کہ آئندہ چل کر یہ خاندان شیعیت اختیار نہ کر لے۔ یہ مسئلہ بھی قابلِ غور ہے کہ اس طرح شیعیت کا فارم پُر کرنے سے وہ شخص کہاں تک مسلمان رہتا ہے۔

۷۔ شیعہ طلباء کو زکوٰۃ فنڈ سے امداد دی جاتی ہے اور وہ طلبہ تحریک نفاذِ فقہ جعفریہ کے دست و بازو بنتے ہیں، اور اہلِ اسلام کے خلاف اپنی منفی سرگرمیاں جاری رکھتے ہوئے اسلام کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس طرح سے زکوٰۃ فنڈ سے جو صرف اہلِ سنت والجماعت کا اسلامی فنڈ ہے اہلِ سنت اور اسلام کے خلاف استعمال ہو رہا ہے۔

۸۔ اس کے علاوہ بھی بعض دیگر معاصر حضرات علماء نے بھی نشاندہی فرمائی ہے۔

موجودہ نظامِ زکوٰۃ باقی رکھا جائے مگر درج ذیل اصلاحات کے بعد

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں:

۱۔ موجودہ وصولیٔ زکوٰۃ کے نظام کو شریعت کے مطابق بنانے کے لئے کیا طریق کار اختیار کیا جانے؟ اور کیا اصلاحات مزید عمل میں لائی جائیں؟ یہ مسئلہ قابلِ غور ہے اور اس سے پہلے اس امر کا فیصلہ ہونا چاہیے کہ سرکاری سطح پر وصولیٔ زکوٰۃ کا موجودہ نظام باقی بھی رہنا چاہیے یا نہیں؟

۲۔ موجودہ نظام کی صورت میں کھاتہ دار مسلمان کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

۳۔ جب وصولیٔ زکوٰۃ کے نظام کو باقی رکھا جائے گا تو اس میں شرعی نقطۂ نگاہ سے چند پیچیدگیاں پیدا ہوں گی جن کا حل ہمیں قرآن و سنت اور فقہ کی روشنی میں مطلوب ہے۔ بینک اکاؤنٹس جب اموالِ باطنہ قرار پائے تو حکومت کو اس سے وصولیٔ زکوٰۃ کا حق کیونکر حاصل ہوگا۔

۴۔ سرکاری سطح پر وصولیٔ زکوٰۃ میں ایک پیچیدگی یہ ہے کہ وجوبِ ادائیگی و وصولیٔ قرضہ کے بعد ہوتا ہے یہی اکثر ائمہ کا مسلک ہے لیکن فرض کیجیے کھاتہ دار بینک سے اپنی رقم وصول

ہی نہیں کرتا تاکہ امتناع کا تحقق نہ ہو اور جبری وصولی نہ کی جا سکے تو اس شخص سے وصولی زکوٰۃ کی کیا صورت ہوگی ؟

الجـــواب :

۱۔ موجودہ وصولیٔ زکوٰۃ کے نظام کو شریعت کے مطابق بنانے کے لئے ہماری رائے یہ ہے کہ نماز کی طرح زکوٰۃ بھی اہم رکن اسلام ہے۔ اسلامی معاشرے میں ان کا قائم کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا اس کے مفاسد کی اصلاح کرتے ہوئے اسکو باقی رکھا جائے۔

۲۔ کھاتہ داران کو چاہیے کہ حکومت کو وصولیٔ زکوٰۃ کیلئے اپنا وکیل بنا دیں یا پھر اپنے اموال کی زکوٰۃ خود ادا کیا کریں۔ کیونکہ ادائیگی فرض کا معاملہ ہے۔ ایسی صورت اختیار کرنی چاہیئے جس سے یقیناً براءتِ ذمہ حاصل ہو جائے۔

۳۔ اسکی صورت یہ ہے کہ توکیل کا فارم کھاتہ دار کے لئے ضروری قرار دیدیا جائے اور تمام بینک اس کے پابند ہوں۔ اسطرح پر حکومت کو وکالۃً وصولیٔ زکوٰۃ کا حق حاصل ہو جائیگا۔ بینک میں کھاتہ کھولنے یا اسے باقی رکھنے کے لئے اداءِ زکوٰۃ کی توکیل لازمی ہو۔ کھاتہ دار منیجر بینک یا صدر کو اس کا وکیل بنائے۔ اداءِ زکوٰۃ میں وکیل اپنا وکیل بھی مقرر کر سکتا ہے۔

توکیل پر چند شبہات

پہلا شبہ: اس توکیل میں جبر ہے حالانکہ شرعاً توکیل میں جبر نہیں ہونا چاہیئے۔

جواب ۱: یہ جبر نہیں اس لئے کہ کھاتہ دار حساب رکھنے یا نہ رکھنے میں مختار ہے۔ وہ اپنے اختیار سے کھاتہ کھول رہا ہے۔

جواب ۲: اگر بالفرض اسے جبر تسلیم بھی کر لیں تو اداءِ زکوٰۃ کے سلسلہ میں فی الجملہ جبر کی گنجائش ہے جیسے ایک شخص زکوٰۃ نہ دے تو حکومت اسے قید کر سکتی ہے اور تعزیر بھی لگا سکتی ہے۔

وفي التفاريق إن وقفت على أهل بلدة لا يؤدون زكوة الأموال الباطنة طالبهم بها وكذا من عرف بذلك ضرب وطولب بالأداء وفي الإشارات إذا امتنع عن أداء الزكوة يحبس حتى يؤدي (كفاية كتاب الزكوة ص ...)

اور ظاہر ہے کہ یہ توکیل اکراہ یا حبس سے بہت اہون ہے۔

دوسرا شبہ: موکل شرعاً جب چاہے توکیل ختم کر سکتا ہے، اس کے بعد حکومت کو وصولی زکوٰۃ کا حق نہ رہے گا۔

جواب: توکیل ختم کرے گا تو کھاتہ بھی ختم ہو جائے گا، اس کے لئے تحریری اطلاع دینا ضروری ہوگا۔ وکذا الموکل غائباً فکتب الیہ کتاب العزل فبلغہ الکتاب وعلم بما فیہ انعزل۔ (ھندیہ ص ۲۹۵ ج ۳)

تیسرا شبہ: کھاتہ دار وکیل کو معزول کر دیتا ہے لیکن رقم وصول نہیں کرتا، تو اس صورت میں عزل کی وجہ سے بینک کو وصولی زکوٰۃ کا حق نہ ہوگا، نہ اس شخص سے قبل از وصول ادائیگی زکوٰۃ کا مطالبہ ہو سکے گا۔

جوابِ شبہ: ① کتاب الوکالۃ سے لزوم وکالت کی صورت تلاش کی جائے گی، مثلاً ہندیہ میں ہے۔

کلما عزلتک فانت وکیلی الخ ص ۲۸۶ ج ۳)

ان الفاظ سے توکیل کرائی جائے تو فی الجملہ مفید لزوم ہوگا۔

جواب: ② اس کے خلاف تعزیری کارروائی کی جائے گی۔ مثلاً جبر بالحبس وغیرہ۔

۳۔ توکیل نامہ میں جب تصریح کر دی جائے گی کہ ہر سال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو پھر جبر کی ضرورت ہی پیش نہ آئے گی یا اور کوئی حل تلاش کر لیا جائے۔

الغرض اشکال الجبر کوئی پر ہے توکیل کے بعد یہ اشکال باقی نہیں رہتا۔

فقط والسلام ، بندہ عبدالستار عفی عنہ

تم بحمد اللہ الجزء الثالث من خیر الفتاوی ویتلوہ الجزء الرابع من
اولہ کتاب الصوم ان شاء اللہ تعالیٰ والحمد للہ اولاً و آخراً
وقد فرغت من تبییضہ وترتیبہ یوم الجمعۃ ۳ رمضان سنہ ۱۴۰۳ھ
وباللہ التوفیق لا الہ غیرہ ولا خیر الا خیرہ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین
العبد الفقیر ابو تراب **محمد انور** عفا اللہ عنہ
مقیم جامعہ خیر المدارس ملتان (پاکستان) ——